تلامذہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ

کا محدثانہ مقام

مؤلفہ

حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی دامت برکاتہم

خانقاہ امدادیہ

مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم الاسلام

057-2311400

تلامذۂ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا محدثانہ مقام

امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، امام محمد بن حسن شیبانی،
امام حسن بن زیاد لولوی، امام زفر بن ہذیل رحمہم اللہ تعالیٰ پر
زبیر علی زئی اور دوسرے غیر مقلدین کی تنقید کا مدلّل جواب

ظہور احمد الحسینی

خانقاہ امدادیہ، مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم الاسلام
محلہ زاہد آباد، حضرو، اٹک، پاکستان
057-2311400,0312-2311400

کتاب کا نام

تلامذۂ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا محدثانہ مقام

مرتبہ

ظہور احمد الحسینی

اشاعت

مئی ۲۰۱۲ء

قیمت	صفحات
	۵۶۸

اہتمام

وی پرنٹ بک پروڈکشن، راولپنڈی

051-5814796, 0300-5192543

ناشر

خانقاہ امدادیہ، مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم اسلام

محلہ زاہد آباد، حضرو، اٹک، پاکستان

057-2311400, 0312-2311400

فہرست

تذکرہ امام ابو یوسفؒ

تذکرہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

تذکرہ امام حسن بن زیاد لولوئیؒ

تذکرہ امام زفر بن ہذیلؒ

ابوالحسن معاویہ سلفی

مقدّمہ

حضرت مولانا نثار احمد الحسینی دامت برکاتہم

الحمد للہ ربّ العالمین، والعاقبۃ لِلْمتقین، والصّلوٰۃ، والسّلام علیٰ سیّدِنا، سیّدِ الانبیاء والمرسلین مولانا محمدٍ وّعلیٰ اٰلہ وأصحابہ وَاَتْبَاعِ مِنْ اُمّتِہٖ أجمعین۔ أمّا بعد:۔

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے بندہ کو دعاء مانگنے کا طریقہ سکھایا، صراطِ مستقیم کے سوال کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی اہمیت بتائی اور پھر۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ، غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ، وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ کی وضاحت کے ساتھ صراطِ مستقیم کی رہنمائی فرمائی۔

صراطِ مستقیم کی نسبت رب تعالیٰ کے انعام یافتہ حضرات کی طرف ہے اس لیے رب تعالیٰ کی طرف سے ہر دور میں ایسے برگزیدہ حضرات اس امت میں رہے ہیں جنہوں نے امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وّسلاماً کی رہنمائی فرمائی اور عملاً صراطِ مستقیم سکھایا۔

حاملینِ صراطِ مستقیم انعام یافتہ حضرات کا زمانہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام ﷺ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے زمانہ مبارکہ اور اس کے بعد کے ادوار سے متصل زمانوں کو خیر القرون یعنی بہترین زمانہ قرار دیا۔

عن عبداللہ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُ اُمَّتِیْ الْقَرْنَ الَّذِیْنَ یَلُوْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل الصحابۃ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ۔[1]

۱۔ ۲/۳۰۹ قدیمی کتب خانہ، کراچی

حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا بہترین زمانہ اُن لوگوں کا ہے جو میرے ساتھ ہیں، پھر اُن لوگوں کا زمانہ جو ان کے ساتھ ہیں، اور پھر اُن لوگوں کا زمانہ جوان (دوسرے زمانہ کے) لوگوں کے ساتھ ہیں۔

شارح صحیح مسلم حضرت امام شرف الدین نووی اس حدیث شریف کی شرح میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَالصَّحِيْحُ أَنَّ قَرْنَهٗ الصحابة وَالثَّانِيُ التَّابِعُوْن وَالثَّالِثُ تَابِعُوْهُمْ۔[1]

صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ صحابہ کرام ؓ کا زمانہ ہے اور دوسرا زمانہ تابعین کا زمانہ ہے اور تیسرا زمانہ تبع تابعین کا زمانہ ہے۔

دورِ نبوی تشریح شریعت کا زمانہ ہے، دورِ صحابہ ؓ تشہیر شریعت کا زمانہ ہے، دورِ تابعین تدوین شریعت کا زمانہ ہے اور دورِ تبع تابعین میں تدوین ماٴخذ شریعت یعنی حدیث رسول ﷺ کی جمع و ترتیب کا کام ہوا اور اس کے بعد ائمہ حدیث مرتبین صحاح ستہ نے انہی خطوط پر اپنے کام کو مزید وسعت دی۔ شریعتِ اسلامیہ میں چونکہ احکام شریعت اوامر و نواہی کی عملی صورت کتابت و ترتیب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لیے ان ادوارِ خیر القرون میں شریعت کے عملی نمونہ سے بات شروع ہو کر کتابت و ترتیب تک پہنچی۔

شریعت اسلامیہ جس کا دوسرا نام فقہ بھی ہے کے مدوّنین، مرتبین اس امت کے بڑے محسنوں میں سے ہیں، جنہوں نے صراط مستقیم یعنی شریعتِ اسلامیہ کو فقہی ترتیب پر جمع فرمایا تا کہ امت کے لیے اس کے افہام و تفہیم میں کوئی مشکل نہ رہے۔

فقہ اسلامی کے ان مرتبین جنہیں فقہاء کہا جاتا ہے ان کا پہلا دورِ تدوین، ائمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ کا دور ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (۱۵۰ھ/۷۶۷ء)

حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ/۷۹۵ء)

[1] شرح نووی علی صحیح مسلم ۲/۳۰۹

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ/۸۱۹ء)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ/۸۵۵ء)

اور ان کے تلامذہ نے شریعتِ اسلامیہ کی تدوین و ترتیب ایسے سہل انداز پر فرمائی کہ آج اسلام بطور دین کے سمجھنے سمجھانے، بطور شریعت اسلامیہ کے عملاً اختیار کرنے اور بطور فقہ اسلامی کے اسے رائج الوقت قانون بنانے میں الحمدللہ کوئی مشکل نہیں۔

دورِ تدوین مسائل شرعیہ میں فقہائے اسلام کی خدمات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمات سب سے نمایاں ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو صحابہ کرام ﷺ سے شرفِ تلمذ کی سعادت اور دوسرے فقہاء سے اوّلیت کا شرف حاصل ہے، نیز آپ شرفِ تابعیت سے مشرّف ہونے کے ساتھ دوسرے ائمہ، فقہ و حدیث کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاذ ہیں اس لیے آپ کی ان دینی خدمات پر امت نے انہیں ''امام اعظم'' کے لقب نوازا ہے۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) لکھتے ہیں:

أنه اوّل من دون علم الشريعة ورتّبها ابوابا ثم تبعهٗ مالك بن انس رحمه الله في ترتيب المؤطا ولم يسبق اباحنيفة رحمه الله احد لان الصحابة رضي الله عنهم والتابعين لم يضعوا في علوم الشريعة ابوابا مبوّبة ولا يضعوا في علوم الشريعة ابوابا مبوّبة ولا كتبا مرتبة وانما كانوا يعتمدون على قوّة حفظهم فلما رأى ابو حنيفة رحمه الله العلم منتشرا وخاف عليه دوّنهٗ فجعلهٗ ابوابا۔[1]

سب سے پہلے انہوں نے علمِ شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اس کی ترتیب دی ہے پھر امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں ان کی پیروی کی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین رحمہ اللہ نے علومِ شریعت میں ابواب اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا، وہ تو صرف اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے، جب امام ابوحنیفہ

1۔ تبییض الصحیفۃ ص ۳۶

رحمہ اللہ نے علوم کو منتشر دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا خوف کیا تو ابواب میں اس کو مدوّن کر دیا۔

فقہائے اسلام محسنین امت ہیں اس لیے ان حضرات کے اس احسانِ عظیم کا حق ہے کہ ان کا ذکر خیر کیا جائے اور امت کو ان عظیم محسنین سے روشناس کرایا جائے۔ تدوین شریعتِ اسلامیہ کے دور کے فقہاء رب تعالیٰ کے انعام یافتہ، مقبول حضرات ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے حضرات کے ذکرِ خیر کو عبادت کا درجہ عطا فرمایا ہے۔

علمِ فقہ

فقہائے اسلام کی خدمات انشاء اللہ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی اور دنیا و آخرت میں رب تعالیٰ کی رضا ان محسنین امت کا انعام ہے۔ علمِ فقہ مسائل شریعتِ اسلامیہ کا عنوان ہے اس لیے اس کی اہمیت پر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کی گواہی اسلام کے دور اوّل سے موجود ہے فقہاء کی فضیلت اور اسلامی معاشرہ کے لیے اس جماعت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

> وما کان المؤمنون لینفروا کآفۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طآئفۃ لیتفقھوا فی الدین۔[1]
>
> اور مسلمانوں کو یہ بھی نہیں چاہیئے کہ سب کے سب گھروں سے نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک مختصر جماعت نکلا کرے تا کہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے رہے۔

علمِ فقہ اور فقہاء کی فضیلت کو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان ﷠ حضور انور ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔[2]
>
> اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

۱۔ پارہ نمبر ۱۱، سورہ توبہ، آیت نمبر ۱۲۲

۲۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، دارمی

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی تشریح میں مشہور شارح حدیث حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ/۱۴۴۹ء) لکھتے ہیں:

وَفِیْ ذَالِكَ بَیَانٌ ظَاهِرٌ لِفَضْلِ الْعُلَمَاءِ عَلٰی سَائِرِ النَّاسِ وَلِفَضْلِ التَّفَقُّهِ فِی الدِّیْنِ عَلٰی سَائِرِ الْعُلُوْمِ۔[۱]

اس حدیث میں تمام لوگوں پر علماء (فقہاء) کی فضیلت اور تمام علوم پر علم فقہ کی برتری کا وضاحت کے ساتھ بیان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقہ کی فضیلت میں فرماتے ہیں:

أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الْفِقْهُ فِی الدِّیْنِ۔[۲]

دینی سمجھ (علم فقہ) افضل عبادت ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کو لکھا:

أَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اٰمُرُکُمْ بِمَا اَمَرَکُمْ بِهِ الْقُرْاٰنُ وَاَنْهَاکُمْ عَمَّا نَهَاکُمْ عَنْهُ مُحَمَّدٌ ﷺ بِاتِّفَاقِ الْفِقْهِ وَالسُّنَّةِ وَالتَّفَهُّمِ فِی الْعَرَبِیَّةِ۔[۳]

میں تمہیں اسی بات کا حکم دیتا ہوں جس کا قرآن کریم نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اور اسی چیز سے روکتا ہوں جس سے آنحضرت ﷺ نے روکا ہے اور میں تمہیں فقہ اور سنت کے جوڑنے اور عربیت میں فہم پیدا کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔

صحابہ کرام ﷺ کے تلامذہ حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کو دین سیکھنے کے لیے فقہاء کی تلاش رہتی، فقہاء کی صحبت کو تابعین نے اپنا مقصد حیات بنایا ہوا تھا حضرت عمرو بن میمون الاودی رحمہ اللہ (م ۷۴ھ/۶۹۳ء) علم فقہ میں حضرت معاذ بن جبل ﷺ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں:

فَمَا فَارَقْتُهُ حَتّٰی دَفَنْتُهُ بِالشَّامِ ثُمَّ نَظَرْتُ اِلٰی أَفْقَهِ النَّاسِ بَعْدَهُ فَاَتَیْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ ﷺ فَلَزِمْتُهُ حَتّٰی مَاتَ۔[۴]

۱۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، ۱/۱۳۴
۲۔ عوارف المعارف بہامش احیاء، ۱۰/۲۲۶
۳۔ المصنف لعبد الرزاق، جلد ۱۱، ص ۲۱۳
۴۔ سنن أبی داود جلد ۱، ص ۶۲، مسند امام احمد، جلد ۵، ص ۲۳۱۔

میں آپ (حضرت معاذ بن جبل ﷺ) کے ساتھ عمر بھر لگا رہا کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی میں نے آپ کو شام میں قبر میں اُتارا پھر میں دیکھتا رہا کہ اب آپ کے بعد أفقه النّاسِ (علم فقہ زیادہ جاننے والا) کون ہے؟ پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے پاس آیا اور انہی کے ساتھ لگا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

تابعین کے ہاں فقہاء کی قدرومنزلت کا اندازہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کے شاگرد خاص حضرت ابوتیمہ رحمہ اللہ (م ۹۷ھ/۷۱۵ء) کے اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے فرماتے ہیں:

میں شام آیا تو لوگوں کو ایک شخص کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے دیکھا لوگوں سے پوچھا یہ شخص کون ہے جس کے گرد لوگ یوں گھیرا ڈالے ہوئے ہیں تو لوگوں نے بتایا۔

هٰذَا أَفْقَهُ مَنْ بَقِیَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے باقی رہ جانے والے صحابی میں یہ سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔

فقہ اور حدیث

حدیث رسول ﷺ کے فرامین عالیہ کا نام ہے جو رحمت الٰہیہ کا موجزن سمندر ہے اور فقہ عقل وفہم کی ایسی صلاحیتوں کو کہتے ہیں جو رحمتِ الٰہیہ کے اس موجزن سمندر کی تہہ سے موتیوں کو ڈھونڈتی ہے۔ عقل وفہم کی ان صلاحیتوں کے حامل فقہاء نے حدیث کے ان موتیوں یعنی مسائل شرعیہ کو ایسے خوبصورت شاہ پاروں میں ترتیب سے پرویا ہے کہ امت نے ان فقہاء کی کاریگری پر اعتماد کرتے ہوئے ان خوبصورت شاہ پاروں کو اپنے گلے کا ہار بنالیا، فقہاء پر اس اعتماد کا نام ''تقلید'' ہے۔ اس لیے کہ ''قلادہ'' ہار کو بھی کہا جاتا ہے اور ''تقلید'' کا معنی ہار پہننا ہے۔

حدیث، فقہ اور تقلید کے اس مفہوم سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان تینوں میں کوئی تضاد نہیں ایک ہی ہیرے کی خوبصورتی کے الگ الگ عنوان ہیں۔ حدیث مسائل فقہ کا ایک بڑا ماخذ ہے۔

فقہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے جمع کردہ مسائل شرعیہ کا مجموعہ ہے۔ مشہور

[1] اعلام الموقعین ۱/۱۶۔

غیر مقلد عالم مولانا محمد اسمٰعیل سلفی مرحوم (م ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) لکھتے ہیں:

ائمہ سنت کے نزدیک بنیادی امور چار ہیں۔ تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے قرآن، سنت، اجماعِ امت اور قیاس ان میں بھی اصل قرآن وسنت ہے۔ اجماع اور قیاس کا ماٴخذ بھی قرآن وسنت ہے۔ کتاب وسنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ قیاس۔[1]

حدیث بطور ماٴخذ مسائل شرعیہ کی جمع وترتیب کا کام محدثین نے کیا اور احادیث سے مسائل شرعیہ کے اخذ واستنباط اور تدوین کا کام فقہاء نے کیا، اس لیے ایک محدث کے لیے فَقِیْہ ہونا ضروری نہیں کہ اس کا کام مسائل شرعیہ جمع کرنا نہیں ماٴخذ مسائل جمع کرنا ہے۔ جب کہ ایک فَقِیْہ کے لیے محدث ہونا ضروری ہے کہ اصل ماٴخذ یعنی حدیث کے علم کے بغیر وہ کہاں سے مسائل لے گا بلکہ فَقِیْہ حدیث کے ساتھ قرآن مجید، اجماع اور قیاس کا بھی ماہر ہوتا ہے کہ اس نے مسائل شرعیہ کو ان چاروں ماٴخذ سے لینا ہے۔

حدیث اور فقہ میں تضاد بتانے والے یا تو مسائل وماٴخذ کے فرق کو نہیں جانتے اور یا پھر دشمنانِ دین ہیں جو امت کو مسائل وماٴخذ کے ٹکراؤ کا سبق پڑھا کر دونوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ چونکہ اصل دشمنی ماٴخذ یعنی حدیث سے رکھتے ہیں اس لیے حدیث کا دعوی کر کے ''اہلِ حدیث'' کہلاتے ہیں تا کہ ان کی حدیث رسول ﷺ سے دشمنی پر پردہ رہے ورنہ جو آدمی یہ دعوٰی کرتا ہے کہ میں اصل یعنی حدیث کو تو مانتا ہوں مگر فرع یعنی فقہ کو نہیں مانتا وہ دراصل اس اصل ہی کا انکار کر رہا ہے کہ اصل کے بغیر فرع کا وجود کس طرح ممکن ہے۔

حدیث اور فقہ دونوں کی ضرورت پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) نے کلام کرتے ہوئے لکھا:

''پس لازم آمد در تحصیل ایں علم از دو چیز، یکے: ملاحظہ حال رواۃ، دوم: احتیاطِ عظیم در فہم معانی، آں زیرا کہ اگر در امرِ اوّل مساہلہ رود کاذب باصادق ملتبس شود واگر در امر ثانی احتیاط نباشد مراد باغیر مراد مشتبہ گردد وعلیٰ التقدیرین فائدہ کہ ازیں علم

[1] پیش لفظ ''معیار الحق'' ص ا

متوقع است میسّر نگر دو بلکه ضد آن فائده بحصول ان بخامد و موجبِ ضلال واضلال باشد معاذالله من ذالک۔[۱]

علمِ دین کے حصول کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو روات کے حالات جاننا، دوسرے حدیث کے معانی سمجھنے میں بہت زیادہ احتیاط برتنا، یہ دونوں باتیں اس لیے ضروری ہیں کہ اگر پہلی بات میں کچھ کمی ہوئی تو جھوٹی روایات صحیح روایات میں شامل ہو جائیں گی، اور اگر دوسری بات میں احتیاط نہ ہوئی تو اصل مطلب دوسرے غلط مطلب سے گڈمڈ ہو جائے گا۔ پس غلطی لگنے کی ان دونوں صورتوں میں جو فائدہ مقصود ہے وہ حاصل ہونے کی بجائے اس کا الٹ ہو جائے گا اور معاذ اللہ یہ گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا ذریعہ ہو جائے گا۔

فَقِیۡہُ چونکہ اصول اربعہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس اور ان سے اخذ و استنباط کا ماہر ہوتا ہے اس لیے محدث سے اس کا درجہ زیادہ ہے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ/ ۸۵۵ء) فرماتے ہیں:

مَعْرِفَةُ الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ فِيْهِ أَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ حِفْظِهِ۔[۲]

حدیث کی معرفت اور اس میں تفقہ (سمجھ) پیدا کرنا مجھے حدیث کے محض یاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ/ ۸۹۲ء) فرماتے ہیں:

وَكَذَالِكَ قَالَ الْفُقَهَاءُ وَهُمْ أَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيْثِ۔[۳]

اور اس مسئلہ میں فقہاء کی بھی یہی رائے اور فقہاء سب سے زیادہ حدیث کے معانی جاننے والے ہیں۔

مشہور محدث حضرت سلمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ جنہیں محدثین نے الحافظ،

۱۔ عجالہ نافعہ، ص ۴

۲۔ منہاج السنۃ لابن تیمیہ، ۴/ ۱۱۵

۳۔ جامع ترمذی، ۱/ ۱۱۸

الثقہ اور شیخ الاسلام کا خطاب دیا ہے فقہاء کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

یَا مَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ أَنْتُمُ الْأَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ۔[1]

اے فقہاء کی جماعت! تم طبیب ہو اور ہم پنساری ہیں۔

محدثین کے ہاں فقہاء کا یہ مقام ہے کہ جس حدیث کی سند میں فقہاء ہوں وہ واسطوں کے زیادہ ہونے کے باوجود زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ الہمدانی الشافعی رحمہ اللہ (م ۵۸۴ھ/۱۱۸۸ء) جنہیں محدثین نے الحافظ، البارع، امام متقن اور مبرز جیسے القابات سے نوازا ہے لکھتے ہیں:

أَنْ يُكُوْنَ رُوَاةُ الْحَدِيْثَيْنِ مَعَ تَسَاوِيْهِمْ فِي الْحِفْظِ وَالْإِتْقَانِ فُقَهَاءُ عَارِفِيْنَ بِاجْتِنَاءِ الْأَحْكَامِ مِنْ ثَمَرَاتِ الْأَلْفَاظِ فَالْاِسْتِرْوَاحِ اِلَى حَدِيْثِ الْفُقَهَاءِ أَوْلَى۔[2]

دو حدیثوں میں سے ایک حدیث کے راوی دوسری حدیث کے راویوں کے ساتھ حفظ واتقان میں مساوی ہونے کے علاوہ فقہاء ہوں اور الفاظ کے موتیوں سے احکام چننے اور حاصل کرنے کے عارف ہوں تو ان کی حدیث کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم (۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) علم فقہ کی حفظِ حدیث پر فضیلت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الحفظ غیر الملکة العلمیة ومن کان عنایتہ بالحفظ اکثر من عنایتہ الیٰ تحصیل الملکة لایحصل، الیٰ طائل من ملکة التصرّف فی العلم ولذالک تری من حصل الحفظ لایحصل شیئاً من الفن وتجد ملکة، قاصرة فی علمہ إن فارض أو ناضرو من ظنّ أنہ المقصود من الملکة العلمیتہ فقد اخطا وانما المقصود ھو ملکة الاستخراج والاستنباط وسرعة الانتقال من

---

[1] جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/۱۳۱

[2] کتاب الاعتبار، ص ۱۵۔

الدوال إلى المدلولات ومن الالزام إلى الملزوم وبالعكس فان ضمّ إليها ملكة الاستحضار فنعم المطلوب وهذا الايتمّ بمجرد الحفظ۔[1]

حفظ کا درجہ اور ہے اور ملکۂ علمیہ کا مقام اور ہے جس شخص کا اہتمام ملکہ حاصل کرنے کی بجائے حفظ میں زیادہ ہو اس کو تصرف فی العلم کے ملکہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ جو شخص حفظ کو پا لیتا ہے وہ فن کی کوئی چیز حاصل نہیں کر سکتا اور اس کا علمی ملکہ قاصر رہتا ہے جب کہ وہ گفتگو اور مناظرہ کرے اور جس شخص نے یہ گمان کر لیا کہ ملکۂ علمیہ سے صرف حفظ ہی مقصود ہے سو اُس نے بیشک خطا کی کیونکہ مطلوب تو دراصل اخراج اور استنباط اور الفاظ سے معانی کی طرف اور لازم سے ملزوم کی جانب اور بالعکس انتقال کرنے کا ملکہ حاصل کرنا ہے، اور اگر اس کے ساتھ ملکہ حفظ و استحضار بھی حاصل ہو جائے تو پھر نورٌ علیٰ نور ہے مگر یہ ملکہ محض حفظ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

تفقہ فی الدین کی دوسرے علومِ شرعیہ پر فضیلت خود ارشاداتِ رسول اللہ ﷺ میں بھی موجود ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ مَابَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرٰى إِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَاتُمْسِكُ مَاءً وَلَاتُنْبِتُ كَلَأً فَذَالِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَفَعَهُ بِمَابَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَالِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ۔[2]

۱۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ، ص ۸

۲۔ بخاری، ۱/۱۸

اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم اور راہ دے کر بھیجا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے
جو کسی زمین پر برسی۔ اس میں ایسا صاف اور عمدہ قطعہ بھی تھا جس نے بارش
کو اپنے اندر جذب کر لیا اور گھاس اور رنگا رنگ کے پودے اُگائے اور ایسے
پتھریلے قطعے بھی تھے جنہوں نے (اپنے اندر پانی تو جذب نہ کیا تاہم) پانی
کو اپنے اندر روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا انہوں نے
وہاں سے پانی پیا مویشیوں کو بھی دیا اور کھیتوں کو بھی پلایا۔ اور بارش ایسے چٹیل
قطعات پر بھی آئی جو اپنے اندر نہ پانی روک سکیں نہ گھاس اُگا سکیں سو یہ مثال اُس
کی ہے جس کو دین میں مقامِ فقہ ملا اور اُسے اس علم سے نفع پہنچایا جو اللہ تعالیٰ نے
مجھے دے کر مبعوث کیا اس نے سیکھا بھی اور سکھایا بھی اور اس کی بھی یہ مثال ہے
جس نے اُدھر سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جو اللہ تعالیٰ نے
مجھے دے کر بھیجا تھا۔

اس روایت میں علمِ دین کی نسبت سے تین گروہوں کا ذکر فرمایا، ان میں علم سے فائدہ اٹھانے والے دو اور محروم رہ جانے والے ایک گروہ کو عام فہم امثلہ سے بیان فرمایا گیا، علمِ دین کی مثال بارش سے دی گئی، فقہاء کی مثال اس بارش سے سیراب ہونے والی کھیتی سے دی گئی، اور فقہاء کے تفقہ فی الدین یعنی دینی سمجھ بوجھ کی صلاحیتوں کو کھیتی کے پانی جذب کرنے سے سمجھایا گیا اور فقہ کو اس کھیتی کے فصل سے تشبیہ دی گئی اور یہ بتایا گیا کہ ان مسائل فقہ پر یہ فقہاء خود بھی عمل کرتے ہیں اور امت بھی ان کی اس دینی محنت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کھیتی سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ دوسرا گروہ محدثین کا ہے جن کا کام احادیث رسول اللہ ﷺ کو جمع کرنا ہے ان کی مثال بارش کے پانی کے ذخیروں سے دی گئی، کہ احادیث رسول ﷺ سے یہ محدثین خود بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ فقہاء اور محدثین کے یہ دونوں گروہ اپنی دینی خدمات کے اعتبار سے رب تعالیٰ کے مقبول اور محبوب ہیں جب کہ ایک بدقسمت تیسرا گروہ بھی ہے جن کے پاس نہ علم ہوتا ہے کہ خود جان سکیں، یعنی محدث ہوں نہ فقہاء پر اعتماد یعنی ان کی تقلید کرتے ہیں یعنی مقلد ہوں اور نہ خود مسائل کے اخذ و استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی مجتہد ہوں۔ یہ تیسرا گروہ جو اھل علم یعنی نہ محدثین و مجتہدین میں سے ہے اور نہ مقلدین میں سے اسے امت نے ''غیر مقلدین'' کا نام دیا ہے اس کی ہٹ

دھری کی مثال اس حدیث پہ ارشاد فرمائی کہ:

مِثْلُ مَنْ لَمْ یَرْفَعْ بِذَالِكَ رَأْساً وَلَمْ یُقْبَلْ هُدَی اللّٰهِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ۔

اس کی بھی یہ مثال ہے جس نے اُدھر سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا تھا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایسے آدمی کو ہٹ دھرم کی طرح فرمایا گیا تو رب تعالیٰ کے دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا اور اپنے ناقص علم جس کی مثال چٹیل میدان پر بارش سے دی گئی پر اتراتا رہتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس حدیث مبارکہ میں وَلَمْ یُقْبَلْ هُدَا اللّٰهِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ (اس نے اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے) میں علم فقہ کو رسول اللہ ﷺ نے علوم رسالت سے ہونے کا مقام بخشا ہے کہ حدیث میں سیراب ہونے اور فصل اُگانے کی صلاحیتوں والی کھیتی کو مِثْلُ مَنْ فُقِهَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (یہ مثال اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین فقہ یعنی سمجھ رکھتا ہے) فرمایا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے ایک دوسرے لطیف نکتہ کو بھی دیکھئے کہ محروم القسمت اس تیسرے گروہ کی مثال حضور نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی: منها طائفةٌ اُخرٰی اِنَّمَا هِیَ قِیْعَانٌ لَاتُمْسِكُ مَاءً وَلَاتُنْبِتُ كَلَاءً (ان میں ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو کہ محض چٹیل میدان ہے جو نہ پانی روک سکتا ہے (یعنی اسے نہ محدثین کی طرح حدیث پر عبور حاصل ہوتا ہے) اور نہ گھاس اگا سکتا ہے۔ یعنی فقہاء کی طرح مسائل شرعیہ کے اخذ واستنباط اور تدوین کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اب بارش جہاں کھیتوں اور پانی ذخیرہ کرنے والی وادیوں پر برستی ہے وہی چٹیل میدانوں پر بھی برستی ہے مگر ان میدانوں میں جب پانی سے سیراب ہونے یا ذخیرہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو یہ پانی انہیں روک نہیں سکتا، اگر کچھ ہوتا بھی ہے تو محض چند قطرے جو نہ سیراب ہونے کے کام آتے ہیں اور نہ جمع کرنے کے قابل ہوتے ہیں اسی طرح غیر مقلدین کا یہ تیسرا گروہ بھی جس کا ہر اجڈ اور ان پڑھ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتا ہے اور چند روایات کے اردو تراجم کو لیکر ساری امت کے محدثین کو ضعیف اور فقہاء کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہے۔

ایسا ہٹ دھرم ہے کہ لَمْ يَرْفَعْ بِذَالِكَ رَأْسًا گویا اس نے رب تعالیٰ کی اس رحمت، رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے ماہرین محسنین امت کی طرف اس کی کوئی توجہ ہی نہیں۔ اس تیسرے گروہ غیر مقلدین کی یہ ہٹ دھرمی اور تکبر کبھی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ان کے اپنے حضرات بھی اسے دیکھ کر پناہ مانگتے ہیں غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کی رائے ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو بھی سلام کر بیٹھتے ہیں۔[۱]

فقہ کے منکرین دراصل سنتِ رسول ﷺ سے عداوت رکھتے ہیں کہ فقہ حدیث میں تعامل روایات یعنی سنت ہی کا دوسرا نام ہے اس لیے امت نے ہمیشہ اس تیسرے گروہ کو اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہوئے اہل بدعت کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ خوارج، معتزلہ، شیعہ وغیرہ اور عصر حاضر کے غیر مقلدین۔ حضرت امام ابوالحسن منصور بن اسماعیل الشافعی (م ۳۰۶ھ/ ۹۱۸ء) فقہ اور فقہاء عداوت رکھنے والے اس تیسرے گروہ کے متعلق فرماتے ہیں:

عَابَ التَّفَقُّهَ قَوْمٌ لَاعُقُوْلَ لَهُمْ وَمَاعَلَيْهِ إِذَاعَابُوْهُ مِنْ ضَرَرٍ
مَاضَرَّ شَمْسَ الضُّحىٰ وَهِيَ طَالِعَةٌ أَنْ لَّايَرىٰ ضَوْءَ هَامَنْ لَيْسَ ذَابَصَرٍ

طبقاتِ سبکی ۲/ ۳۱۷

یعنی فقہ حاصل کرنے کو ان لوگوں نے معیوب قرار دیا ہے جو عقل سے محروم ہیں اور ایسے لوگوں کے علم فقہ پر عیب لگانے سے کوئی ضرر نہیں ہے۔

اگر کوئی نابینا آفتاب نیمروز کو جو آب و تاب سے طلوع ہو چکا ہو، نہیں دیکھتا تو اس سے آفتاب کی روشنی کو کیا نقصان ہوتا ہے۔

مراکز علم فقہ

تدوین مسائل شرعیہ علم فقہ کا دور حضرات تابعین رحمہم اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام ﷺ جب علم دین کی تشہیر کے لئے دور دراز علاقوں میں پھیل گئے، تو جن جن

۱۔ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ نمبر ۴، ۱۸۸۸ء

علاقوں اور بڑے شہروں میں یہ حضرات ﷺ پہنچے انہوں نے علمی حلقے قائم فرمائے مسلمان دیوانہ وار سنتِ رسول ﷺ سیکھنے کے لئے ان پر ٹوٹ پڑے، کئی حضرات نے صحابہ کرام ﷺ سے علمِ دین سیکھنے کو اپنا مقصدِ حیات بناتے ہوئے زندگیاں ان حضرات ﷺ کی خدمت میں وقف کردیں، اس طرح سلطنتِ اسلامیہ کے یہ علاقے اور بڑے شہر ان صحابہ کرام ﷺ کے علمی حلقوں کی وجہ سے ان کے نام سے مشہور ہوئے مثلاً:

"مدینہ طیبہ" میں حضرت عمر ﷺ، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابی بن کعب ﷺ، حضرت زید بن ثابت ﷺ، اور حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ،

"مکہ مکرمہ" میں: حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ، "کوفہ" میں: حضرت علی ﷺ، حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ۔

حضرات صحابہ کرام ﷺ سے تابعین رحمھم اللہ نے علمِ دین سیکھا اور ان علاقوں میں اپنے اپنے حلقے قائم فرمائے صحابہ کرام ﷺ کے بعد حضرات تابعین رحمھم اللہ کے یہ مراکزِ علم مشہور ہوئے اور یہ حضرات ان علاقوں کی پہچان کہلوائے مثلاً:

"مدینہ طیبہ" میں: امام زین العابدین رحمہ اللہ (٩٤ھ/٧١٢ء)، سعید بن المسیب رحمہ اللہ (٩٤ھ/٧١٢ء)، ابوسلمہ رحمہ اللہ (٩٤ھ/٧١٢ء)، عروہ بن زبیر رحمہ اللہ (٩٤ھ/٧١٢ء)، ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ (٩٤ھ/٧١٢ء)، حسن المثنی رحمہ اللہ (٩٧ھ/٧١٦ء)، خارجہ بن زید رحمہ اللہ (٩٩ھ/٧١٧ء)، سالم بن عبد اللہ رحمہ اللہ (١٠٦ھ/٧٢٤ء)، قاسم بن محمد رحمہ اللہ (١٠٧ھ/٧٢٦ء)، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ (١٠٧ھ/٧٢٦ء)، امام باقر رحمہ اللہ (١١٤ھ/٧٣٣ء)۔

"مکہ مکرمہ" میں: مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ (١٠٣ھ/٧٢١ء)، حضرت عکرمہ رحمہ اللہ (١٠٥ھ/٧٢٣ء)، عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ (١١٤ھ/٧٣٢ء)۔

"کوفہ" میں: علقمہ بن قیس نخعی رحمہ اللہ (٦٣ھ/٦٨٢ء)، مسروق بن اجدع رحمہ اللہ (٦٣ھ/٦٨٢ء)، قاضی شریح بن حارث کندی رحمہ اللہ (٧٨ھ/٦٩٧ء)، اسود بن یزید نخعی رحمہ اللہ (٩٥ھ/٧١٣ء)، امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (٩٦ھ/٧١٤ء)، سعید بن جبیر رحمہ اللہ (٩٥ھ/٧١٤ء)، عامر بن شرجیل شعبی رحمہ اللہ (١٠٦ھ/٧٢٤ء)، حماد بن ابی

سلیمان رحمہ اللہ (۱۲۰ھ/۷۳۷ء)۔

''شام'' میں: عبدالرحمٰن بن غنم رحمہ اللہ (۷۸ھ/۶۹۷ء)، ابوادریس خولانی رحمہ اللہ (۸۰ھ/ ۶۹۹ء)، قبیصہ بن زویب رحمہ اللہ (۸۶ھ/۷۰۵ء)، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (۱۰۱ھ/۷۱۹ء)، امام مکحول رحمہ اللہ (۱۰۱ھ/۷۱۹ء)، رجاء بن حیاۃ الکندی رحمہ اللہ (۱۱۲ھ/۷۳۰ء)۔

''بصرہ'' میں: ابوالعالیہ رفیع بن یران رحمہ اللہ (۹۰ھ/۷۰۸ء)، ابوالشعثاء جابر بن زید رحمہ اللہ (۹۳ھ/۷۱۲ء)، محمد بن سیرین رحمہ اللہ (۱۰۵ھ/۷۲۳ء)، حسن بن ابی الحسن الیسار رحمہ اللہ (۱۱۰ھ/۷۲۸ء)۔

''یمن'' میں: طاوس بن کیسان رحمہ اللہ (۱۰۶ھ/۷۲۴ء)، وھب بن منبہ رحمہ اللہ (۱۱۴ھ/۷۳۲ء)، یحیٰی بن ابی کثیر رحمہ اللہ (۱۲۹ھ/۷۴۶ء)،

''خراسان'' میں: ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ (۱۰۶ھ/۷۲۴ء)۔

''الجزیرہ'' میں: میمون بن میران رحمہ اللہ (۱۱۶ھ/۷۳۴ء)۔

مشہور مراکز فقہ تھے۔ حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء)، لکھتے ہیں:

فَعِنْدَ ذٰلِكَ صَارَ لِكُلِّ عَالِمٍ مِّنْ عُلَمَاءِ التَّابِعِيْنَ مَذْهَبٌ عَلٰى حِيَالِهٖ فَانْتَصَبَ فِيْ كُلِّ بَلَدٍ اِمَامٌ مِثْلُ: سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبْدِاللهِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَبَعْدَهَا الزُّهْرِيِّ وَالْقَاضِيِّ يَحْيىٰ بْنِ سَعِيْدٍ وَرَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَعَطَا بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ بِمَكَّةَ وَاِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ وَالشَّعْبِيِّ بِالْكُوْفَةِ وَحَسَنِ الْبَصْرِيِّ بِالْبَصْرَةِ وَطَاوُسِ بْنِ كَيْسَانِ بِالْيَمَنِ وَمَكْحُوْلِ بِالشَّامِ۔[1]

اس دور علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنے حلقہ میں ایک مذہب قائم ہوگیا۔ ہر شہر میں فقہ کے امام نمایاں ہوئے۔ امام سعید بن المسیب امام سالم مدینہ میں اور

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۴۳

ان کے بعد امام زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن اور امام عطا بن ابی رباح مکہ میں اور امام ابراہیم نخعی اور علامہ شعبی کوفہ میں اور امام حسن بصرہ میں اور طاؤس بن کیسان یمن میں اور امام مکحول شام میں اس امامت پر قائم رہے۔

حضرات فقہاء تابعین رحمہم اللہ کے تلامذہ کے دور میں بھی ان مراکزِ علم وفقہ میں علومِ دینیہ کے تعلیم وتعلم کے یہ حلقے ان علاقوں میں قائم رہے، اور ان حضرات کے مسائل وتحقیقات کو ان علاقوں کے عنوان سے پہچانا جاتا رہا، مثلاً اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل کوفہ، اہل بصرہ وغیرہ، امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع میں ان حضرات کے اقوال کو اکثر شخصیات کے بجائے ان علاقوں سے منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً "وَبِهِ يُفْتِي اَهْلُ الْكُوفَةِ"

ان حضرات تابعین رحمہم اللہ اور ان کے تلامذہ میں ترتیب اصول اور مزاجِ تحقیق کے اعتبار سے فقہاء اربعہ کو شہرت دوام ملی اور رب تعالیٰ کے ہاں ان کی مساعی نے شرفِ قبولیت بخشا اور امت نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے اتباع کو اپنی سعادت سمجھا اور اس اتباع کی علامت تقلید کو اپنے گلے کا ہار بنایا۔

مشہور شارح حدیث اور شوافع کے مشہور امام فقہ وحدیث امام شرف الدین نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) علومِ دینیہ کے حاملین کی باعتبار علم وفضل ترتیب بیان کرتے ہوئے وضاحت فرماتے ہیں کہ علم وفضل کے حاملین ائمہ نے علم وفضل میں اپنے سے برتر ائمہ مجتہدین کی تقلید کی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ يَتَنَاوَلُ (وَفِي نُسْخَةٍ يَتَأَوَّلُ) ذَالِكَ عَلَى الْأَئِمَّةِ الَّذِينَ هُمْ عُلَمَاءُ الدِّينِ وَأَنَّ مِنْ نَصِيحَتِهِمْ قُبُولُ مَارَوَوْهُ وَتَقْلِيدُهُمْ فِي الْأَحْكَامِ وَاحْسَانُ الظَّنِّ بِهِمْ۔[1]

اور کبھی اس (یعنی دین ائمۃ المسلمین کے لئے نصیحت ہے) کا مصداق وہ ائمہ ہوتے ہیں جو دین کے جاننے والے ہیں، اور ان کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو کچھ

۱۔ شرح صحیح مسلم، باب بیان ان الدین النصیحۃ ۱/۵۴

انہوں نے روایت کیا ہو اس کو قبول کیا جائے اور احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے ساتھ حسنِ ظنی کی جائے۔

حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

پس مشابہ بانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام دریں فن مجتہدین مقبولین اند پس ایشاں را از ائمۃ فن باید، شمرد مثل ائمۃ اربعہ......پس گویا مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردیدہ، بناءً علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص وعوام بلقب امام معروف گردیدند وبقوت اجتہاد موصوف۔[1]

پس اس فن میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہوئے ہیں انہیں ائمہ فن میں شمار کرنا چاہیے جیسے کہ چار امام ہوئے......اس فن میں مشابہت تامہ انہی کو نصیب ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عامہ اہل اسلام میں خواص ہوں یا عوام یہ حضرات امام کے لقب سے مشہور ہوئے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مرحوم لکھتے ہیں:

وَأَمَّامَاذَكَرْتُمْ مِنْ حَقِيقَةِ الْاِجْتِهَادِ فَنَحْنُ مُقَلِّدُوْنَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَصَالِحَ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَمَاعَلَيْهِ الْاِعْتِمَادُ مِنْ أَقْوَالِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ وَمَالِكِ بْنِ اَنَسٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ اِدْرِيْسَ وَاَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ۔[2]

آپ نے جو اجتہاد کا ذکر بیان کیا ہے سو معلوم رہے کہ ہم مقلد ہیں کتاب وسنت کے اور سلفِ صالح امت کے اور ائمہ اربعہ کے اقوال کے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے ان کی بات اعتماداً مانی جاتی ہے (یعنی ان سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا) اور وہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس (شافعی) اور امام احمد بن حنبل ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مرحوم دوسری جگہ ائمہ اربعہ کو رسول اللہ ﷺ کا کامل متبع

۱۔ منصب امامت، ص ۵۳ ۲۔ مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب، ۱۱/۹۶

قرار دیتے ہوئے رب تعالیٰ سے دعاء مانگتے ہوئے لکھتے ہیں:

نَشْهَدُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ الشَّافِعُ الْمُشَفَّعُ صَاحِبُ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ نَسْأَلُ اللهَ الْكَرِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يُّشَفِّعَهُ فِيْنَا وَاَنْ يَّحْشُرَنَا تَحْتَ لِوَائِهِ هٰذَا اعْتِقَادُنَا وَهٰذَا الَّذِيْ مَشٰى عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالتَّابِعِيْنَ وَتَابِعِ التَّابِعِيْنَ وَالْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ وَهُمْ أَحَبُّ النَّاسِ لِنَبِيِّهِمْ وَأَعْظَمُهُمْ فِيْ أَتْبَاعِهِ وَشَرْعِهِ۔[1]

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپ صاحب مقامِ محمود ہیں، ہم اللہ کریم جو عرشِ عظیم کا رب ہے سے استدعا کرتے ہیں کہ: وہ حضور ﷺ کو ہمارا شافع ٹھرائے، اور ہمیں آپ کے جھنڈے کے نیچے اٹھائے، یہی ہمارا اعتقاد ہے، اور یہی وہ عقیدہ ہے، جس پر سلف صالحین گزرے ہیں، جو مہاجرین وانصار صحابہ کرام ؓ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ رحمھم اللہ تعالیٰ تھے، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا، یہ حضرات اپنے نبی کی سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور آپ کی اتباع میں اور آپ کی لائن میں سب سے آگے چلنے والے تھے۔

کوفہ مرکز علم و تحقیق

حضرات صحابہ کرام ؓ، تابعین اور تبع تابعین یعنی زمانہ خیر القرون کے ان علمی مراکز میں عراق کے مشہور شہر "کوفہ" کو علماء اور محققین کی وجہ سے شہرت دوام ملی۔ حضرت عمر ؓ کے دورِ خلافت میں جب حضرت سعد بن أبي وقاص ؓ کے ہاتھوں عراق فتح ہوا تو حضرت عمر ؓ نے اسلام کی دعوت وتبلیغ اور نشر واشاعت کے لئے عراق میں ایک مرکزی شہر آباد کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کے لئے ۱۶ھ/ ۶۳۷ء میں "کوفہ" کا شہر آباد کیا گیا "کوفہ" میں علمی ماحول بنانے اور دینی اقدار بحفاظت مسلمانوں میں محفوظ رکھنے کے لئے عرب قبائل کے مشہور فصحاء خاندانوں کو "کوفہ" میں آباد کیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے اہل کوفہ کی علمی سرپرستی اور رہنمائی کے

[1] مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب، ۱۱/ ۴۹

لئے حضرات صحابہ کرام ﷺ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا انتخاب فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ حضرت عمر فاروق ﷺ سے پہلے ایمان لائے ''الاستیعاب فی معرفۃ لاصحاب'' میں ہے کہ حضور انور ﷺ ایک دن باہر تشریف لے گئے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ ''عقبہ'' کی بکریاں چرا رہے تھے آپ ﷺ نے ایک بانجھ بکری کو پکڑا جب اس کے تھنوں پر رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنا دستِ مبارک رکھا تو اس بانجھ بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ ﷺ نے دودھ خود بھی نوش فرمایا، حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ﷺ کو بھی عنایت فرمایا، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا بچپنہ تھا مگر سمجھ دار تھے اس معجزہ کو دیکھ کر اسی وقت ایمان لائے رحمۃ للعالمین ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور فرمایا: ''یَرْحَمُكَ اللهُ فَإِنَّكَ غُلَيِّمٌ مُعَلَّمٌ'' اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو تو تعلیم دیئے والا لڑکا ہے۔ اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کو اپنے پاس رکھ لیا اور ہر وقت بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت عنایت فرمائی اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کو علومِ نبوت منبع علوم ﷺ سے بہت زیادہ قریب سے سیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضور انور ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

اِنِّیْ رَضِیْتُ لِاُمَّتِیْ مَارَضِیَ لَهَا ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ۔

میں اپنی امت کے لئے ہر اُس بات سے خوش ہوں جس پر ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود ﷺ) خوش ہیں۔

ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ غَضًّا كَمَا اُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْ عَلٰى قِرَاْءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔'' (سننِ ابن ماجہ، ص ۱۳)

جو یہ چاہتا ہے کہ وہ قرآن کو اسی طرح درست پڑھے جس طرح قرآن نازل کیا گیا تو اسے چاہیے ابن امّ عبد (عبداللہ بن مسعود ﷺ) کی قراۃ پر قرآن پڑھے۔

حضرت عمر فاروق ﷺ نے جب اہل کوفہ کی علمی سرپرستی کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا انتخاب فرماتے ہوئے انہیں کوفہ بھیجا تو فرمایا: ''وَقَدْ اٰثَرْتُكُمْ بِعَبْدِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِیْ'' میں نے (اہل کوفہ) تمہارے لئے عبداللہ (بن مسعود) کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔

حضرت عمر فاروق ﷛ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کے خدمت کو دیکھتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"کُنَیْفٌ مُلِیءَ فِقْهاً وَفِی رِوَایَةٍ عِلْماً" (عبداللہ بن مسعود ﷛)

فقہ کا بھرا ہوا برتن ہیں اور ایک روایت میں ہے علم کا بھرا ہوا برتن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کوفہ میں اپنے آپ کو علمِ تفسیر، علمِ حدیث اور علمِ فقہ کی درس و تدریس اور نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دیا، حضرت علی ﷛ نے جب مدینہ منورہ کے سیاسی حالات کی وجہ سے عراق میں تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا تو اسلامی سلطنت کے بطور دارالخلافہ "کوفہ" کا انتخاب کیا۔

حضرت علی ﷛ جب "کوفہ" پہنچے تو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ اپنے چار ہزار تلامذہ کے ساتھ حضرت علی ﷛ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آئے ایک میدان میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کی سرپرستی میں طلبہ کا یہ جمِ غفیر دیکھ کر حضرت علی ﷛ نے فرمایا:

ابن مسعود تم نے کوفہ کو علم سے مالا مال کر دیا اور یہ شہر تمہاری وجہ سے علم کا مرکز ہو گیا۔[1]

حضرت علی ﷛ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کو کوفہ کی مسجد میں ہزار ہا تلامذہ میں درس دیتے ہوئے دیکھا چار سو کے قریب تو دواتیں تھیں جن کی سیاہی سے طلبہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کے امالی لکھ رہے تھے یہ منظر دیکھ کو حضرت علی ﷛ نے فرمایا:

لَقَدْ تَرَكَ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ يَعْنِي ابْنُ مَسْعُودٍ هٰؤُلَاءِ سِرَاجُ الْكُوفَةِ۔[2]

ابن ام عبد یعنی ابن مسعود نے ان طلبہ کو کوفہ کا چراغ بنا دیا ہے۔

"کوفہ" میں حضرت علی ﷛ کی تشریف آوری سے کوفہ کی علمی مجالس کی رونق دوبالا ہوگئی۔

حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاِنَّمَا ظَهَرَ عِلْمُ عَلِيٍّ وَفِقْهُهٗ فِي الْكُوفَةِ بِحَسْبِ مَقَامِهٖ فِيْمَا عِنْدَهُمْ مُدَّةَ خِلَافَتِهٖ۔[3]

۱۔ انوار الباری، ۱/۴۷

۲۔ "مناقب ابی حنیفہ للموفق، ۲/۱۴۰

۳۔ منہاج السنۃ، ۴/۱۳۷

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم اور فقہ کوفہ میں ان کی مدت خلافت میں ظاہر ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كَانَ اَغْلَبُ قَضَايَا بِالْكُوفَةِ۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیشتر فیصلے کوفہ ہی میں صادر ہوئے۔

"کوفہ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے پہلے بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوفہ کی مسانید درس وتدریس کو آباد کر رکھا تھا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولما ذهب الى الكوفة كان اهل الكوفة قبل ان ياتيهم قد اخذالدين عن سعد بن ابى وقاص و ابن مسعود و حذيفة و عمار و ابى موسىٰ وغيرهم من ارسله عمر الى الكوفة۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لے گئے تو اس سے پہلے ہی اہل کوفہ کو حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ بھیجا تھا سے علم حاصل کر چکے تھے۔

امام حاکم نیساپوری رحمہ اللہ (م ۴۰۵ھ/۱۰۱۵ء) نے انچاس (۴۹) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ شمار فرمائے جو کوفہ میں دینی خدمات کے لئے تشریف لائے۔[3]

علامہ ابن سعد رحمہ اللہ (م ۲۳۰ھ/۸۴۵ء) بحوالہ ابراہیم نخعیؒ لکھتے ہیں:

هبط الكوفة ثلاثمائة من اصحاب الشجرة و سبعون من اهل بدر۔[4]

تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے اور ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ

۱۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۳۲)

۲۔ منھاج السنۃ، ۴/۱۵۷

۳۔ معرفت علوم الحدیث، ص ۱۹۱

۴۔ طبقات ابن سعد، ۶/۴

میں تشریف فرما ہوئے۔

امام ابو البشر الدولابی رحمہ اللہ (۳۱۰ھ/۹۲۳ء) اپنی سند سے مشہور تابعی حضرت قتادہ رحمہ اللہ (م ۱۱۸ھ/۷۳۶ء) سے روایت کرتے ہیں:

نَزَلَ الْكُوفَةَ الْفًا وَخَمْسُوْنَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ۔[1]

آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہزار اور پچاس اور چوبیس بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد "کوفہ" کی علمی رونقیں بڑھتی رہیں اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۸۳ھ/۷۰۲ء میں جب عبد الرحمٰن بن محمد بن الاشعث رحمہ اللہ نے حجاج بن یوسف الثقفی کے خلاف علمی جہاد بلند کیا تو امام جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَخَرَجَ عَلَيْهِ مَعَ الْقُرَّاءِ أربعة آلافِ رَجُلٍ هُمْ خِيَارُ التَّابِعِيْنَ وَفُقَهَاهُمْ فَقَاتَلُوْا مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْاَشْعَثِ رحمه الله۔[2]

عبد الرحمٰن بن محمد بن الاشعث نے جب قراء کے ساتھ حجاج بن محمد بن یوسف الثقفی کے خلاف جہاد کیا تو چار ہزار جلیل القدر تابعین اور کوفہ کے فقہاء ان کے ساتھ نکلے اور قتال کیا۔

کوفہ کی ان علمی رونقوں کو دیکھتے ہوئے مشہور شارح حدیث اور شوافع کے محقق امام شرف الدین نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) نے فرمایا:

وَهِيَ دَارُ الْفَضْلِ وَمَحَلُّ الْفُضَلَاءِ۔[3]

کوفہ تو مقام فضیلت اور فضلاء کا محل ہے۔

مشہور امام علوم حدیث حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ م ۱۹۸ھ/۸۱۴ء) فرماتے

۱۔ کتاب الکنیٰ والاسماء، ۱/۱۴۷، طبع حیدر آباد دکن

۲۔ احکام القرآن، ۱/۱۰۱

۳۔ شرح صحیح مسلم، ۱/۱۸۵

ہیں:

وَخُذُوالْحَلَالَ وَالْحَرَامَ عَنْ اَهْلِ الْكُوفَةِ۔[1]

حلال وحرام (یعنی علم فقہ) اہل کوفہ سے سیکھو۔

مشہور امام حدیث عفان بن مسلم رحمہ اللہ جنہیں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے الحافظ اور محدث بغداد لکھا ہے علم حدیث کے حصول کے لئے کوفہ تشریف لے گئے اور وہاں کی علمی مجالس دیکھیں تو فرمایا:

فَقَدِمْنَا الْكُوفَةَ فَاَقَمْنَا اَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَلَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَكْتُبَ مِائَةَ اَلْفِ حَدِيْثٍ لَكَتَبْنَاهَا فَمَا كَتَبْنَا اِلَّا قَدْرَ خَمْسِيْنَ اَلْفَ حَدِيْثٍ اِلَى اَنْ قَالَ وَمَا رَأَيْنَا بِالْكُوفَةِ لَحَّانًا مُجَوَّزًا۔[2]

ہم کوفہ پہنچے اور چار ماہ وہاں قیام کیا۔ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ حدیث لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں ہی لکھیں (پھر فرمایا) ہم نے کوفہ میں عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اس کو صحیح سمجھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ (م ۲۵۶ھ/ ۸۷۰ء) تو حدیث رسول ﷺ کی طلب میں بارہا کوفہ گئے فرماتے ہیں:

لَا أُحْصِي كَمْ دَخَلْتُ إِلَى الْكُوفَةِ وَبَغْدَادَ مَعَ الْمُحَدِّثِيْنَ۔[3]

میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا۔

امام حاکم نیساپوری رحمہ اللہ (م: ۴۰۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب ”معرفت علوم الحدیث“ میں ایک نوع قائم کی ہے جس کا عنوان ہے:

معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين واتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ والمذاكرة والتبرك بهم وبذكرهم

۱۔ معجم البلدان للحموی (۷/۱۶۳، ذکر الکوفۃ)

۲۔ فقہ اہل العراق وحدیثہم (ص ۶۲)

۳۔ ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری ۲/۷۹ طبع مصر

من المشرق الی المغرب۔[1]

تابعین اور اتباع تابعین میں سے ان ثقہ اور مشہور ائمہ حدیث کی معرفت کہ جن کی احادیث حفظ اور مذاکرہ کے لئے جمع کی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کیا جاتا ہے، اور جن کا شہرہ مشرق سے لیکر مغرب تک ہے۔

اس نوع کے ذیل میں انہوں نے تمام مشہور بلاد اسلامیہ کے مشاہیر ائمہ ثقات کو نام بنام گنایا ہے، اور کوفہ کو ان ائمہ کی فہرست میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے اسمائے گرامیہ کو بھی ذکر کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد ادیب مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم ''کوفہ'' کی علمی جلالت شان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب عراق فتح ہوا تو صحابہ ﷺ کی کثیر تعداد نے حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں کوفہ کا قصد کیا، جس میں ایک روایت کے مطابق تین سو صحابہ ﷺ وہ تھے جن کو اصحاب الشجرہ ﷺ کے پُرفخار لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ستر وہ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ان میں سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن فضیل اور عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابہ ﷺ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کوفہ کے نام کو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اور ان کے تلامذہ نے روشن کیا اور ان کے چشمہ فیض سے جو لوگ سیراب ہوئے، ان میں الربیع بن خثیم، کمیل بن زید النخعی، شعبی، سعید بن جبیر الالای، ابراہیم النخعی، ابواسحاق السبعی اور عبدالملک بن عمیر رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرہ ایسے شیوخ فقہ وحدیث نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ دوسری اور تیسری ہجری میں یہ فقہ وتفنین (فنون) کا اہم مرکز قرار پایا۔[2]

کوفہ قرآن وحدیث کے ساتھ خاص کر علم فقہ کا مرکز رہا ہے اس لئے اہلِ حق، شائقین علوم اسلامیہ نے اہل کوفہ سے علمی فیض حاصل کیا اور کوفہ کی علمی مجالس اور تحقیقی مراکز کی تحسین کی

۱۔ معرفۃ العلوم الحدیث، ص ۲۴۹

۲۔ مطالعہ حدیث، ص ۵۶، ۵۷

ہے مگر فقہ، اجتہاد، مجتہدین اور ائمہ فقہاء کے مخالفین ''کوفہ'' کی مزمت بیان کرکے اپنی عاقبت نااندیشی کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ فقط فقہاء کوفہ کی مذمت میں ''کوفہ'' کی علمی حیثیت کو نہیں گرا رہے بلکہ ہزار ہا صحابہ کرام ﷺ، تابعین، تبع تابعین، اور بے شمار قراء اور علماء کے علم وفضل کا بھی انکار کررہے ہیں یہ نہ صرف ان حضرات کے علم وفضل کا انکار ہے بلکہ قرآن وسنت اور فقہ کے جو چشمے کوفہ سے پھوٹے اور عالم کو انہوں نے سیراب کیا ان دینی اور اسلامی اقدار کا بھی انکار ہے۔

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

مرکزِ علم وتحقیق اور معدن علم وفقہ ''کوفہ'' میں صحابہ کرام ﷺ کے بعد جس عظیم ہستی کا علم وفقہ اطراف عالم میں سب سے زیادہ پھیلا اور رب تعالیٰ نے جن کی دینی مساعی کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے انہیں شہرت دوام بخشی وہ امام الائمہ، سراج الامہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شخصیت ہے۔

سراج الامہ، امام المحدثین، محسن امت، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی رحمہم اللہ تعالیٰ ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء میں عراق کے مرکز علم ''کوفہ'' میں پیدا ہوئے۔ ''کوفہ'' اس وقت نہ صرف عراق بلکہ عالم اسلام کا مرکز تھا۔ فتح عراق پر حضرت عمر فاروق ﷺ ۱۶ھ/ ۶۳۷ء میں ''کوفہ'' کا شہر آباد کیا اور وہاں کی علمی سرپرستی کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کو بھیجا، ''کوفہ'' اہل علم سے آباد ہوتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ، حضرت حزیفہ بن یمان ﷺ، حضرت عمار بن یاسر ﷺ، حضرت سلمان فارسی ﷺ، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ جیسے جبال علم صحابہ کرام ﷺ کے علاوہ ''کوفہ'' پندرہ سو اصحاب رسول ﷺ کا مسکن اور ان کی علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ ''کوفہ کی اس علمی شہرت پر باب علم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے خلافت اسلامیہ کا مرکزی شہر دارالخلافہ ''کوفہ''

کو قرار دیا تو ''کوفہ'' کی علمی تابانیوں کو چار چاند لگ گئے۔

حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاِنَّمَا ظَهَرَ عِلْمُ عَلِيٍّ وَفِقْهُهٗ فِي الْكُوْفَةِ۔[1]

حضرت علی ﷺ کا علم اور فقہ ''کوفہ'' میں ظاہر ہوا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ''کوفہ'' کے اس علمی ماحول میں پرورش پائی اور اپنے وقت کے کبار صحابہ کرام ﷺ اور تابعین رحمہم اللہ، فقہاء اور محدثین سے علم حاصل کیا۔ مؤرخ کبیر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سات صحابہ کرام ﷺ سے روایت حدیث کی ہے۔[2]

حافظ عبدالقادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے ان سات صحابہ کرام ﷺ کے درج ذیل اسماء ذکر کیے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن انیس ﷺ، (۲) حضرت عبداللہ بن جزء زبیدی ﷺ، (۳) حضرت انس بن مالک ﷺ، (۴) حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ (۵) حضرت معقل بن یسار ﷺ، (۶) حضرت واثلہ بن اثقع ﷺ (۷) حضرت عائشہ بنت عجرد ﷺ۔[3]

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے ''کوفہ'' کے اهل علم کے علاوہ دوسرے اصحابِ علم و فضل مثلاً بصرہ وغیرہ اور خاص کر حرمین کے حضرات اهل علم سے بھی استفادہ فرمایا۔

آپ نے پچپن حج کیے اور ہر سفر میں علمی استفادہ فرمایا۔ اس دور میں حصول علم کا ایک ذریعہ سفرِ حج بھی تھا۔ آپ نے پہلا حج اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کی ہمراہی میں سولہ برس کی عمر میں کیا اور صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن الحارث ﷺ سے حدیث سنی۔ یہ سات صحابہ کرام ﷺ تو وہ ہیں جن سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے برائے راست استفادہ کیا۔ کل صحابہ کرام ﷺ جو بلاواسطہ یا بل واسطہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ ہیں

۱۔ منہاج السنۃ ۳/۱۳۷۔
۲۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۸۶
۳۔ الجواہر المضیۃ: ج ۱ ص ۲۸۔

ان کی تعداد سینکڑوں ہے۔

علاوہ ازیں آپؒ نے چار ہزار تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے علمِ دین حاصل کیا۔

حضرت خلف بن ایوبؒ فرماتے ہیں:۔

صَارَ الْعِلْمُ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی اِلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ ثُمَّ صَارَ اِلٰی أَصْحَابِہٖ، ثُمَّ صَارَ اِلَی التَّابِعِیْنَ، ثُمَّ صَارَ اِلٰی أَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَأَصْحَابِہٖ۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْیَرْضَ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَسْخُطْ۔[1]

علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا پھر صحابہ میں تقسیم ہوا، پھر تابعین میں، اس کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں آیا۔ اب جو چاہے تو خوش ہو جائے اور جو چاہے تو ناراض ہو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جب مسندِ علم سجائی تو اطرافِ عالم سے طالبانِ علم آپ رحمہ اللہ کے ہاں اکٹھے ہوگئے۔ آپؒ کے درس میں قرآن وسنّت سے مستنبط ہونے والے مسائل کو علمِ فقہ اور آپ کے درس کو درسِ فقہ کا نام دیا گیا۔ یہ درس تحصیلِ علم کا آخری درس ہوتا تھا اور اس درس سے استفادہ کرنے والے وہ حضرات ہوتے تھے جو ادب ولغت، روایت حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کر چکے ہوں۔ یہ طالبانِ علم محدثین سے حدیث رسول ﷺ کے حصول کے بعد استنباطی مسائل کا درس لیتے تھے۔ درسِ فقہ کا درجہ حدیث، تفسیر اور باقی علومِ اسلامیہ سے فائق ہوتا تھا۔ اس لئے محدث، مفسر ادیب وغیرہ اپنے اپنے فن میں ماہر ہوتے جب کہ فقیہ کے لئے تمام علوم وفنون کا ماہر ہونا ضروری تھا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ مشہور محدث حضرت امام اعمشؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ایک محفل میں رونق افروز تھے اس محفل میں ایک مسئلہ پیش آیا حضرت امام اعمش محدث رحمہ اللہ اس کا حل نہ بتا سکے آپ کے شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بتادیا، حضرت امام اعمش محدث رحمہ اللہ نے آپ سے پوچھا یہ جواب آپ نے کس دلیل سے دیا حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی حدیث سے جو ہم نے آپ سے روایت کی ہے۔ اس پر حضرت امام اعمش محدث رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس تفقہ کی داد دیتے ہوئے فرمایا:۔

1۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳/۳۳۶

نَحْنُ الصَّيَادِلَةُ وَأَنْتُمُ الْأَطِبَّاءُ۔[1]

ہم تو (دواؤں کا ذخیرہ رکھنے والے) عطار ہیں اور تم طبیب ہو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا درس بھی کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سے ہوتا تھا۔ چنانچہ صدر الائمۃ مکیؒ فرماتے ہیں:

كان أبوحنيفه رحمه الله يروى أربعه آلاف حديث، ألفين لحماد وألفين لسائر المشيخة۔[2]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں، دو ہزار حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم حدیث میں اس تبحّر پر امام شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ نے انھیں حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق کتاب "تذکرۃ الحفاظ" میں آپ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کے تذکرہ کا آغاز "الامام الاعظم اور فقیہ العراق" کے القاب سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

وكان اماماً، ورعاً، عالماً، عاملاً، متعبداً، كبير الشان لا يقبل جوائز السلطان بل يتجر ويكتسب۔[3]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام، پرہیزگار، عالم باعمل، بہت زیادہ عبادت گزار اور بلند پایہ مقام کے مالک تھے، بادشاہوں کے تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خود مزدوری کر کے روزی کماتے تھے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

سبحان اللہ، کیسے مختصر الفاظ میں کس خوبی سے ساری حیاتِ طیبہ کا نقشہ سامنے رکھ دیا ہے اور آپ کی زندگی کے ہر علمی و عملی شعبہ اور قبولیت عامہ اور غنائے قلبی

۱۔ جامع بیان العلم ۔۲/۱۳۰،۱۳۱۔
۲۔ مناقب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ (ص ۸۵) للمکی
۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۱۲۶

اوراحکام وسلاطین سے بے تعلقی وغیرہ فضائل میں سے کسی بھی ضروری امر کو چھوڑ کر نہیں رکھا۔[1]

نیز محدث حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد المقدسی الحنبلیؒ اپنی مشہور کتاب ''المحتصر فی طبقات علماء الحدیث'' میں اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے طبقات الحفاظ ص ۸۰ میں آپ کا شاندار تذکرہ کیا ہے اور آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

ان ائمہ حدیث کی شہادت سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جلالت شان اور تبحر علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ کے درس سے اطراف عالم کے طالبان علم نے استفادہ کیا آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا شمار ممکن نہیں آپ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں کبار تابعین، محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام مالک رحمہ اللہ آپ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں جب کہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دونوں ائمہ فقہ اور مصنفین صحاح ستہ (چھ ائمہ حدیث) آپ رحمہ اللہ کے تلامذہ کے تلامذہ ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے ستائیس اساتذہ آپ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، چونسٹھ جلیل القدر راویان حدیث جن کی عدالت اور صحت پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے ان کی سند علم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے متصل ہے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی ''صحیح بخاری'' میں ثلاثیات یعنی ایسی روایت جس میں رسول اللہ ﷺ تک فقط تین واسطے ہوں پر بڑا ناز ہے اور واقعۃً یہ بڑی سعادت اور فخر کی بات ہے۔ ''صحیح بخاری'' میں کل ثلاثیات بائیس ہیں جن میں سے بیس ثلاثیات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تین خصوصی تلامذہ اور مقلدین امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ، امام ابو عاصم نبیل رحمہ اللہ اور امام محمد بن عبداللہ انصاریؒ سے مروی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علمی فیض کو رب تعالیٰ نے آسمانِ علم پر سورج کی طرح روشن کیا، فقہ، حدیث، تفسیر کا شاید ہی کوئی درس یا مکتب فکر ہو جو آپ سے مستفیض نہ ہو۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس علمی احسان پر آپ کو امت نے امامِ ابوحنیفہ رحمہ

---

[1] تاریخ اہل حدیث۔ ص ۷۹، ۸۰

مستقبل کے لیے ان کی سہولت کا ہر سامان اکٹھا کرتا ہے اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امت کی عملی زندگی کی ضرورت اللہ کا خطاب دیا کہ جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کے فقہی مسائل کو مستنبط، مدوّن اور مرتب فرمایا۔

جزاہ اللہ تعالیٰ احسن ما یجازی المحسنین۔ آمین

تعصب کا کیا علاج ہو کہ عمل بالحدیث کے دعوے دار اور عملاً انکارِ حدیث کے پیروکار "جماعت غیر مقلدین" نے یہ مشہور کیا ہوا ہے کہ آپ رحمہ اللہ کی بیٹی کا نام حنیفہ تھا آپ اس سے مسائل پوچھا کرتے تھے اس لیے آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے سچ ہے کہ متعصب کے منہ میں خاک بھری جاتی ہے۔ ابوحنیفہ حضرت امام اعظم کی خود ساختہ کنیت نہیں بلکہ امت کا عطاء کردہ اعزازی لقب ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر مکیؒ نے تصریح کی ہے کہ آپ کی حنیفہ نام کی کوئی بیٹی نہیں تھی کہ جس کی وجہ سے آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا ہے۔[1]

ساری امت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس علمی احسان کی ممنون اور آپ رحمہ اللہ کی ثنا (تعریف) میں رطب اللسان ہے۔ صحیح بخاری کی پہلی حدیث کے راوی حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَوَّلُ مَنْ صَيَّرَنِي مُحَدِّثًا أَبُوحَنِيْفَة رحمہ اللہ۔

"الجواہر المضیہ" ج ا ص ۲۵۰

کہ مجھے محدث بنانے (حدیث سکھانے) والے پہلے صاحب ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ:

رحم اللہ اباحنیفۃ کان اماما۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲ ص ۱۶۳)

اللہ تعالیٰ کی امام ابوحنیفہ پر رحمت ہو وہ (علم حدیث کے) امام تھے۔

امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں:

---

[1] الخیرات الحسان (ص ۴۵)

ادرکت الف رجل و کتبت عن اکثرھم ما رأیت فیھم افقہ ولا اورع ولا اعلم من خمسۃ اولھم ابوحنیفۃ۔[1]

میں نے ایک ہزار مشائخ سے ملاقات کی ہے اور ان میں سے اکثر سے احادیث لکھی ہیں۔ لیکن ان سب میں سے بڑے فقیہ، سب سے زیادہ پارسا اور سب سے بلند پایہ عالم پانچ شخصوں کو پایا ہے ان میں اولین مقام امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

امام شافعیؒ نے تمام فقہاء کو آپ کا خوشہ چیں قرار دیا۔[2]

مشہور غیر مقلد مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب نے تصریح کی ہے کہ حفاظِ حدیث میں سے امام یحییٰ بن معینؒ، امام علی بن مدینیؒ، امام شعبہؒ اور امام سفیان ثوریؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔[3]

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی حیاتِ مستعار کے ایک ایک لمحہ کو خدمتِ علم اور تقویٰ و پرہیزگاری میں بسر کیا۔ آپؒ نے تمام عمر اپنے ذاتی کاروبار سے گزر بسر کی غربا اور طلباء کی خدمت کی اور حکومتی عہدہ قبول نہ فرمایا۔ عباسی حکمران منصور نے عہدہ قضاء کی سربراہی (چیف جسٹس) آپ کے سپرد کرنا چاہی تو آپؒ نے اس کی حکومت کے غیر شرعی انعقاد کی بنا پر یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس آوازِ حق کی پاداش میں آپ کو قیدِ زنداں میں ڈال دیا گیا جیل خانہ میں قید ہونے پر جب آپؒ کی مقبولیت پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ تو منصور نے آپ کو کھانے میں زہر دلوا دیا۔

شہادت فی سبیل اللہ آپؒ کا مقدر تھا۔ جب زہر کا اثر معلوم ہوا تو سجدہ میں گر گئے اور وہیں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء کا واقعہ ہے۔ مرکزِ علم ''بغداد'' میں آپؒ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اہل بغداد کا بیان ہے کہ ایسا عظیم جنازہ اور مخلوق خدا کا ایسا خراجِ عقیدت بغداد کی زمین کو دیکھنا پھر نصیب نہیں ہوا اور نہ کوئی ایسا رجل رشید ہوگا کہ مستقبل میں دیکھنا نصیب ہو۔

۱۔ ''الجواہر المضیہ''، ج۱ص ۲۹۔

۲۔ تاریخ بغداد (۱۳/۳۴۵)

۳۔ تحقیق الکلام (۲/۱۴۵)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ان دینی خدمات اور علمی شان پر محدثین نے آپ کو حدیث "ابناء فارس" کی پیشن گوئی کا مصداق قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت سلمان فارسیؓ پر اپنا دست مبارک رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

> اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس بھی ہو تو ان (فارسی النسل) لوگوں میں سے کچھ مرد یا ایک مرد اس کو پا لے گا۔

امام حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعیؒ (م ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) جو امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) کے مایہ ناز شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ:

> ہمارے شیخ (امام سیوطیؒ) نے بڑے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مصداق امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ اور یہ بات حقیقت ہے اور شک و شبہ سے بالا ہے کیونکہ فارسی النسل لوگوں میں سے کوئی شخص بھی امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے علمی مقام کو نہ پہنچ سکا۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اور نواب صدیق حسن خانؒ غیر مقلد (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) نے بھی اس حدیث کا مصداق امام صاحب کو قرار دیا ہے۔

"کلمات طیبات" ص ۱۶۸، "اتحاف النبلاء" ص ۴۲۴ ص ۴۵

فقہ حنفی کا تعارف

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تابعین کے درخشاں دور کے اکابر ائمہ میں سے ہیں، یہ جدال و نزاع کا زمانہ نہ تھا۔ اخلاص وللہیت کی برکت نے امت کو اتحاد و مودت کے رشتہ میں یک قالب کر رکھا تھا۔ نہ جاننے والے جاننے والوں پر اعتماد کرتے تھے اور جاننے والے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہوئے امت کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اس وقت عالم اسلام میں کوفہ علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا گہوارہ تھا جس کے صدر نشین حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تھے۔ آنے والے

[1] عقود الجمان ص ۴۵

پُرآشوب دور کی نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث اور اٰثار صحابہؓ میں بکھرے ہوئے بے شمار فقہی مسائل کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام شروع کیا۔

صدرالائمہ لکھتے ہیں کہ:۔

وابوحنیفہ رحمہ اللہ اول من دوّن علم ھذہ الشریعۃ لم یسبقہٗ احدممن قبلہٗ۔[1]

امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے علم شریعت کی تدوین کی، ان سے پہلے کسی نے (اس طرح کی) تدوین نہیں کی۔

اورامام سیوطیؒ، امام صاحبؒ کی خصوصیات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

أنہٗ أوّل من دوّن علم الشریعۃ ورتّبھا أبواباًثم تبعہٗ مالک بن أنسؒ فی ترتیب المؤطاولم یسبق اباحنیفۃؒ احدلأن الصحابۃؓ والتابعین لم یضعوافی علوم الشریعۃ أبوابا مبوّبۃًولا کتباًمرتّبۃً وانّما کانوایعتمدون علیٰ قوّۃ حفظھم فلمارأی أبوحنیفۃؒ العلم منتشراًوخاف علیہ الضیاع دوّنہ فجعلہٗ، أبواباً۔[2]

سب سے پہلے انہوں نے علمِ شریعت کی تدوین کی ہے اورابواب میں اس کی ترتیب دی ہے۔ پھرامام مالکؒ نے مؤطا میں ان کی پیروی کی ہے امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ اورتابعینؒ علومِ شریعت میں ابواب اورکتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا، وہ توصرف اپنے حافظہ پراعتماد کرتے تھے، جب امام ابوحنیفہؒ نے علوم کومنتشر ہوتے ہوئے دیکھا اورانہیں اس کے ضائع ہوجانے کا خوف ہواتواسے ابواب میں مدوّن کردیا۔

امام ابن حجرمکیؒ امام صاحبؒ کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

أنہ أوّل من دوّن علم الفقہ ورتّبہٗ أبواباًو کتبَ علی نحوماھو

[1] مناقب ابوحنیفہ للموفق، ج۲ص ۱۳۶

[2] تبییض الصحیفہ ص ۳۶

ومن قبلهٔ انما كانو يعتمدون عليه وتبعهٔ مالك فی موطئه، ومن قبلهٔ انما كانو يعتمدون على حفظهم وهواوّل من وضع كتاب الفرائض و كتاب الشروط۔[1]

انہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی ہے اور اس کو ابواب اور کتب میں مرتب کیا ہے جیسا کہ آج موجود ہے، پھر ان کی پیروی امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں کی ہے اس سے قبل لوگ حافظہ پر بھروسہ کرتے تھے، اور سب سے پہلے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط بھی امام ابوحنیفہؒ ہی نے وضع کی ہے۔

اس خدمت تدوین وترتیب کے لیے حضرت امامِ اعظمؒ نے اپنے ہزار ہا تلامذہ میں سے چالیس حضرات کو منتخب فرمایا جن میں سے ہر ایک علم وفضل میں یگانہ روزگار اور امامِ وقت تھا۔ امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے سند متصل کے ساتھ امام اسد بن فرات (م ۲۱۳ھ) سے نقل کیا ہے کہ:

كان أصحاب أبی حنيفهؒ الذين دوّنوا الكتب أربعين رجلاً، فكان فی العشرة المتقدمين أبويوسف وزفر وداؤد الطائی وأسد بن عمرو ويوسف بن خالد السمتی ويحيى بن زكريا بن أبی زاهده، وهوالذی كان يكتبها لهم ثلاثين سنة۔[2]

امامِ ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے ان کے ساتھ مل کر فقہ کی تدوین کی چالیس حضرات تھے اور ان میں سے بھی جو دس متقدمین تلامذہ تھے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں، امام ابو یوسف، امام زفر، امام داؤد طائی، امام اسد بن عمرو، امام یوسف بن خالد سمتی (استاذ امام شافعی) اور یحییٰ بن زکریا بن ابی زاہدہ، اور امام یحییٰ ہی ان حضرات کے لیے تیس سال کتابت کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

ایک دفعہ کسی شخص نے محدث کبیر امام وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ) کے سامنے یہ کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فلاں مسئلہ میں غلطی کی ہے، اس پر انہوں نے اس شخص کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

كيف يقدر ابوحنيفه يخطئی ومعهٔ مثل ابی يوسف وزفر فی

۱۔ الخیرات الحسان ص ۴۸

۲۔ الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۲۱۱، ۲۱۲

قياسهما، ومثل يحيى بن أبى زائده وحفص بن غيّاث وحبان ومندل فى حفظهم الحديث، والقاسم بن معن فى معرفته باللغة العربية، وداؤد الطائى وفضيل بن عياض فى زهدهما وورعهما؟ من كان هؤلاء جلساؤه لم يكديخطئى لأنهٗ ان أخطأ ردوه۔[1]

امام ابو حنیفہؒ کیسے غلطی کر سکتے تھے حالانکہ ان کی مجلس میں ابو یوسف اور زفر بن ھزیل جیسے قیاس میں ماہر، یحیٰی بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے حفاظ حدیث، قاسم بن معن جیسے لغت کے امام اور داؤد طائی و فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے پہاڑ موجود تھے، جس شخص کی مجلس میں ایسے بڑے بڑے اھل علم موجود ہوں وہ کیسے غلطی کر سکتا ہے؟ اگر اس سے کوئی غلطی ہوتی بھی تو وہ اس کو صحیح راستہ کی طرف متوجہ کر دیتے۔

امام صدر الائمہؒ اس شورائی تدوین فقہ حنفی کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

فوضع أبو حنيفةؒ مذهبهٗ شورىٰ بينهم لم يستبدفيه بنفسه دونهم اجتهاداً منه فى الدّين ومبالغةً فى النصحة للّٰه ورسوله و المومنين فكان يلقى مسئلة مسئلة ويسمع ماعندهم ويقول ما عندهٗ ويناظرهم شهراً اواكثرمن ذالك حتىٰ يستقراحد الاقوال فيها ثم يثبتها أبو يوسفؒ فى الاصول حتىٰ اثبت الاصول كلها۔[2]

امام ابو حنیفہؒ نے اپنا مذھب ان میں بطور شوریٰ رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی رائے ہی میں وہ مستبد نہ رہتے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کیا۔ چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش کرتے، ان کی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۵۰
[2] مناقب ابی حنیفہ للموفق ۲/۱۳۳

رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان فرماتے اور ایک ایک مہینہ بلکہ ضرورت پڑتی تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہتے حتی کہ جب کسی ایک قول پر سب کی رائے جم جاتی تو اس کے بعد امام ابو یوسفؒ اس کو اصول میں درج کر دیتے یہاں تک کہ سب اصول انہوں نے منضبط کر دیئے۔

فقہ حنفی کی تدوین و ترتیب کے لیے یہ بحث کتنی تحقیق اور محنت سے ہوئی تھی، صرف ایک مسئلہ کی تحقیق کے لیے امام الحدیث حضرت امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

فخاضوا فيها ثلاثة أيام بالغداة والعشيّ۔[1]

اس مسئلہ کی تحقیق میں ارکانِ مجلس تین دن صبح شام غور وخوض کرتے رہے۔ کئی برسوں کی طویل مدت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سرپرستی میں اس فقہی شوریٰ کی تحقیق اور محنت سے فقہ حنفی کے مسائل کا یہ مجموعہ مرتب ہوا۔

حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

أنه وضع ثلاثة وثمانين ألف مسئلة منها ثمانية وثلاثون ألفا في العبادة والباقي في المعاملات۔[2]

امام صاحبؒ نے تراسی ہزار مسئلے طے کیے ان میں سے اڑتالیس ہزار عبادات سے متعلق اور باقی معاملات سے متعلق تھے۔

فقہ حنفی کے ان مسائل کی تدوین روایات کی صورت میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور دوسرے جلیل القدر فقہاء کے مبارک ہاتھوں ہوئی اور ان مسائل کی تصویر حضرت امام محمد بن حسنؒ نے اپنی کتب میں فرمائی جو آج بھی امت تک تواتر و توارث سے پہنچی ہیں۔ روایات و آثار کی صورت میں ان مسائل کو اُس دور کے اسالیب کے مطابق مختلف مجموعوں میں لکھا گیا حضرت امام محمد بن حسن کی یہ کتب "ظاهر الروايه" کہلاتی ہیں۔ "ظاهر الروايه" حضرت امام محمد بن حسنؒ کی چھ تالیفات "المبسوط"، "الزيادات"، "السير الصغير"، "السير الكبير" "جامع الصغير"، "جامع الكبير" کا مجموعہ ہے۔ فقہ حنفی حضرت امام اعظمؒ کی

۱۔ مناقب ابوحنیفہ للموفق ۲/۵۴

۲۔ ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۴

سرپرستی مرتب شدہ اسی "ظاہر الرّوایہ" کا نام ہے۔ "ظاہر الرّوایہ" میں مسائل آیات، احادیث اور آثار سے استنباط کر کے لکھے گئے۔ بعد میں عام لوگوں کے استفادہ کے لیے انہی مسائل کو یا ان کی روشنی میں استنباطی مسائل کو "المختصر القدوری" "کنز الدقائق" وغیرہ کتب میں ابواب کے ذیل میں لکھا گیا۔

فقہ حنفی کے اس اجمالی تذکرہ سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ فقہ حنفی قرآن وسنت سے الگ کسی نئے راستہ کا نام نہیں بلکہ یہ قرآن وسنت کا ہی فیض ہے۔ اور اس کا ہر مسئلہ اپنے ماٴخذ سے متصل اور اس کی ہر سند قرآن وسنت سے مستند ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے تمام عالم میں مقبول بنادیا۔

مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدونؒ (م ۸۸۱ھ) لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر اور تمام بلاد عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۵

عہد تابعین، جسے حدیث میں خیر القرون (زمانوں میں بہترین زمانہ) کہا گیا ہے، میں مرتب کیے ہوئے اس مجموعہ خیر کو اگر آج کا کوئی حَدَث (نئی پود) قرآن وسنت سے متصادم کہے تو تیرہ صدیوں کے اس تواتر اور امت کے عملی توارث کے مقابل اس (موی پودہ) کو حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی زبانی یاد کرادیا جائے۔

اِنْ یَّحْسُدُوْنِیْ فَاِنِّیْ غَیْرُ لَائِمِھِمْ
قَبْلِیْ مِنَ النَّاسِ اَھْلَ الْفَضْلِ قَدْ حُسِدُوْا
فَدَامَ لِیْ وَلَھُمْ مَابِیْ وَمَابِھِمْ
وَمَاتَ اَکْثَرُنَا اَغَیْظَامَ بِمَایَجِدُ۔

اگر یہ مجھ سے حسد کرتے ہیں تو کرتے رہیں میں انہیں کچھ ملامت نہ کروں گا۔
اس لیے کہ مجھ سے پہلے بھی اہل فضل پر لوگ حسد کرتے ہی رہے ہیں۔
میرا اور ان کا یہ شیوہ ہمیشہ ہی رہے گا اور ہم میں سے اکثر اپنے اپنے شیوہ پر (یعنی میں اچھا بدلہ دینے اور حاسد اپنی) اسی حسد سے مرتے رہیں گے۔

مشہور امام ادب علامہ محمود زمخشریؒ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وتّد الله الارض بالاعلام المنيفة

كما وطّد المنفعة بعلوم أبى حنيفة

الائمة الجلة الحنيفة

ازمة الملة الحنيفة

الجود والحلم حاتمی وأحنفیٌ

والدين والعلم حنيفی وحنفی[1]

اللہ تعالیٰ نے زمین کو بلند و مضبوط پہاڑوں سے جکڑ دیا جیسے ملت حنیفہ کو امام ابوحنیفہؒ کے علوم سے مضبوط کر دیا۔ جلیل القدر ائمہ احناف ہی ملت حنیفہ کی باگیں ہیں۔ سخاوت اور حلم اگر حاتمی اور احنفی ہے تو پھر دین اور علم حنیفی اور حنفی ہے۔

حضرت امام مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عَنْ مَسْرُوْقٍ شَامَمْتُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَوَجَدْتُ عِلْمَهُمْ يَنْتَهِيْ اِلَى سِتَّةٍ عَلِيٍّ و عَبْدُاللهِ وَعُمَر وَزَيْدِبْنِ ثَابِتٍ وَأَبِيْ دَرْدَاءٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ؓ۔ ثُمَّ شَامَمْتُ السِّتَّةَ فَوَجَدْتُ عِلْمَهُمْ اِنْتَهى اِلَى عَلِيٍّ ؓ وَعَبْدِاللهِ ؓ۔[2]

حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کو دیکھا تو سب کا علم (جو آنحضرت ﷺ سے حاصل کیا ہوا تھا) چھ صحابہ ؓ میں موجود پایا۔ پھر ان چھ کو جانچا تو ان کا علم حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ میں پایا۔

۱۔ الروض الباسم عن سنۃ ابی القاسم للحافظ ابن الوزیر (۱/۳۱۱)

۲۔ اعلام الموقعین لابن قیم ۱/۱۸

تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں ائمہ اربعہ احناف کا مقام

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اطراف عالم کے ہزارہا طالبانِ علم نے قرآن وسنت اور فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا ہے۔ جن میں تبع تابعین رحمہم اللہ کے ساتھ کئی تابعین میں شامل ہیں۔ گویا فقہ حنفی کی ترتیب وتدوین کا سہرا حضرات خیر القرون نے انجام دیا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) کے تلامذہ میں چار حضرات کو ان کے علم وفقہ کی وجہ سے زیادہ قبولیت نصیب ہوئی۔

﴿۱﴾ حضرت امام زفر بن ہذیل رحمہ اللہ (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۵ء)

﴿۲﴾ حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ (م ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء)

﴿۳﴾ حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ (م ۱۸۹ھ/ ۸۰۵ء)

﴿۴﴾ حضرت امام حسن بن زیاد الولوی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء)

اطرافِ عالم میں فقہ حنفی کی مقبولیت

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے عظیم المرتبت تلامذہ رحمہ اللہ نے اپنی خداداصلاحیتوں سے فقہ حنفی کے اصول وفروع اور مسائل کی تدوین وترتیب کو ایسے سہل اور عمدہ اسلوب پر جمع کیا کہ وہ آفاقی خصوصیات کا حامل بن گیا علمِ منقول قرآن وحدیث سے مسائل کے اخذ واستنباط کے علاوہ پیش آیندہ جزئیات کو بھی حل کر کے قیامت تک امتِ محمدیہ علیٰ صاحبھا الف الف تحیۃ وسلاما کے ہر فرد کے لئے ایک عملی شاہراہ متعین فرمادی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد فقہاء نے بھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصول وفروع کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے اپنے اسالیب پر فقہی مسائل کو مرتب کیا اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ عِیَالُ أَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْفِقْهِ"

تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کنبہ ہیں۔

انسانی مسائل، اور معاشرتی تقاضوں کا قرآن وسنت سے حل اور معاشرتی مزاج کو احکامِ

شریعت کے ہم مزاج بنانے کی صلاحیت کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کی صورت میں کرایا یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی عراق سے پھیلتا ہوا عرب عجم میں پہنچا، عوام وخواص میں اسے مقبولیت نصیب ہوئی اور ایوانِ حکومت سے لے کر صحراء ودریاء کے مکینوں کو فقہ حنفی نے اطاعت خدا اور رسول ﷺ کا راستہ دکھایا، مشہور غیر مقلد عالمِ دین نواب صدیق حسن خان مرحوم نے فقہ حنفی کی اس مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ عباس خلیفہ الواثق باللہ (م۲۳۲ھ/ ۸۴۶ء) نے اپنے اہل کاروں کو دیوار چین جسے وہ سر سکندری قرار دیتے تھے کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا ان لوگوں الواثق باللہ کو یہ خبر دی:

محافظانِ سدسکندری کہ درآنجابودندهمه دینِ اسلام داشتندومذهب حنفی وزبانِ عربی وفارسی مے گفتنداماازسلطنت عباسیه بے خبر بودند۔[1]

محافظانِ سدسکندری جو اس وقت تھے سب دین اسلام پر تھے اور حنفی مذہب کے پیرو تھے، عربی اور فارسی زبانیں بولتے تھے۔ لیکن انہیں سلطنتِ عباسی کی کوئی خبر نہ تھی۔

جن مسائل میں فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں مختلف آراء پیش کیں اس کا زیادہ حصہ عبادات اور عبادات میں بھی نماز سے متعلق ہے اور نماز میں بھی اختلاف اپنی تحقیق کی حد تک ہے فقہاء میں سے کسی ذمہ دار نے کسی صحیح روایت کے مطابق دوسرے کی نماز کے غلط اور ناجائز ہونے پر فتویٰ نہیں دیا۔

حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ جو ترکی خلافت میں حنفی مذہب کا مرجع تھے اور محمد علی پاشا سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ وہ ابوحنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (۹۶۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ احناف کی تحقیق میں عصر کا وقت شوافع کی تحقیق کی نسبت دیر سے داخل ہوتا ہے جب شوافع کے ہاں عصر کی جماعت ہو رہی ہو تو احناف کیا کریں؟ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

أَنَّ الْأَفْضَلَ الْاقْتِدَاءُ بِالشَّافِعِيِّ بَلْ يَكْرَهُ التَّاخِيْرُ لِأَنَّ

۱۔ ریاض المرتاض ص

تَکْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِیْ مَسْجِدٍ وَّاحِدٍ مَکْرُوْہٌ عِنْدَنَا۔[1]

بہتر یہ ہے کہ حنفی شافعی کی نماز میں آ شامل ہو اس کا تاخیر کرنا مکروہ ہے اور یہ اس لیے بھی کہ ہم حنفیوں کے ہاں مسجد میں دوسری جماعت کرانا مکروہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی خود اپنا رجحان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالَّذِیْ یَمِیْلُ اِلَیْہِ الْقَلْبُ عَدَمُ کَرَاھَۃِ الْاِقْتِدَاءِ بِالْمُخَالِفِ مَالَمْ یَکُنْ غَیْرَ مُرَاعٍ فِی الْفَرَائِضِ لِاَنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الصَّحَابَۃِ ﷺ وَالتَّابِعِیْنَ رَحِمَھُمُ اللہُ تَعَالٰی کَانُوْا اَئِمَّۃً مُّجْتَھِدِیْنَ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ خَلْفَ اِمَامٍ وَّاحِدٍ مَّعَ تَبَائُنِ مَذَاھِبِھِمْ۔[2]

میرا دل اسی بات کی گواہی دیتا ہے کہ مخالف مذہب کی جماعت میں شامل ہونا ہرگز مکروہ نہیں ہے جب کہ امام فرائض میں دوسروں کی رعایت کرنے والا ہو، بہت سے صحابہ کرام ﷺ اور تابعین رحمھم اللہ تعالٰی علمی درجہ میں مجتہد تھے اور وہ اپنے اختلاف مسالک کے باوجود ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

عبادات کے علاوہ امور مملکت، قوانینِ عدالت، معاملاتِ خرید و فروخت جیسے معاشرتی عنوانات جن میں انسان ایک دوسرے سے برتتا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق میں شریک ہے ان میں اختلاف آراء بہت کم ہے۔ معاشرتی برتاؤ کے مسائل کو فقہ حنفی نے جس طرح قرآن و سنت حل کر کے پیش کیا، بطور معاشرتی قانون کے فقہاء نے اسے ہی قبول کیا۔ امور مملکت ہوں، عدالتی نظام ہو یا بازار کی زندگی اور معاشرتی معاملات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصول و فروع ہی نافذ العمل نظر آتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ سے اللہ تعالٰی نے فقہ حنفی کی جمع و ترتیب کی خدمت لی اور حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ (م۱۸۲ھ/۷۹۸ء) عباسی حکمران ہارون الرشید رحمہ اللہ (م۱۹۳ھ/۸۰۹ء) کے زمانہ میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے مملکت عباسی کے تمام قاضی آپ ہی کے مشورہ سے مقرر ہوتے تھے۔ آپ کی فقہی بصیرت اور عدل و انصاف نے

1۔ ردالمحتار المعروف فتاوی شامی
2۔ ردالمحتار المعروف فتاوی شامی ۱/ ۵۲۷

آپ کے استاذ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تخریج کردہ مسائل کو اطراف عالم میں جاری کرایا۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میرے علم میں سوائے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے کوئی ایسا قاضی نہیں جس کا حکم مشرق تا مغرب چلتا ہو۔ حسن التقاضی، ص ۵۴

فقہ حنفی کی آفاقی خصوصیات نے بحمد اللہ تعالیٰ فقہ حنفی کو اطرافِ عالم میں شہرت دوام بخشا، اکثر اسلامی سلطنتوں میں بطور قانون ملکی فقہ حنفی ہی نافذ العمل رہا۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

خداتعالیٰ علم فقہ راہ بردست شائع ساخت وجمعی از اھل اسلام راباں فقہ مہذب گردانیدہ خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ھمیں مہذب است وبس در جمیع بلدان وجمیع اقالیم بادشاہ حنفی اند وقضاۃ واکثر مدرساں واکثر عوام حنفی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے علم فقہ امام ابوحنیفہ کے ہاتھ سے شائع کرایا ہے اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس فقہ سے ثقافت میں ڈھلی، خاص طور پر اس عہد متاخر میں کہ جہاں دیکھو سرکاری مذہب یہی ہے، تمام اسلامی ممالک کے بادشاہ حنفی المذہب ہیں اور اکثر جج اور مدرسین فقہ حنفی پر ہیں، اور اکثر عوام بھی اس فقہ کے گرویدہ ہیں۔

فقہاء پر تنقید و تنقیص کا نقصان

فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی خدمات اور دین حق کی نشر و اشاعت میں ان کی مساعی پر امت نے ہمیشہ انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے کتب رجال اور تاریخ اسلام کا وسیع ذخیرہ ان حضرات کی تابندہ خدمات، اور ان محسنینِ امت کے احسان کے تذکرہ سے روشن ہے۔ صلحاء امت اور نقد و جرح کے ماہرین نے فقہاء کا تذکرہ حزم و احتیاط سے کیا اور ان کی دینی محنت کی دل کھول کر داد دی تاکہ امت ان محسنین کے بارِ احسان کو محسوس کرتے ہوئے ان کی صحبت اور ادب واحترام سے اپنے قلوب و اذہان معطر رکھیں، ان کے مرتبہ مسائل دینیہ (فقہ) کو قدر و منزلت کی

[1] کلمات الطیبات، ص ۱۶۸

نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنی عملی زندگی کو بھی احکامِ شرعیہ کے مطابق سنوار سکے۔ فقہائے اسلام کی اس عظمت وشوکت کو دیکھتے ہوئے دشمنانِ دین سے جب نہ رہا جاسکا اور دینی اقدار کو کمزور کرنے کے لئے رجالِ دین پر تنقید کی یہودیانہ پالیسی پر عمل ضروری سمجھا گیا، تو اسلام کی صفوں میں گھسنے والے منافقین نے فقہائے اسلام کے خلاف اپنی منافقانہ عیاری سے نفرت وعداوت کا بیج بونا شروع کیا۔ اس سے جہاں ان محسنین امت سے بدظنی پھیلانا مقصود تھا وہیں ان کی دینی مساعی سے مرتبہ دینی مسائل کی اہمیت کو بھی کم کرنا مقصد تھا، تاکہ ستونوں کو کھینچ کر عمارت کو گرایا جاسکے۔

جس طرح احادیث رسول ﷺ میں وسعتِ روایات کے پردہ میں موضوعات کا ایک ذخیرہ بطور حدیث رسول ﷺ متعارف کرایا گیا اسی طرح فقہائے اسلام کے خلاف بے سروپا قصص واقوال کو متقدمین کے علمی ذخیرہ میں گھسیڑ دیا گیا۔ رب تعالیٰ نے دین کی حفاظت اپنے منتخب بندوں کے ذریعہ کروائی ہے اس لیے جس طرح احادیث کی جانچ پرکھ کے اصول وضوابط نے سچ اور جھوٹ کو الگ الگ کیا، اسی طرح ماہرینِ فنِ رجال نے بھی فقہاء کے خلاف ان بے سروپا روایات وقصص کی قلعی کھول دی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ کے خلاف اس طوفانِ بے سروپا کی حقیقت تو آپ انشاء اللہ اسی کتاب میں دیکھ لیں گے رب تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ اس عنوان پر جامعیت، اور استیعاب سے کام کا بھی ارادہ ہے۔ فقہائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ اپنے وقت کے اکابر اہل اللہ اور خادمانِ دینِ حق ہیں اس لیے ان کا ادب واحترام جہاں ربّ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے وہیں سوءِ ادب خسارہ اور دارین بھی ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا [1]

مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ [2]

اے ایمان والو بہت گمان کرنے سے احتراز کیا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ

---

[1] پارہ نمبر ۱۸، سورہ النور، آیت نمبر ۱۲

[2] پارہ نمبر ۲۶، سورہ الحجرات، آیت نمبر ۱۲

ہوا کرتے ہیں

حضرت ابوھریرہ﷛ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔ [1]

کسی بھی آدمی کے شر کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، تمام مسلمانوں پر مسلمانوں کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ﷛ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔

جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔

شارع مشکوۃ المصابیح حضرت علامہ مُلا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) اس حدیث قدسی کے ذیل میں لکھتے ہیں:

(بالحرب) :أي:بمحاربتي إياه لأجل ولي، أوبمحاربته إياي يعني فكأنه بمحارب لي قال الأئمة: ليس في المعاصي من توعدالله أربابهابأنه محاربه إلاهذاوآكل الرباء۔ قال تعالىٰ:﴿فأذنوابحرب من اللهورسوله﴾وهذايدل على مافي هاتين الخصلتين من عظم الخطر، إذمحاربةالله للعبدتدل على سوء خاتمته، لأن من حاربه الله لا يفلح أبداً۔ [2]

جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہٗ کے ساتھ اعراض سے مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اسکا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "بِالْحَرْبِ" یعنی میری جنگ میری اولیاء اللہ کی وجہ سے خاص اسی کے ساتھ ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ: اس (گستاخ) کی جنگ میرے ہی ساتھ ہے گویا یہ جنگ میرے ہی لیے ہے۔ ائمہ فرماتے ہیں: جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ

۱۔ صحیح مسلم باب ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ ،۲/ ۳۱۷

۲۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ،۵/ ۴۱ طبع المکتبۃ الحبیبۃ ،کوئٹہ

نے ڈرایا ہے کہ وہ اس کے ساتھ جنگ ہے یہ صرف اولیاء اللہ کے گستاخی اور سود کھانے کا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" ربّ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں گناہ عظیم خطرہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ گویا بندہ کے خاتمہ خراب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے جنگ کی وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

امام ابوتراب النخشبی جو اکابر مشائخ صوفیہ سے تھے فرماتے ہیں:
میں نے دیہات میں ایک صاحب کو دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں حضر ہوں جس شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق بن جاتا ہے۔[۱]

حضرت شیخ علی خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علما یا مشائخ صوفیہ پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہٗ کی نگاہِ حفاظت سے گر جاؤ گے اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہو گے۔

علماء فقہاء سے تعلق اور محبت ہی طریق نجات ہے اس کے علاوہ تباہی اور ھلاکت میں شبہ ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
أُغْدِ عَالِماً أَوْ مُتَعَلِّماً أُمُسْتَمِعاً أَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَةُ فَتُهْلِكَ۔...... قَالَ أَبُوْ عُمَرَ رحمه الله: اَلْخَامِسَةُ الَّتِي فِيهَا الْهَلَاكُ مُعَادَاةُ الْعُلَمَاءِ وَبُغْضُهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحِبُّهُمْ فَقَدْ أَبْغَضَهُمْ أَوْ قَارَبَ ذَالِكَ وَفِيْهِ الْهَلَاكُ۔[۲]

۱۔ الاعتدال فی مراتب الرجال، ص ۱۸

۲۔ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، ۱/ ۳۰ باب قولہ ﷺ: العالم والمتعلم شریکان

تو عالم بن یا طالب علم بن یا (ان سے دین) سننے والا بن یا ان سے محبت رکھنے والا بن (ان کے علاوہ) پانچواں نہ بن ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔

فرماتے ہیں: امام ابو عمر (ابن عبد البرؒ) پانچویں قسم جس میں ہلاکت ہے وہ علماء سے دشمنی اور بغض رکھنا ہے۔ اور جو علماء سے محبت نہیں رکھتا وہ یقیناً بغض رکھتا ہے یا اس کے قریب ہے اور اس بات میں یقیناً ہلاکت ہے۔

حضرت حافظ ابوالقاسم بن عساکر رحمہ اللہ ( ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ یَا اَخِیْ وَفَّقَنِیْ اللّٰہُ وَاِیَّاکَ لِمَرْضَاتِہٖ وَجَعَلَنَا مِمَّنْ یَّخْشَاہُ وَیَتَّقِہٗ حَقَّ تُقَاتِہٖ اَنَّ لُحُوْمَ الْعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَۃٌ وَّعَادَۃُ اللّٰہِ فِیْ ھَتْکِ اَسْتَارِ مُنْتَقِصِیْھِمْ مَعْلُوْمَۃٌ وَاَنَّ مَنْ اَطْلَقَ اللِّسَانَ فِی الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ بَلَاہُ اللّٰہُ قَبْلَ مَوْتِہٖ بِمَوْتِ الْقَلْبِ۔[1]

میرے بھائی ایک بات سن لے حق تعالیٰ شانہٗ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں۔ اور جیسا کہ چاہئے ویسا تقویٰ کرنے والے ہوں (یہ بات سن لے) کہ علما کے گوشت (یعنی غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے (کہ جو لوگ علما کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں)۔ جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے اُس کے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

کہ اگر مقصود آں دشنام دہندہ استخفاف علم وتحقیر علما من حیث العلم است فقہا حکم بکفرش می دہند ورنہ در فاسق وفاجر بودن آنکس ومستحق غضب الٰہی ومستوجب عذاب دنیوی واخروی شدن آں شبہ نیست۔ فتاویٰ عبدالحی لکھنوی

---

[1] شرح مہذب

اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور علماء کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہا اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر کسی اور وجہ سے ہے تب بھی اُس شخص کے فاسق وفاجر ہونے میں اور اللہ کے غصہ اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔[1]

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ جو اکابر مشائخ میں سے ہیں لکھتے ہیں:

أخذ علينا العهد العام من رسول الله ﷺ ان نبجل العلماء والصالحين والاكابر ولو لم يعملوا بعلمهم ونقوم بواجب حقوقهم ونكل امرهم الى الله فمن اخل بواجب حقوقهم من الاكرام والتبجيل فقد خان الله ورسولهُ فان العلماء نواب رسول الله ﷺ وحملة شرعه وخدامه فمن استهان بهم تعدّى ذلك الىٰ رسول الله ﷺ وذلك كفرٌ، وَقَدْ قَالَ الىٰ ذَالِكَ مِنْ كُفْرِمَنْ قَالَ عَنْ عَمَامَةِ عَالِمٍ :هٰذِهٖ عُمَيْمَةُ عَالِمٍ بِالتَّصْغِيْرِ، وتامل من استهان بغلام السلطان اذا ارسلهُ اليه كيف يسمع السلطان من رسوله فيه ويسلب نعمة ذلك الذى استهان ويطردهُ عن حضرته بخلاف من بجلهُ عظمهُ وقام بواجب حقه السلطان۔[2]

کہ ہم لوگوں سے نبی کریم ﷺ کی طرف سے یہ عام عہد لیا گیا ہے کہ ہم علماء کی صلحاء کی اور اکابر کی تعظیم کیا کریں چاہے وہ خود اپنے علم پر عمل نہ کیا کریں اور ہم لوگ اُن کے حقوق واجبہ کو پورا کرتے رہیں اور اُن کے ذاتی معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ جو شخص اُن کے حقوق واجبہ اکرام و تعظیم میں کوتاہی کرتا ہے وہ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے اس لیئے کہ علماء رسول اللہ ﷺ کے

---

[1] بحوالہ ''الاعتدال فی مراتب الرجال''، ص ۱۸۶، ۱۸۷

[2] لواقح الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ، للعلامۃ الشعرانی، ص ۲۵۰، طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت

جانشین ہیں اور اُن کی شریعت کے حامل اور اُس کے خادم، پس جو شخص ان کی اہانت کرتا ہے تو یہ سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک پہنچتا ہے اور یہ کفر ہے، اور علماء نے اس بات کو بھی اسباب کفر میں شمار کیا ہے کہ حقارت سے اسم تصغیر کے الفاظ کے ساتھ عالمِ دین کے عمامہ کو عُمیمہ کہے، اور تم غور کرلو کہ بادشاہ اگر کسی کو ایلچی بنا کر کسی کے پاس بھیجے اور وہ اُس کی اہانت کرے تو بادشاہ ایلچی کی بات کس غور سے سنے گا اور اپنی اُس نعمت کو جو اس اہانت کرنے والے پر تھی ہٹالے گا اور اس کو اپنے دربار سے ہٹا دے گا بخلاف اُس شخص کے جو ایلچی کی تعظیم وتوقیر کرتا ہے اور اُس کا حق ادا کرتا ہے تو بادشاہ بھی اُس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

فتاوٰی ھندیہ المعروف فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

مَنْ اَبْغَضَ عَالِمًامِنْ غَیرِسَببٍ ظَاھِرٍخِیفَ عَلَیْہِ الْکُفْرُ۔

جو شخص کسی عالم سے بلا کسی ظاہری سبب کے بُغض رکھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

عارف رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چوں خدا خواھد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنئہ پاکاں زند

رب تعالی جب کسی کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو بطور اسباب کے اس کے دل میں نیک بندوں کے طعنہ زنی ڈال دیتے ہیں۔

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اسلافِ امت کی یہ تنبیہات ہمیں اس طرف متوجہ کرنے کے لئے ہیں کہ ائمہ دین، فقہائے کرام، اور علمائے عظام پر تنقید اور امت میں ان مقبولانِ بارگاہ خداوندی سے بغض پیدا کرنا ایک عظیم خطرہ ہے۔ یہ صرف غیبت اور عداوت کا گناہ نہیں معصیت کی دلدل اور کفر کی دہلیز ہے۔ اس لیے ان حضرات کی عظمت، بزرگی کے چرچے اور فضائل ومناقب کا بیان جہاں ان محسنین امت کا ہم پر حق ہے وہیں ان مقبولانِ بارگاہ خداوند کی محبت کے طفیل روز محشر ان کے ساتھ محشور ہونے کا شرف بھی ہے حضور انور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔[1]

---

[1] آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اُسے محبت ہے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پیرِ دانا را
دست درد امن مردان زند و اندیشہ مکن
کہ بانوح نشنید چہ غم از طوفانش

سعادت مند جوان! پیر دانا کی نصیحت سن، کہ اے محبوب! وہ تجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے نیک لوگوں کی اطاعت کر، اور پھر غم نہ کر کہ جب کوئی ضرورت جیسے نوح علیہ السلام کے ساتھ بیٹھ جائے تو اسے طوفان سے کیا ڈر ہے۔

تنقید برائے تنقیص اور تنقید برائے تحقیق میں فرق

گزشتہ سطور سے فقہائے کرام سے محبت وعقیدت کا فائدہ اور تنقید و تنقیص کا نقصان واضح ہوجاتا ہے۔ یہاں ایک مغالطہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسماء الرجال اور تاریخِ اسلام کی کتابوں میں راویانِ حدیث، فقہاء اور محدثین پر تنقید موجود ہے اور کبھی فنِ رجال کی جرح وتعدیل کے اصول وضوابط سے بے بہرہ اس تفصیل کو دیکھ کر گھبرا اٹھتا ہے ہے کہ میں کس کے متعلق کیا فیصلہ کروں جیسا کہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے لکھا:

> جرح وتعدیل کے اصول وضوابط سے لاعلمی اور فنِ اسماء الرجال کے وسیع مطالعہ کے بجائے محض کسی کی نقل یا عمومی کتب کے سرسری مطالبہ سے یہ تشکیک پیدا ہوتی ہے ورنہ ایک تو عام لوگوں کو اس فن کی ضرورت نہیں کہ: ان فن نے ماہرین کے اپنی طویل عمریں اور صلاحیتیں اس کے لئے وقف کرتے ہوئے اس فن کی روشنی میں اس فن کے اصل مقصود احادیثِ صحیحہ کی تلاش میں احادیث کے ایسے مجموعہ مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ مرتب فرمادیے ہیں کہ عمل کرنے، اور پیش آئندہ مسائل کے لئے احادیث کی ضرورت کو یہ مجموعے جوڑ کر رہے ہیں۔ اور دوسرے جس طرح احادیث کے دوسرے مجموعے جن میں محض صحیح احادیث لانے کا اہتمام نہیں ہوا کو دیکھتے ہوئے ہم احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے بدگمان

تو نہیں ہو سکتے صحیح مجموعہ احادیث موجود ہیں اور اگر کسی کو تحقیق کا شوق ہے تو ان فنون کو سیکھے۔ اسی طرح کتب رجال میں رجالِ امت کے متعلق مختلف آراء واقوال کو دیکھتے ہوئے ہم ان رجال ہی سے بدگمان نہیں ہو سکتے اور اگر کسی کو تحقیق کا شوق ہے تو ان فنون کو سیکھے، اصول وضوابط کو سمجھے تو انشاء اللہ صحیح راستہ موجود ہے۔

کتبِ رجال میں تنقید کا مقصد محض تنقید نہیں بلکہ تحقیق ہے رجال کے حالات دیکھتے ہوئے محدثین ان کی مرتبی درجہ بندی کرتے ہیں اور پھر ان مراتب کے اعتبار سے ان کی بیان کردہ روایات کے درجات متعین کیے جاتے ہیں۔ کتب احادیث کے مؤلفین نے اپنی تالیفات کے لئے راویانِ حدیث کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں، یہ درجہ بندی ان ہی شرائط سے مرتب کی گئی ہے۔ مثلاً احادیث میں صحیح، ضعیف، مرسل وغیرہ جو درجات متعین کر دیئے گئے ہیں وہ دراصل ان متونِ حدیث کے اسناد کے راویوں کے درجات ہیں۔ چونکہ رجال حدیث سے حدیثِ رسول اللہ ﷺ جیسی اہم امانت کا حصول مقصود ہے اور پھر اس حاصل کردہ امانت سے مسائل شرعیہ کا اخذ واستنباط ہے، اس لیے جن حضرات سے یہ امانت ملی ہے، ان کی خوب جانچ پرکھ کی جاتی ہے، یہ تنقید محض نہیں بلکہ تنقید برائے تحقیق ہے۔ مثلاً حضرت امام مسلم رحمہ اللہ صاحب صحیح مسلم نے مقدمہ مسلم میں اصولِ حدیث کے بیان اور رجالِ حدیث کی درجہ بندی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> اِذَا جَاءَ الصُّوفِيُّ فِي السَّنَدِ فَاغْسِلْ يَدَيْكَ۔
>
> جب سندِ حدیث میں کوئی صوفی بزرگ آجائے تو اس سند سے ہاتھ دھو بیٹھو یعنی اس کا اعتبار نہ کرو۔

صوفیائے کرام تقویٰ اور ورع کے اعتبار سے اس امت کا اعلیٰ ترین طبقہ ہیں۔ مگر چونکہ کسرِ نفسی اور دوسروں کے متعلق خیر کے گمان کا ان حضرات پر اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ تنقید کے بجائے یہ تعریف کو ترجیح دیتے ہیں، ممکن ہے حدیثِ رسول ﷺ کی امانت کو لیتے ہوئے انہوں نے اپنے حسنِ ظن پر ایسے آدمی سے حدیث لے لیں جو اس درجہ کا نہیں چونکہ یہ حصول امانت کا مرحلہ ہے اس لیے یہاں تعریف وتوصیف کے پہلوؤں کے ساتھ جرح وتنقید کے پہلوؤں کو زیادہ اہمیت دی

جاتی ہے تاکہ حدیثِ رسول ﷺ کی امانت کے ٹھیک ٹھیک پہنچنے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

فنِ رجال کے ماہرین کی تنقید کا مقصد محمود ہے اس لیے یہ تنقید محض یا تنقید برائے تنقیص نہیں بلکہ تنقید برائے تحقیق ہے۔ جب کہ تنقید کا ایک دوسرا پہلو تنقید برائے تنقیص ہے۔ قرآن وحدیث اور ائمۂ اسلاف نے جس تنقید کی مذمت کی ہے وہ تنقید برائے تنقیص ہے اس کا مقصد کسی کی برائی پھیلانا، اسے اپنے رتبہ اور مقام سے گرانا اور لوگوں کو اس سے بدگمان کر کے اس کے فیوضات وحسنات سے محروم کرنا ہے۔ تنقید کا یہ پہلو یہودیانہ مکروفریب کا شاخسانہ ہے اسی مقصد کے لیے یہودیوں نے اپنے سازشی ذہن سے اسلام کے لبادہ میں منافقین یہودیوں کو مسلمانوں میں داخل کر کے انہیں فتنوں میں مبتلا کیا۔ صحابہ کرام ﷺ سے بدظن کرنے کے لیے خود دورِ صحابہ ﷺ میں عبداللہ بن سبا نے شیعیت کی بنیاد رکھی اور تنقید وتنقیص کے ذریعہ اختلاف وانتشار کی ایسی فضا قائم کی کہ تاریخ اسلام اس فتنہ کی خون ریزی سے لہولہان ہے۔ عبداللہ بن سبا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مشہور شیعہ ماہر رجال علامہ عبداللہ المامقانی لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ اَهْلُ الْعِلْمِ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بِنَ سَبَا كَانَ يَهُوْدِيًّا۔[1]

اہل علم نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سبا اصل میں یہودی تھا۔

شیعت کے علاوہ مسلمانوں میں صدیوں سے پنپنے والے اختلافات اسی یہودیانہ مکر اور تنقید محض کا تاثر ہیں اس دور کے اہل حدیث بھی حدیث کے نام پر اسلافِ امت سے بدگمان کرنے اور تنقیدِ محض یعنی تنقید برائے تنقیص کے علم بردار ہیں۔

اہل حدیث غیر مقلدین

دین کی بنیاد کھوکھلا کرنے اور اسلام کی صورت مسخ کرنے کے لیے یہودیوں نے اپنے آلہ کاروں کے ذریعہ مسلمانوں میں جو فتنے پیدا کیے ان میں ایک فتنہ اہل حدیث غیر مقلدین کا بھی ہے۔ غیر مقلدین چونکہ تقلید کا انکار کرتے ہیں، تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک کہتے ہیں، اس لیے انہیں اپنے پسندیدہ فعل انکار تقلید پر امت نے ''غیر مقلد'' کے لقب سے نوازا ہے غیر مقلدین کے ہاں ہر آدمی عالم ہو یا جاہل اسے قرآن وحدیث سے براہِ راست مسائل نکالنے کا حق حاصل ہے چنانچہ مولانا فرداؤد راز صاحب لکھتے ہیں:

[1] تنقیح المقال فی علم الرجال، ۲/۱۸۴

اہل حدیث کے نزدیک ہر سمجھ دار مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افرادِ امت کے فتاوے ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے ورنہ ان کو جواب دے دے۔[1]

تفصیل گزر چکی ہے کہ تقلید مجتہدین کی تحقیق پر اعتماد کا نام ہے اور اس اعتماد کی علامت تقلید ہے۔

علامہ محمد اقبال مرحوم تقلید کی اس اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

راہِ ابا رو کہ این جمعیّت است

معنی تقلید ضبط ملت است

اپنے اکابر کا طریقہ اختیار کر کہ یہ جمعیّت ہے تقلید کا معنی ملت سے اپنا رشتہ جوڑنا ہے۔

ہر باطل ایسا عنوان اختیار کرتا ہے کہ جس سے اس کا عیب چھپ سکے اور اس عنوان سے وہ دھوکہ دے سکے، جیسا کہ منکرین فقہ، حدیث کا نام لے کر اپنے آپ کو ''اہل حدیث'' اور منکرین حدیث، قرآن کا نام لے کر اپنے آپ ''اہل قرآن'' کہتے ہیں جب کہ حقیقتاً ان کا مقصد حدیث یا قرآن کو ماننا نہیں ہوتا۔

جن اصولوں سے منکرینِ فقہ، فقہ کا انکار کرتے ہیں اور منکرینِ حدیث کا انکار کرتے ہیں انہی اصولوں پر تو خود حدیث اور قرآن کا انکار کرنے والے پیدا ہو رہے ہیں۔ منکرینِ فقہ کا اپنے آپ کو اھل حدیث کہنا بھی حدیث کے نام پر اپنے انکارِ دین پر پردہ ڈالنا ہے۔ علامہ ذہبی خطیب بغدادی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

كَانَ لَحَّانًا وَلَا يَعْرِفُ الْفِقْهَ وَكَانَ اذَا ذُكِرَ لَهٗ مَذْهَبُ اَحَدٍ يَقُوْلُ اَنَا مُحَمَّدِيُّ الْمَذْهَبِ۔[2]

ابن شاہین غلطیاں کرتا تھا فقہ سے نا آشنا تھا، جب اس کے سامنے کسی شخص کا مذہب ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا میں محمدی المذہب ہوں۔

۱۔ دیباچہ فتاویٰ ثنائیہ، ص ۱/۱۹

۲۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۸۴

ابن شاہین جس طرح فقہ سے لاعلمی پر اپنے آپ کو ''محمدی'' کہتا تھا اسی طرح منکرینِ فقہ وتقلید اپنے آپ کو ''اھل حدیث'' کہتے ہیں۔ اور ایک مستقل فرقہ کی طرح ہیں۔

ہر غیر مجتہد عالم وجاہل کو ''اھل حدیث'' کہنے کا ذکر اسلام کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔

۱۸۵۷ھ میں جب جب ہندوستان میں انگریز نے قدم جمائے تو اسلامی اقدار اور دینی قدامت پسندی کو ختم کرنے کے لیے اھل حدیث بطور فرقہ کے متعارف کرایا گیا۔ حدیث فرقِ امت کی پیشین گوئی میں علماء پہلے سے امت کو اس خطرہ سے آگاہ کر چکے تھے۔

ائمہ مرحومین کے انکارِ اتباع کا یہ مرض غیر مقلدین میں شیعیت سے منتقل ہوا غیر مقلدین کے مشہور پیشوا قاضی محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء) نے ائمہ مرحومین کی تقلید کے رد میں ''القول المفید فی ادلة الاجتہاد والتقلید'' کے نام سے کتاب لکھی۔ قاضی شوکانی شیعہ اثناعشریہ سے متاثر تھے اور شیعہ کا مشہور مسلک ''زیدی'' اختیار کیا ہوا تھا اور اسی کا پرچار کرتے تھے۔ ال حدیث غیر مقلدین اسی قاضی شوکانی صاحب کی ''نیل الاوطار'' کا پرچار کرتے ہوئے ''یمنی زیدی فقہ'' کو قانون رائج الوقت بنانے کے علم بردار ہیں۔

برصغیر میں ۱۸۵۷ء سے پہلے فرقہ غیر مقلدین کا وجود کہیں نہیں ملتا۔ امام المجاہدین حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ (م ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) لکھتے ہیں:

> دراعمال اتباع مذاہبِ اربعہ کہ رائج درتمام اھلِ اسلام است بهتر وخُوب است۔[1]
>
> فروعات میں مذاہب اربعہ کی پیروی جو تمام اہلِ اسلام میں پائی جاتی ہے بہت اچھی اور خوب ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کا زمانہ تیرہویں صدی ہجری ہے، یہ انگریز کا ابتدائی دور ہے انگریز نے سکھوں کی معاونت سے آپ کو دوسرے مجاہدین سمیت بالاکوٹ میں شہید کرایا۔ آپ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور تک کوئی مکتبِ فکر ''اھل حدیث'' ''غیر مقلدین'' یا ''محمدی'' وغیرہ کے عنوان سے موجود نہ تھا۔

فرقہ اھل حدیث غیر مقلدین کی کوئی بنیاد نہیں اس لیے کبھی اپنی نسبت قاضی شوکانی زیدی

۱۔ صراط مستقیم، ص ۹۷

شیعہ کی طرف کرتے ہیں کبھی ابن ظاہری کی طرف کبھی ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوھاب کو اپنا مقتدا بناتے ہیں اور کبھی برصغیر میں حضرت شاہ محمد اسمعیل شہید رحمہ اللہ کو اھل حدیث بتاتے ہیں حضرت شاہ محمد اسمعیل شہید کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ بطور فرقہ یا جماعت کے ''اھل حدیث'' کے نام سے اس وقت کوئی جماعت ہے ہی نہیں۔

برصغیر میں تجارت کی غرض سے عربوں کی آمد و رفت زمانہ بعثت سے پہلے سے تھی زمانہ رسالت اور عہد صحابہ میں مسلمان برصغیر میں کثرت سے آئے اور یہاں اسلام کی روشنی ان لوگوں کی محنت سے پھیلی برصغیر میں مسلمانوں کی باقاعدہ فتوحات اور حکمرانی کا دور سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) سے شروع ہوا سلطان محمود غزنوی سے لیکر برصغیر میں انگریزوں کی آمد تک تمام مسلمانوں اہل السنّت والجماعت حنفی مقلدین تھے۔ برصغیر میں کہیں بھی اھل حدیث وغیرہ کے نام سے نہ کوئی فرقہ تھا اور نہ اس نام سے کوئی مسجد، مدرسہ یا مکتب وغیرہ تھا۔ انگریز نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے اور اتحادِ امت کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے ''اھل حدیث'' کے نام سے غیر مقلدین کا فرقہ متعارف کرایا آج بھی برصغیر میں اہل السنّت والجماعت حنفی مسلمانوں کی اکثریت ماضی کے اس سنہری دور کی دلیل ہے۔ مودودی جماعت اسلامی غیر مقلدین کی طرف فکری آزادی کی علمبردار ہونے کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے۔ مولانا محمد یوسف اصلاحی (انڈیا) نے جماعت اسلامی کی مرکزی قیادت کی درخواست پر ''آسان فقہ'' کے عنوان سے فقہی مسائل کو جمع کیا ہے، جو انڈیا اور پاکستان میں مودودی جماعت اسلامی کے نصابِ تربیت کا حصہ ہے مولانا محمد یوسف اصلاحی صاحب ''آسان فقہ'' کے مقدمہ میں برصغیر میں اہل السنّت والجماعت حنفی مسلمانوں کی اس اکثریت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> برصغیر میں اگرچہ ہر مسلک کے پیرو موجود ہیں۔ لیکن ان میں عظیم اکثریت حنفی مسلک ماننے والوں کی ہے۔ یہ کتاب ''آسان فقہ'' خاص طور پر انہی کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں باہمی اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف وہی متفقہ عملی مسائل بیان کیے گئے ہیں جن پر احناف کا عمل ہے اور جو عام طور پر پیش آتے ہیں، تاکہ مسلمان ذہنی خلفشار سے محفوظ رہتے ہوئے یکسوئی

اوراطمینان کے ساتھ اپنے مسلک کے مطابق عمل کرسکیں۔ (آسان فقہ، ص ۵، مطبوعہ جنوری ۲۰۰۸ء)

برصغیر میں غیر مقلدین کے بانی میاں نذیر حسین دہلوی مرحوم (م ھ/ ء) نے ''معیار الحق'' کے نام سے کتاب لکھی اس کے جواب میں مولانا قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میاں صاحب کے ایک شاگرد جوان کے انکار تقلید کے زمانہ سے پہلے کے شاگرد ہیں ''مدار الحق'' کے نام سے ایک مدلل مبسوط کتاب لکھی۔ میاں نذیر حسین دہلوی مرحوم کے ایک غیر مقلد شاگرد اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غیر مقلدین کا وجود دور برطانیہ سے پہلے روئے زمین پر نہ تھا۔ لکھتے ہیں:

پچھلے زمانے میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے اپنے آپ کو تو یہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لا مذہب لیا جاتا ہے۔ (الارشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۳)

مشہور غیر مقلد اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم (۱۳۳۸ھ/۱۹۲ء) نے انگریز کو خوش کرنے کے لیے جہاد اسلام کے اہم رکن کے خلاف ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' وغیرہ کتابیں لکھیں، ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں اپنی دعاؤں کی سوغات کے ساتھ یہ ہدایا بھیجے، انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کے نام ایک درخواست ارسال کی جس میں مجاہدین کو باغی قرار دیا، انگریز حکومت کے لیے اپنی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ''اہلحدیث'' نام آلاٹ کرنے کے لیے درج ذیل درخواست پیش کی۔

ترجمہ درخواست برائے الاٹمنٹ نام اہلحدیث و منسوخی لفظ وھابی اشاعۃ السنہ آفس لاہور

از جانب ابوسعید محمد حسین لاہوری، ایڈیٹر اشاعۃ السنہ وکیل اہل حدیث ہند

بخدمت جناب سیکرٹری گورنمنٹ

میں آپ کی خدمت میں سطور ذیل پیش کرنے کی اجازت اور معافی کا خواستگار ہوں، ۱۸۸۶ء میں میں نے ایک مضمون اپنے ماہواری رسالہ اشاعۃ السنہ میں شائع کیا تھا جس میں اس بات کا اظہار تھا کہ لفظ وھابی، جس کو عموماً باغی

ونمک حرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس لفظ کا استعمال، مسلمانان ہندوستان کے اس گروہ کے حق میں جو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور وہ ہمیشہ سے سرکار انگریز کے نمک حلال وخیر خواہ رہے ہیں، اور یہ بات (سرکار کی وفاداری ونمک حلالی) بارہا ثابت ہو چکی ہے اور سرکاری خط وکتابت میں تسلیم کی جا چکی ہے، مناسب نہیں، خط کشیدہ جملے خاص طور پر قابل غور ہیں۔

بنابریں اس فرقہ کے لوگ اپنے حق میں اس لفظ کے استعمال پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ اور کمال ادب وانکساری کے ساتھ، گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ (ہماری وفاداری، جاں نثاری اور نمک حلالی کے پیش نظر) سرکاری طور پر اس لفظ وہابی کو منسوخ کر کے اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم نافذ کرے، اور ان کو اہل حدیث کے نام سے مخاطب کیا جاوے اس مضمون کی ایک کاپی بذریعہ عرضداشت میں (محمد حسین بٹالوی) نے پنجاب گورنمنٹ میں پیش کی اور اس میں یہ درخواست کی کہ گورنمنٹ اس مضمون کی طرف توجہ فرماوے، اور گورنمنٹ ہند کو بھی اس پر متوجہ فرماوے اور اس فرقہ کے حق میں استعمال کیا جانے والا لفظ وہابی سرکاری خط وکتابت میں موقوف کیا جاوے اور اہل حدیث کے نام سے مخاطب کیا جاوے۔ اس درخواست کی تائید کے لیے اور اس امر کی تصدیق کے لئے کہ یہ درخواست کل ممبران اہل حدیث پنجاب وہندوستان کی طرف سے ہے (پنجاب وہندوستان کے تمام غیر مقلد علماء یہ درخواست پیش کرنے میں برابر کے شریک ہیں) اور ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ ان سب کی طرف سے وکیل ہے۔ میں (محمد حسین بٹالوی) نے چند قطعات مختصر نامہ گورنمنٹ پنجاب میں پیش کئے، جن پر فرقہ اہل حدیث تمام صوبہ جات ہندوستان کے دستخط ثبت ہیں۔ اور ان میں اس درخواست کی بڑے زور سے تائید پائی جاتی ہے۔

چنانچہ آنریبل سر چارلس ایچی سن صاحب بہادر، جو اس وقت پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر تھے، گورنمنٹ ہند کو اس درخواست کی طرف توجہ دلا کر اس

درخواست کو باجازت گورنمنٹ ہند منظور فرمایا، اور اس استعمال لفظ وہابی کی مخالفت اور اجراء نام اہل حدیث کا حکم پنجاب میں نافذ فرمایا جائے۔

میں ہوں آپ کا نہایت ہی فرمانبردار خادم

ابوسعید محمد حسین

ایڈیٹر "اشاعۃ السنہ" (اشاعۃ السنہ، ص ۲۴ تا ۲۶، شمارہ نمبر ۲، جلد نمبر ۱۱)[۱]

چنانچہ بٹالوی صاحب کی یہ درخواست بذریعہ چھٹی نمبر ۱۷۵۸، مجریہ ۳ دسمبر ۱۸۸۶ء کو منظور ہوئی۔ اور یوں ۳ دسمبر ۱۸۸۶ھ کو غیر مقلد کو "اہل حدیث" نام سرکاری طور پر الاٹ ہوا۔ اس طرح ۳ دسمبر غیر مقلدین کا یوم پیدائش ہے۔ علامہ قرطبی کی تحقیق کے مطابق حدیث فرقِ امت میں جس تہتروین فرقہ کی پیشین گوئی ہے اس کے پورا ہونے کا دن ہے۔

ع یارو خوشیاں مناؤ کہ بالن آیا ہے

ال حدیث غیر مقلدین بھی احسان فراموش نہیں انہوں نے جگہ جگہ سے اس مذہبی فکری آزادی کے رجسٹریشن ہونے اور اس گمراہی کی قانونی سند ملنے پر حکومت برطانیہ کا شکریہ ادا کیا۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد مرحوم (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) لکھتے ہیں:

جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومت انگریز میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گرنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب کو دی ہے۔[۲]

نواب صدیق خان نے نہ صرف حکومت برطانیہ کا شکریہ ادا کیا، مقلدین اور مجاہدین کو متعصب، آبائی ضد، جہالت اور جہاد کو غدر اور فساد قرار دیا چنانچہ لکھتے ہیں:

اور یہ (مقلدین احناف) چاہتے ہیں کہ وہی تعصب مذہبی اور تقلید شخصی اور ضد و جہالت آبائی جو ان میں چلی آتی ہے قائم رہے، اور جو آسائش رعایا ہند کو بوجہ آزادگی مذہب گورنمنٹ (انگریز) نے عطا کی ہے وہ اٹھ جائے، اور امن باقی نہ رہے۔ سارے مسلمانان وغیرہ ایک مذہب خاص کے پابند ہو کر خوب تعصب

۱۔ اہل حدیث اور انگریز، ص ۹۸ ـ ۱۰۰

۲۔ ترجمان وہابیہ، ص ۱۶

اپنا گورنمنٹ (انگریز) پر ظاہر کریں اور جب موقع پاویں مثل زمانہ غدر (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) فساد برپا کریں۔[1]

نیز لکھتے ہیں:

اگر کوئی بدخواہ و بداندیش سلطنت برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا جو آزادی مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے جما ہوا ہے۔[2]

حکومت برطانیہ نے مسلمانوں میں حدیث کے نام پر مذہبی فکری آزادی کے فروغ کے لیے اپنے غیر مسلم آلہ کاروں کو بھی ہر رنگ سے استعمال کیا چنانچہ برصغیر کے غیر مسلموں نے بھی مسلم دشمنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی مثلاً: عبدالحق بنارسی اور ابوالحسن محی الدین، علی پورچھٹہ، اہل حدیث غیر مقلدین کے مقتدر لوگوں سے شمار کیے جاتے تھے اور یہ دونوں ہندوں تھے۔ عبدالحق بنارس کا ہندو تھا، غیر مقلد بن کر ائمہ اسلاف کے خلاف خوب زہر پھیلاتا تھا، ابوالحسن محی الدین کا نام "ہری چند" تھا علی پورچھٹہ کا رہنے والا تھا، غیر مقلد بن کر مسلمانوں میں اسلاف کے خلاف نفرت پھیلانا اس کا مشن تھا۔ اسی لیے اس نے "الظفر المبین" کے نام سے کتاب لکھی مولانا منصور علی بن مولانا محمد حسن مرادآبادی رحمہ اللہ نے "الظفر المبین" کے جواب میں "فتح المبین فی کشف فکائد غیر المقلدین" کے نام سے مدلل کتاب لکھی۔ شیعہ تو غیر مقلد ہوتے ہی ہیں مگر برصغیر والوں کے لیے یہ نئی معلومات کہ ہندو بھی غیر مقلد ہوتے ہیں۔

ترک تقلید دراصل فکری آزادی کی آڑ میں اتباع اکابر سے فرار ہے اس لیے اس گمراہی سے جو صدہا گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، ان میں سب بڑی ہلاکت اپنے اکابر، اسلاف سے بدگمان ہونا اور ان پر تنقید و تنقیص کرنا ہے۔

چنانچہ اس فکری آزادی کی وجہ سے انکارِ حدیث وفقہ اور صحابہ کرام ﷺ سے لیکر ائمہ، مجتہدین اور اکابرین امت تک کوئی بھی ان کی تنقید و تنقیص سے محفوظ نہ رہا اس کی تفصیل "ترک تقلید کے بھیانک نتائج" میں دیکھی جائے یہاں بطور نمونہ چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

۱۔ "ترجمان وہابیہ" ص ۵۶

۲۔ "ترجمان وہابیہ" ص ۵

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

صحابہ ﷺ عموماً اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خصوصاً اتباع سنت میں مشہور ہیں لیکن ان کا یہ فعل سنت صحیحہ کے خلاف ہے۔[1]

برصغیر میں فرقہ غیر مقلدیت کے بانی عبدالحق بناری ہندو غیر مقلد کا ایک اقتباس مولانا عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے جس میں اس نے صحابہ ﷺ کی توہین کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

”ان کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں اور ہم کو سب حدیثیں یاد ہیں اور ان کا علم کم تھا اور ہمارا علم بڑا ہے“[2]

نیز اس بدبخت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کرتے ہوئے یہ بکواس کی ہے کہ:

”عائشہ ﷺ حضرت علی ﷺ سے لڑ کر مرتد ہوئی اور اگر بے توبہ مری تو کافر مری“[3]

علامہ وحید الزمان غیر مقلد صحابہ ﷺ کی توہین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بعض صحابہ ﷺ نے ایسے کام بھی کئے ہیں جو شرعاً اور عقلاً ہر طرح مذموم ہیں“[4]

نیز لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ صحابہ ﷺ فاسق ہیں، جیسا کہ ولید اور اسی کے مثل کہا جائے گا معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب ﷺ کے حق میں۔[5]

نیز لکھتے ہیں:

”خلفائے راشدین ﷺ کو گالیاں دینے سے آدمی کافر نہیں ہوتا“۔[6]

۱۔ ”فتاوی سلفیہ“ ص ۱۰۷

۲۔ ”کشف الحجاب“ (ص ۲۱) بحوالہ: ”مقدمہ رسائل اہل حدیث“ (۲۹/۱)

۳۔ ”کشف الحجاب“ (ص ۲۱) بحوالہ: ”مقدمہ رسائل اہل حدیث“ (۲۹/۱)

۴۔ ”لغات الحدیث“ (ج ۲، کتاب ص، ص ۱۹)

۵۔ ”نزل الابرار“ (ج ۳ ص ۹۴)

۶۔ ”نزل الابرار“ (۲/۸ ۳۱)

اسی طرح لکھا ہے کہ:

''ایک سچے مسلمان کا جس میں ایک ذرہ بھی پیغمبر صاحب کی محبت ہو دل یہ گوارا کرے گا کہ وہ معاویہؓ کی تعریف و توصیف کرے''۔[1]

اسی طرح انہوں نے حضرت معاویہؓ کے لئے حضرت اور رضی اللہ عنہ وغیرہ کلمات تعظیم کہنے سے بھی منع کیا ہے۔[2]

حکیم فیض عالم صدیقی غیر مقلد خطیب جامع مسجد اہل حدیث محلہ مستریاں جہلم اپنی کتاب ''سیدنا حسن ابن علیؓ'' میں جا بجا حضرات اہل بیت کی سخت توہین کی ہے۔ مثلاً اسی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے:

''سیّدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت اور سیّدنا حسنؓ''

اس عنوان کے ذیل میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علیؓ خلافت کے مستحق نہیں تھے اور آپ کی خلافت صحیح نہیں تھی۔ العیاذ باللہ۔

رسول خدا ﷺ کے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو زمرہ صحابہؓ سے خارج کرتے ہوئے لکھتا ہے:

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو زمرہ صحابہ میں شمار کرنا صریحاً سبائیت کی ترجمانی یا اندھا دھند تقلید کی خرابی ہے۔[3]

ایک انتہائی متعصب غیر مقلد ابوالاشبال شاغف نے امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ پر قرآن و سنت کی مخالفت کا الزام لگاتے ہوئے اپنی خباثت کا یوں اظہار کیا ہے کہ:

جب حضرت عثمان نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو اپنی صواب دید اور اجتہاد سے امیر جہاد مقرر کیا تو ۳۱ھ میں محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے ان کی مخالفت شروع کر دی اور اس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ و علی کی شہادت اور جنگ وجدال کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے نص صریح کو چھوڑ کر قیاس

۱۔ ''لغات الحدیث''

۲۔ ''لغات الحدیث''

۳۔ ''سیدنا حسن بن علیؓ'' (ص ۲۳)

واجتہاد پر عمل کرنے کا۔[۱]

اسی طرح اس بدبخت نے حضرت معاویہ ﷺ پر بھی قرآن وسنت کی مخالفت کا الزام لگایا ہے۔[۲]

غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں[۳]

غیر مقلدین کی ان بے اعتدالیوں کی وجہ سے خود ان کے اپنے اکابرین بھی ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیے بغیر نہ رہ سکے۔

مولانا عبدالاحد خانپوری جو مولانا نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کے شاگرد اور مقتدر غیر مقلد عالم ہیں، لکھتے ہیں:

اس زمانے کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت مَاجَاءَ الرَّسول سے جاہل ہے وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں روافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ وزنادقہ کا تھے اسلام کی طرف اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہٖ مثل تشیع کے......

مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین ﷺ کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کے کر گالی دے دیں اور پھر جس قدر الحاد اور زندقہ پھیلائیں کچھ پروا نہیں۔اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہل حدیثوں میں ایک دفع رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کو ہتک کرے مثل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ

۱۔ مقالات شاغف (ص ۲۸۲)

۲۔ مقالات شاغف (ص ۲۸۲)

۳۔ ماخوذ از المہند الدیوبندی (ص ۹-۱۳)

ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر بداعتقادی اورالحاد اور زندیقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بجبیں بھی نہیں ہوتے۔[1]

غیر مقلدین کے اکابر میں سے علامہ وحید الزمان غیر مقلد[2] مترجم صحاح ستہ لکھتے ہیں:۔

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر، صرف، لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آ چکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے۔ بعضے عوام اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے۔ باقی اور آداب اور سنن اور اخلاق نبوی سے کچھ مطلب نہیں۔ غیبت جھوٹ افترا سے باک نہیں کرتے ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں۔ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں، شرک اکبر کو شرک

۱۔ ''التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ'' (ص ۲۶۲)

۲۔ تعارف علامہ وحید الزمان غیر مقلد جو کہ کتب ''صحاح ستہ'' کے مترجم اور اکابرین علمائے غیر مقلدین میں سے ہیں۔ غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا بدیع الدین راشدی غیر مقلد (جنہیں زبیر علی زئی اپنا استاد قرار دیتے ہیں) ان کے تعارف میں لکھتے ہیں: نواب عالی جناب! عالم باعمل فقیہ وقت، محب السنہ وحید الزمان بن مسیح الزمان الدکنی (ہدایۃ المستفید ترجمہ فتح الحمید ص ۱۰۳) مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد ان کو محدث حیدر آباد اور مترجم صحاح سبعہ قرار دیتے ہیں۔ (فتاوی اہل حدیث ۲/۲۳) مولانا ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد نے ان کو اپنے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی'' کے خصوصی تلامذہ میں ذکر کیا ہے۔ (تاریخ اہل حدیث ص ۴۸۲) عبدالرشید عراقی غیر مقلد نے بھی ان کو مولانا نذیر حسین کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے، اور ان علمائے اہل حدیث میں شمار کیا ہے۔ (''اہل حدیث کے چار مراکز'' ص ۴۹) نیز ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ انہوں نے نواب صدیق حسن خان (غیر مقلد) کے حکم سے صحاح ستہ بشمول موطا امام مالک ماسوا جامع ترمذی کے اردو تراجم کیے۔ (ایضاً ص ۶۰)

اصغر سے تمیز نہیں کرتے۔[1]

علامہ وحید الزمان غیر مقلد ان نام نہاد اہل حدیث کی مختلف اقسام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعضے اہل حدیث بظاہر تو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں مگر حکام وقت کی خوشامد سے حق باتوں کا اظہار نہیں کرتے۔ بعضے کیا کرتے ہیں کہ تفسیر قرآن میں صحابہ ﷺ اور سلف صالحین کا طریقہ چھوڑ کر نئے نئے معانی اور مطالب اپنی خواہش نفس کے موافق نکالتے ہیں گویا ترک تقلید کے انہوں نے یہ معنی سمجھے ہیں کہ احادیث اور آثار صحابہ ﷺ اور تابعین کی تقلید بھی ضروری نہیں ہے جس طرح چاہو قرآن کی تفسیر کر لو۔ بعضے اگلے اماموں اور مجتہدین اور پیشوایان دین پر جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ بعضے شرک وبدعت میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ معاذ اللہ جادہ اعتدال سے باہر ہو گئے ہیں مسلمانوں کو ذرہ ذرہ سے مکروہ یا حرام کاموں کے ارتکاب پر کافر اور مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں۔ یہی برائی ہے جو اس بھلائی میں ملی ہوئی ہے۔ بعضے اہل حدیث ایسے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید سے بھاگے لیکن ابن تیمیہؒ اور ابن قیم اور شوکانی اور مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور نواب صدیق حسن خان مرحوم کی تقلید اندھا دھند کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے: فَرَّمِنَ الْمطرِوَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابْ، ياصلت على الاسعد وبلت عن النقد۔[2]

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا عبد الجبار غزنوی مرحوم لکھتے ہیں:

ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور در حقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے ہیں، جو حدیثیں کہ سلف وخلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزور جرح پر مردود کہہ دیتے

۱۔ ''لغات الحدیث'' (ج ۲، کتاب ش ص ۹۱)

۲۔ ''لغات الحدیث'' (ج ۱، کتاب و ص ۲۱)

ہیں اور صحابہ کے اقوال وافعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان پر اپنے بیہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا وکلا، اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت نبویہ (کی حد بندی) کے نشان کو گراتے ہیں اور ملت حنفیہ کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسناد آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفع کرنے کے لئے وہ حیلہ بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ کسی مؤمن کا سر اٹھتا ہے۔[1]

مولانا داؤد غزنوی مرحوم سابق امیر جمیعت اہل حدیث پاکستان کے صاحبزادے پروفیسر ابوبکر غزنوی ''غیر مقلد'' اپنے ایک مضمون ''فاران کی وادی تک'' میں لکھتے ہیں:

مجھے معاً مولانا (ابوالکلام) آزاد کا اہل حدیثوں کے بارے میں وہ فقرہ یاد آیا: ان پتھروں کو اگر میں ہزار برس بھی تراشتا رہوں تو ان سے انسان کا بچہ تو پیدا نہیں کرسکتا۔[2]

ملحوظ رہے کہ یہ حوالہ جات اس دور کے غیر مقلدین کی مطبوعہ کتابوں سے ہیں اور یہ کتابیں اپنے مؤلفین سے درست انتساب رکھتی ہیں مگر اس حقیقت کے باوجود اہل حدیث غیر مقلدین یا تو ان حوالہ جات کا انکار کردیتے ہیں یا پھر انہیں اپنے اکابر سے ہی نہیں مانتے ہٹ دھرمی کا علاج نہیں ال حدیث غیر مقلدین جب نام محمد حسین بٹالوی کا الاٹ کیا ہوا استعمال کرتے ہیں، کتب حدیث کے تراجم وحید الزمان کے پڑھتے ہیں، اکابر ائمہؒ کے خلاف عبدالحق بناری شیعہ غیر مقلدؔ کا اُگلا ہوا زہر پھیلاتے ہیں، اپنے تذکروں کو نواب صدیق حسن خان سے سجھاتے ہیں، اپنی اسناد کی نسبت میاں نذیر حسین دہلوی کی طرف کرتے ہیں، محقق اسمٰعیل سلفی کو مانتے ہیں گیت ابوالاشبال شاغف کے گاتے ہیں، تو ان کے دوسرے حقائق سے کیوں چشم پوشی کرتے ہیں اور جب کوئی اصل چہرہ دکھاتا ہے تو شرم سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

۱۔ ''فتاوی علمائے حدیث'' (۸۰/۷) بحوالہ: ''حدیث اور اہل حدیث'' (ص ۱۰۳)

۲۔ ''فاران کا سلور جوبلی نمبر ۲۱۶'' سال ۱۹۸۶ء بحوالہ: ''آثار التشریع'' (۲۹۶/۱)

اہل حدیث زبیر علی زئی غیر مقلد

غیر مقلدین کی تحریک آزادی فکر نے جو رجال کار پیدا کیے ان میں زبیر علی زئی پیردادی بھی ایک معروف نام ہے موصوف کا تعلق علاقہ چھچھ پنجاب کے ضلع اٹک کے مشہور شہر حضرو کے مضافات میں سے قصبہ ''پیرداد'' سے ہے پیرداد پہلے حضرو کے مضافات میں سے تھا اب بلدیہ کی نئی حد بندی میں حضرو شہر میں شامل ہے۔ زبیر علی زئی صاحب پیرداد میں ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ/ ۲۵ جون ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے زبیر علی زئی کے والد حاجی مجدد خان (پیدائش: ۱۹۲۶ء) حضرو کی مشہور سماجی شخصیت ہیں حاجی صاحب گورنمنٹ برطانیہ کے زمانہ میں انگریز کے سرکاری ملازم رہے جب ہندو یہاں سے انڈیا جا رہے تھے تو انہیں مالی طور پر کمزور کرنے میں انہوں نے خوب دادِ شجاعت دی اور مالِ غنیمت اکھٹا کیا۔ علاقہ چھچھ میں مشہور گدی ''دریا شریف'' کے مرید باصفا رہے، اب عرصہ سے ''جماعت اسلامی'' کے سرگرم رکن ہیں اور طویل عرصہ سے پاکستان میں ''مودودی جماعت اسلامی'' کے اسلامی نظام کے لیے کوشاں ہیں۔ مودودی صاحب نے جو نیم فقہی اور نیم غیر مقلدانہ مسلک پیش کیا تھا اس پر کاربند رہتے ہوئے حنفی ہیں۔ پیرداد میں رمضان میں اپنی مسجد میں بیس رکعات تراویح کی خود امامت کراتے ہیں۔

حافظ محمد زبیر علی زئی حاجی صاحب کے فرزند ارجمند ہیں میٹرک تک تعلیم یہیں حضرو سے حاصل کی ۱۹۸۳ء میں ایم۔ اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا، اوائل جوانی میں اپنے گھر کی ''مودودی جماعت اسلامی'' کے بانی مودودی صاحب کی طرح ڈاڑھی منڈاتے رہے، گھر کے ماحول میں مودودی تعلیمات کا چرچا تھا اس لیے فکری آزادی کا فیض گھر سے ملا، اسی ڈاڑھی منڈے دور میں کچھ عرصہ کے لیے یونانی ''گریک شپ کمپنی'' میں ملک سے باہر رہے وہاں گریکی (یونانی زبان) بھی سیکھی۔ اور یونانی دھریت سے مسموم فضا کا فیض بھی حاصل کیا۔ زبیر علی زئی صاحب ۱۹۸۰ء میں جب پاکستان واپس آئے تو ایران میں خمینی شیعہ انقلاب کا شہرہ تھا، مودودی، خمینی دونوں بھائی حقِ اخوت ادا کر رہے تھے ''جماعت اسلامی'' ایرانی شیعہ انقلاب کو ''اسلامی انقلاب'' کے عنوان سے متعارف کرا رہی تھی جب کہ ''جماعت اسلامی'' کے ذرائع ابلاغ یہ گیت گا رہے تھے:۔

خدا کے نام پر ایران و پاک ایک ہوئے ہے ان کا سوز جنون ایک اور مزاج بھی ایک

اُدھرا مام خمینی اِدھر ہے مودودی
یہ کل بھی ایک تکلّم تھے اور آج بھی ایک
پھیلا رہی ہے چراغِ یقیں ہر اک دل میں
امام پاک خمینی کی فکر عالمتاب
کہیں پناہ نہ ملے گی نہ اب اندھیروں کو
اک آفتاب اِدھر ہے اور اک آفتاب اُدھر

ہفت روزہ ''ایشیاء'' ۱۳مئی ۱۹۷۹ء

زبیر علی زئی صاحب بھی اس مودودی پروپیگنڈہ سے متاثر ہوئے خشخشی مودودی ڈاڑھی رکھ لی، خمینی کا قد آور تصویری پوسٹر اپنے والد کی بزازی کی دوکان پر آویزاں کر دیا اور والد محترم کے ساتھ بزازی کی خدمت کے علاوہ خمینی کی شیعت، اور خمینی کے ایرانی سُنی مسلمانوں اور امریکن مفادات کے لیے ایرانی سیاستدانوں اور فوجی سربراؤں کے قتلِ عام کے ظلم وستم کی وکالت بھی کرتے تھے۔ اسی دوران شومی قسمت سے سوہدرہ، وزیر آباد، پنجاب کے ایک متعصب غیر مقلد ''اللہ دِتہ'' کا ۱۹۷۹ء بطور وارنٹ آفیسر کامرہ بیس میں تبادلہ ہو''اللہ دِتہ'' متعصب غیر مقلد ہونے کے ساتھ ایک عیّار فطرت بھی تھا، اس نے علاقہ چھچھ کی فضا کو دیکھا کہ یہاں مذہبی اور دین دار لوگوں کی اکثریت اور سارا علاقہ سُنی حنفی ہے تو غیر مقلدیّت کی دعوت کے لیے غیر مقلدیّت کے ساتھ فکری آزادی میں شریک ''جماعت اسلامی'' کے علاوہ اسے دوسرا راستہ نظر نہ آیا۔ چنانچہ ''اللہ دِتہ'' نے حضرو میں ''جماعت اسلامی'' کے ماہانہ اجلاسوں میں شرکت اور درس کا سلسلہ شروع کیا، زبیر علی زئی کو چونکہ ہر سوراخ میں انگلی دینے کی بیماری ہے، اور گھر کے ماحول میں فکری آزادی نے اسے دور آتشہ کیا ہوا تھا اس لیے ''اللہ دِتہ'' کے ساتھ بھی اس نے جوڑ توڑ شروع کیا۔ دینی علم سے محروم، عقائد میں ناپختہ اور ''جماعت اسلامی'' کے مودودی اسلامی اسلام پر عمل پیرا زبیر علی زئی کو ''اللہ دِتہ'' نے حدیث کے نام پر ترکِ تقلید اور ائمہ اسلاف سے بیزاری کا راستہ دکھایا۔

زبیر علی زئی صاحب نے حاجی ''اللہ دِتہ'' صاحب کو اپنے فنِ اسماء الرجال میں درجہ ذیل مقام بخشا ہے:۔

''شیخ الحدیث، ثقةٌ، حجةٌ، امامٌ، فقیهٌ، اصولیٌّ، محدثٌ، مدرسٌ، من کبار علماء الجراح والتعدیل کلامه، کالحسام فی الحجر، وکان لایخضب رحمه اللّٰه۔[1]

[1] ''تذکرہ علماءِ اہل حدیث'' جلد نمبر ۲، ص ۳۴۱، ۳۴۴۔ ''انوار السبیل فی میزان جرح والتعدیل، ص ۱۰۱، بحوالہ ''الحدیث'' ۱/ ۳۷؛ ''مقالات'' ۱/ ۵۱۲۔

شیخ الحدیث، ثقہ، امام، فقیہی، اصولی، محدّث، مدرس علماء جرح وتعدیل کے بڑے
علماء میں سے تھے، ان کی باتیں پتھر میں میخ کی طرح تھیں اور وہ خضاب
نہیں لگاتے تھے۔

باتیں پتھر میں میخ کی طرح ہونا زبیر علی زئی صاحب کی طرف سے ''اللہ دِتہ'' جیسے
غیر مقلدؔ کے لیے جدید اعزاز ہے زبیر علی زئی صاحب نے میخ سے مراد ''اللہ دِتہ'' کی زبانِ
درازِ شان اور پتھر سے مراد اپنے سنگ دل اہلِ حدیث غیر مقلدؔ لیے ہیں۔

زبیر علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

۱۹۷۹ء میں آپ وارنٹ آفیسر کے عہدہ کے ساتھ کامرہ میراج فیکٹری پہنچے
اور یہیں ۱۹۸۵ء میں ماسٹر وارنٹ کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ کی تبلیغ
کا مرکز کامرہ، حضرو، اٹک اور واکینٹ رہا آپ ضلع اٹک کے تمام اہل حدیث
کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ آپ کی جلالتِ شان پر سب کا اجماع ہے۔[1]

زبیر علی زئی صاحب نے ''اللہ دِتہ'' کی جلالتِ شان پر جس اجماع امت کا دعویٰ کیا ہے
ان میں: علی زئی صاحب کے والد حاجی مجدد خان، امیر جماعت اسلامی حضرو، حاجی محمد انور زرتوپہ
جماعت اسلامی حضرو، حاجی محبت خان جماعت اسلامی زرتوپہ، حضرو، خود اہل حدیث زبیر علی زئی
پیرداد، محبت الٰہی، کوچوان، لنڈی۔ جیسے مجتہدین امت نمایاں ہیں۔ زبیر علی صاحب ''اللہ دِتہ'' کے
ہاتھ پر ۱۹۸۰ء میں یا اس کے بعد مشرف بغیر مقلدیت ہوئے اس سے پہلے یہ علاقہ چھچھ اس فتنہ
سے پاک تھا چنانچہ مشہور مؤرخ اہل حدیث محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۸۳ء میں ان (زبیر علی زئی) کے علاقہ چھچھ ضلع اٹک میں اہل حدیث کی
ایک بھی مسجد نہ تھی''۔[2]

زبیر علی زئی صاحب نے ''اللہ دِتہ'' کی دعوت: بیزاری اسلاف سے متاثر ہو کر رفع یدین،
آمین بالجہر اور ننگے سر نماز سے اپنا جدا تشخص قائم کر لیا۔ اس مسلکی جدّت جیسے عربی میں جِدّۃ
فی المذہب کہا جاتا ہے اور غیر مقلدین اس سلف بیزار جدّت کو اہلِ حدیث یعنی جدّت

1. الحدیث ۱/۱ ص ۳۷۔ ''مقالات'' ۱/۵۱۳۔
2. اہل حدیث خدام القرآن ص ۱۸۵

پسند کہتے ہیں کو قبول کرنے کے بعد زبیر علی زئی نے ایک حنفی، دیو بندی تبلیغی گھرانہ سے شادی بھی کر لی احناف مقلدین کو زبیر علی زئی اور اس کے استاذ بدیع الدشاہ راشدی صاحب مشرک، دیو بندیوں کو گمراہ اور تبلیغیوں کو بدعتی کہتے ہیں۔ یا للعجب إلی هذا اجتماع الضدین۔

زبیر علی زئی صاحب کا تعلق بقول ان کے، افغان پٹھان قبیلہ کی شاخ ''علی زئی'' سے جو حکم نجم الغنی خان رامپوری کی تحقیق کے مطابق ارض الانبیاء فلسطین سے ہے، پھر یہ فلسطین کو چھوڑ کر افغانستان وغیرہ اطرافِ عالَم میں پھیل گئے۔ افغانستان سے یہ خاندان برصغیر میں آباد ہوئے۔ افغان پٹھان خاندانوں میں بڑے بڑے محقق علماء، صلحاء بھی پیدا ہوئے اور کئی ظالم جابر حکمران بھی ان خاندانوں میں گزرے۔

زبیر علی زئی نے ''اللہ دِتہ'' کا مذہب غیر مقلدیت قبول کیا تو اپنے نام محمد زبیر علی زئی سے ''محمد'' ہٹا کر زبیر علی زئی لکھنا شروع کیا جس طرح قرآن کے نام پر انکارِ حدیث کے مشہور علمبردار غلام احمد نے اپنے نام سے احمد ہٹا کر پرویز مشہور کر کے اپنی نسبت حضور پر نور ﷺ کے مکتوب مبارکہ جو کہ حدیث ہے پھاڑنے والے خسرو پرویز سے ظاہر کی پرویز کی طرح یہی سلوک اسمِ مبارک ''محمد ﷺ'' کے ساتھ زبیر علی زئی نے کیا۔ غیر مقلدین چونکہ حدیث کے نام انکارِ سنت جو کہ فقہ اسلامی کا مأخذ ہے کا انکار کرتے ہیں اس لیے (یہود کے اسلام کو مسخ کرنے کے مشن کی پیروی میں) محمد زبیر نے اپنے نام کو ''زبیر علی زئی'' سے شہرت دی۔ مشہور عربی لغت ''المنجد'' کا اردو ترجمہ جو عبدالحفیظ بلیاوی قاری عبدالستار کی کاوش اور محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد کی تقدیم سے مکتبہ قدوسیہ، لاہور سے مطبوعہ ہے میں زبیر کا معنی ''قوی مرد'' اور ''مصیبت'' لکھا ہے۔ چونکہ علی زئی بنی اسرائیل کا اہم خاندان ہے اس لیے زبیر علی زئی مرکب اضافی کا معنی ''بنی اسرائیل کا قوی مرد'' یا ''بنی اسرائیلی مصیبت'' بنتا ہے۔

ع

پہنچتی ہے وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

زبیر علی زئی صاحب بھی انہی بنی اسرائیلی خصوصیات کے حامل ہیں۔ اس لیے ''اللہ دتہ'' کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے ابتداء تقلید اہل حدیث غیر مقلد فرقہ میں شامل ہوئے اور اب خود محقق ہیں اس لیے تقلیدی اہل حدیث کے بعد اب تحقیقی اہل حدیث ہیں۔

زبیر علی زئی صاحب کو چونکہ بنیادی دینی علوم و فنون کی تحصیل کا موقع نہ ملا، اس لیے ان

کا تحقیقاال حدیث ہونا، ان کی اپنی ذاتی تحقیقات پر مبنی ہے، اور خواص وعام کو بھی اپنی ذاتی تحقیقات ہی پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ زبیر علی زئی صاحب جن ال حدیث غیر مقلدین سے اپنی اسنادِ حدیث بیان کرتے ہیں ان سے باقاعدہ تلمذ کا موقع انہیں نہیں ملا۔ کتب حدیث کے اطراف واوائل سے اجازتِ حدیث کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں۔ زبیر علی زئی کی سند حدیث میں ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی مرحوم ایسی سندِ حدیث کو ''چڑاسی سند'' کہتے تھے۔ ملاحظہ ہو ''الحیاۃ'' ص ۶۸۔

زبیر علی زئی صاحب اب اندھوں میں کانے راجہ کی طرح غیر مقلدین کے محقق ومدقق ہیں۔ کئی کتب کے مصنف، مترجم اور ماہنامہ ''الحدیث'' پیرداد، حضرو کے مدیر ہیں، ان کی تحقیقات کا دائرہ وسیع ہے مگر اس دائرہ کا رخ بدلتا رہتا ہے۔ ہر دوسری کتاب پہلی کتاب کی تردید ہوتی ہے، اور تحقیق کی جدّت سے ان کی خوداپنی تغلیط وتشکیک کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان کی قسمت پر افسوس اس لیے ہوتا ہے اگر ان کی تحقیقات کسی دُنیوی عنوان پر ہوتیں، تو امت کا دُنیوی نقصان ہی تھا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل نے ان دنوں ایٹم ایجاد کر کے انسانیت کو موت کا ظالمانہ تحفہ دیا، مگر جب بنی اسرائیل کے اس فرزندِ ارجمند کی تحقیق کا میدان حدیث رسول ﷺ ہے تو ان کے اس انداز سے امت کا ایمان خطرہ میں ہے۔ ایک روایت کو ایک دن ضعیف تو دوسرے دن صحیح، ایک دن صحیح، تو دوسرے دن ضعیف، قرار دیتے ہیں، یہی حال رُواۃ حدیث کے متعلق ہے۔

احقر زبیر علی زئی غیر مقلد صاحب کو ان کا مذکورہ تعارف کا اجمال موصوف کے نام عریضہ محررہ ۱۶ صفر ۱۴۳۰ھ/۱۲ فروری ۲۰۰۹ء ص ۲ میں پیش کر چکا ہے۔ موصوف نے ماشاء اللہ انصاف سے کام لیتے ہوئے اپنے اس تعارف کو قبول کیا اور اس پر کوئی حکم زنی نہیں کی۔

حال ہی میں مکتبہ دارالسلام، لاہور نے زبیر علی زئی کی تحقیق سے جامع ترمذی، اور سنن ابن ماجہ شائع کی ہے یہ کتب ابھی بازار میں نہیں آئی تھیں کہ زبیر علی زئی نے اپنی تحقیق سے اعلانِ رجوع کرتے ہوئے لکھا:

مکتبہ دارالسلام نے راقم الحروف کی تحقیق سے بہت اعلیٰ معیار پر سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ (اردو میں) شائع کی ہیں۔ جزاھم خیراً

سنن ابی داؤد کی درج ذیل روایات کے بارے میں نظر ثانی، تحقیقِ جدید یا کمپوزر کی

غلطیوں کی وجہ سے احکامات بدل گئے ہیں لہٰذا اپنے اپنے نسخے میں ان کی اصلاح کرلیں۔

("الحدیث": ۵۴/۲۲)

راقم الحروف نے مکتبہ دارالسلام، لاہور کے مینجنگ ڈائریکٹر عبدالمالک مجاہد کے نام ایک خط مکتوبہ: ٦ رمضان المبارک ١۴٣٠ھ/ ٢٨ اگست ٢٠٠٩ء میں لکھا ہے کہ:

زبیر علی زئی صاحب نے اپنے اس مضمون میں تفصیل لکھی کہ انہوں نے "سنن أبي داوٗد" اور "سنن ابن ماجہ" کی کن روایات پر غلط حکم لگایا۔ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ زبیر علی زئی صاحب کی تحقیق نے آپ کی شائع کردہ "سنن أبي داوٗد" اور "سنن ابن ماجہ" میں تین صحیح احادیث کو ضعیف، تیرہ ضعیف کو صحیح، تیرہ حسن کو ضعیف، اٹھارہ ضعیف کو حسن قرار دیا، ایک حدیث کا انتساب غلط کیا اور ایک روایت کی ابھی تک تحقیق نہ کرسکے کہ صحیح ہے یا غلط، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی انتالیس روایات پر غلط حکم لگایا۔

آپ نے ماشاء اللہ حدیث کی یہ دونوں کتابیں نہایت عمدہ شائع کی ہیں اس اشاعت پر یقیناً آپ کا لاکھوں روپیہ خرچ ہوا ہے مگر اتنے خرچ سے چھپنے والی کتابیں ابھی مارکیٹ میں بھی نہ پہنچی تھیں کہ آپ کے محقق نے اپنی تحقیق سے رجوع کرلیا۔ اب حدیث کی جن کتابوں میں احادیثِ رسول ﷺ پر غلط حکم لگائے گئے ہوں ان احکام کے غلط ہونے کی وضاحت کیے بغیر انہیں شائع کرنا، ان کی اشاعت کا کاروبار کرنا اور ان کی آمدن ناجائز ہے احقر نے جب زبیر علی زئی صاحب کو اس کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے اپنے خط مکتوبہ ١٨ اگست ٢٠٠٩ء میں لکھا:

"اعلانات مذکورہ کے بعد ناشرین کو خود بخود رک جانا چاہیے ہے ورنہ میں تو ان کی شائع کردہ کتابوں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔"

اب ان کتابوں کی آمدن جائز ہے یا ناجائز اس پر مذکورہ خط میں علی زئی صاحب نے لکھا:

یہ "مکتبہ دارالسلام" والوں سے پوچھ لیں۔

اس عریضہ کے ذریعہ آپ کی خدمت میں گذارش ہے کہ حدیث کی تحقیق مجتہدین اور ائمہ فن کا کام ہے۔ زبیر علی زئی جیسے متحقق کا کام نہیں احقر نے اسی بنا پر زبیر علی زئی صاحب کو لکھا ہے کہ:

''الحدیث'' نمبر ۵۴ میں احادیث رسول اللہ ﷺ پر مذکورہ احکام آپ کی ذاتی تحقیق ہے جیسے آپ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے ممکن ہے کہ اب آپ اس تحقیق سے بھی رجوع کر کے نئی تحقیق اختیار کر چکے ہوں، نیز رسول اللہ ﷺ پر آپ کے افتراءِ کذب اور جھوٹ، بھول چوک اور نسیان نہیں بلکہ تَعَمُّد ہے اس لیے آپ نے اسے تحقیق کا نام دیا تحقیق سوچ سمجھ کر ہوتی ہے نہ کہ یوں آنکھیں بند کر کے محقق بننے سے کوئی محقق بن جاتا ہے۔۔ص ۲

زبیر علی زئی کی تحقیقات کا یہ ایک واقعہ نہیں اس کی دوسری تحقیقات اور اس کے ماہنامہ ''الحدیث'' میں صبح شام کی بدلتی تحقیقات کی تفصیل کیلیے تو دفتر چاہیے۔ اور پھر یہ معاملہ صرف ایک زبیر علی زئی کا نہیں ''اہل حدیث'' کہلانے والی جماعت کے دوسرے بے شمار متحققین نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے ساتھ اپنی تحقیق کا جو کھیل شروع کیا ہوا ہے وہ انکار حدیث کی ایک مستقل سازش ہے مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی مشہور کتاب ''صلوۃ الرسول'' پر عبدالرؤف سندھو اور خود زبیر علی زئی کی تحقیق کو دیکھ لیں پیر بدیع الدین شاہ راشدی اور ان کے بھائی پیر محب اللہ شاہ راشدی کی آپس میں احادیث کی تحقیق پر نوک جھونک ہوئی۔ ایسی کتنی ہی مثالیں امت کیلیے نشانہ عبرت ہیں یہ سب کچھ ائمہ امت اور اپنے اکابر پر اعتماد نہ کرنے اور بلا علم وبصیرت کے براہ راست قرآن وحدیث سے اخذ واستنباط کے راستہ پر چلنے کا نقصان ہے۔ امت کے ہر فرد کو چاہے وہ ناظرہ قرآن مجید بھی نہ پڑھا ہو براہ راست قرآن وحدیث سے اخذ واستنباط کی اجازت دے کر اسے مجتہد کا مقام دینے کا جو نقصان ہے وہ آپ خود دیکھ رہے ہیں اس لیے اس عریضہ کے ذریعہ احقر آپ کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ زبیر علی زئی جیسے متحققین کی تحقیقات جن سے موصوف نے دوسرے دن رجوع کیا ہوا ہوتا ہے پر اپنا لاکھوں روپیہ آپ برباد نہ کریں اور پھر یہ محض روپے کا ضیاع نہیں امت کے ایمان کی بھی بربادی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیا جائے اور ضعیف کو صحیح اور حسن قرار دے کر اپنے مقام سے الگ مقام

کیلئے قبول کیا جائے۔

اس لیے آنجناب سے گزارش ہے کہ آپ خود بھی ائمہ امت پر اعتماد کا راستہ اختیار کر کے دنیا و آخرت کو سنواریں اور ائمہ امت پر اعتماد کرنے والوں کی تحقیقات اپنے ادارہ سے شائع کر کے امت کے ایمان کو بچائیں یہ آپ کیلئے محض پیسہ کی تجارت نہیں انشاء اللہ دنیا و آخرت کی سرخ روئی ہوگی۔

غیر مقلدین پر تعجب ہے کہ تحقیق کے نام حدیث رسول ﷺ یوں تمسخر کرنے والے شخص کو انہوں نے اپنا محقق اور امام بنایا ہوا ہے۔ غیر مقلدین کے مشہور ترجمان جریدہ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور میں مولانا محمد جونا گھڑی غیر مقلد (م ۱۹۴۱ء) کی تفسیر "تفسیر محمدی" مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور کے تعارف میں کلیم حسین شاہ جامعہ سلفیہ اسلام آباد لکھتے ہیں: (تفسیر محمدی) کی تخریج کا فریضہ معروف محقق مولانا حافظ زبیر علی زئی کے تلمیذ جناب نصیر احمد کاشف نے سرانجام دیا۔ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور، جلد ۶۱، شمارہ نمبر ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ/ مئی ۲۰۰۹ء، ص ۲۰۔

اس اقتباس سے اندازہ لگایئے کہ تحقیق کے نام پر حدیث رسول ﷺ کی تکذیب کرنے والے اس گروہ میں زبیر علی زئی غیر مقلد نہ صرف محقق العصر ہے بلکہ اس فکری آزادی کے رجحان پر مستقل فرقہ سازی بھی کر رہا ہے۔

ائمہ اسلاف پر زبیر علی زئی کی تنقید

اپنے پیش رو غیر مقلدین کی طرح زبیر علی زئی کا مقصدِ حیات بھی مسلمانوں میں غیر مقلدیت یعنی فکری آزادی سے مذہبی تشکیک پیدا کرنا اور دینی سرمایہ علم وفقہ سے محروم کرنے کے لیے اکابر ائمہ اسلاف سے بدگمان کرنا ہے۔ زبیر علی زئی کا قلم ان مذموم مقاصد کی تکمیل میں سرگرم رہتا ہے۔ مثلاً: امام دار الھجرۃ حضرت مالک بن انس نے ایک راوی پر جرح کی تو اس کے جواب میں زبیر علی زئی نے امام مالک کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

امام مالک وغیرہ نے ذاتی دشمنی کی وجہ سے انہیں شدید جرح کا نشانہ بنایا ہے۔[1]

امام ترمذی کا حدیث میں جو مقام ہے وہ کسی تعریف کا محتاج نہیں ہے، امام موصوف نے ایک حدیث (جو زبیر علی زئی کے گھڑنتو مسلک کے خلاف ہے) کو صحیح اور حسن قرار دیا تو زبیر علی زئی اس پر ان کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن جریج مدلس کی یہ روایت عَنْ سے ہے اور عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ (غیر صحیحین میں) مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن جریج کی تدلیس کے باوجود امام ترمذی کا اسے ''حسن صحیح غریب'' کہنا عجیب وغریب ہے۔[2]

گویا زبیر علی زئی کی نظر میں امام ترمذی جیسے محدث کا مقام عام طلبہ سے بھی کم ہے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

جلیل القدر محدث امام اسحاق بن ابی اسرائیل کو زبیر علی زئی نے قلیل العقل (کم عقل) قرار دیا ہے۔ ''نور العینین'' طبع سوم ۲۰۰۵ء (ص ۲۲۸)

اسی طرح زبیر علی زئی جلیل القدر محدث امام ابن الترکمانی رحمہ اللہ کی توہین کرتے ہوئے ان کے خلاف یہ عنوان قائم کیا ہے:

۱۔ ''الکواکب الدریۃ'' (ص ۴۲)

۲۔ ''الکواکب الدریۃ'' (ص ۴۳)

ابن الترکمانیؒ کی چیرہ دستیاں۔[1]

محدث کبیر حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م ۷۷۵ھ) جو علامہ عراقیؒ (استاذ حافظ ابن حجرؒ) وغیرہ جیسے ائمہ حدیث کے استاد ہیں۔ امام محمد بن احمد الفاسیؒ (م ۸۳۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکان ذاعنایة بالفقه، والحدیث، وغیر ذالك، ولدیه فضل۔[2]

حافظ ابوالفضل مکیؒ (م ۸۸۱ھ) فرماتے ہیں:

الامام، العلامة، الحافظ۔[3]

اس قدر بلند پایہ محدث بھی زبیر علی زئی کی تنقید اور توہین کا نشانہ بننے سے محفوظ نہ رہ سکے۔

چنانچہ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

عبدالقادر القرشی وغیرہ متعصبین اور بے کار لوگوں کا اسے "امام کبیر" قرار دینا چنداں مفید نہیں ہے۔[4]

مشہور حافظ الحدیث امام احمد بن عمرو البزارؒ (م ۲۹۲ھ) صاحب السنن کی ایک روایت کو علی زئی معلول (ضعیف) قرار دیتے ہوئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

حافظ بزار بذات خود متکلم فیہ ہے۔[5]

جلیل القدر محدث امام حاکم نیساپوریؒ (م ۴۰۵ھ) جو "المستدرك" وغیرہ بلند پایہ کتب حدیث کے مصنف ہیں، علی زئی نے خواہ مخواہ ان کو وہمی قرار دے دیا۔ خود علی زئی کے اپنے ایک ہم مسلک حافظ ثناء اللہ ضیاء غیر مقلد اس پر زبیر علی زئی سے احتجاج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب کہ امام حاکم لازوال قوت یاداشت کے مالک تھے۔ ایک مضبوط حافظہ کے مالک امام کا وہم کا شکار قرار دے دیا جائے۔ یہ تو سیدھا سادھا امام حاکم پر جارحانہ حملہ ہے۔[6]

١۔ "نور العینین" طبع سوئم ۲۰۰۵ء (ص ۱۳۹)

۲۔ "ذیل التقیید" (۲/۱۴۰)

۳۔ "ذیل تذکرۃ الحفاظ" (۱۰۵/۵)

۴۔ "نصر الباری" (۳۸)

5. "الحدیث" (۲۹/۲۳)

۶۔ "الصراط" (ج۲، شمارہ ۱، ص ۴۳)

اس کے جواب میں زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

المستدرک کے اوہام اہل علم پر مخفی نہیں ہیں، بعض جگہ مطبعی اخطاء (غلطیاں) ہیں اور بعض مقامات پر خود امام حاکم کو اوہام ہوئے ہیں۔[1]

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر زبیر علی زئی کی تنقید اور توبہ سے توبہ

زبیر علی زئی غیر مقلد کے نشترِ تنقید سے جہاں دوسرے ائمہ اسلاف مجروح ہوئے وہیں اپنی عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اس نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نشانہ تنقید بنایا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت زوطی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اس امت کی جو دینی خدمات سرانجام دیں اور قرآن وسنت کے بحروذخار سے مسائل دینیہ کے موتی چن چن کر فقہی ترتیب پر جس طرح انہوں نے مرتب کروائے، اس کا اعتراف پوری امت نے کیا ہے۔ جسے گذشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت کا اعتراف کرنے والوں میں خود غیر مقلدین کے بنیادی حضرات بھی شامل ہیں مگر زبیر علی زئی غیر مقلد کی قسمت ہے کہ اس حصہ میں اس عظیم شخصیت کا بغض وعداوت اس کے خسارہ دارین کی علامت بنا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے سمجھ اور توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ امین۔

زبیر علی زئی اپنے خود ساختہ اصولوں کی روشنی میں تحقیق کی جو قلابازیاں کھاتا رہتا ہے، اس کا یہی حال حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید میں ہے۔ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء سے پہلے زبیر علی زئی غیر مقلد نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر حدود اخلاق سے گرے ہوئے نازیبا الفاظ سے تنقید کی۔ زبیر علی زئی غیر مقلد کی اس تنقید کا پسِ منظر بھی عجیب ہے ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی (کراچی) جو زبیر علی زئی غیر مقلد کے ممدوح خاکی جان عرف ابوجابر عبداللہ دامانوی کے سابق امیر اسلام ہیں نے لکھا:

امام احمد بن حنبل چونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو کافر کہتے ہیں اس لیے میرا عقیدہ یہ کہ وہ کافر ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پکے مومن ہیں۔

از عکس خط ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی (کراچی)

---

[1] "الحدیث" (۴۸، ۵۷)۔

الدین الخالص نمبر۲، ص ۱۹۹، ۲۰۰۔ مرتبہ: ابوجابر عبداللہ دامانوی، جماعۃ المسلمین، کیماڑی، کراچی مطبوعہ فروری ۱۹۸۸ء۔

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی (کراچی) کی اس رائے پر زبیر علی زئی غیر مقلد نے لکھا:

مجھے احمد سعید دامان والے نے بتایا تھا کہ ڈاکٹر نے مجھے خط بھیجا ہے جس میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کو صاف مشرک لکھا ہے۔ لہٰذا مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے حالتِ اشتعال میں امام ابوحنیفہ کے خلاف کچھ نازیبا الفاظ بھی لکھ دیئے۔ ایضاً ص ۲۷۰

جس طرح زبیر علی زئی غیر مقلد کی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید اور بہتان ہے اسی طرح ڈاکٹر عثمانی کی حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق یہ رائے کہ انہوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو کافر کہا، محض بہتان ہے مگر اس محقق دوراں اور اپنے زعم میں حدیث ورجال کے یکتائے روزگار کا اخلاق ملاحظہ ہو کہ ایک بد بخت حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر تنقید کرتا ہے تو یہ صاحب غصہ اور اشتعال میں اخلاق کی حدود کو پھلانگتے ہوئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر نشتر تنقید چلا دیتا ہے اس میں امت کے اس عظیم محسن کا کیا قصور ہے۔ سبحان اللہ! غصہ اور اشتعال میں ایسے بدحواس اور پاگل آج غیر مقلدین کے امام اور محقق ہیں۔

زبیر علی زئی غیر مقلد کو جب اس کے اپنے ہی حلقہ نشینوں نے توجہ دلائی کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تمہاری یہ تنقید نازیبا ہے اور اخلاق کی حدود سے باہر ہے تو زبیر علی زئی غیر مقلد نے اپنے امامِ اسلام خاکی جان عرف ابوجابر عبداللہ دامانوی کے نام خط میں لکھا:

میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوں اور ان تمام سخت الفاظ سے میں علی الاعلان رجوع کرتا ہوں آپ سے حزب اللہ سے مکمل متفق ہوں۔ آئندہ میں امام ابوحنیفہ کے خلاف اپنی طرف سے کچھ بھی نہ لکھوں گا۔ انشاء اللہ۔ ایضاً ص ۲۷۰۔

زبیر علی زئی غیر مقلد کا یہ خط فروری ۱۹۸۸ء سے پہلے کا ہے جب فروری ۱۹۸۸ء میں زبیر علی زئی غیر مقلد کے امامِ اسلام خاکی جان عرف ابوجابر عبداللہ دامانوی نے ''الدین

الخالص نمبر" شائع کی تو صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۷، چار صفحات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بے جا تنقید اور بے ثبوت حوالوں سے سیاہ کیے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید سے زبیر علی زئی غیر مقلد کا توبہ نامہ بھی شائع کیا۔ اب امام و مقتدی دونوں کی عقل و دانش کو داد دیجئے کہ امام مقتدی سے توبہ کروا کر پھر خود اس گناہ کا اعادہ کر رہا ہے، اور مقتدی پھر اپنا توبہ نامہ شائع کروا رہا ہے، اور ادھر اسی گناہ سے متفق ہونے کا اعلان بھی کر رہا ہے۔

ملحوظ رہے کہ زبیر علی زئی ابوجابر عبداللہ دامانوی اور اس کی خرافات سے اب تک متعلق ہے، ملاحظہ ہو "الحدیث" نمبر ۷ ص ۶

۱۹۸۸ء کے اس توبہ نامہ کے آٹھ سال بعد ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء میں زبیر علی زئی غیر مقلد نے "تحفۃ الاقویاء" کے نام سے امام بخاری رحمہ اللہ کی "کتاب الضعفاء" سے تخریج شائع کی تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید سے توبہ سے توبہ کرتے ہوئے پھر بے سروپا حوالوں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید کر کے اپنی عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیا۔
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر زبیر علی زئی کی تحقیق کے بدلتے پہلوؤں میں ملاحظہ ہو ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء میں موصوف نے "طریق الجنۃ المعروف جنت کا راستہ" رسالہ شائع کیا ص ۴ پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ثقہ تابعین، ائمہ مسلمین سے شمار کرتے ہوئے دوسرے ائمہ کے ساتھ پہلے نمبر پر لکھا۔ ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء میں اسی مضمون کو "مقالات" میں شائع کیا تو "جنت کا راستہ" سے انحراف کرتے ہوئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو پہلے نمبر کے بجائے چوتھے نمبر پر لے آئے اور اپنی علمی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے ثقہ کے الفاظ حذف کر دیے۔

تلامذہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر زبیر علی زئی غیر مقلد کی تنقید

زبیر علی زئی غیر مقلد کے قلمی نشتر سے جہاں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے محسنین امت محفوظ نہ رہ سکے، وہاں اس نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ کو بھی معاف نہیں کیا۔ تلامذہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ مقلدین اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درمیان واسطہ ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سرپرستی میں فقہ حنفی کے مرتب و مدوّن بھی ہیں، اس لیے زبیر علی زئی غیر مقلد نے تلامذہ حضرت امام اعظم

ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید میں زیادہ نشتر زنی کر کے اپنی عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ ماہنامہ "الحدیث" کے شمارہ نمبر ۷ صفحہ نمبر ۱۱ تا ۲۰، دس صفحات میں حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ پر "النصر الربانی فی ترجمہ محمدبن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ" کے عنوان سے مضمون لکھا۔ شمارہ نمبر ۱۶، صفحہ نمبر ۳۰ تا ۲۷ آٹھ صفحات میں حضرت امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ پر "نصب العمادفی تحقیق الحسن بن زیاد" کے عنوان سے مضمون لکھا۔ اور شمارہ نمبر ۱۹، صفحہ نمبر ۴۵ تا ۵۵ گیارہ صفحات میں حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ پر قاضی ابویوسف جرح وتعدیل کی میزان میں کے عنوان سے مضمون لکھا۔

زبیر علی زئی غیر مقلد نے مذکورہ تین مضامین میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان تین تلامذہ پر تنقید وتنقیص کے نشتر چلاتے ہوئے انتیس صفحات سیاہ کر کے اپنی عاقبت برباد کی اور جرح وتعدیل کے اصولوں کو پامال کرتے ہوئے بے سروپا روایتوں اور بے بنیاد حوالوں سے ان ائمہ امت کو مجروح کیا زبیر علی زئی غیر مقلد نے حضرت امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

محمد بن حسن کذاب، ضعیف اور مردود الروایہ ہے، اس سے منسوب کتابیں باسند صحیح وحسن ثابت نہیں ہیں۔[1]

حضرت امام حسن بن زیاد اللؤلؤی رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

حسن بن زیاد کذاب، متروک راوی ہے۔ اگر کسی شخص کو اس تحقیق سے اختلاف ہے تو سنجیدہ اور مدلل باحوالہ تحریر کے لیے ماہنامہ الحدیث کے صفحات حاضر ہیں۔[2]

زبیر علی زئی غیر مقلد نے لکھا:

قارئین کی خدمت میں عدل وانصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر جانب دار تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ: قاضی ابویوسف روایت حدیث میں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، لہٰذا ان کی روایت وگواہی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔[3]

۱۔ "الحدیث" ۷/۲۰

۲۔ "الحدیث" ۱۶/۳۷

۳۔ "الحدیث" ۱۹/۵۵

حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ پر تنقیدی مضمون کا عنوان ''قاضی ابو یوسف جرح وتعدیل کی میزان میں'' رکھا اور ''الحدیث'' کے ڈیزائنر نے اس عنوان کے بائیں زبیر علی زئی غیر مقلد کے انصاف ظاہر کرنے کے لیے باقاعدہ ترازو کی تصویر لگائی ''الحدیث'' کا ڈیزائنر زبیر علی زئی غیر مقلد سے زیادہ انصاف پسند ہے اس لیے اس نے اپنے محقق امام کی تحقیق کے عدل وانصاف کو ترازو کی جس تصویر سے ظاہر کیا ہے وہ بائیں طرف جھکا ہوا ہے ڈیزائنر نے ترازو کے زبان حال سے وضاحت کردی کہ زبیر علی زئی غیر مقلد صرف بڑا ازی ماپ ہی میں نہیں تول میں بھی ڈنڈی مارہا ہے۔

زبیر علی زئی غیر مقلد نے ان ائمہ امت کو نہ صرف مجروح کیا بلکہ اپنی اس عاقبت نااندیشی کا بار بار تکرار کرتے ہوئے چیلنج اور دعوت مبارزت کا اہتمام بھی کررہا ہے اور ان ائمہ امت پر تنقید وتنقیص کا ایک مستقل بازار کھول رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ پر تنقیدی مضمون میں لکھتا ہے:

> یاد رہے کہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (الحدیث:۷، ص ۱۱ تا ۲۰) والی تحقیق کا ابھی تک کسی طرف سے جواب نہیں آیا۔[1]

زبیر علی زئی غیر مقلد کی اس تنقید اور ان ائمہ امت کے کردار کو مجروح کرنے کی مزموم سازش کے جواب میں ضروری تھا کہ ان ائمہ امت کے مقام ومرتبہ کو واضح کیا جائے۔ اور اس نام نہاد محقق کی تحقیق کی قلعی کھولی جائے، اور عدل وانصاف کے اس دعوے دار کی بے انصافیوں کو طشت ازبام کیا جائے، کہ کس طرح ان لوگوں نے یہودیانہ فکر کی آبیاری کرتے ہوئے ان اساطین امت پر ظلم وتعدی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

برادرم حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی زید مجدہٗ کو اللہ تعالیٰ، دارین میں جزائے خیر سے نوازے کہ انہوں نے اپنی اس تالیف ''تلامذہ امام اعظم ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام'' میں ان ائمہ امت کی ثقاہت اور جلالتِ شان کو نہ صرف ائمہ جرح وتعدیل کے مضبوط باسند حوالوں سے بیان کیا، بلکہ خود غیر مقلدین اور زبیر علی زئی غیر مقلد کے مذعومہ اساتذہ، اور ممدوحین سے بھی ثابت کیا ہے۔ زبیر علی زئی غیر مقلد نے ان ائمہ کے روشن کردار اور جلالتِ شان کو مجروح کرنے کے

---

[1] ''الحدیث'' ۱۹/ ۵۵

لیے جو بے سروپا روایتیں اور بے بنیاد حوالے پیش کیے ماشاء اللہ موصوف نے ان میں سے ایک، ایک کا تحقیقی جواب دیا ہے۔

زبیر علی زئی غیر مقلد نے ائمہ احناف پر تنقید و تنقیص میں جابجا شیخی بازی کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ اس کی تحقیق کا کوئی جواب نہیں۔ ایک حوالہ ملاحظہ ہو موصوف لکھتے ہیں:

"یہاں بطور احتیاط چند سطریں خالی چھوڑ رہا ہوں تا کہ اگر کسی شخص کو محدثین کرام سے باسند صحیح و حسن قاضی ابویوسف کی تعدیل و توثیق مل جائے تو وہ یہاں اضافہ کر لے۔

....

....

....

"الحدیث" ۱۹/ ۴۸

زبیر علی زئی غیر مقلد صاحب یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کی تعدیل و توثیق پر ان کے نقل کردہ دس حوالوں کے علاوہ کسی محدث سے کوئی چیز ثابت نہیں۔ الحمدللہ برادرم مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی مدظلہٗ حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کی تعدیل و توثیق محدثین اور ائمہ رجال کے اکاون مضبوط حوالے پیش کیے ہیں اور یہ پچاس حوالے غیر مقلدین اور زبیر علی زئی غیر مقلد کے ممدوحین کی طرف سے حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کی تعدیل و توثیق کے علاوہ ہیں مثلاً: زبیر علی زئی کی سند حدیث کے امام میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد اور زبیر علی زئی کے ممدوح مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

"امام ابویوسف جیسا کہ فقہاء کے نزدیک علم و حفظ میں پختہ ہیں، ویسے ہی محدثین کے نزدیک بھی معتبر ہیں۔"[1]

وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

تفصیل آپ انشاء اللہ کتاب میں ملاحظہ کریں گے کہ تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ...

[1] "واضح البیان فی تفسیر ام القرآن" ص ۱۰۴۔

اللہ کا محدثین، فقہاء اور ائمہ جرح وتعدیل کے ہاں کتنا بلند مقام ہے اور زبیر علی زئی غیر مقلد نے کس طرح ناانصافی اور بددیانتی سے ان محسنین امت کے اس مقام ومرتبہ کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔

علمائے دیوبند قدس سرّہم پر زبیر علی زئی غیر مقلد کی تنقید

عصر حاضر میں علمائے دیوبند قدس سرّہم طائفہ منصورہ اہل السنّت والجماعت کے حقیقی ترجمان اور صحیح جانشین ہیں، دار العلوم دیوبند اب محض ایک ادارہ اور مدرسہ نہیں بلکہ عالمِ دنیا میں اہل حق کی آواز، اہل السنّت والجماعت کے مسلک اعتدال اور فکرِ سلیم کا ترجمان ہے۔ اس طائفہ اہل حق نے دینِ حق کے ہر شعبہ میں گراں قدر دینی خدمات انجام دیں ائمہ امت کے جانشینوں کے خلاف باطل کی سازشوں اور یہودیانہ مکروفریب نے جو جال بُنا اور اپنی شاطرانہ شطرنج کے جو مُہرے تیار کیے، ان میں فکری آزادی کے علمبردار، غیر مقلدین بھی ایک مہرہ ہیں۔ چنانچہ اپنے مقصدِ تشکیل کو پورا کرتے ہوئے یہ لوگ ہمیشہ علمائے دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ اور سازشوں میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی اپنے پیش روؤں کی اقتداء میں خدمتِ حدیث کے نام پر ان خادمانِ دین کے خلاف الزامات اور اتہمات کو اپنی عادتِ بد بنایا ہوا ہے علمائے دیوبند کے خلاف دہرائے ہوئے الزامات جن کے جوابات برسوں سے دیے جا چکے ہیں، اہل بدعت کی معاونت سے زبیر علی زئی غیر مقلد ان کا تکرار کرتا رہتا ہے بحمد اللہ تعالیٰ برادرم مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی زیدمجدہٗ نے زبیر علی زئی غیر مقلد کے ان اتہمات کا جواب ”علمائے دیوبند پر زبیر علی زئی غیر مقلد کے الزامات کے جوابات“ کے نام سے لکھا جو ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں شائع ہو کر خواص وعوام سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ زبیر علی زئی غیر مقلد نے انہی الزامات کو دہراتے ہوئے اس کتاب پر احقر کے نام ایک خط لکھا، احقر نے بحمد اللہ خط ملتے ہی اس خط کے جواب میں برادرم مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی مدظلہٗ کی طرف سے زبیر علی زئی غیر مقلد کو لکھے گئے ستر سوالات مرتب کر کے بھیجے، کہ علمائے دیوبند پر آپ کے الزامات کے جوابات ہم نے علمائے دیوبند کی عبارات سے اور اس کی تائید خود آپ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ ممدوح غیر مقلدین کے حوالوں سے کر دی گئی ہے۔ اگر آپ مزید تسلی چاہتے ہیں تو ہمارے ان ستر سوالات کے واضح، مکمل اور غیر مبہم جوابات لکھیے انشاء اللہ

سطر بسطر آپ کی تسلی کرادی جائے گی۔ زبیر علی زئی غیر مقلد نے ہمارے اس خط کا حوالہ دیے بغیر بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''الحدیث'' نمبر ۴۵ میں احقر کے نام اپنا خط شائع کر دیا۔ تادمِ تحریر اس خط وکتابت کی بارہ قسطیں ہو چکی ہیں الحمدللہ زبیر علی زئی غیر مقلد نے احقر کے ستر سوالات میں سے کسی ایک کا بھی واضح، مکمل اور غیر مبہم جواب نہیں دیا۔ اب محرّرہ خط کو آخری قرار دیتے ہوئے خود ہی اس خط وکتابت کو بند کرتے ہوئے بھاگنے کا اعلان کر دیا ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالك۔ احقر خط وکتابت کے اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اپنا مطالبہ بار بار دھرا رہا ہے مگر خود زبیر علی غیر مقلد نے ہمارے سوالات کے جوابات میں چپ سادھ لی ہے۔

زبیر علی زئی غیر مقلد کا مبلغ علم اور طریقہ استدلال

ائمہ دین اور اسلاف امت پر تنقید وتنقیص ایسا گناہ ہے کہ اس کی اور نحوستوں کے ساتھ عقل وفہم کی صلاحیتیں بھی سلب ہو جاتی ہیں یہی معاملہ زبیر علی زئی غیر مقلد کا بھی ہے۔ ایک تو اسے باقاعدہ علومِ دینیہ کے حصول کا موقع نہ ملا، غیر مقلدین کی طرح رنگ روٹ ہی بھرتی کیا گیا اور دوسرے غیر مقلدیت کا ایسا ماحول ملا جہاں علم اور عقل وفہم کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، فکری آزادی نے ہر ایک کو محقق، اور امامِ وقت بنایا ہوا ہے اور ان درجات کے ساتھ اسلاف سے بغض وعداوت نے ان لوگوں کو دوآتشہ کر دیا ہے۔ موصوف کے اندازِ تحقیق، طرزِ استدلال اور مبلغ علم کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں تفصیل آپ انشاء اللہ کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔

﴿١﴾ زبیر علی زئی غیر مقلد نے حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی رائے ''وکان منصفًا فی الحدیث'' کا مطلب یعنی وہ روایت حدیث میں آدھے راستے پر تھا۔[1]

اس غیر مقلد محقق کی تحقیق کو داد دینے اور اس حواریوں کے لیے اپنے پیشوا کے علم پر ماتم کا مقام ہے کہ ''کان منصفًافی الحدیث'' کا معنی کان منصفا فی الطریق کر رہا ہے۔ حالانکہ ''منصف'' جو لغت میں لفظِ مشترک المعنی ہے اس کا معنی اس کے صلہ کے لحاظ سے ہوگا۔ ابن منظور صاحب ''لسان العرب'' نے جلد ۱۴ ص ۱۶۵ پر یہ معانی جمع کیے ہیں۔ انہوں نے ان

١۔ ''الحدیث'' ١٩/٥١

معانی میں ''القوس والستر'' اور ''وسط'' وغیرہ لکھے ہیں اور غیر مقلدین کے پیشوا ''علامہ وحیدالزمان'' نے چلتر یعنی سمجھ دار اور ہوشیار بھی معنیٰ لکھا ہے یہاں ''منصفافی الحدیث'' کا معنیٰ علم میں سمجھ دار یا اس پر علم کا دارو مدار حدیث میں انصاف پسند ہے۔ کیا جائے گا۔ مگر ائمہ احناف کی دشمنی نے زبیر علی زئی غیر مقلد کو ایسا اندھا کر دیا ہے کہ اسے خوبی بھی عیب نظر آتی ہے۔ کہ اس نے کلمات توثیق کو الفاظِ جرح بنا دیا۔ اور غیر مقلدیّت کے نصابِ علم نے اسے لغت وترکیب اور معانی وتمثیل کی تعلیم وتحصیل کا موقع ہی نہیں دیا اس میلہ میں تو ہر ڈگڈگی اور بانسری والا پیشوا ہے۔

﴿۲﴾ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے تین سال میں سات سو احادیث حاصل کیں، چونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کے علمِ حدیث میں مقام کو واضح کر رہا ہے۔

اس لیے زبیر علی زئی غیر مقلد کے تعصب سے برداشت نہ ہوسکا، اس پر زبیر علی زئی غیر مقلد نے عجیب تحقیق کی مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی مدظلہٗ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس قول پر اعتراض کیا ہے کہ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس قول کی دو سندیں لکھی ہیں، پہلی سند صحیح ہے لیکن اس کا انہوں نے متن نہیں لکھا، اور دوسری سند جس کا انہوں نے متن لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ (مصلہ الحدیث: ش ۵، ص ۱۳، حاشیہ ۲) لیکن علی زئی کا یہ اعتراض دراصل علمِ حدیث سے ان کے تہی دامن ہونے کی دلیل ہے ورنہ علم حدیث کے بنیادی طالب علم کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ جس قول کے ساتھ دو سندیں مذکور ہوں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ قول دو سندوں کے ساتھ منقول ہے، اور ان دو سندوں کا متن ایک جیسا ہی ہے۔ جس جماعت میں زبیر علی زئی مقلد جیسے علمِ حدیث سے تہی دامن لوگ محدث اور شیخ الحدیث کی کرسی پر براجمان ہوں اس جماعت کا اللہ ہی حافظ ہے۔[1]

[1] (تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام، ص ۱۰۹)

﴿۳﴾ آیت فرضیت جمعہ: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔[1]

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے آذان دی جائے تو تم خدا کی یاد کے لیے بلا تاخیر چل کھڑے ہوا کرو۔

کے ذیل زبیر علی زئی غیر مقلد صاحب نے لکھا ہے:

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: "وقد أمر الله المؤمنين بالاجتماع لعبادته يوم الجمعة" اور اللہ نے جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لیے المؤمنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ جمع ہو جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر نسخہ محققہ، ج ۱۳، ص ۵۵۹)

مفسرین کی ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ میں المؤمنین (تمام مؤمنین) مراد ہیں۔ المؤمنین میں الف لام استغراقی ہے۔[2]

اب آیت مذکورہ میں "المؤمنین" کہاں ہے اور "اٰمَنُوْا" میں الف لام استغراق کہاں سے آیا ہے؟ اور اگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا کلام، کلام اللہ ہے تو زبیر علی زئی غیر مقلد صاحب کون سی وحی مرتب کرنا چاہتے ہیں؟

ایسے بدحواس محقق کی پیشوائی اہل حدیث غیر مقلدوں کو مبارک ہو۔

﴿۴﴾ زبیر علی زئی غیر مقلد کا علم و تحقیق اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ اسے خود بھی یاد نہیں رہتا میری تحقیق کل کیا تھی اور آج کیا ہے۔ چنانچہ ایک راوی کی تحقیق میں ابراہیم بن یعقوب جوزجانی کے قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی السعدی فی نفسہ ثقہ وصدوق امام ہونے کے باوصف متعنت (متشدد) تھے اور اس پر ناصبی ہونے کا الزام تھا۔

نیز موصوف لکھتے ہیں:

ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی المبتدع (بدعتی) "الحدیث" ۲/۹۔ جوزجانی (ناصبی صدوق)۔ "الحدیث" ۷/۸۔ (القول المتین، ص ۴۳)

۱۔ پارہ نمبر ۲۸، سورہ الجمعۃ، آیت نمبر ۹

۲۔ الحدیث، ۶۸/۱۸

زبیر علی زئی غیر مقلد کی تحقیق میں متشدد ناصبی ابراہیم بن یعقوب نے جب امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ پر تنقید کی تو اس تنقید کو قبول کرتے ہوئے امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ پر جرح میں "الحدیث" ۱۸/۷۔ ۵۲/۱۹ نقل کر دیا۔

﴿۵﴾ محقق موصوف اپنے پسندیدہ راوی پر امام مسلمہ بن قاسم القرطبی رحمہ اللہ کی توثیق کو قبول کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمہ بن قاسم نے کہا ہے: ثقة۔[1]

اسی امام مسلمہ بن قاسم رحمہ اللہ نے جب حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی توثیق کی تو زبیر علی زئی غیر مقلد صاحب اس توثیق کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمہ بن قاسم بذات خود ضعیف ہے۔[2]

﴿۶﴾ زبیر علی زئی غیر مقلد کے علم و تحقیق اور استدلال کا انداز آپ نے دیکھا اب موصوف کے انداز تربیت کو بھی ملاحظہ کریں۔ امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ پر تنقید میں مختلف حوالے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دیکھیے: "الاسانید الصحیحه فی أخبار أبی حنیفه" قلمی، ص ۱۱۸۔[3]

"الاسانید الصحیحه"، محقق موصوف کی کاوش ہے ہنوز غیر مطبوعہ ہے اور موصوف سب کو دعوت دے رہے ہیں کہ اس تحقیق کے لیے اس کا مطالعہ کر لیا جائے غیر مطبوعہ قلمی مسودہ کے مطالعہ کی کیا صورت ہوگی اس کی وضاحت بھی کر دیتے تو بات مکمل ہو جاتی۔

گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ا حضرو، اٹک کے استاذ جناب سمیع اللہ خان صاحب نے "الحدیث" کے مذکورہ حوالہ سے "الاسانید الصحیحہ" کے فوٹو سٹیٹ کے لیے زبیر علی زئی غیر مقلد کو منی آرڈر بھیجا تو موصوف نے لکھا: السانید الصحیحہ فی الحال شائع نہیں ہوئی () قلمی حالت میں موجود ہے۔

۱۔ "القول المتین"، ص ۲۲

۲۔ "الحدیث" ۳۵/۱۶

۳۔ "الحدیث" ۱۵/۷

اگر میں نے ایک ہزار کتابوں میں اس کا حوالہ دیا ہے تو بھی کوئی بات نہیں، آپ کو یہ کتاب صرف شائع ہونے کے بعد ہی مل سکتی ہے۔ چھپنے سے پہلے مخطوطے کی فوٹو سٹیٹ کسی حالت میں نہیں مل سکتی لہٰذا اس سلسلے میں بے غم رہیں اور کسی ذریعہ سے اپنی رقم واپس منگوالیں۔ کتاب مذکور کے شائع ہونے کا فی الحال کوئی امکان نہیں ہے، منزل ابھی بہت دور ہے۔ انشاء اللہ۔

امید ہے اس سلسلہ میں آپ آئندہ کوئی خط نہیں لکھیں گے اور نہ آپ کے کسی خط کا اس سلسلے میں جواب دیا جائے گا۔

حافظ زبیر علی زئی، مدرسہ اہل حدیث حضرو، ۱۶ ستمبر ۲۰۰۹ء

ایک دوسری گل افشانی ملاحظہ ہو تراویح کے مسئلہ کے بیان میں ایک حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

راقم الحروف کی کتاب ''اکاذیب علمائے دیوبند'' تحت التکمیل کا مطالعہ فرمائیں۔[1]

جو کتاب ابھی مراحل تکمیل میں ہے، اس نامکمل مسودہ کا مطالعہ ''الحدیث'' کا یہ قاری کس طرح کرے گا اس کے لیے زبیر علی زئی غیر مقلد کوئی کرامت ہی دکھادیں تو ممکن ہے۔ عصر حاضر کے اس محقق زبیر علی زئی غیر مقلد کی ان گل افشانیوں کے لیے تو دفتر چاہیے۔ موصوف کے ان لطائف، تناقضات اور علمی خیانتوں کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہوکر قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

زبیر علی زئی غیر مقلد کا ''صحیح'' اور ''حسن''

زبیر علی زئی غیر مقلد نے اعلان کر رکھا ہے کہ ہم روایاتِ حدیث میں فقط ''صحیح'' اور ''حسن'' کو مانتے ہیں اور ہماری کتابوں میں فقط ''صحیح'' اور ''حسن'' درجہ کی روایات پیش کی جاتی ہیں، اسی طرح تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید و تنقیص میں موصوف یہ بات دہراچکے ہیں کہ ان حضرات کی توثیق اور ان کے مُصنّفات کی عصر حاضر تک کی سندات میں فقط ''صحیح'' اور ''حسن'' روایت وسند قبول ہوگی۔ تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی توثیق اور ان حضرات

---

[1] ''تعداد رکعات قیام رمضان'' ص ۴۰

کے مصنفات کی سندات کی تفصیل آپ کتاب ھذا ''تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' میں انشاء اللہ پڑھیں گے ہم یہاں محقق موصوف سے صرف پانچ سوال پوچھتے ہیں۔

﴿۱﴾: آپ کے ہاں ''صحیح'' اور ''حسن'' کی کیا تعریف ہے؟

﴿۲﴾: ''صحیح'' اور ''حسن'' کن مسائل کا مأخذ ہیں؟

﴿۳﴾: ''صحیح'' اور ''حسن'' کے علاوہ باقی اقسامِ روایات کا کیا حکم ہے؟

﴿۴﴾: آپ نے ائمہ احناف پر تنقید و تنقیص میں کتب رجال و تاریخ سے جو روایات پیش کی ہیں ان میں کتنی روایات ''صحیح'' اور ''حسن'' ہیں؟

﴿۵﴾: آپ نے جن کتب رجال اور تاریخ کے حوالوں سے ائمہ احناف پر تنقید و تنقیص کی ہے ان کی آپ تک کونسی سندات ''صحیح'' اور ''حسن'' کے درجہ کی حامل ہیں؟

ہر بات کی دلیل اور سند کے مدّعی اور جواب میں دلیل اور سندِ صحیح و حسن کا مطالبہ کرنے والے زبیر علی زئی غیر مقلد صاحب سے امید ہے کہ ان سوالات کا تحقیقی جواب اپنے منہج کے حوالوں سے ضرور پیش کریں گے، تاکہ یہ وضاحت ہو سکے کہ ائمہ احناف کی توثیق میں انہوں نے جس درجہ کی روایات سے ان ائمہ امت پر تنقید و تنقیص کی ہے۔ کیا موصوف خود بھی اسی درجہ کی روایات سے ان ائمہ امت پر تنقید و تنقیص کی ہے؟

کتاب ھذا ''تلامذہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام''

دین اسلام کے بنیادی دشمن یہود نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے جو گھناؤنے ہتھکنڈے اپنائے ان میں ایک مسلمانوں کے بنیادی حضرات کی شخصیات کو مجروح کرنا بھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی شخصیات کو مجروح کرنے کے لیے روافض، شیعہ کی داغ بیل عبداللہ بن سبا یہودی، منافق سے ڈلوائی، انکارِ حدیث اور معجزات کے لیے معتزلہ کو کھڑا کیا اور حضرات تابعین و تبع تابعین رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کی شخصیات کو مجروح کرنے کے لیے فکر آزادی کی علمبردار غیر مقلدین کی تشکیل کر کے ان کی پدری سرپرستی کی۔ یہودیانہ عزائم کی تکمیل میں غیر مقلدین نے ائمہ دین کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا، اور مسلمانوں کو اپنے اکابر اور دین کے اوّلین خدام سے متنفر کرنے کو اپنا مقصدِ حیات بنایا۔ غیر مقلدین کی اس روش کی داعی زبیر علی زئی صاحب پیرداد، حضرو، اٹک، پاکستان، بھی ہیں۔

موصوف نے اپنی تصانیف اور ماہنامہ ''الحدیث'' کے صفحات اسی گھناؤنے مقصد کے لیے وقف کر رکھے ہیں۔ حضرات تبع تابعین میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ پر زبیر علی زئی غیر مقلد کے تین تنقیدی مضامین مطبوعہ ''الحدیث'' نمبر ۷، ۱۶، ۱۹، کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ موصوف نے نہ صرف ان ائمہ امت پر تنقید کی بلکہ اب تک اسے دھراتے ہوئے اس تنقید کے جواب کا مطالبہ بھی کرتے رہے ہیں۔ غیر مقلدین کے ان دعووں کا مقصد امت مسلمہ کو اپنے مقتداؤں سے متنفر کرنا ہے، اس لیے اس کی ضرورت تھی کہ زبیر علی زئی غیر مقلد کی ائمہ احناف پر اس تنقید و تنقیص کا سنجیدگی سے علمی جائزہ لیا جائے، ٹھوس ثبوت اور بے غبار حوالوں سے جہاں ائمہ احناف کا علمی مقام اور جلالت شان واضح کی جائے، وہیں موصوف کے دعووں، علمی خیانتوں اور تضادات کی بھی قلعی کھولی جائے الحمد للہ برادرم حافظ ظہور احمد الحسینی زید مجدہ؛ نے اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے ''تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' جیسی وقیع کتاب لکھ کر اپنے عنوان کا حق ادا کر دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔

یہ کتاب تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جرح تنقید کا جواب ہے اس لیے اس کتاب میں ان ائمہ احناف کے سوانحی حالات اور علمی، دینی خدمات کو تفصیل سے نہیں بیان کیا گیا۔ مختصر سوانحی حالات کے بعد زبیر علی زئی غیر مقلد کی پیش کردہ تنقید کے ہر حوالہ کو نقل کر کے اس کا محاسبہ کرتے ہوئے تفصیلی جواب لکھا گیا، پھر محدثین، فقہاء اور ائمہ رجال کے ٹھوس حوالوں سے ائمہ احناف کی توثیق، محدثانہ مقام، فقہی مقام اور جلالتِ شان کو بیان کیا گیا۔ اس تفصیل کے بعد خود غیر مقلدین کے اکابر اور زبیر علی زئی کے مزعومہ اساتذہ اور ممدوحین کے حوالوں سے ائمہ احناف کی توثیق اور جلالتِ شان کو ثابت کیا گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مایہ ناز شاگرد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر زبیر علی زئی اور دوسرے غیر مقلدین کی تنقید و تنقیص کا جواب اس کتاب کا عنوان نہیں۔ اس کتاب کا عنوان تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر الزامات کے جوابات ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر زبیر علی زئی غیر مقلد اور دوسرے غیر مقلدین وجارحین کے الزامات کے جوابات اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی علمی خدمات اور جلالتِ شان کی تفصیل کے لیے ضخیم کتاب ''امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' انشاء اللہ جلد زیور طبع سے

آراستہ ہورہی ہے۔ یہاں ملحوظ رہے کہ زبیر علی زئی غیر مقلد نے ائمہ احناف میں سے حضرت امام محمد بن حسن رحمہ اللہ، امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ پر تنقید کی ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت امام زفر بن ہذیل رحمہ اللہ پر ابھی غیر مقلد موصوف کا کوئی مضمون نہیں چھپا، مگر اس کتاب میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ کے دفاع میں حضرت امام زفر بن ہذیل رحمہ اللہ پر بھی ایک مبسوط مقالہ لکھا گیا، جسمیں غیر مقلدین اور دوسرے جارحین کی طرف سے حضرت امام زفر بن ہذیل رحمہ اللہ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا بھی باحوالہ جواب لکھا گیا۔ تاکہ اگر کبھی زبیر علی زئی غیر مقلد کے مالیخولیا میں خلجان پیدا ہو اور وہ حضرت امام زفر بن ہذیل رحمہ اللہ پر اپنا تنقید آلودہ قلم اٹھائے تو اسے جواب پہلے سے ملا ہوا ہو۔

زبیر علی زئی صاحب کے لیے ''غیر مقلد'' کے لقب کی وضاحت

آں موصوف کو اس کتاب ''تلامذہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' اس کے مقدمہ اور دوسری تحریروں میں ''زبیر علی زئی غیر مقلد'' کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے اس تسمیہ کی درج ذیل وجہ احقر موصوف کو لکھ چکا ہے:

> جب آپ تقلید کے روادار نہیں اور مقلدین کو کوسنا آپ کا فریضہ ہے تو ''غیر مقلد'' ہونے پر آپ کو فخر ہونا چاہیے شاید آپ کو یاد نہیں کہ ''الحدیث'' نمبر ۳۸ ص ۴۲ پر مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد کے مضمون میں آپ شائع کر چکے ہیں کہ:
>
> ''ہر غیر مقلد کو اہل حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ہر اہل حدیث کے لیے ضروری ہے کہ جمود اور تقلید سے الگ رہے''

یعنی ہر غیر مقلد اہل حدیث نہیں مگر ہر اہل حدیث غیر مقلد ہے۔ ملحوظ رہے کہ ہم آپ کو غیر مقلد اہل حدیث نہیں لکھتے آپ کے اصول کے مطابق اہل حدیث غیر مقلد لکھتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے ''الحدیث نمبر ۳۵، ص نمبر ۶۰ پر ابو بلال محمد اسماعیل سلفی جھنگوی کا درج ذیل حوالہ نقل کرتے ہوئے تبصرہ کیا ہے:

> زبیر علی زئی غیر مقلد نے نور العینین میں صحیح کہا ہے۔ تحفۃ الحدیث حصہ دوم، ص ۱۵۹ حالانکہ اس ضعیف روایت کے بارے میں راقم الحروف نے علانیہ لکھا ہے الخ (الحدیث

نمبر ۳۵، ص نمبر ۶۰)

آپ کے نقل کردہ ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی کے مذکورہ اقتباس پر تبصرہ میں آپ نے غیر مقلد کو اپنے نام کا حصہ ہونے پر اعتراض نہیں کیا بلکہ راقم الحروف لکھ کر تسلیم کیا ہے کہ میں ہی زبیر علی زئی غیر مقلد ہوں۔[۱]

محترما! آپ تقلید نہیں کرتے، تقلید کی مذمت کرتے ہیں، تقلید کو شرک کہتے ہیں، مقلد کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید نہ کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور امت کو تقلید نہ کرنے کا سبق پڑھاتے ہیں اور ''غیر مقلد'' کا معنی کسی کی تقلید نہ کرنے والا کے ہیں اور آپ کسی کے مقلد نہ ہو کر اپنا غیر مقلد ہونا قبول کر چکے ہیں تو ''غیر مقلد'' کہنے پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔[۲]

محترم زبیر علی زئی غیر مقلد نے اپنے لاحقہ ''غیر مقلد'' کو مذکورہ حقائق کی روشنی میں قبول کرتے ہوئے ابھی تک اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لیے کتابِ ھذا اور دوسری تحریروں میں موصوف کو اسی نام ''زبیر علی زئی غیر مقلد'' سے مخاطب کیا گیا ہے۔

زبیر علی زئی غیر مقلد اور اس کے گھڑنتو مذہب کے جواب اور اہل السنت والجماعت کے مذہب کی حقانیت پر الحمدللہ اس سے پہلے برادرم محقق اہلسنت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی زید مجدہٗ کی چار وقیع کتب (۱) ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ''، (۲) ''بیس رکعات مسنون تراویح''، (۳) ''چہل حدیث نماز نبوی''، (۴) علمائے دیوبند پر زبیر علی زئی غیر مقلد کے الزامات کے جوابات''۔ زیور طبع سے آراستہ ہو کر عوام وخواص سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ان کتب کی اشاعت سے الحمدللہ جہاں زبیر علی زئی غیر مقلد کے گھڑنتو مذہب کی حقیقت واضح ہوئی ہے، وہاں متلاشیانہ حق کو راہ حق ملی اور اہل حق کے قلب ونظر کی تسکین کا سامان رب تعالیٰ نے پیدا کیا۔ انشاء اللہ موصوف کی یہ کتاب ''تلامذہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' بھی محسنین امت اور خادمانِ دین کے دفاع اور ذکرِ خیر جو کہ خود ایک عبادت ہے کا موجب ہوگی۔

۱۔ تحریرہ: ۱۶ صفر ۱۴۳۰ھ/ ۱۲ فروری ۲۰۰۹ء، ص ۲، ۳

۲۔ خط تحریرہ: ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ/ ۱۵ مئی ۲۰۰۹ء، ص ۴

مسلمانوں کو محسنین امت سے متنفر کرنے کی یہودیانہ عزائم کی تکمیل میں زبیر علی زئی غیر مقلد کی تشکیل خوردہ تحقیق کے جواب میں ماشاء اللہ دوسرے اہل علم حضرات بھی پیش پیش ہیں مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہٗ کی زیر سرپرستی مجلّہ ''قافلہ حق''، اوراس کے علاوہ جامعہ خیر المدارس سے ماہنامہ ''الخیر''، جامعہ نصرۃ العلوم سے ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' وغیرہ میں بھی وقیع مقالات چھپ رہے ہیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔

اخر میں رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ برادرم حافظ ظہور احمد الحسینی مدظلہٗ کی اس کاوش ''تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام'' کو جو اُسی کی توفیق وعنایت سے لکھی گئی، قبول ومقبول فرماتے ہوئے موصوف کی علمی عملی ترقیات کا وسیلہ بنائے اور موصوف کو صحت وعافیت سے نوازتے ہوئے سہولت وراحت کے ساتھ مزید خدمات دینیہ کی توفیق سے ارزانی فرماتا رہے۔

آمین یارب العالمین

بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ الہ واصحابہ واتباع امتہٖ أجمعین۔

یارب تو کریم ورسولِ تو ﷺ کریم

صدشکر کہ ہستم میانِ دو کریم

احقر

غفرلہٗ

[signature]

۷ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ/۲۹ اگست ۲۰۰۹ء

عرض مؤلف

بسم الله الرحمن الرحيم. نحمده ونصى ونسلم علىٰ رسوله الكريم. امابعد......

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت صحابہؓ کے بعد جتنی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ سے لی ہے اتنی کسی اور سے نہیں لی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ.

امام ابن حجر مکی شافعیؒ (م:۹۷۳ھ) نے امام صاحبؒ کے مناقب میں لکھا ہے:

قال بعض الائمة لم يظهر لاحد من ائمة الاسلام المشهورين مثل ما ظهر لابى حنيفة من الاصحاب والتلاميذ، ولم ينتفع العلماء وجميع الناس بمثل ما انتفعوا به وباصحابه فى تفسير الاحاديث المشبهة والمسائل المستنبطة والنوازل والقضاء الاحكام جزاهم الله خيرا.[1]

بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ مشاہیر ائمہ اسلام میں سے کسی بھی امام کے ایسے تلامذہ ظاہر نہیں ہوئے جیسے امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب وتلامذہ ظاہر ہوئے ہیں، اور علماء وعامۃ المسلمین نے مشکل احادیث کی تفسیر، احادیث سے مستنبط مسائل، پیش آمدہ مسائل، قضاء اور احکام میں جتنا فائدہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ سے اٹھایا ہے اتنا فائدہ کسی اور سے نہیں اٹھایا۔ جزاهم الله خيرا۔

امام عالی مقام کے تلامذہ میں سے جو سب سے زیادہ ممتاز ہوئے ہیں وہ یہ چار حضرات ہیں:

امام ابو یوسفؒ (م:۱۸۲ھ)، امام محمد بن حسنؒ (م:۱۸۹ھ)، امام حسن بن زیادؒ

[1] الخیرات الحسان: (ص ۶۰)

(م:۲۰۴ھ) اور امام زفر بن ہذیلؒ (م:۱۵۸)۔ اور فقہ حنفی جو تقریباً تیرہ سو سال سے امت مسلمہ کے سواد اعظم (اکثریت) کا دستور عمل چلا آ رہا ہے یہ دراصل امام عالی مقام اور آپ کے ان چار تلامذہ کے اجتہادات (قرآن و سنت سے مستنبطہ مسائل) کے مجموعہ کا نام ہے۔

امت مسلمہ کو اس کے ان عظیم محسنین کی شخصیات سے روشناس کرانا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر ہم نے امام صاحبؒ کی شخصیت پر "امام اعظم کا محدثانہ مقام" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا حصہ اول ان شاء اللہ عنقریب طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔

یہ پیش خدمت مجموعہ آپ کے ان چار تلامذہ کے تذکرے میں مشتمل ہے، اس میں ان حضرات کی شخصیات اور ان کے علمی (خاص کر محدثانہ) مقام کو ٹھوس اور مضبوط حوالہ جات سے مزین کیا گیا ہے، اور ان پر کیے گئے اعتراضات خصوصاً ان میں سے اول الذکر تین حضرات (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام حسن بن زیادؒ) پر ایک متعصب غیر مقلد حافظ زبیر علی زئی پیر دادی نے اپنے زیر ادارت رسالہ "ماہنامہ الحدیث حضرو" میں جو اعتراضات کیے ہیں ان کے تحقیقی و شافی جوابات دیے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ امام ابو یوسفؒ کے بعد امام زفرؒ کا علمی مقام ہے لیکن چونکہ شہرت کے لحاظ سے امام محمدؒ اور امام حسن بن زیادؒ کے بعد دیگرے امام زفرؒ سے بڑھ کر ہیں اس لیے اس مجموعہ کی ترتیب میں اسی چیز کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور اس کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ، اور والدین و مشائخ کی بلندی درجات اور عامۃ المسلمین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

ظہور احمد الحسینی

بروز منگل ۲۹ ذو الحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۲۰۰۷ء

بمقام: جیلنگھم برطانیہ

تذکرہ امام ابو یوسفؒ

ولادت: ۱۱۳ھ، وفات: ۱۸۲ھ

مختصر سوانحی تذکرہ امام ابو یوسفؒ

نحمدہٗ و نصلّی و نسلّم علٰی رسولہ الکریم. امّابعد:

امام موصوف ۱۱۳ھ میں مَعدنُ العلم والفقہ ''کوفہ'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی تعلق مدینہ منورہ کے انصار خاندان سے ہے اور آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے:

القاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم بن حبیب بن حنین بن سعد بن حبتة الانصاری.[1]

آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت سعد بن حبتہ انصاریؓ صحابیِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جو بیعت رضوان میں شریک تھے۔[2]

جنگ خندق کے موقع پر اپنی کم سنی کے باوجود انہوں نے بڑی بہادری اور دلیری سے کفار کا مقابلہ کیا تھا جس پر نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلا کر ان کی خوش بختی کے لیے دعا فرمائی تھی اور ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا تھا۔[3]

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعاؤں اور آپ کے دست شفقت کی برکات میں حضرت سعد بن حبتہؓ کی اولاد خصوصاً امام ابو یوسفؒ کا علم وتقویٰ اور ان کی لازوال علمی خدمات بھی ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کا بچپن، عہد طلب علمی اور جوانی کا زمانہ کوفہ میں ہی گزرا، جب بغداد کی تعمیر ہوئی تو آپ بغداد تشریف لے گئے اور اپنی زندگی کے بقیہ ایام وہیں بسر کیے، اور پھر یہیں ربیع

۱۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۴۶)، وفیات الاعیان (۳۸۹/۳)، کتاب الانساب (۱۳/۴)، الاکمال (۲/۱۲۱)، التعریف فی الانساب (ص ۱۸۶)، نھایۃ الارب فی تھذیب انساب العرب (ص ۲۶۰)

۲۔ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (۳/۲۴۴) للسخاویؒ

۳۔ الانتقاء (ص ۱۷۲) لابن عبدالبرؒ

الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں ۶۹ سال کی عمر پا کر انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔ رَحِمَهُ اللهُ تَعالٰی۔

مرتے وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے: اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا۔ میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور تیرے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے طریقہ کے موافق ہو، جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابو حنیفہؒ کا واسطہ بناتا تھا، اور جہاں تک مجھ کو معلوم ہوا ہے امام ابو حنیفہؒ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستے سے باہر نہ جاتے تھے۔[1]

آپ کی اولاد:

آپ کی اولاد کے متعلق زیادہ معلومات نہیں دستیاب ہو سکیں، البتہ تاریخ و اسماء الرجال کے کتب سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔

ایک امام یوسفؒ کہ جن کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ''ابو یوسف'' رکھی تھی، اور یہ ایک جلیل القدر فقیہ تھے اور اپنے والد کی زندگی میں ہی قاضی مقرر ہو گئے تھے، آپ کی وفات کے بعد خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے ان کو اس عہدہ پر برقرار رکھا یہاں تک کہ ۱۹۲ء میں ان کی وفات ہوگئی۔[2]

امام محمد بن خلف المعروف بہ وکیعؒ (م ۳۰۶ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقد حمل عن ابی یوسف الحدیث.[3]

انہوں نے اپنے والد امام ابو یوسفؒ سے علم حدیث کی تحصیل کی۔

نیز امام وکیعؒ نے عبداللہ بن عبدالکریم حارثیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

كان يوسف بن ابى يوسف عفيفا مامونا صدوقا قرأ عليه ابويوسف اكثر كتبه.[4]

امام یوسفؒ بن ابو یوسفؒ ایک پاکدامن، امانت دار اور راست باز شخص تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنی اکثر کتب ان کو پڑھائی تھیں۔

۱۔ شذرات الذھب (۱/۲۹۹)، سیرۃ النعمان (ص ۲۲۳)

۲۔ الطبقات الکبریٰ (۷/۲۴۲)، البدایۃ والنھایۃ (۷/۲۰۷)

۳۔ اخبار القضاۃ (ص ۲۵۲)

۴۔ اخبار القضاۃ (ص ۲۵۲)

امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے "کتاب الآثار" کا جو نسخہ روایت کیا ہے اس کے ایک راوی آپ کے یہ صاحبزادے امام یوسفؒ بھی ہیں۔[۱]

آپ کے دوسرے صاحبزادے کا نام ابراہیم ہے، حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) ان کے ترجمے میں ارقام فرماتے ہیں:

ابراهيم بن يعقوب بن ابراهيم الامام ابن الامام صاحب الامام واخو الامام يوسف، ...... تفقه علىٰ ابيه[۲]

ابراہیم بن یعقوب بن ابراہیمؒ جو کہ خود بھی امام ہیں، اور ایک ایسے امام (ابو یوسفؒ) کے صاحبزادے ہیں جو کہ صاحب الامام (ابی حنیفہؒ) ہیں، نیز یہ امام یوسفؒ کے بھائی ہیں...... انہوں نے اپنے والد (امام ابو یوسفؒ) سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ رَحِمَهُمُ اللّٰہ تعالیٰ.

امام ابو یوسفؒ کا عہد طالب علمی:

امام ابو یوسفؒ نے اپنے بچپن سے ہی دینی علوم کی تحصیل شروع کر دی تھی، اور اس سلسلے میں آپ نے اس وقت کے نامور و بلند پایہ اہلِ علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے، جن میں سرفہرست امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں۔

امام اعظمؒ سے شرف تلمذ:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے اگر چہ لاتعداد لوگوں نے رشتۂ تلمذ استوار کیا، لیکن امام صاحبؒ کے تلامذہ میں امام ابو یوسفؒ علم و فضل، جودت و ذہانت اور عظمت و شہرت ہر لحاظ سے سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کا حوالہ آگے آرہا ہے جس میں انہوں نے امام ابو یوسفؒ کو امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر قرار دیا ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) بھی آپ کو "اَجَلُّ اَصْحَابِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ" (اصحاب ابی حنیفہؒ میں سب سے زیادہ جلیل القدر) قرار دیتے ہیں۔[۳]

۱۔ الجواہر المضیئۃ (۲/۲۳۴، ۲۳۵) ۲۔ ایضاً (۱/۵۰)

۳۔ مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ (ص ۳۹)

نیز لکھتے ہیں:

وَهُوَ اَنْبَلُ تَلامِذَتِهِ، وَاَعْلَمُهُم[1]

''امام ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ معزز اور بڑے عالم تھے۔''

حافظ ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) آپ کو ''اَكْبَرُ اَصْحَابِ اَبِي حَنِيْفَه'' (امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے) اور حافظ ابن عبدالبرؒ (م:۴۶۳ھ) آپ کو ''اَعْلاهُم ذِكْرًا'' (امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے سب سے زیادہ نامور) کہتے ہیں۔[2]

آپ پہلے قاضی کوفہ امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ (م:۱۴۸ھ) سے پڑھتے رہے ہیں، اور پھر جب آپ کی امام اعظمؒ سے ملاقات ہوئی تو امام صاحبؒ کے طریقہ تدریس سے اتنے متاثر ہوئے کہ امام ابن ابی لیلیٰؒ کو چھوڑ کر امام صاحبؒ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وكان ابو يوسف يتفقه اولا علىٰ محمد بن عبدالرحمن بن ابی ليلى القاضی، ثم انه اجتمع بأبی حنيفة فرأى انه افقه منه فلزمه.[3]

امام ابو یوسفؒ پہلے امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قاضیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، پھر جب آپ کی امام ابو حنیفہؒ سے ملاقات ہوئی اور آپ نے ان کو امام ابن ابی لیلیٰؒ سے بڑے فقیہ پایا تو آپ ان کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔

امام ابو یوسفؒ خود فرماتے ہیں کہ

صحبت ابا حنيفة سبع عشرة سنة۔[4]

میں سترہ سال امام ابو حنیفہؒ کی صحبت میں رہا ہوں۔

نیز فرماتے ہیں:

انی لادعو لابی حنيفة قبل ابوی۔[5]

۱۔ سیر اعلام النبلاء (۸/۵۳۵)

۲۔ البدایۃ والنہایۃ (۷/۱۷۱)، الانتقاء (ص ۱۷۲)

۳۔ مجموع الفتاوی (۲۰/۱۴۹)

۴۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۵۴)

۵۔ ایضاً (۱۳/۳۴۰)

میں امام ابو حنیفہؒ کے لیے اپنے والدین سے پہلے دعا کرتا ہوں۔

علامہ ابن عبد البرؒ (م:۴۶۳ھ) نے آپ کے شاگرد امام علی بن حرملہؒ (م......) سے نقل کیا ہے کہ

کان ابو یوسف قاضی یقول فی دبر کل صلاۃ الھم اغفرلی ولا بی حنیفۃ۔[1]

امام ابو یوسف قاضیؒ نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری اور امام ابو حنیفہؒ کی مغفرت فرما۔

امام اعظمؒ کی نظر میں آپ کا مقام:

امام اعظمؒ بھی اپنے اس ہونہار اور لائق شاگرد سے بڑی محبت کرتے تھے، اور ان کو اپنے تلامذہ میں سب سے بڑے عالم قرار دیتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وکان ابو حنیفۃ یقول عن ابی یوسف: انہ اعلم اصحابہ۔[2]

امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے تلامذہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

حافظ ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) نے امام ابو یوسفؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

کان ابو حنیفۃ یشھد لابی یوسف انہ اعلم الناس.[3]

امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ کے بارے میں گواہی دیتے تھے کہ یہ "اَعْلَمُ النَّاسُ" (لوگوں میں سب سے بڑے عالم) ہیں۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے سند متصل کے ساتھ امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م:۱۸۹ھ) سے نقل کیا ہے کہ

ایک دفعہ امام ابو یوسفؒ سخت بیمار ہوئے تو امام ابو حنیفہؒ ان کی تیمارداری کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے، ہم بھی امام صاحب کے ساتھ تھے۔ جب آپ ان

۱۔ الانتقاء (ص ۱۷۳)
۲۔ البدایۃ والنہایۃ (۱۷۱/۷)
۳۔ المنتظم (۷۵/۹)

کے گھر سے باہر نکلے تو آپ نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ان یمت هذا الفتی فانه اعلم من علیها۔[1]

اگر یہ نوجوان مر گیا تو گویا اس روئے زمین کا سب سے بڑا عالم مر گیا۔

علامہ خطیبؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ کے سامنے امام ابو یوسفؒ اور امام زفر بن ہذیلؒ (یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے کبار و مشہور تلامذہ میں سے ہیں) کی آپس میں کسی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی، اور یہ بحث طلوع آفتاب سے اذانِ ظہر تک طویل ہوگئی، امام ابو یوسفؒ اگر کوئی دلیل پیش کرتے تو امام زفرؒ اس کو اپنی دلیل سے توڑ دیتے، اور اگر امام زفرؒ کوئی دلیل دیتے تو امام ابو یوسفؒ اس کو اپنی دلیل سے توڑ دیتے، آخر کار امام ابو حنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ کے حق میں فیصلہ دے دیا اور امام زفرؒ سے فرمایا:

لاتطمئن فی الریاسة بارض یکون هذا بها.[2]

اس زمین میں ریاست کی طمع مت کرنا جس میں ابو یوسف موجود ہوں۔

امام ابو یوسفؒ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، امام اعظمؒ ان کی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے ان کی برابر مالی طور پر امداد کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اطمینان کے ساتھ تعلیم مکمل کر لی اور پھر خود کفیل ہو گئے۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) اور حافظ ابن عبدالہادی مقدسیؒ (م ۷۴۴ھ) موصوف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

نشأ فی طلب العلم وکان ابوه فقیرا فکان ابو حنیفة یتعاهد یعقوب بمائة بعد مائة.[3]

امام ابو یوسفؒ نے تعلیم حاصل کرنی شروع کی تو ان کے والد ایک غریب آدمی تھے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ ان کو یکے بعد دیگرے سینکڑوں درہم دے کر ان کی امداد کرتے رہے۔

۱۔ تاریخ بغداد (۲۴۹/۱۴) ۲۔ ایضاً (۲۵۰/۱۴)

۳۔ تذکرۃ الحفاظ (۲۱۴/۱)؛ طبقات علماء الحدیث (ص ۴۲۲، ۴۲۳)

دیگر نامور اہل علم سے تلمذ:

امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ کے علاوہ دیگر کئی نامور ائمہ حدیث وفقہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیے جن میں سے کئی تابعین عظام بھی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

وکتب العلم عن طائفة من التابعین.[۱]

امام ابو یوسفؒ نے تابعین کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا ہے۔

پھر ذہبیؒ نے آپ کے اساتذہ میں ہشام بن عروہؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ، اعمشؒ، یزید بن ابی زیادؒ اور ابو اسحاق شیبانیؒ وغیرہ تابعین کو شمار کیا ہے۔[۲]

آپ کے ان مشائخ میں سے اکثر امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بھی مشائخ ہیں۔ اس سے آپ امام ابو یوسفؒ کے علو سند کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) آپ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

وکان عند ابی یوسف حدیث کثیر عن ابی خصیف والمغیرہ وحُصین ومطرف وھشام بن عروة والاعمش وغیرھم من الکوفیین.[۳]

امام ابو یوسفؒ کے پاس بکثرت احادیث تھیں جو انہوں نے ابو خصیفؒ، مغیرہؒ، حُصینؒ، مطرفؒ، ہشام بن عروہؒ، اعمشؒ، اور دیگر کوفی محدثین سے روایت کی تھیں۔

امام احمد بن حنبلؒ (م: ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

کان یعقوب ابو یوسف بروی عن حنظلة وعن المکیین.[۴]

امام یعقوب ابو یوسفؒ حنظلہؒ اور دیگر مکی محدثین سے روایت کرتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ نے امام لیث بن سعد مصریؒ (م ۱۷۵ھ) سے بھی بکثرت احادیث روایت کی ہیں، چنانچہ امام ابو یعلیٰ خلیلیؒ (م ۴۴۶ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

۱۔ مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ (ص ۳۷)
۲۔ مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ (ص ۳۷)
۳۔ الطبقات الکبریٰ (۷/۳۳۸)
۴۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۶۱)

روی عن اللیث بن سعد فاکثر.[1]

امام ابو یوسفؒ، امام لیث بن سعدؒ سے بہت زیادہ احادیث روایت کرتے ہیں۔

امام محمد زاہد کوثریؒ (م: ۱۳۷۱ھ) نے حجاز (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ)، عراق (بصرہ، کوفہ وغیرہ) اور دیگر بلاد کے ایک سو سے زائد محدثین کو آپ کے اساتذہ میں نام بنام گنایا ہے۔[2]

امام ابو یوسفؒ کا سلسلہ درس و تدریس:

امام موصوف نے امام اعظمؒ وغیرہ جیسے انتہائی لائق اساتذہ کی صحبت اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت بہت زیادہ علمی ترقی کی، اور آپ ایک باکمال اور پختہ کار عالم کے طور پر اُبھرے۔ اور پھر جب آپ نے اپنے استاذِ مکرم امام اعظمؒ کی وفات کے بعد ان ہی کی طرز پر تدریس کا آغاز کیا تو آپ کی علمی صلاحیتیں اور زیادہ نکھر کر لوگوں کے سامنے آگئیں، اسی لیے علمی حلقے آپ کو سلسلۂ تدریس میں امام اعظمؒ کے خلیفہ و جانشین قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ محدث امام ابن الغزیؒ (م ۱۱۶۷ھ) نے آپ کے تعارف میں لکھا ہے:

صاحب ابی حنیفة و خلیفة فی حلقته من بعده.[3]

آپ صاحب ابی حنیفہؒ اور ان کے حلقۂ تدریس میں ان کے خلیفہ و جانشین ہیں۔

آپ کے اصحاب و تلامذہ:

امام ابو یوسفؒ کے چشمۂ علمی سے بہت زیادہ لوگ سیراب ہوئے، اور آپ سے بڑی تعداد میں لوگوں نے حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ خصوصاً اہل عراق کی اکثریت آپ سے روایت حدیث کرنے والوں میں سے ہیں۔

حافظ ابو سعد سمعانیؒ (م: ۵۶۲ھ) آپ کے متعلق تصریح کرتے ہیں کہ

روی عنه بشر بن الولید و عامة اهل العراق.[4]

امام ابو یوسفؒ سے بشر بن ولیدؒ اور اکثر اہل عراق نے روایتِ حدیث کی ہے۔

عراق سمیت پوری دنیا میں آپ کا سلسلہ تلمذ پھیلا ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) نے امام حماد بن ابی سلیمانؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

۱۔ الارشاد فی معرفة علماء الحدیث (ص ۱۳۸)
۲۔ حسن التقاضی مع الامتاع (ص ۸۱ تا ۸۳)
۳۔ دیوان الاسلام (۴/۱۰۴)
۴۔ کتاب الانساب (۱/۱۹۹)

وانتشر اصحاب ابی یوسف فی الآفاق.[۱]

امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ پوری دنیا میں پھیلے ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر شاگرد امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م:۱۸۹ھ) ہیں۔

چنانچہ حافظ ذہبیؒ آپ کے متعدد تلامذہ کے نام گنانے کے بعد فرماتے ہیں:

واجل اصحابه محمد بن الحسن.[۲]

امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر امام محمد بن حسنؒ ہیں۔

امام محمدؒ کے علاوہ اس زمانہ کے تین بڑے حفاظ حدیث امام احمد بن حنبلؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور امام یزید بن ہارونؒ نے بھی امام ابو یوسفؒ سے روایت حدیث کی ہے، اور یہ تینوں حضرات آپ سے تلمذ کا کھلم کھلا اقرار کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ (م:۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

اول ماطلبتُ الحدیث ذهبتُ الیٰ ابی یوسف القاضی، ثم طلبنا بعد فکتبنا عن الناس۔[۳]

جب میں نے علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو اس کی تحصیل کے لیے سب سے پہلے امام ابو یوسف قاضیؒ کی خدمت میں پہنچا، پھر اور لوگوں سے احادیث لکھیں۔

گویا آپ امام احمدؒ کے پہلے استاذِ حدیث ہیں۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ)، علامہ سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ)، علامہ ابن الاثیرؒ (م:۶۳۰ھ)، علامہ ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ)، حافظ سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ) اور علامہ ابن العمادؒ (م:۱۰۸۹ھ) وغیرہ محدثین نے بھی امام ابو یوسف سے امام احمدؒ کے روایت کرنے کی تصریح کی ہے۔[۴]

۱۔ سیر اعلام النبلاء (۲۳۶/۵)　　۲۔ مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۳۹)

۳۔ تاریخ بغداد (۲۵۷/۱۴)

۴۔ تاریخ بغداد (۱۴/)، کتاب الانساب (۳۱/۴)، وفیات الاعیان (۳۸۹/۳)، اللباب (۱۹۴/۲)، البدایة والنهایة (۱۷۱/۷)، لسان المیزان (۳۹۰/۶)، طبقات الحفاظ (ص ۱۲۸)، شذرات الذهب (۲۹۹/۱)

نیز علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) سند متصل کے ساتھ امام ابراہیم بن جابرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے امام احمدؒ کے صاحبزادے امام عبداللہ بن احمدؒ نے بیان کیا ہے کہ

كان كتب ابى عن ابى يوسف و محمد ثلاثة قماطر، فقلت له: كان ينظر فيها قال: كان ربما نظر فيها۔[1]

میرے والد (امام احمد بن حنبلؒ) نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے تین صندوق علم کے لکھے تھے، میں نے امام عبداللہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے والدان کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں، بسا اوقات ان کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی ''مُسند'' میں یعقوب نامی ایک شخص سے روایت کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) کے خیال میں یعقوب سے مراد امام ابو یوسفؒ ہیں، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

ويحتمل انه كان يعقوب ابويوسف.[2]

ممکن ہے کہ یعقوب سے مراد امام ابو یوسفؒ ہوں۔

دوسرے امام حافظ یحیٰی بن معینؒ (م:۲۳۳ھ) بھی امام ابو یوسفؒ سے احادیث سننے اور ان کو روایت کرنے کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے اپنی سند کے ساتھ ان سے نقل کیا ہے کہ

كتبتُ عن ابى يوسف و انا احدث عنه۔[3]

میں نے امام ابو یوسفؒ سے احادیث لکھی ہیں، اور میں ان سے احادیث بیان بھی کرتا ہوں۔

امام ابن ابی حاتمؒ (م:۳۲۷ھ) ان سے سند متصل کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ

و كتبنا عنه ولم يزل الناس يكتبون عنه.[4]

ہم نے امام ابو یوسفؒ سے احادیث لکھی ہیں اور دیگر لوگ بھی ہمیشہ ان سے احادیث لکھتے

۱۔ تاریخ بغداد (۲۳۵/۳)
۲۔ تعجیل المنفعۃ (ص ۵۰۸)
۳۔ تاریخ بغداد (۲۶۱/۱۴)
۴۔ الجرح والتعدیل (۲۰۲/۹)

عالم ہیں[1] نے بھی امام ابو یوسف سے حدیث کی روایت کی ہے۔ چنانچہ ان کی ایک حدیث جو انہوں نے ''ابو یوسف عَنْ ابی حنیفة...... الخ'' کی سند سے روایت کی ہے، کتب حدیث میں موجود ہے۔[2]

نیز امام لیث بن سعدؒ نے امام ابو یوسفؒ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اصولِ حدیث سے متعلق بعض اقوال بھی نقل کیے ہیں۔[3]

خود امام شافعیؒ (م:۲۰۴ھ) کی اگرچہ آپ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔[4] لیکن وہ بھی امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے واسطہ سے آپ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م:۱۳۲۹ء) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

رواه الشافعي في مسنده عن محمد بن الحسن عن ابي يوسف القاضي عن هشام بن عروة عن ابيه، واخرجه ايضا البيهقي وقال:

۱۔ طبقات المحدثین باصبہان (۱/۴۰۶)، تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۶۴)

۲۔ دیکھیے شرح معانی الآثار (۱/۱۴۹) للطحاویؒ، معرفت علوم الحدیث (ص ۲۵۳) للحاکمؒ

۳۔ مثلاً دیکھیے الکفایۃ فی علم الروایۃ (ص ۲۷۹) للخطیب البغدادیؒ

۴۔ کیا امام شافعیؒ کی امام ابو یوسفؒ سے ملاقات ہوئی تھی؟ بعض کذاب اور دروغ گو قسم کے راویوں نے امام شافعیؒ کی طرف ایک جھوٹا سفرنامہ منسوب کیا ہے کہ امام شافعیؒ کی بغداد میں امام ابو یوسفؒ سے ملاقات ہوئی تھی، اور آپ نے امام محمد بن حسنؒ سے مل کر امام شافعیؒ کو قتل کروانے کی سازش کی تھی اور خلیفہ ہارون رشیدؒ کو امام شافعیؒ کے قتل پر ابھارا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) اس سفرنامہ کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: فهي مكذوبة وغالب ما فيها موضوع وبعضها ملفق من روايات ملفقة واوضح ما فيها من الكذب قوله فيها ان ابا يوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشيد على قتل الشافعي۔ (توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس: ص ۱۳۱)

یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں۔ اور جو صریح جھوٹ اس میں ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف وامام محمد بن الحسن نے ہارون رشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی۔

حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ محدثین نے بھی اس سفرنامے کو جھوٹا قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ امام شافعیؒ کی امام ابو یوسفؒ سے قطعاً ملاقات نہیں ہوئی۔ (مجموع الفتاوی: ۲۰/۱۵۰)

یقال ان ابا یوسف تفرد بہ، ولیس کذلک۔[۱]

اس حدیث کو امام شافعیؒ نے اپنی "مسند" میں امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے، انہوں نے امام ابو یوسف قاضیؒ سے، انہوں نے امام ہشام بن عروہؒ سے، اور انہوں نے اپنے والد (امام عروہؒ) سے روایت کیا ہے، امام بیہقیؒ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہیں، لیکن یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔

امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کے بھی کئی کبار اساتذہ امام ابو یوسفؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں، اور امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں امام ابو یوسفؒ کے کئی تلامذہ سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔ مثلاً امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ کا تذکرہ ہو چکا ہے، اسی طرح آپ کے تلامذہ میں سے ابو علی حسین بن ابراہیم عامری المعروف بہ "ابن اشکاب" اور ان کے صاحبزادے محمد بن حسینؒ سے امام بخاریؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اس حدیث کی شرح میں حسین بن ابراہیمؒ کے تعارف میں لکھا ہے:

وطلب الحدیث ولزم ابا یوسف، وقد ادرکہ البخاری فانہ مات سنة ست عشرة و مائتین. ولیس لہ ولابیہ سوی ھذا الموضع۔[۲]

انہوں نے حدیث طلب کی اور امام ابو یوسفؒ کی صحبت کو لازم پکڑا، امام بخاریؒ نے بھی ان سے ملاقات کی ہے کیونکہ ان کی وفات ۲۱۶ھ میں ہوئی۔ "صحیح بخاری" میں محمد بن حسین اور اُن کے والد حسین بن ابراہیمؒ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

امام محمد بن عبد اللہ انصاریؒ (م ۲۱۵ھ) جو بتصریح علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) اصحاب ابی یوسف میں سے ہیں،[۳] سے بھی امام بخاریؒ نے کئی احادیث کو روایت کیا ہے، بلکہ امام بخاریؒ نے اپنی ثلاثیات (وہ احادیث جن میں امام بخاریؒ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہیں) میں سے تین احادیث امام موصوف سے ہی نقل کی ہیں۔[۴]

۱۔ التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی (۳۷۳/۴)
۲۔ فتح الباری (۷۳۶/۷، ۷۳۷)
۳۔ تاریخ بغداد (۲۹/۳)
۴۔ صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۲۷۰۳، ۴۴۹۹، ۶۸۹۴)

اسی طرح امام بخاریؒ نے آپ کے دیگر کئی تلامذہ مثلاً سعید بن محمد جرمی (م ۲۳۰ھ)، علی بن مسلم طوسیؒ (م ۲۵۳ھ)، علی بن الجعدؒ (م ۲۳۰ھ) اور معلی بن منصورؒ (م ۲۱۱ھ) وغیرہ سے بھی اپنی صحیح میں احادیث روایت کی ہیں۔[1]

ان مذکورہ ائمہ کبار کے علاوہ دیگر متعدد نامور محدثین وفقہاء نے بھی امام موصوف سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔

امام ابن تغری بردیؒ (م ۸۷۴ھ)، امام ابو یوسفؒ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

و روی عنه ابن سماعة و یحیی بن معین و احمد بن حنبل و خلق سواهم.[2]

آپ سے محمد بن سماعہؒ، یحییٰ بن معینؒ، احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ (محدثین کی) ایک خلقت نے روایت کی ہے۔

عصرِ قریب کے مشہور و بلند پایہ محدث علامہ زاہد کوثریؒ (م: ۱۳۷۱ء) نے تقریباً ایک سو ایسے اہل علم کو آپ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔[3]

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے قَاضِیُّ الْقُضَّاۃ ہونے کا شرف:

امام ابو یوسفؒ کو سب سے پہلے عباسی خلیفہ مہدیؒ نے قاضی ابوبکر بن عبداللہؒ کی وفات کے بعد ۱۶۲ھ میں بغداد کا قاضی مقرر کیا، اس کے بعد خلیفہ ہارونؒ نے آپ کو تمام قاضیوں کا سربراہ مقرر کر دیا، اور آپ کو قاضی القضات کا لقب عطا کیا۔[4]

آپ کا یہ بہت بڑا اعزاز وشرف ہے کہ اسلام کی تاریخ میں آپ ہی سب سے پہلے "قاضی القضات" (چیف جسٹس) کے عہدے پر فائز ہوئے، اور آپ کو تاریخ اسلام میں "قَاضِیُّ قُضَاۃِ الدُّنیا" (دنیا بھر کے قاضیوں کے قاضی) کے عظیم لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۔ دیکھیے بالترتیب: سیر اعلام النبلاء (۱۰/ ۶۲۳)، سیر اعلام النبلاء (۱۱/ ۵۲۵)، الجواهر المضیة (۱/ ۳۵۵)، تهذیب التهذیب (۵/ ۴۹۸)

۲۔ حسن المحاضرة (۲/ ۱۳۷)

۳۔ حسن التقاضی فی سیرة الامام ابی یوسف القاضی مع الامتاع (ص ۸۳ تا ۸۶)

۴۔ الطبقات الکبریٰ (۵/ ۴۷۶) لابن سعدؒ؛ کتاب الانساب (۴/ ۱۳) للسمعانی

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) آپ کے تذکرہ میں ارقام فرماتے ہیں:

وھو اول من دُعی بقاضی القضاۃ فی الاسلام۔[1]

آپ پہلے وہ شخص ہیں کہ جن کو اسلام میں ''قاضی القضاۃ'' سے پکارا گیا۔

امام ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

ابو یوسف-رحمہ اللہ- وھوا جل اصحاب ابی حنیفۃ واول من لقب قاضی القضاۃ۔[2]

امام ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر ہیں، اور آپ پہلے وہ شخص ہیں جو ''قاضی القضات'' سے ملقب ہوئے۔

مؤرخ اسلام حافظ ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) آپ کے متعلق رقمطراز ہیں:

وھواول من لقب قاضی القضاۃ، وکان یقال لہ: قاضی قضاۃ الدنیا، لانہ کان یستنیب فی سائرالاقالیم التی یحکم فیھا الخلیفۃ۔[3]

امام ابو یوسف پہلے وہ شخص ہیں جن کو ''قاضی القضات'' کا لقب دیا گیا، اور آپ کو ''قاضی قضات الدنیا'' (دنیا بھر کے قاضیوں کے قاضی) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں جہاں جہاں خلیفہ کا حکم چلتا تھا وہاں وہاں عہدہ قضاء کی نیابت (قاضیوں کی تقرری و نگرانی وغیرہ) آپ ہی کے سپرد تھی۔

امام ابن تغری بردیؒ (م:۸۷۴ھ) نے آپ کے اس عہدہ سے متعلق کیا خوب لکھا ہے کہ:

وھو اول من دعی بقاضی القضاۃ، قلت: و لم یقع ھذا الاسم علی غیرہ کما وقع لہ فیہ، فانہ کان قاضی المشرق والمغرب، فھو قاضی القضاۃ علی الحقیقۃ.[4]

امام ابو یوسفؒ پہلے وہ شخص ہیں کہ جن کو ''قاضی القضات'' سے پکارا گیا۔ میں (ابن تغریؒ) کہتا ہوں کہ یہ نام (قاضی القضات) جس طرح آپ پر صادق آتا

۱۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۲۵)
۲۔ مجموع الفتاوی (۲۰/۱۳۸)
۳۔ البدایۃ والنہایۃ (۷/۱۷۱)
۴۔ النجوم الزاھرۃ (۲/۱۳۸)

ہے اس طرح اور کسی پر صادق نہیں آتا، کیونکہ آپ مشرق اور مغرب دونوں کے قاضی تھے، لہٰذا حقیقت میں صرف آپ ہی قاضی القضات ہوئے ہیں۔

اصول فقہ کے مُدَوِّنِ اَوّل ہونے کا اعزاز:

آپ کو یہ بھی اعزاز ملا کہ آپ ہی نے سب پہلے اصول فقہ کی تدوین کی۔ اگرچہ فقہ کے اصول وضوابط مقرر کرنے کا سہرا آپ کے استاذ مکرم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سر ہے، اور اسی وجہ سے امام شافعیؒ وغیرہ اہل علم نے تمام لوگوں کو فقہ میں امام اعظمؒ کا خوشہ چین قرار دیا ہے۔[۱]

لیکن چونکہ ان اصول وضوابط کو امام ابویوسفؒ نے ہی کتابی صورت دے کر سب سے پہلے دنیا کو ان سے روشناس کرایا اس لیے آپ کو اصول فقہ کا مُدَوِّنِ اَوّل قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ طلحہ بن محمد بن جعفرؒ (م: ۳۰۸ھ)، علامہ ابوسعد سمعانی شافعیؒ (م: ۵۲۶ھ) اور علامہ عبدالرحمان بن محمد مقدسی حنبلیؒ (م ۹۲۸ھ) آپ کے متعلق تصریح کرتے ہیں کہ

واول من وضع الکتب فی اصول الفقہ علیٰ مذہب ابی حنیفۃ، واملی المسائل ونشرھا، وبث علم ابی حنیفۃ فی اقطار الارض۔[۲]

امام ابویوسفؒ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اصول فقہ میں کتابیں لکھی ہیں، اور مسائل فقہ کو لکھوا کر ان کو پھیلایا، اور امام ابو حنیفہؒ کے علم کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔

آپ کی عبادت وریاضت:

آپ علمی کمالات رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے عبادت گزار بھی تھے، اور عہدہ قضاء اور دیگر بے شمار علمی مصروفیات کے باوجود روزانہ دو سو رکعت نفل پڑھنے کا آپ کا معمول تھا۔

آپ کے شاگرد رشید امام محمد بن سماعہؒ (م: ۲۳۶ھ) فرماتے ہیں:

کان ابو یوسف یصلی بعد ماولی القضاء فی کل یوم مائتی رکعۃ.[۳]

امام ابویوسفؒ عہدہ قضاء پر فائز ہونے کے بعد بھی روزانہ دو سو رکعت (نفل)

۱۔ تاریخ بغداد (۱۳/۳۴۵)، الانتقاء (ص ۱۳۶)

۲۔ وفیات الاعیان (۳/۳۹۰)، کتاب الانساب (۴/۱۳)، التاریخ المعتبر فی ابناء من غبر (۲/۳۵۶)

۳۔ تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۴)، العبر (۱/۲۲۰)

پڑھا کرتے تھے۔

آپ کی جود وسخا:

اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ کو دیگر علمی و عملی خوبیوں سے نوازا تھا ایسے ہی اللہ نے آپ کو جود وسخاوت کی دولت سے بھی بہت مالا مال کیا ہوا تھا۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

کان ابو یوسف مع سعة علمہٖ احد الاجواد الاسخیاء۔[1]

امام ابو یوسفؒ وسعتِ علمی کے ساتھ ساتھ جواد اور سخیوں میں سے ایک تھے۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) "کتاب الؤلؤیات" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک لاکھ درہم اہل مکہ کے لیے، ایک لاکھ درہم اہل مدینہ کے لیے، ایک لاکھ درہم اہل کوفہ کے لیے، اور ایک لاکھ درہم اہل بغداد کے لیے صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی۔[2]

۱۔ العبر (۲۲۰/۱)

۲۔ الجواہر المضیہ (۲۲۲/۲)

امام ابو یوسفؒ کا فقہی اور مجتہدانہ مقام

آپ کو فقہ واجتہاد میں جو عظیم مقام حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ علامہ طلحہ بن محمد بن جعفرؒ (م:۳۰۸ھ)، علامہ ابوسعد سمعانیؒ (م:۵۲۶ھ) اور علامہ عبدالرحمان بن محمد مقدسی حنبلیؒ (م:۹۲۸ھ) نے آپ کو "افقهُ اهل العصر" (اپنے معاصرین میں سے سب سے بڑے فقیہ) کا لقب دیا ہے۔[۱]

امام ابویعلی خلیلیؒ (م:۴۴۶ھ) آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

ومحله فی الفقه کبیر.[۲]

امام ابو یوسفؒ کا فقہ میں بڑا مقام ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

قاضی ابو یوسف هو الامام المجتهد۔[۳]

قاضی ابو یوسف جو کہ امام اور مجتہد ہیں۔

نیز حافظ ذہبیؒ امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م:۱۲۰ھ) کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

فافقه اهل الکوفة علی وابن مسعود، وافقه اصحابهما علقمة، وافقه اصحابه ابراهیم النخعی، وافقه اصحاب ابراهیم حماد، وافقه اصحاب حماد ابو حنیفة، وافقه اصحابه ابو یوسف، وانتشر اصحاب ابی یوسف فی الآفاق، وافقهم محمد بن

۱۔ وفیات الاعیان (۳/۳۹۰)، کتاب الانساب (۴/۱۳)، التاریخ المعتبر (۳/۳۵۶)

۲۔ الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث (ص ۲۲۵)

۳۔ سیر اعلام النبلاء (۸/۵۳۵)

الحسن، وافقه اصحاب محمد ابو عبدالله الشافعي.[۱]

اہل کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، اور ان دونوں کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت علقمہؒ ہیں، اور ان کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت ابراہیم نخعیؒ ہیں، اور حضرت ابراہیمؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ امام حمادؒ ہیں، اور امام حمادؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ امام ابو حنیفہؒ ہیں، اور ان کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ امام ابو یوسفؒ ہیں، امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ پوری دنیا میں پھیلے ہیں، ان میں سب سے بڑے فقیہ امام محمد بن حسنؒ ہیں، اور امام محمدؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ امام ابوعبداللہ شافعیؒ ہیں۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

اور پھر آپ صرف ایک فقیہ ہی نہیں تھے بلکہ فقیہ گر بھی تھے، اور آپ نے بڑی تعداد میں لوگوں کو فقیہ بنایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

تفقه عليه عدد كثير.[۲]

آپ سے بڑے لوگوں نے فقاہت سیکھی ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

تخرج به ائمة كمحمد بن الحسن، ومعلى بن منصور، وهلال الرائي، وابن سماعة وعدة.[۳]

آپ سے کئی ائمہ نے فقہ حاصل کیا ہے مثلاً محمد بن حسنؒ، معلی بن منصورؒ، ہلال رائےؒ، ابن سماعہؒ اور دیگر کئی ائمہ۔

مولانا اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد (م: ۱۳۸۷ء) آپ کو "اِمَامُ الْفِقْهِ الْعِرَاقِ" قرار دیتے ہیں۔[۴]

۱۔ ایضاً (۵/ ۲۳۶) ۲۔ مناقب ابی حنيفة واصحابه (ص ۳۹)

۳۔ سیر اعلام النبلاء (ت ۱۳۱۳)

۴۔ تحریک آزادی فکر (ص ۱۷۸)

آپ کو حدیث سے مسائل استنباط کرنے کا جو قوی ملکہ حاصل تھا، اس کا ہلکا سا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کو امام طحاویؒ (م:۳۲۱ھ) نے سند متصل کے ساتھ خود آپ کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ امام اعمشؒ محدث (جو امام ابو یوسفؒ اور آپ کے استاذ مکرم امام ابوحنیفہؒ دونوں کے استاذ حدیث ہیں) نے مجھ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، میں نے اس مسئلہ کا جواب ان کو بتایا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: یہ جواب آپ کا کس دلیل پر مبنی ہے؟ میں نے کہا فلاں حدیث پر جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی۔ اس پر انہوں نے مجھ سے فرمایا:

یا یعقوب انی لاحفظ هذا الحديث قبل ان يجتمع ابواک فما عرفت تأويله حتى الآن.[1]

اے یعقوب! یہ حدیث مجھے آپ کے والدین کے عقد (شادی) سے بھی پہلے کی یاد تھی لیکن اس کا مطلب اب مجھے معلوم ہوا ہے۔

آپ کا محدثانہ مقام:

آپ جیسے فقہ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں ایسے ہی آپ علم حدیث کی بھی ایک مثالی شخصیت ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے تعارف میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو یوسف اعلمهم بالحديث.[2]

امام ابو یوسفؒ ان سب میں حدیث کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

امام ابن قتیبہؒ (م:۲۷۶ھ) آپ کو "صاحب حدیث" قرار دیتے ہیں۔[3]

حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے آپ کو طبقہ محدثین میں شمار کیا ہے۔[4]

نیز آپ کے بارے میں لکھا ہے:

العلامة المحدث.[5]

۱۔ تاریخ بغداد (۲۴۹/۱۴)

۲۔ مجموع الفتاویٰ (۱۳۹/۱۹)

۳۔ شذرات الذہب (۳۰۰/۱)

۴۔ المعین فی طبقات المحدثین (ص ۷۱)

۵۔ سیر اعلام النبلاء (۵۳۵/۸)

امام یحییٰ بن معینؒ (م:۲۳۳ھ)، امام محمد بن سعدؒ (م:۲۳۰ھ)، امام محمد بن جریر طبریؒ (م:۳۱۰ھ)، امام ابن عدیؒ (م:۳۶۵ھ)، امام عبدالرحمان مقدسیؒ (م:۹۲۸ھ) اور دیگر ائمہ حدیث آپ کو کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں۔[1]

اکابرین علمائے غیر مقلدین نے بھی آپ کے محدثانہ مقام کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد (م:۱۳۸۷ھ) آپ کو اہلحدیث کے مجتہد قرار دیتے ہیں۔[2]

مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ غیر مقلد (م:۱۳۴۲ھ) نے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے ساتھ آپ کو بھی فقہائے حدیث میں شمار کیا ہے۔[3]

۱۔ دیکھیے بالترتیب: الطبقات الکبریٰ (۷/۲۳۸)، الانتقاء: (ص ۱۷۲)، لسان المیزان (۶/۳۹۰)، التاریخ المعتبر (۳/۳۵۵)

۲۔ تحریک آزادی فکر (ص ۴۹۰)

۳۔ سیرۃ البخاری (ص ۳۴۲)

آپ حدیث اور فقہ دونوں میں درجہ امامت پر فائز ہیں

امام ابو یوسفؒ ان اہل علم میں شمار ہوتے ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے اور ان دونوں علوم میں درجہ امامت پر فائز تھے۔

امام ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وفی الائمة من هو امام مع هؤلاء وهؤلاء مشارک اللطائفتین وان کان باحد الصنفین اجدر. واکثر ائمة الحدیث والفقه کمالک والشافعی واحمد واسحاق بن راهویة وابی عبید، وکذلک الاوزاعی والثوری واللیث هؤلاء، وکذلک لابی یوسف صاحب ابی حنیفة ولابی حنیفة ایضا ماله من ذلک۔[1]

اور ائمہ میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں کہ جو محدثین میں بھی امام ہیں اور فقہاء میں بھی، اور دونوں جماعتوں میں شامل ہیں گو ان میں سے ایک جماعت کی طرف ان کا انتساب زیادہ موزوں ہے۔اور حدیث وفقہ کے اکثر امام جیسے مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور اسی طرح اوزاعیؒ، ثوریؒ اور لیثؒ ایسے ہی تھے، اور اسی طرح ابو یوسفؒ صاحب ابی حنیفہؒ اور خود امام ابو حنیفہؒ کا بھی وہی مرتبہ ہے کہ جو ان کے شایان شان ہے۔

اس بیان میں حافظ موصوف نے صاف تسلیم کیا ہے کہ:

امام ابو یوسفؒ اپنے استاذ مکرم امام ابو حنیفہؒ کی طرح حدیث اور فقہ دونوں کے جامع ہیں اور ان دونوں میں درجہ امامت رکھتے ہیں۔

---

[1] تلخیص کتاب الاستغاثہ (ص ۱۳، ۱۴) بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث (ص ۸۷)

دیگر کئی محدثین نے بھی آپ کی امامت فی الحدیث کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ وہ آپ کی امامت فی الفقہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ان کے حوالے آگے کتاب میں ان شاء اللہ آرہے ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم اور سابق امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ (م:۱۳۸۷ھ) آپ کو امام بخاریؒ وغیرہ ائمہ حدیث کے زمرہ میں شمار کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

> ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابو عبدالرحمٰن اوزاعی، ابو یوسف، محمد، یہ سب اہل حدیث کے مجتہد ہیں۔[1]

مولانا سلفیؒ کے استاذ مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ غیر مقلد اپنی کتاب ''علمائے اسلام'' میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

> آپ سے بہت لوگوں نے فیض علم حاصل کیا اور آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں تک پہنچے۔ چنانچہ ان میں امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ اور امام محمدؒ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ اور زفرؒ وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے تھے۔[2]

حفاظ حدیث میں آپ کا نمایاں مقام:

اور پھر آپ نہ صرف یہ کہ ایک محدث تھے بلکہ آپ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جو احادیث کو حفظ کرنے اور ان کو یاد رکھنے میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔آپ کے بارے میں متعدد محدثین نے تصریح کی ہے کہ آپ کے حفظِ حدیث کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک ہی مجلس میں پچاس ساٹھ حدیثیں اسناد سمیت یاد کر لیتے تھے۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م:۱۰۸۹ھ) آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

> **وقال غیر واحد کان یحفظ فی المجلس الواحد خمسین حدیثا باسانیدھا۔**[3]

۱۔ تحریک آزادی فکر (ص ۳۹۰)

۲۔ دو مائی مجلہ زمزم غازی پور انڈیا (ص ۱۵، ج ۸، ش ۳)

۳۔ شذرات الذھب (۱/۳۰۰)

کئی محدثین نے فرمایا ہے کہ امام ابو یوسفؒ ایک ہی مجلس میں پچاس حدیثیں مع اسناد یاد کر لیتے تھے۔

آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کرنے اور آپ کے حفظِ حدیث کی تعریف کرنے والوں میں سے امام حفص بن غیاث (م ۱۹۴ھ)، امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ)، حافظ ابن قتیبہؒ (م: ۲۷۶ھ)، امام محمد بن جریر طبریؒ (م: ۳۱۰ھ)، علامہ ابن الندیمؒ (م: ۳۸۵ھ)، حافظ ابن الجوزیؒ (م: ۵۹۷ھ) علامہ ابن خلکان (م: ۶۸۱ھ)، حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ)، حافظ ابن ناصر الدینؒ (م ۸۴۲ھ)، حافظ سیوطیؒ (م: ۹۱۱ھ)، حافظ عبدالرحمان مقدسیؒ (م: ۹۲۸ھ) اور حافظ ابن العزیؒ (م ۱۱۶۷ھ) وغیرہ جیسے نابغہ روزگار اہل علم بھی ہیں۔ ان کے حوالے ہم ان شاء اللہ عنقریب امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں نقل کر رہے ہیں۔

حافظ الحدیث کی تعریف:

امام ابو یوسفؒ کو جو حفاظ حدیث میں شمار کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صرف الفاظ حدیث کو ہی زبانی یاد رکھنے والے تھے اور بس۔ بلکہ اس کا مطلب ہے کہ آپ حفظ حدیث کے علاوہ دیگر تمام محدثانہ خوبیوں کے بھی جامع تھے۔ کیونکہ خود علماء غیر مقلدین کے نزدیک بھی "حافظ الحدیث" ایک بہت جامع لفظ ہے اور یہ تمام محدثانہ خوبیوں کو شامل ہے۔ چنانچہ مولانا محمد حنیف ندویؒ غیر مقلد ارقام فرماتے ہیں:

> حافظ کا مقام ان دونوں (مسند اور محدث) سے بلند ہے اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو نہ صرف سنن سے آگاہ ہو، بلکہ ان مختلف طرق سے بھی واقفیت رکھتا ہو، جن کے ذریعے ان سنن کی روایت ہوتی ہے اور اس کی مرویات اس لائق ہوں کہ فن حدیث کے جاننے والے ان کی صحت پر اعتماد کر سکیں۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ محدثین نے رُواۃ کی جانچ پرکھ کے لیے جو معین اصطلاحیں وضع کر رکھی ہیں، ان سے اچھی طرح آشنا ہو۔ نیز ان رُواۃ و رجال کے تمام شیوخ کو پہچانتا ہو، اور یہ بھی جانتا ہو کہ متن حدیث کو الفاظ کے جس قالب میں ڈھالا گیا ہے اس کی صحت کا کیا عالم ہے۔[1]

۱۔ مطالعہ حدیث (ص ۳۱)

شیخ محمد بن اسماعیل یمانیؒ غیر مقلد (م۱۱۸۲ھ) نے بھی "حافظ الحدیث" کی تقریباً یہی تعریف نقل کی ہے۔[۱]

بنابریں جن محدثین نے امام ابو یوسفؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے ان کے نزدیک آپ ان تمام مذکورہ خوبیوں و کمالات کے جامع تھے۔

۱۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار (۱/۱۱۳)

محدثین اور ائمہ رجال سے امام ابو یوسفؒ کی توثیق

امام ابو یوسفؒ کا علم حدیث میں جو پایہ ہے وہ قارئین پر اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ اب ہم محدثین اور ائمہ رجال سے آپ کی توثیق بیان کرتے ہیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ آپ حدیث کو روایت کرنے میں نہایت پختہ و قابل اعتماد ہیں، اور محدثین نے کسی شخص کی حدیث کو قبول کرنے کا جو معیار مقرر کیا ہے آپ نہ صرف اس پر پورے اترتے ہیں بلکہ آپ اس معیار سے بھی بڑھ کر ہیں۔

آپ عند الجمہور ثقہ ہیں:

حفاظ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل کی اکثریت نے امام ابو یوسفؒ کی توثیق کی ہے، اور ان حضرات نے روایت حدیث میں آپ کی ثقاہت و فضیلت کو تسلیم کیا ہے۔

علامہ ابن خلکان شافعیؒ (م: ۶۸۱ھ)، علامہ ابن الاھدل اشعریؒ (م ۸۵۵ھ) اور علامہ عبد الرحمان مقدسی حنبلیؒ (م ۹۲۸ھ) آپ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

واکثر الناس من العلماء علیٰ تفضیله و تعظیمه۔[1]

اکثر اہل علم امام ابو یوسفؒ کی فضیلت اور عظمت شان کو تسلیم کرتے ہیں۔

بلکہ امام محمد بن ابراہیم الوزیرؒ (م ۸۴۰ھ) نے تو آپ کی عدالت، فضیلت اور بزرگی پر تمام اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

ممن اجمع اهل العلم علی عدالتهم و فضلهم و نبلهم: مثل الامام علی بن موسی الرضی والقاضی ابی یوسف رحمهما الله تعالیٰ۔[2]

۱۔ وفیات الاعیان (۳/۳۹۳)، شذرات الذہب (۱/۲۹۹)

۲۔ الروض الباسم (۲/۴۱۱)

وہ حضرات جن کی عدالت، فضیلت اور بزرگی پر تمام اہلِ علم کا اجماع ہے، ان میں سے امام علی بن موسیٰ رضاؒ اور امام قاضی ابو یوسفؒ بھی ہیں۔ رَحِمَهُمَا اللّٰه تَعالٰی۔

علاوہ ازیں اپنے دور میں علم حدیث وفن رجال کے تین عظیم سپوت کہ جن پر سارے علوم حدیث کا مدار ہے۔ یعنی امام یحییٰ بن معینؒ (م: ۲۳۳ھ)، امام احمد بن حنبلؒ (م: ۲۴۱ھ)، اور امام علی بن مدینیؒ (م: ۲۰۴ھ)، ان تینوں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسفؒ روایت حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن کامل قاضیؒ (م: ۳۵۰ھ)[۱] فرماتے ہیں:

ولم يختلف يحيى بن معين، واحمد بن حنبل وعلى مدينى فى ثقة

۱۔ **امام احمد بن کامل قاضیؒ کا تعارف:** موصوف امام محمد بن جریر طبریؒ کے اصحاب میں سے ہیں، جبکہ ان کے تلامذہ میں امام دار قطنیؒ، اور حاکمؒ وغیرہ جیسے ائمہ حدیث بھی شامل ہیں۔ علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں: وكان من العلماء بالاحكام، وعلوم القرآن، والنحو، والشعر، وايام الناس، وتواريخ اصحاب الحديث۔ (تاریخ بغداد: ۱۲۰/۵) کہ یہ تاریخ، احکام شرعیہ، علوم قرآن، نحو، شعر، اور تاریخ محدثین کے علماء میں سے ہیں۔

نیز علامہ خطیبؒ اپنے استاذ ابو الحسن رزقویہؒ سے ان کے متعلق نقل کرتے ہیں:

لم تر عيناى مثله (ایضا) کہ میری آنکھوں نے ان جیسا شخص نہیں دیکھا۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) ان کو: الشيخ، الامام، العلامة، الحافظ جیسے عظیم القاب سے یاد کرتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۵۴۴/۱۵)۔ نیز ذہبیؒ ان کو "من بحور العلم" (علم کے سمندر) قرار دیتے ہیں۔ (ایضا)

قارئین: امام احمد بن کامل قاضیؒ کے حق میں محدثین کے ان توثیقی اقوال کے باوجود ایک متعصب غیر مقلد زبیر علی زئی کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کریں کہ "احمد بن کامل القاضی بذات خود ضعیف ہے، کسی قابل اعتماد محدث سے اس کی معتبر توثیق ثابت نہیں ہے۔ (ماہنامہ الحدیث حضرو، ش ۱۹، ص ۴۶) گویا علی زئی کی نظر میں علامہ خطیب اور حافظ ذہبیؒ وغیرہ نا قابل اعتبار محدث ہیں اور ان کی توثیق غیر معتبر ہے۔

؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

فی النقل.[1]

امام یحیٰی بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام علی بن مدینیؒ کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام ابویوسفؒ نقل حدیث میں ثقہ ہیں۔

حافظ ابوسعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ)، اور علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) بھی امام احمد بن کاملؒ کی طرح یہ اقرار کرتے ہیں کہ

ولم يختلف يحيى بن معين، واحمد بن حنبل، وعلى بن مدينى فى ثقة فى النقل.[2]

امام یحیٰی بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام علی بن مدینیؒ تینوں بلا اختلاف امام ابویوسفؒ کو روایت حدیث میں ثقہ قرار دیتے ہیں۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

قال احمد وابن معين وابن المدينى ثقة.[3]

امام احمد بن حنبلؒ، امام یحیٰی بن معینؒ، اور امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف ثقہ ہیں۔

۱۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۴۶، ۲۴۷)

۲۔ کتاب الانساب (۴/۱۳)، وفیات الاعیان (۳/۳۸۹)

۳۔ الجواہر المضیۃ (۲/۲۲۱)

ائمہ حدیث کے آپ کے متعلق توثیقی اقوال

آپ کے بارے میں امام ابن معینؒ، امام احمدؒ، امام ابن المدینیؒ، اور دیگر ائمہ حدیث و ارباب جرح وتعدیل سے جو توثیقی اقوال منقول ہیں، ان میں سے بعض یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ امام یحییٰ بن معینؒ (م: ۲۳۳ھ)

امام یحییٰ بن معینؒ حدیث واسماء الرجال کے بلند مرتبت، امام ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب غیر مقلدان کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین جن کی نسبت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

کل حدیث لایعرفه یحیی فلیس بحدیث.

یعنی جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانیں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔[۱]

یہ جلیل القدر امام بھی امام ابو یوسفؒ کی زبردست توثیق وتعریف کرتے ہیں جیسا کہ امام احمد بن کاملؒ، امام سمعانیؒ، امام ابن خلکانؒ اور امام عبدالقادر قرشیؒ کے حوالے سے گزرا ہے۔ نیز شیخ الاسلام حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (م: ۴۶۳ھ) امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

کان یحیی بن معین یثنی علیه ویوثقه.[۲]

امام یحییٰ بن معینؒ آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتمؒ (م: ۳۲۷ھ) نے امام یحییٰؒ کے شاگرد امام محمد بن عباس دوریؒ (م: ۲۷۱ھ) سے نقل کیا ہے کہ

سمعت یحیی بن معین یقول: کان ابو یوسف القاضی یمیل الیٰ

۱۔ تحقیق الکلام (۲/ ۸۷)

۲۔ الانتقاء (ص ۱۷۲)

اصحاب الحديث كثيرا، و كتبنا عنه ولم يزل الناس يكتبون عنه.[1]

امام ابو یوسف محدثین کی طرف بہت زیادہ میلان رکھتے تھے، اور ہم نے ان سے حدیثیں لکھی ہیں اور دیگر لوگ (یعنی محدثین) بھی ہمیشہ ان سے حدیثیں لکھتے رہے ہیں۔

امام طحاویؒ (م:۳۲۱ھ) اور علامہ ابن عدیؒ (م:۳۶۵ھ) بہ سند متصل امام یحییٰؒ سے نقل کرتے ہیں:

ليس فی اصحاب الرائی اكثر حديثا، ولا اثبت من ابی يوسف.[2]

فقہاء میں ابو یوسفؒ سے بڑھ کر کثیر الحدیث اور ان سے زیادہ پختہ کوئی شخص نہیں ہے۔[3]

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) اپنی سند کے ساتھ امام موصوف سے نقل کرتے ہیں کہ

وكان ثقة.[4]

کہ امام ابو یوسف ثقہ تھے۔[5]

نیز علامہ خطیبؒ ارقام فرماتے ہیں:

قدروی غير ابن ابی مريم عن يحيی انه وثقه.[6]

احمد بن ابی مریمؒ کے علاوہ امام یحییٰ بن معینؒ کے دیگر تلامذہ نے ان سے امام ابو یوسفؒ کا ثقہ ہونا نقل کیا ہے۔

١۔ الجرح والتعدیل (۹/۲۰۲)

۲۔ لسان المیزان (۶/۳۹۰)، الکامل (۸/۴۶۶)

۳۔ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے باوجود تعصب کے یہ تسلیم کیا ہے کہ امام یحییٰ تک اس قول کی سند صحیح ہے۔ (الحدیث (ش ۱۹ ص ۴۶)

۴۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۶۰)

۵۔ علی زئی نے اس قول کی سند کو بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ (الحدیث: ش ۱۹ ص ۴۶)

۶۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۱۴/۲۶۰، ۲۶۱)

پھر علامہ موصوف نے امام یحییؒ کے تلامذہ، احمد بن داود الحدائیؒ، ابن الغلابیؒ، محمد بن عبدالرحمٰن بن فہمؒ، عباس بن محمد دوریؒ، احمد بن عطیہؒ، محمد بن سعید عوفیؒ، اور احمد بن یعقوبؒ سے بہ سند امام ابو یوسفؒ کے بارے میں امام یحییٰ کے مختلف توثیقی اقوال نقل کیے ہیں۔

امام محمد بن خلف المعروف بہ قاضی وکیعؒ (م ۳۰۶ھ) نے امام یحییٰ بن معینؒ سے بہ سند متصل نقل کیا ہے کہ:

حسن الحديث وليس له بحث.[1] کہ امام ابو یوسفؒ کی حدیث حسن ہے، اور ان کے متعلق بحث ہی نہیں ہو سکتی۔

یعنی امام ابو یوسفؒ کا حسن الحدیث ہونا ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) بحوالہ امام محمد بن عباس دوریؒ (م:۲۷۱ھ) امام یحییٰ سے ناقل ہیں: ابو یوسف صاحب حدیث وصاحب سنۃ۔[2]

امام ابو یوسفؒ صاحب حدیث (محدث) اور صاحب سنت (اہل سنت) تھے۔

علاوہ ازیں امام ابن معینؒ کا امام ابو یوسفؒ سے روایت حدیث کرنا (جیسا کہ ماقبل خود امام ابن معینؒ اور دیگر محدثین کے حوالہ سے گزرا ہے) بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک امام ابو یوسف ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ)، ''سعدان بن سعد اللیثی'' کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روى عنه يحيى بن معين. قلتُ: فيكفيه رواية ابن معين عنه.[3]

امام یحییٰ بن معینؒ نے ان سے روایت کی ہے۔ میں (حافظ ابن حجرؒ) کہتا ہوں کہ امام ابن معینؒ کا ان سے روایت کرنا ہی ان کے ثقہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

لہٰذا امام ابن معینؒ کا امام ابو یوسفؒ سے روایت کرنا بھی ان کے ثقہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

۱۔ اخبار القضاۃ (ص ۶۵۱)

۲۔ تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۴)

۳۔ لسان المیزان (۳/۱۹)

۲۔ امام احمد بن حنبلؒ (م:۲۴۱ھ)

امام احمدؒ اہل سنت والجماعت کے مشہور امام اور علم حدیث واسماء الرجال کے مایہ ناز سپوت ہیں۔ان سے بھی امام ابو یوسفؒ کے بارے میں متعدد اقوال منقول ہیں۔مثلاً امام ابن ابی حاتمؒ (م:۳۲۷ھ) نے امام احمدؒ کے صاحبزادے امام عبداللہ بن احمدؒ (م:۲۹۰ھ) سے روایت کیا ہے کہ

سألت عن ابی یوسف فقال: صدوق.[۱]

میں نے اپنے والد سے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''وہ (روایت حدیث میں) صدوق (انتہائی سچے) ہیں۔''

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) بہ سند متصل امام احمدؒ کے برادر زادے امام حنبل بن اسحاقؒ (م:۲۷۳ھ) سے نقل کرتے ہیں:

سمعت عمی، یعنی احمد بن حنبل. یقول: کان یعقوب ابو یوسف یروی عن حنظلة وعن المکیین، وکان منصفافی الحدیث.[۲]

میں نے اپنے چچا، یعنی امام احمد بن حنبلؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ امام یعقوب ابو یوسفؒ، حنظلہؒ اور دیگر مکی محدثین سے روایت کرتے تھے، اور وہ حدیث میں انصاف پسند تھے۔[۳]

۱۔ الجرح والتعدیل (۲۰۱/۹)

۲۔ تاریخ بغداد (۲۶۱/۱۴)

۳۔ معترض زبیر علی زئی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ''اس قول کی سند صحیح ہے۔'' (الحدیث، ش۱۹،ص۴۶)

لطیفہ: علی زئی صاحب نے امام احمدؒ کے قول: ''کان منصفا'' کا ترجمہ کیا ہے کہ ابو یوسف حدیث میں درمیانہ تھا۔یعنی حدیث میں آدھے راستے پر تھا۔(الحدیث: ش ۱۹،ص ۵۱)۔علی زئی صاحب کو اپنے مجتہد ہونے کا دعویٰ ہے لیکن بے چارے کو عربی کی ابتدائی گرائمر سے بھی واقفیت نہیں ہے۔ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ عربی میں آدھے کے لیے ''نصف'' کا لفظ بولا جاتا ہے جو کہ مجرد ہے۔جب کہ یہاں ''منصف'' ہے جو کہ باب افعال (جس کا مصدر ''انصاف'' ہے) کا اسم فاعل ہے۔جس کا مطلب

امام ابوسعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) نے امام احمدؒ سے ان کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ
وابو یوسف ابصر الناس بالآثار.[۱]
امام ابو یوسف حدیث میں تمام لوگوں سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔
مزید برآں امام احمدؒ کا امام ابو یوسفؒ سے روایت حدیث کرنا (جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے) بھی باقرار معترض حافظ زبیر علی زئی امام احمدؒ کے نزدیک امام ابو یوسفؒ کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ زبیر علی زئی بحوالہ حافظ ہیثمیؒ اور علامہ ابوالعربؒ قیروانیؒ لکھتے ہیں کہ:
امام احمدؒ کے اساتذہ ثقہ ہیں، اور وہ صرف مقبول راوی سے روایت کرتے ہیں۔[۲]

۳۔ امام علی بن مدینیؒ (م:۲۳۴ھ)

امام موصوف ایک جلیل القدر محدث اور فن جرح وتعدیل کے عظیم سپوت ہیں۔ ان کا شمار امام بخاریؒ کے کبار اساتذہ حدیث میں ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ
میں نے اپنے آپ کو سوائے امام علی بن مدینیؒ کے کسی کے سامنے کمتر نہیں سمجھا۔[۳]
یہ حدیث اور فن جرح وتعدیل کے بلند پایہ امام بھی امام ابو یوسفؒ کی توثیق کرتے ہیں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے اپنی سند متصل کے ساتھ ان سے امام ابو یوسفؒ کے متعلق نقل کیا ہے کہ و کان صدوقا[۴] امام ابو یوسفؒ (روایت حدیث میں) صدوق (راست باز) تھے۔[۵]

(گذشتہ سے پیوستہ) ہے انصاف پسند، انصاف کرنے والا، وغیرہ۔ اسی مناسبت سے کہا گیا ہے۔

لطف پر لطف ہے املا میرے یار کے
حاء حطی سے گدح لکھتا ہے ہوز سے ھمار

بلاشبہ جماعت اہلحدیث کو اپنے ان محققین اور مجتہدین پر خوب فخر کرنا چاہیے۔

۱۔ کتاب الانساب (۱۶۷/۲)
۲۔ الحدیث (ش ۲۱، ص ۲۲)
۳۔ تذکرۃ الحفاظ (۴۱/۲)
۴۔ تاریخ بغداد (۲۵۷/۱۴)
۵۔ امام ابن المدینی کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت: امام ابن المدینیؒ کے مذکورہ بالا قول کو

نیز ماقبل امام احمد بن کامل قاضی (م:۳۵۰ھ)، امام سمعانی (م:۵۶۲ھ)، امام ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) اور امام عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) کے حوالے گزر چکے ہیں کہ امام علی بن مدینیؒ نے امام ابویوسفؒ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ (م:۳۰۳ھ)

امام نسائیؒ ایک جلیل القدر حافظ الحدیث ہیں، اور ان کی کتاب ''سنن النسائی'' مشہور چھ کتب حدیث (صحاح ستہ) میں شامل ہے۔

موصوف اپنی ''کتاب الضعفاء'' میں ارقام فرماتے ہیں:

ابو یوسفؒ ثقة.[1]

(گذشتہ سے پیوستہ) حافظ ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں بلا جرح وقدح نقل کیا ہے۔ (البدایة والنهایة: ۱۷۱/۷) اور غیر مقلدین کے ''امام العصر'' مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ نے حافظ موصوف کے بارے میں تصریح کی ہے کہ

ان کی عام روش یہی ہے کہ وہ قابل جرح روایت پر جرح ظاہر کر دیتے ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ ﷺ: ص ۱۸۲)

لہٰذا حافظ موصوف کا اس قول کو بلا جرح نقل کرنا بقول مولانا سیالکوٹی مرحوم اس قول کے صحیح السند ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن اس کے باوجود علی زئی صاحب نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس قول پر یہ اعتراض کر دیا کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا راوی عبداللہ بن علی بن عبداللہ المدینی غیر موثق و مجہول ہے۔ (الحدیث: ش۱۹، ص۴۷) لیکن خود علی زئی کے انتہائی ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد (جن کے بارے میں علی زئی لکھتے ہیں: محقق جلیل القدر مولانا ارشاد الحق اثری (الحدیث: ش۴، ص۱۳) اسی عبداللہ بن علی بن المدینی کے بارے میں لکھتے ہیں:

عبداللہ بن علی (بن عبداللہ بن مدینی) ثقہ اور قابل اعتبار ہیں۔ (توضیح الکلام: ص۶۲۲)

اب علی زئی صاحب خود اپنے اس محقق جلیل القدر سے نمٹ لیں، ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے
لائے ہیں لوگ بزم یار سے خبر الگ الگ

[1] لسان المیزان (۳۰۰/۶)

امام ابو یوسفؒ ثقہ ہیں۔

۵۔ امام ابو حاتم محمد بن حبانؒ (م:۳۵۴ھ)

امام ابن حبانؒ علم حدیث و اسماء الرجال کی ایک نامور شخصیت ہیں، انہوں نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الثقات" میں امام ابو یوسفؒ کو ذکر کیا ہے اور آپ کے بارے میں لکھا ہے:

وکان شیخا متقنا.[۱]

امام ابو یوسفؒ شیخ (امام وقت) اور پختہ کار محدث تھے۔

نیز موصوف آپ کو "مشاہیر علماء" میں شمار کرتے ہوئے آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

من الفقهاء المتقنين.[۲]

امام ابو یوسف پختہ کار فقہاء میں سے ہیں۔

۶۔ امام حفص بن غیاث نخعیؒ (م۱۹۴ھ)

موصوف ایک جلیل المرتبت محدث ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کا ترجمہ: "الامام، الحافظ" کے القاب سے شروع کیا ہے۔[۳]

یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے محدثانہ مقام اور آپ کے حفظ حدیث کے معترف ہیں۔ چنانچہ امام محمد بن خلف بن حیانؒ المعروف بہ "وکیع"، (م۳۰۶ھ) نے اپنی صحیح سند کے ساتھ ان سے نقل کیا ہے کہ:

کان الحجاج بن ارطاة لایمل علینا، وکان یعقوب ابویوسف یساله، فاذا قام الحجاج قال الناس الی یعقوب، فاملی علیهم عن ظهر قلبه.[۴]

حجاج بن ارطاتؒ (مشہور محدث) ہمیں حدیث املا نہیں کراتے تھے، لیکن امام یعقوب ابو یوسفؒ ان سے احادیث پوچھ لیتے تھے۔ اور جب حجاجؒ اٹھ کر چلے

۱۔ لسان المیزان (۶/۳۹۰)

۲۔ مشاہیر علماء الامصار (ص ۲۷۰)

۳۔ تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۷)

۴۔ اخبار القضاۃ (ص ۲۶۵) لوکیع

جاتے تو لوگ امام ابو یوسفؒ سے (احادیث) پوچھتے تو آپ ان کو وہ احادیث زبانی لکھوا دیتے تھے۔

اس بیان میں امام حفصؒ نے قاضی ابو یوسفؒ کے محدثانہ مقام اور حفظ حدیث کی زبردست تعریف کی ہے۔

۷۔ امام محمد بن صباح الجرجرائیؒ (م: ۲۴۰ھ)

موصوف امام ابو داوٗدؒ، امام ابن ماجہؒ، اور امام ابو زرعہ رازیؒ وغیرہ کبار محدثین کے استاذ اور ثقہ و قابل اعتبار محدث ہیں۔[۱]

امام ابن حبانؒ (م: ۳۵۴ھ) نے ''کتاب الثقات'' میں ان سے نقل کیا ہے کہ

کان ابو یوسف رجلا صالحا، و کان یسرد الصوم.[۲]

امام ابو یوسفؒ ایک صالح شخص تھے، اور لگاتار روزے رکھا کرتے تھے۔[۳]

۸۔ امام عمرو بن محمد بن بکیر الناقدؒ (م: ۲۳۲ھ)

امام ناقدؒ: امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، اور امام ابو داوٗد وغیرہ ائمہ حدیث کے استاذ، اور بقول حافظ ذہبیؒ: حافظ الکبیر اور ثقہ محدث تھے۔[۴]

علامہ خطیب بغدادیؒ نے ان سے بہ سند متصل امام ابو یوسفؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

فانہ کان صاحب سنۃ.[۵]

''امام ابو یوسف صاحب سنت (اہل سنت) تھے۔''[۶]

۱۔ ان کے مناقب کے لیے دیکھئے تہذیب التہذیب (۵/۱۸۴)، الجرح والتعدیل (۷/۲۸۹) وغیرہما

۲۔ لسان المیزان (۶/۳۹۰)

۳۔ علی زئی نے تسلیم کیا ہے کہ اس قول کی سند حسن ہے۔ الحدیث (۱۹: ۳۶)

۴۔ تذکرۃ الحفاظ (۲/۲۶)

۵۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۵۵)

۶۔ علی زئی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اس قول کی سند صحیح ہے۔ (الحدیث: ش ۱۹ ص ۳۶)

۹۔ امام ابو احمد عبداللہ بن عدیؒ (م:۳۶۵ھ)

امام ابن عدیؒ فن اسماء الرجال کے نامور امام ہیں، ان کی تصنیف ''الکامل'' فن اسماء الرجال کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس کتاب میں وہ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

لیس فی اصحاب الرائی اکثر حدیثا منه.[۱]

فقہاء میں امام ابو یوسفؒ سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی شخص نہیں ہے۔

نیز آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

فلا بأس به وبروايته.[۲]

''آپ میں اور آپ کی احادیث میں کوئی خرابی نہیں ہے۔''

۱۰۔ امام احمد بن کامل القاضیؒ (م:۳۵۰ھ)

قاضی موصوف کا تعارف اور ان کے حوالے سے یہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ

آپ کے بارے میں امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام علی بن مدینیؒ کا کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ثقہ ہیں۔

۱۱۔ امام طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہدؒ (م:۳۸۰ھ)

موصوف مشہور محدث امام دار قطنیؒ کے معاصر اور جلیل القدر محدث و مؤرخ ہیں۔ حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

مشهور فی زمن الدارقطنی، صحیح السماع.[۳]

''یہ امام دار قطنیؒ کے زمانہ کے مشہور اور صحیح السماع محدث ہیں۔''

نیز ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الاخباری المؤرخ، ابو القاسم البغدادی المقرئ.[۴]

---

۱. لسان المیزان (۶/۳۹۰)

۲. لسان المیزان (۶/۳۹۰)

۳. لسان المیزان (۳/۲۵۳)

۴. سیر اعلام النبلاء (۱۶/۳۹۶)

علامہ خطیب بغدادیؒ نے بحوالہ علامہ عتیقیؒ لکھا ہے کہ

کان المتقدم فی وقتہ علیٰ جماعۃ الشھود۔[1]

''یہ اپنے وقت میں گواہوں کی پوری جماعت پر سبقت رکھتے تھے۔''

علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) ان کے اقوال کو اپنی تاریخ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔[2]

یہ جلیل القدر محدث اور عظیم المرتبت مؤرخ امام ابویوسفؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ابو یوسف مشھور الامر، ظاھر الفضل وھو صاحب ابی حنیفۃ وافقہ اھل عصرہ، ولم یتقدمہ احد فی زمانہ، وکان النھایۃ فی العلم والحکم، والریاسۃ والقدر......[3]

''امام ابویوسفؒ ایک نامور اور بڑی فضیلت والے شخص تھے، آپ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور اپنے معاصرین میں سب سے بڑے فقیہ تھے، آپ کے زمانہ میں کوئی شخص آپ پر سبقت نہیں رکھتا تھا، اور آپ علم، دانائی، مرتبہ اور عزت کے انتہائی درجہ پر فائز تھے۔''[4]

۱۔ تاریخ بغداد (۹/۳۵۶)

۲۔ مثلاً دیکھئے وفیات الاعیان (۲/۳۷،۳/۲۷۷، ۳۹۰)

۳۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۴۸)

۴۔ **امام طلحہؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی متعصب غیر مقلد سے جب امام ابو یوسفؒ کے بارے میں امام طلحہؒ کی یہ زبردست تعریف برداشت نہ ہوسکی تو خود امام طلحہؒ پر یہ اعتراض کر دیا کہ طلحہ بن محمد بن جعفر بذات خود جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے...... یہ شخص پکا معتزلی بلکہ اعتزال کی طرف دعوت دینے والا تھا۔ پھر علی زئی نے محمد بن ابی الفوارسؒ، حسن بن الخلالؒ اور ازہریؒ سے ان پر جرح نقل کی ہے۔ (الحدیث: ش ۱۹، ص ۴۶)

جواب: امام طلحہؒ پر ان مذکورہ تین علماء نے ان کے عقیدہ اعتزال کی وجہ سے جرح کی ہے جب کہ اس کے بالمقابل حافظ ذہبیؒ وغیرہ محدثین نے روایت حدیث اور تاریخ میں ان کی توثیق کی ہے۔ اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ روایت حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجئی، شیعی، قدری وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے۔ اور جس راوی کی عدالت ثابت ہوجائے اس کی

۱۲۔ امام ابوحاتم رازیؒ (م: ۲۷۷ھ)

امام ابوحاتم رازیؒ حدیث اور فن جرح وتعدیل میں امام بخاریؒ کے ہم پایہ اور ان کے ہم عصر ہیں۔ ان کے صاحبزادے امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ (م: ۳۲۷ھ) بھی ایک جلیل القدر محدث ہیں۔ انہوں نے اپنے والد سے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

یکتب حدیثه وهو احب الی من الحسن اللؤلؤی.[۱]

''ان کی حدیث لکھنے کے قابل ہے، اور وہ مجھے امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔''[۲]

(گزشتہ سے پیوستہ) روایت مقبول ہے اگرچہ اس کی بدعت کو اس سے بظاہر تقویت ہی پہنچتی ہو۔ (الحدیث: ش ۱۹، ص ۴۶) نیز غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ لکھتے ہیں: ارجاء وغیرہ بدعات کے اعتراضات سے ثقہ ہونے میں خلل پیدا نہیں ہوتا۔ (خیر الکلام ص ۲۱۴) لہٰذا امام طلحہؒ کی عدالت وثقاہت ثابت ہے تو پھر ان پر عقیدہ اعتزال کی وجہ سے جرح ان کی عدالت وثقاہت میں کیا خلل پیدا کر سکتی ہے؟

۱۔ الجرح والتعدیل (۲۰۲/۹)

۲۔ **امام ابوحاتمؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** امام ابوحاتمؒ کے مذکورہ قول (یکتب حدیثه) کو زبیر علی زئی نے الفاظ توثیق سے ماننے سے انکار کر دیا ہے، حالانکہ خود ان کے اپنے علماء بھی اس کو الفاظ توثیق میں سے قرار دیتے ہیں، چنانچہ زبیر علی زئی کے ممدوح اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: ''یکتب حدیثه'' کے الفاظ توثیق میں شمار ہوتے ہیں۔ (توضیح الکلام: ۲۲۸/۱) مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ غیر مقلد نے بھی ان الفاظ کو الفاظ توثیق میں شمار کیا ہے۔ (مقالات مبارکپوریؒ، ص ۲۱۹) نیز اثری صاحب ایک راوی محمد بن اسحاق جس کے بارے میں امام ابوحاتم نے ''یکتب حدیثه'' کہنے کے ساتھ ''لیس بالقوی فی الحدیث'' اور ''ضعیف الحدیث'' بھی کہا ہے، کے متعلق لکھتے ہیں:

الغرض یہ ابن اسحاق کے صدوق اور حسن الحدیث ہونے کے منافی نہیں۔ (توضیح الکلام: ۲۳۰/۱)

اسی طرح ایک اور راوی جس کے بارے میں امام موصوف نے ''یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ'' کے ساتھ ''لَایُحتجّ'' بھی کہا ہے، لیکن اثری صاحب اس کو ثقہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لَایُحْتَجُّ'' کے الفاظ امام ابوحاتمؒ کے نزدیک راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں۔ (ایضاً)

علمائے غیر مقلدین ان اقتباسات سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

(۱) امام ابوحاتمؒ کا کسی راوی کو ''یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ'' فرمانا یہ ان کی طرف سے اس راوی کی توثیق ہے۔

۱۳۔ امام وکیع بن جراحؒ (م: ۱۹۷ھ)

امام وکیعؒ جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ایک عظیم الشان حافظ الحدیث ہیں۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے ترجمہ میں امام وکیعؒ کے شاگرد محمد بن عثمان بن کرامہؒ (م: ۲۵۶ھ) سے نقل کیا ہے کہ

ایک دن ہم امام وکیعؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے (فلاں مسئلہ میں) غلطی کی ہے، اس پر امام وکیعؒ نے اس سے فرمایا:

(گذشتہ سے پیوستہ) (۲) امام موصوف اگر کسی کو "یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ" کے ساتھ "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ فِی الْحَدِیْثِ"، "ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ"، اور "لَا یُحْتَجُّ بِہٖ" وغیرہ الفاظ (جو خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی الفاظ جرح میں سے ہیں) بھی کہہ دیں تب بھی وہ راوی صرف ان کے اس کو "یکتب حدیثہ" قرار دینے کی وجہ سے صدوق اور حسن الحدیث ہے۔ لیکن دوسری طرف علی زئی کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ امام ابوحاتم نے امام ابو یوسف کو صرف "یکتب حدیثہ" قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ کسی قسم کے الفاظ جرح استعمال نہیں کیے لیکن اس کے باوجود علی زئی ان الفاظ کو امام موصوف کی توثیق میں شمار کرنے کی بجائے الٹا ان کو آپ کے خلاف بطور جرح پیش کر رہے ہیں۔ (الحدیث: ش ۱۹، ص ۵۱) اناللہ......

آپ اپنے جور و جفا پر خود ہی ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

رہا علی زئی کا حافظ ذہبیؒ اور امام ابن عدیؒ کے غیر صریح حوالوں سے "یکتب حدیثہ" کو الفاظ جرح میں سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا تو ان کا جواب یہ ہے کہ خود حافظ ذہبیؒ نے عمر بن حبیب العدوی کے ترجمہ میں امام ابن عدیؒ کے حوالہ سے ہی لکھا ہے کہ: حسن الحدیث، یکتب حدیثہ مع ضعفہ۔ (سیر اعلام النبلاء، ت: ۹/ ۴۹۰) کہ یہ حسن حدیث والا ہے، اور اس کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

اب جب کہ امام ابن عدیؒ ایک راوی کو "یکتب حدیثہ" کہنے کے ساتھ اس کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ راوی ان کے نزدیک حسن الحدیث ہے، تو پھر امام ابو یوسفؒ کیسے حسن الحدیث نہیں ہوں گے کہ جن کو امام ابوحاتم "یکتب حدیثہ"، تو کہہ رہے ہیں لیکن ان کے ضعف کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کر رہے؟ لہٰذا علی زئی کے ذکر کردہ حافظ ذہبی اور امام ابن عدیؒ کے حوالے فضول ہیں۔ اسی طرح علی زئی نے "تقدمۃ الجرح والتعدیل" کا جو حوالہ دیا ہے اس کا جواب آگے امام ابو یوسفؒ کے خلاف علی زئی کے ذکر کردہ اقوالِ جرح میں آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

كيف يقدر ابو حنيفة يخطئى ومعه مثل ابى يوسف و زفر فى قياسهما، ومثل يحيى بن ابى زائدة، وحفص بن غياث، وحبان، ومندل فى حفظهم الحديث، والقاسم بن معن فى معرفته باللغة العربية، وداؤد الطائى، وفضيل بن عياض فى زهد هما وورعهما. من كان هؤلاء جلساؤة لم يكد يخطئى، لانه ان اخطأ ردوه۔[1]

''امام ابو حنیفہؒ کیسے غلطی کر سکتے تھے حالانکہ ان کی مجلس میں امام ابو یوسفؒ اور امام زفر بن ہذیلؒ جیسے قیاس کے ماہر، یحیٰی بن ابی زائدہؒ، حفص بن غیاثؒ، حبانؒ اور مندلؒ جیسے حفاظ حدیث، قاسم بن معنؒ جیسے لغت عربیہ کے عالم، داؤد طائیؒ اور فضیل بن عیاضؒ جیسے زہد و تقویٰ کے پہاڑ موجود تھے۔ جس شخص کی مجلس میں ایسے اہل فضل و کمال جمع ہوں وہ کیسے غلطی کر سکتا ہے؟ اور اگر اس سے کوئی غلطی صادر بھی ہوتی تو یہ لوگ اس کو صحیح سمت کی طرف متوجہ کر دیتے۔''

امام وکیعؒ کے اس قول سے ثابت ہو گیا کہ امام ابو یوسفؒ امام اعظمؒ کے ان تلامذہ میں سے ہیں جو اپنے فن میں یکتائے روزگار تھے، اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام موصوف کا قیاس حدیث کے مطابق ہوتا ہے تب ہی تو امام وکیعؒ جیسے محدث کبیر آپ کے قیاس کی تعریف کر رہے ہیں۔[2]

۱۔ تاریخ بغداد (۲۵۰/۱۴)

۲۔ **امام وکیعؒ کی توثیق پر علی زئی کے دو اعتراضات کی حقیقت:** حافظ زبیر علی زئی نے اس مذکورہ قول پر دو اعتراض کیے ہیں:

اعتراض اول: اس قول کی سند میں ایک راوی نجیح بن ابراہیمؒ ہے جس کی صرف امام ابن حبانؒ نے توثیق کی ہے لہذا یہ مجہول الحال ہے۔ یعنی امام ابن حبانؒ کی توثیق کا کوئی اعتبار نہیں۔ (محصلہ الحدیث: ش ۱۹، ص ۴۷)

جواب: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نجیح بن ابراہیم کی امام ابن حبانؒ کے علاوہ کسی اور امام نے توثیق نہیں کی تو پھر بھی یہ کوئی معتبر نہیں کیونکہ خود غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب (م: ۱۳۵۲ھ) جن کو خود علی زئی نے بھی اپنا امام تسلیم کیا ہے (ھدیة المسلمین: ص ۳۱) نے تصریح کی ہے کہ: ابن حبان کی توثیق عند المحدثین معتبر ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف ابن حبان کی توثیق سے بھی

(گذشتہ سے پیوستہ) جہالت مرتفع ہو جاتی ہے۔(تحقیق الکلام: ۱/۸۲)

زبیر علی زئی کے امام مبارکپوری صاحبؒ کے اس بیان سے واضح ہو گیا، امام ابن حبانؒ نے نجیح بن ابراہیم کی جو توثیق کی ہے وہ عندالمحدثین معتبر ہے، اور اس سے نجیح بن ابراہیمؒ کی جہالت مرتفع ہو گئی ہے۔ لہٰذا زبیر علی زئی کے اس اعتراض کا باطل ہونا خود ان کے اپنے امام کے قول سے ثابت ہو گیا۔ الحمدللہ!

اعتراض ثانی: امام وکیعؒ کے مذکورہ قول سے چونکہ جیسے امام ابو یوسفؒ کی منقبت ظاہر ہوتی ہے ایسے ہی اس سے امام ابو حنیفہؒ کی بھی فضیلت ثابت ہو رہی ہے کہ آپ کی مجلس میں کیسے کیسے اہل فضل و کمال جمع تھے؟ اس لیے علی زئی جیسے متعصب شخص سے امام وکیعؒ کا یہ قول کیسے برداشت ہو سکتا تھا؟ چنانچہ انہوں نے پہلے اس قول کی سند پر اعتراض کر دیا جس کی حقیقت آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، پھر انہوں نے (اپنے زعم میں) امام ابو حنیفہؒ کے خلاف امام وکیعؒ کے تین اقوال پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر امام وکیعؒ کا مذکورہ قول صحیح ثابت بھی ہو جائے تو پھر وہ ان تین اقوال کی وجہ سے منسوخ ہے۔ (الحدیث: ش ۱۹، ص ۴۷)

لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا علی زئی صاحب کو غیب سے معلوم ہوا ہے کہ امام وکیعؒ کا امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں توثیقی قول پہلے کا ہے، اور ان کے تنقیدی اقوال بعد کے ہیں؟ اہل بدعت (بریلوی) تو انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہیں لیکن لگتا ہے کہ علی زئی صاحب ان سے بھی چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ خود اپنے لیے دعویٰ علم غیب کر رہے ہیں:

ع
بریں عقل و دانش بباید گریست

ثانیاً: امام وکیعؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں، اور آپ کے ان اصحاب میں شمار ہوتے ہیں جو آپ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی فقہ کے خوشہ چین تھے۔ چنانچہ امام وکیعؒ کے شاگرد امام یحییٰ بن معینؒ (م: ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

ویفتی بقول ابی حنیفة (تذکرة الحفاظ: ۱/۲۲۴) کہ امام وکیعؒ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

نیز فرماتے ہیں:

ما رأیت احدا قدمه علیٰ وکیع، وکان یفتی برائی ابی حنیفه، وکان یحفظ حدیثه کله، وقد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیراً. (جامع بیان العلم وفضله: ۲/۱۴۹)

میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کو امام وکیعؒ پر ترجیح دوں، اور وہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے (فقہ) پر فتویٰ دیا کرتے تھے، اور ان کو امام ابو حنیفہؒ کی ساری حدیثیں زبانی یاد تھیں، اور انہوں نے آپ سے بکثرت حدیثیں سنی تھیں۔

علامہ خطیب بغدادیؒ کے استاذ اور ثقہ محدث امام ابو عبداللہ صیمریؒ (م: ۴۳۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

فمن اخذ عنه العلم ویفتی بقوله وکیع بن الجراح. (اخبار ابی حنیفة واصحابه: ص

۱۵۵)
امام وکیع بن جراحؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے کسب علم کیا تھا، اور وہ آپ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔
غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ کے خصوصی شاگرد مولانا ابویحیٰ محمد شاہ جہانپوریؒ غیر مقلد (م:۱۳۳۸ھ) نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ
اور چونکہ امام (ابوحنیفہؒ) صاحب اپنے وقت کے مشہور علماء میں سے تھے، اور وکیع بن الجراح اور یحییٰ بن سعید (القطان) کے طبقہ سے متقدم تھے لہٰذا انہوں نے ان کے قول و مذہب کو لیا اور اس پر فتویٰ دیا، خصوصاً جب کہ ان کو امام صاحب سے کچھ علاقہ تلمذ کا بھی تھا۔

(الارشاد الی سبیل الرشاد: ص ۱۷۴)

اب جس شخص کا امام ابوحنیفہؒ سے اس طرح کا تعلق ہو اس کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ آپ کی توہین و تنقیص کرے گا؟

امام ابوحنیفہؒ کے خلاف علی زئی کے ذکر کردہ تین اقوال کی حقیقت:

ذیل میں زبیر علی زئی کے امام اعظمؒ کے خلاف امام وکیعؒ سے ذکر کردہ تین اقوال کی حقیقت ملاحظہ ہو:

پہلے قول کی حقیقت: علی زئی صاحب لکھتے ہیں: امام وکیع نے فرمایا: نا ابو حنیفه انه سمع عطاء، ان کان سمعه. (ہمیں ابوحنیفہ نے بتایا کہ اس نے عطاء سے سنا ہے، اگر اس نے عطاء سے سنا ہے تو؟
(الحدیث: ش ۱۹، ص ۴۷، بحواله الجرح والتعدیل: ۴۴۹/۸ وغیره)

جواب: اس قول میں "ان کان سمعه" کے الفاظ کی نسبت امام وکیع کی طرف صریح نہیں ہے اور نہ ہی ان الفاظ کی نسبت ان کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ امام وکیعؒ کا جو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ اتنا گہرا تعلق تھا اور ان کے دل میں آپ کی جو محبت تھی اس کے پیش نظر تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام عالی مقام کے قول پر شک کا اظہار کریں۔ بلکہ نیچے کے کسی راوی کی یہ کارستانی معلوم ہوتی ہے کہ اس نے اپنی طرف سے یہ الفاظ درج کیے ہیں۔ اس لیے کہ اس قول کی سند میں جو بعض راوی ہیں ان کا امام ابوحنیفہؒ کے خلاف تعصب کسی سے مخفی نہیں ہے خصوصاً امام وکیعؒ سے اس قول کو نقل کرنے والے عبداللہ بن زبیر الحمیدیؒ ہیں جو باوجود ثقہ ہونے کے امام صاحبؒ کے خلاف انتہائی درجہ کا تعصب اور بغض رکھتے ہیں۔
اس کا اقرار شیخ عبدالرحمٰن الیمانی غیر مقلد (م:۱۳۸۶ھ) جن کو خود علی زئی نے "ذہبی العصر" قرار دیا ہے۔ (نور العینین: ص ۱۱۹) نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:
فاما شدة الحمیدی علی ابی حنیفه فاضطره الیها مابلغه عنه (التنکیل: ۲۹۷/۱)
امام حمیدیؒ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف سخت تعصب رکھنے میں مجبور ہیں کیونکہ ان تک امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کچھ (غلط قسم کی) روایات پہنچی تھیں۔

نیز شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ:
وبھذا یتبین للعالم العاقل ان الحمیدی ان کان مخطئًا فھو معذور ان شاء اللہ تعالیٰ (ایضاً)
اس سے اہل علم اور عقل مند پر واضح ہو جاتا ہے کہ امام حمیدیؒ اگر چہ (امام ابوحنیفہؒ کی دشمنی میں) غلطی پر ہیں لیکن وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں معذور ہیں۔
نیز لکھتے ہیں: فان کان الحمیدی مخطئا فھوا ولیٰ واجد ربان یعذر ویؤجر. (ایضاً)
امام حمیدیؒ (امام ابوحنیفہؒ کی دشمنی میں) اگرچہ خطاکار ہیں لیکن یہ بہت بہتر اور مناسب ہے کہ اس میں ان کو معذور اور ماجور سمجھا جائے۔
ان اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ امام حمیدیؒ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف دشمنی کی حد تک تعصب رکھتے ہیں لہٰذا ان مذکورہ الفاظ کی نسبت امام وکیعؒ کی طرف کرنے کی بجائے امام حمیدیؒ کی طرف کرنا ''اَقْرَبُ اِلَی الْحَقّ'' ہے۔
اور پھر اس قول کے باطل ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ محدثین میں سے جنہوں نے بھی امام صاحبؒ کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے تقریباً سب نے امام عطاء بن ابی رباحؒ کو بالجزم آپ کے اساتذہ حدیث میں شمار کیا ہے، حتیٰ کہ جن محدثین (ابن ابی حاتم، خطیب بغدادی وغیرہ) نے یہ مذکورہ قول نقل کیا ہے انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عطاءؒ سے سماعت حدیث کی ہے۔
(الجرح والتعدیل: ۴۴۹/۸، تاریخ بغداد: ۳۲۵/۱۳)
مؤرخ اسلام حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) نے بھی امام صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ
وسمع الحدیث من عطاء بن ابی رباح بمکۃ. (مناقب ابی حنیفۃ: ص ۱۱)
کہ آپ نے حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے مکہ میں حدیث کا سماع کیا تھا۔
غیر مقلدین کے امام العصر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب ''حضرت عطاء کے تذکرہ میں ارقام فرماتے ہیں: ان سے محمد بن اسحاق، ابن جریجؒ، اوزاعیؒ، اور امام ابوحنیفہؒ ایسے بڑے بڑے ائمہ نے روایت کی ہے، امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔
(تاریخ اہلحدیث: ص ۱۲۶)
ان سب حقائق کے باوجود امام عطاءؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے سماع حدیث کا انکار کرنا، یا اس میں شک کا اظہار کرنا محض تحکم اور سینہ زوری ہے۔
دوسرے قول کی حقیقت:
علی زئی صاحب لکھتے ہیں: امام وکیع نے فرمایا: ''ولقد اجترأ ابو حنیفۃ حین قال: الایمان قول بلا عمل'' یقیناً ابوحنیفہ نے بڑی جرأت کی جب کہا کہ ایمان قول ہے عمل نہیں ہے۔ (الحدیث: ش

١٩ ص ٣٨، بحواله الانتقاء لابن عبدالبر: ص ١٣٨)

جواب: علی زئی صاحب امام ابو حنیفہؒ کی دشمنی میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ وہ امام وکیعؒ جیسے عظیم محدث پر بھی جھوٹ اور بہتان باندھنے سے نہیں شرماتے، علی زئی نے امام وکیع کی طرف جو قول منسوب کیا ہے وہ ان کا قول نہیں ہے بلکہ یہ علاء بن عصیم کا قول ہے۔

چنانچہ "الانتقاء" کے محولہ صفحہ پر پوری عبارت یوں ہے:

قال: نا سلیمان بن ابی شیخ، قال: انی العلاء بن عصیم قال: قلت لوکیع بن الجراح لقد اجترأت حین قلت الایمان یزید وینقص، ولقد اجترأ ابو حنیفة حین قال: الایمان قول بلا عمل.

علاء بن عصیم کہتے ہیں کہ میں نے وکیع بن الجراحؒ سے کہا کہ آپ نے یہ کہہ کر جرأت کی ہے کہ ایمان بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہہ کر جرأت کی ہے کہ ایمان قول ہے، عمل نہیں ہے۔

اندازہ لگائیں کہ علی زئی کس قدر کذاب شخص ہیں کہ امام وکیعؒ کو امام صاحب کا دشمن ثابت کرنے کے لیے علاء بن عصیم کے قول کو امام وکیعؒ کا قول بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ والی اللہ المشتکی!

خود علی زئی نے اپنے ہی ایک ہم مسلک محمد افضل غیر مقلد کی ایک ایسی ہی غلط بیانی (کہ بقول علی زئی انہوں نے مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ کے قول کو حافظ ابن حجرؒ کا قول بنا کر پیش کیا) پر ان کو جھوٹا اور مفتری قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

اس صریح غلط بیانی کا دوسرا نام کذب وافتراء ہے۔ صاحب مرعاۃ المفاتیح (الشیخ عبید اللہ مبارکپوریؒ) کے قول کو حافظ ابن حجر کا قول بنا کر پیش کرنا اگر کذب وافتراء نہیں تو پھر کیا ہے؟ (الحدیث: ش ١٧، ص ١٥)

بنا بریں خود علی زئی کا علاء بن عصیم کے قول کو امام وکیعؒ کا قول بنا کر پیش کرنا اگر کذب وافتراء نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

ع
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

اور بالفرض اگر یہ امام وکیعؒ کا ہی قول ہو تو بھی اس سے امام وکیعؒ کے امام صاحبؒ کے متعلق توثیقی قول کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خود علی زئی نے "جواب الہیثمی" کے متعلق لکھا ہے کہ اس پر ارجاء کے الزام (کہ یہ صرف قول کو ایمان کہتے ہیں) کا روایت حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (نصر الباری: ص ١٠١)

تیسرے قول کی حقیقت:

علی زئی صاحب لکھتے ہیں: امام وکیعؒ نے فرمایا: وجدنا ابا حنیفة خالف مائتی حدیث
ہم نے ابو حنیفہ کو دو سو حدیثوں کا مخالف پایا۔ (الحدیث: ش ١٩، ص ٣٨ بحوالہ تاریخ

بغداد: ۱۳/ ۴۰۷ وغیرہ)

جواب: اس قول کی سند کے دیگر راویوں سے قطع نظر اس کے مرکزی راوی کہ جس نے امام وکیعؒ سے یہ قول نقل کیا ہے وہ ابو السائب سلم بن جنادہ ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقه ربما خالف (تقریب التہذیب: ۱/ ۳۷۳) یہ ثقہ ہے، لیکن بسا اوقات یہ (دیگر ثقہ راویوں کی) مخالفت کرتا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے بھی اس کو ضعفاء میں ذکر کر کے اس کے بارے میں امام ابو احمد حاکمؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: اس کی بعض احادیث میں مخالفت پائی جاتی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء: ۱/ ۴۲۵)

اور چونکہ اس کی یہ مذکورہ روایت بھی دیگر ثقہ راویوں کہ جنہوں نے امام وکیعؒ سے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف نقل کی ہے، کی روایات کے مخالف ہے لہٰذا یہ شاذ اور مردود ہے۔

ثانیاً: اس قول کی سند کو اگر صحیح بھی باور کر لیا جائے تو بھی اس سے امام ابو حنیفہؒ کی کوئی تنقیص ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس سے تو آپ کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے کہ آپ نے قرآن و حدیث سے جو ہزاروں مسائل مستنبط کیے ہیں ان میں صرف دو سو مسائل ایسے نکلے جو امام وکیعؒ کی نظر میں حدیث کے مخالف تھے۔

اور پھر امام ابو حنیفہؒ جیسے متبع سنت شخص کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ نے ان دو سو احادیث کی مخالفت قیاس یا کسی اور غیر شرعی عذر کی وجہ سے کی ہو، بلکہ ممکن ہے کہ وہ احادیث آپ کے نزدیک صحیح ثابت نہ ہوں، یا وہ مُحْتَمِلُ التَّاوِيْل ہوں، یا ان کے مقابلے دوسری کوئی احادیث ہوں جو ان سے زیادہ صحیح یا صریح ہوں، یا کوئی اور شرعی سبب ان کے ترک کرنے کا ہو۔ حافظ ابن تیمیہؒ (م: ۷۲۸ ھ) جن کو خود علی زئی "شیخ الاسلام" تسلیم کرتے ہیں۔ (الحدیث: ش ۷، ص ۱۲) ارقام فرماتے ہیں:

ومن ظن بابی حنیفة اوغیره من ائمة المسلمین انهم یعتمدون مخالفة الصحیح لقیاس او غیره فقد اخطأ علیهم، وتکلم امابظن وامابهوی. (مجموع الفتاوی: ۱۹/ ۱۳۸)

جس شخص نے یہ گمان کیا کہ امام ابو حنیفہؒ یا ائمہ مسلمین میں سے کسی اور امام نے صحیح حدیث کی مخالفت قیاس یا اور کسی (غیر شرعی) وجہ سے کی ہے وہ ان حضرات پر غلط بیانی کرتا ہے، اور اس کی یہ بات سوء ظن اور خواہش نفسانی کی وجہ سے ہے۔

غیر مقلدین کے امام العصر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ صاحب امام صاحبؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ معلوم کل ہے کہ آپ مرسل روایت کو امام مالکؒ کی طرح مطلقاً حجت مانتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ قیاس کے مقابلہ میں ضعیف حدیث کو مقدم جانتے تھے کہ ضعیف کا ضعف عارضی ہے اس میں احتمال صحت کا ہو سکتا ہے لہٰذا اس کے مقابلے میں قیاس کی ضرورت نہیں۔ بھلا وہ شخص جو صحابی کے قول کے سامنے بھی قیاس نہ کرتا ہو وہ صحیح حدیث کو عمداً کس طرح ترک کر سکتا ہے۔ فتنبہ (تاریخ اہلحدیث:

ص ۳۱۲)
مشہور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمانؒ لکھتے ہیں:
ہم اگلے تمام مجتہدوں کو جیسے امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ وغیرہم ہیں، پروردگار کے مقبول بندے اور ماجور اور مثاب سمجھتے ہیں۔ جن مسئلوں میں ان کا قیاس حدیث کے خلاف ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کو وہ حدیث نہیں ملی ورنہ ہرگز وہ حدیث کو چھوڑ کر قیاس نہ کرتے، خصوصاً امام اعظم کی نسبت وہ تو سب مجتہدوں سے زیادہ حدیث کے پیرو تھے۔ ان کا قول تو یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے اسی طرح صحابی کا قول بھی۔ (لغات الحدیث: ج ۱، باب الجیم مع الھاء)
اور پھر علی زئی وغیرہ بدنہاد غیر مقلدین امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خلاف ہی ایسے حوالے کیوں پیش کرتے ہیں حالانکہ تقریباً تمام اہل علم آپس میں ایک دوسرے کے متعلق ایسے ریمارکس دیتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کی تعریف میں بھی رطب اللسان رہتے تھے۔ اور آج تک ان کے متعلق کسی نے علی زئی کی طرح یہ انکشاف نہیں کیا کہ ان کے ان ریمارکس کی وجہ سے ان کے توثیقی اقوال منسوخ ہو گئے ہیں۔
مثلاً امام شافعیؒ کا امام مالکؒ سے جو تعلق رہا وہ کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے امام مالکؒ کے خلاف مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ امام مالکؒ کے بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں۔ امام رازیؒ نے ''مناقب الشافعی'' میں اس کتاب کا دیباچہ نقل کیا ہے۔ (ابن ماجہؒ اور علم حدیث: ص ۴۷)
تو کیا اب امام مالکؒ جیسے امام کے خلاف بھی بدظنی کی جائے؟ اور یہ باور کرایا جائے کہ اس کی وجہ سے امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کی جو تعریف کی تھی وہ منسوخ ہوگئی ہے؟ فیا للعجب.
اسی طرح امام مالکؒ کے معاصر امام لیث بن سعد مصریؒ (م: ۱۷۵ھ) نے بھی امام مالکؒ کو کئی احادیث کا مخالف قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ (م: ۴۶۳ھ) نے ان سے نقل کیا ہے کہ
احصیت علیٰ مالک بن انس سبعین مسئلة کلها مخالفة لسنة النبی صلی الله علیه وسلم مما قال مالک برأیه، قال ولقد کتبت الیه فی ذلک. (جامع بیان العلم وفضله: ۱۴۸/۲)
میں نے امام مالکؒ کے ستر ایسے مسائل کو شمار کیا ہے جو سب کے سب نبی ﷺ کی سنت کے خلاف تھے اور امام مالکؒ نے ان کو اپنی رائے سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق ان کو لکھ کر بھیج دیا ہے۔
کیا اب امام لیثؒ نے امام مالکؒ کی جو تعریف کی تھی وہ ان کے مذکورہ اقتباس کی وجہ سے منسوخ ہوگئی ہے؟ پھر علی زئی کے ''ذہبی العصر''، شیخ عبد الرحمٰن معلمی یمانیؒ (م: ۱۳۸۶ھ) نے امام مالکؒ کی طرف سے جو عذر پیش کیا ہے وہ بھی ذرا ملاحظہ کریں۔ موصوف لکھتے ہیں:

۱۴۔ امام شعیب بن اسحاق دمشقیؒ (م:۱۸۹ھ)

موصوف امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ کبار ائمہ کے شاگرد، اور امام اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ نامور حفاظ حدیث کے استاذ ہیں۔ تمام مشہور ائمہ حدیث ان کی زبردست توثیق و تعریف کرتے ہیں۔[1] موصوف امام ابو یوسفؒ کی علم حدیث میں ثقاہت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لابی یوسف ان یاخذ علی الائمة ولیس علی الائمة ان یاخذوا علیٰ ابی یوسف لعلمه بالآثار.[2]

"امام ابو یوسفؒ کے لیے جائز ہے کہ وہ دیگر ائمہ کا مواخذہ کریں لیکن دیگر ائمہ کو زیبا نہیں ہے کہ وہ امام ابو یوسف کا مواخذہ کریں کیونکہ امام ابو یوسف احادیث کے عالم تھے۔[3]"

(گذشتہ سے پیوستہ) فاما ماحکی عن اللیث فلافھام فی السنة تختلف، یختلف العالمان فی فھم الحدیث اوفی ترجیح احدالحدیثین علی الآخر، فیری کل منھما ان قول صاحبه مخالف لسنة. (التنکیل: ۱/۳۴۸)

امام لیثؒ سے (امام مالکؒ کے بارے میں) جو منقول ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کو سمجھنے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، اور دو اہل علم فہم حدیث میں یا ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے میں باہم مختلف ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو سنت کا مخالف خیال کرتا ہے۔

اب جب کہ یہ تاویل امام مالکؒ کے متعلق ہو سکتی ہے تو امام اعظم کے بارے میں یہ کیوں نہیں ہو سکتی؟ الغرض علی زئی نے امام وکیعؒ کے (امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے بارے میں) توثیقی قول کو منسوخ ثابت کرنے کے لیے جو تاویلیں کی تھیں وہ خود ان کے اپنے مسلمات کی روشنی میں "ھبآءً منثورا" ہو گئیں۔

۱. تھذیب التھذیب: (۲/۵۰۳،۵۰۴)

۲. الکامل (۸/۴۶۶)

۳. **امام شعیبؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** علی زئی نے امام شعیبؒ کے مذکورہ قول کی سند پر یہ اعتراض کر دیا کہ

اس سند کا ایک راوی ہشام بن عمار ثقہ اور صحیح بخاری کا راوی ہے لیکن اسے آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ ابو حاتم رازی نے کہا: لما کبر تغیر و کلما دفع الیه قرأه و کلما لقن تلقن و کان قدیما اصح،

(گذشتہ سے پیوستہ) کان یقرأ من کتابہ (الجرح والتعدیل)
صحیح بخاری میں اور اختلاط سے پہلے اس کی ساری روایتیں صحیح ہیں لیکن جعفر بن احمد بن عاصم (اس روایت کے راوی) کے بارے میں کوئی ایسا حوالہ نہیں ملا کہ اس کا سماع ہشام بن عمار سے قبل از اختلاط ہے۔ لہذا یہ سند ہشام بن عمار کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(الحدیث: ش ۱۹، ص ۴۸)

الجواب: علی زئی کے دعویٰ اور اس کی دلیل میں مطابقت نہیں ہے۔ یعنی تقریب تام نہیں ہے، اس لیے کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہشام بن عمار کو آخر عمر میں عارضہ اختلاط لاحق ہو گیا تھا۔ اور اس پر دلیل امام ابو حاتم کے قول کو پیش کر رہے ہیں جس میں ان کے اختلاط کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں اتنا ہے کہ جب ہشام بوڑھے ہو گئے تو ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا۔ اور شیخ عبدالرحمٰن یمانی غیر مقلد جن کو علی زئی اپنے زمانے کا امام ذہبیؒ قرار دے چکے ہیں، نے تصریح کی ہے کہ اختلاط اصطلاحی اور تغیر حفظ میں فرق ہے (دیکھئے التنکیل: ۱/۲۶۴)

لہذا علی زئی کا ان کو مختلط کہہ کر ان کی سند کو ضعیف کہنا باطل ہے۔

اور پھر امام ابو حاتمؒ نے ان کی احادیث کو ضعیف نہیں قرار دیا بلکہ صرف اتنا کہا ہے کہ ان کے تغیر حفظ سے پہلے کی احادیث زیادہ صحیح ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے تغیر حفظ کے بعد کی احادیث بھی صحیح ہیں اگرچہ اس سے پہلے کی احادیث زیادہ صحیح ہیں۔ علاوہ ازیں امام ابو حاتمؒ نے اپنے اس بیان میں یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ ہشام بن عمار اپنی روایات کو اپنی کتاب سے پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ لہذا ان کے تغیر حفظ کا ان کی کتاب سے دیکھ کر سنائی ہوئی روایات پر کیا فرق پڑتا ہے؟

نیز امام ابو حاتمؒ اور ان کے خالہ زاد امام ابو زرعہ رازیؒ دونوں نے ہشام سے روایت حدیث کی ہے اور پھر یہ دونوں آگے دوسرے لوگوں کو بھی ان کی احادیث روایت کرتے رہے۔ جیسا کہ امام ابن ابی حاتم نے تصریح کی ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۹/۶۷)

اب اگر یہ مختلط ہوتے اور ان کی روایات ضعیف ہوتیں تو پھر امام ابو حاتمؒ اور امام ابو زرعہؒ ان سے روایت کیوں کرتے؟ خصوصاً امام ابو زرعہ کہ جن کے متعلق علی زئی کے "ذھبی العصر" شیخ عبدالرحمٰن یمانی نے لکھا ہے کہ

ومن عادتہ ان لایروی الاعن ثقۃ. (التنکیل: ۱/۲۳۳) کہ ان کی عادت ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت کرتے ہیں۔)

لہذا امام ابو زرعہ کا ان سے روایت کرنا ان کے غیر مختلط اور صحیح الروایہ ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵۔ امام اسماعیل بن یحییٰ المزنیؒ (م:۲۶۴ھ)

امام مزنیؒ ایک جلیل القدر محدث وفقیہ اور امام شافعیؒ کے شاگرد اور ان کے مذہب کے راوی ہیں۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: المزنی ناصر مذہبی [۱] کہ مزنی میرے مذہب کے مددگار ہیں۔

امام موصوف نے امام اعظمؒ اور آپ کے تلامذہ (امام ابو یوسف، امام محمد، اور امام زفرؒ) کی بڑی تعریف کی ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف کے بارے میں فرماتے ہیں:

هو اتبع القوم للحديث. [۲]

امام ابو یوسفؒ لوگوں میں سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے ہیں۔ [۳]

---

۱. وفیات الاعیان (۱/۱۱۷)

۲. تاریخ بغداد (۱۴/۲۴۹)

۳. **امام مزنیؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) نے امام مزنیؒ کے مذکورہ قول کو "لسان المیزان" میں امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں بالجزم نقل کیا ہے اور اس پر کسی قسم کی کوئی جرح نقل نہیں کی۔ (لسان المیزان: ۶/۳۹۰) شیخ عبدالرحمٰن یمانی غیر مقلد (م:۱۳۸۶ھ) حافظ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

ان من عادته ان لایجزم بما لایصح. (التنکیل: ۱/۳۶۸)

حافظ ابن حجرؒ کی عادت ہے کہ جو قول صحیح نہ ہو اس کو بالجزم ذکر نہیں کرتے۔

لہٰذا حافظ موصوف کا اس قول کو بالجزم ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس قول کی سند ان کے نزدیک صحیح ہے۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے بھی امام مزنیؒ کے اس قول کو بلا جرح نقل کیا ہے۔ (البدایة والنهایة: ۷/۱۷۱)

اور ماقبل مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے حوالہ سے گزرا ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ صرف وہی قول بلا جرح نقل کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہو۔

لیکن اس کے باوجود علی زئی صاحب نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس قول پر یہ اعتراض کر دیا کہ اس روایت کے راوی جعفر بن یاسین کے حالات نامعلوم ہیں۔ اس کا شاگرد محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی غیر موثق ہے، اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: لم یکن بالقوی

(المؤتلف والمختلف: ۲/۶۸۹)

(گذشتہ سے پیوستہ) یہی جرح امیر ابونصر بن ماکولا نے اس راوی پر کی ہے۔ (الاکمال: ۲/۳۳۴) یعنی یہ قول امام مزنی صاحب الشافعی سے ثابت ہی نہیں ہے۔

(الحدیث: ش ۱۹، ص ۴۷)

الجواب: علی زئی کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں۔ اول اس لیے کہ ابھی علی زئی کے ممدوح شیخ یمانی اور مولانا سیالکوٹی کے حوالے سے گزرا ہے کہ ابن حجرؒ اور ابن کثیرؒ کا اس قول کو بالجزم ذکر کرنا اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ کسی سند کو صحیح کہنے کا مطلب ہوتا ہے کہ اس سند کا ہر راوی صحیح کہنے والے کے نزدیک ثقہ یا صدوق ہے۔ (القول المتین: ص ۲۱) لہٰذا خود علی زئی کے اصول کی روشنی میں بھی جعفر بن یاسین کا ثقہ یا صدوق ہونا ثابت ہو گیا۔

رہا علی زئی کا یہ کہنا کہ اس کے راوی کے حالات نامعلوم ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالات معلوم نہ ہونا یہ عدم علم ہے۔ اور مولانا گوندلویؒ غیر مقلد جو کہ بقول علی زئی شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام الثقۃ، المتقن الحجعۃ، المحدث الفقیہ، الاصولی تھے۔ (الکواکب الدریۃ: ص ۷)

ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: بعض حنفیہ نے اس اثر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عباس ہے اس کا پتہ نہیں چلا مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو۔ (خیر الکلام: ص ۲۴۸)

بنابریں جعفر بن یاسین کے حالات نامعلوم ہونے سے بھی اس کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا۔

نیز علی زئی کے اعتراض کی شق ثانی بھی باطل ہے اس لیے کہ محمد بن ابراہیم بن جیش ایک جلیل القدر محدث وفقیہ ہیں۔ امام دارقطنیؒ نے بھی ان کو "لیس بالقوی" کہنے کے باوجود اپنا "شیخ" بھی قرار دیا ہے۔

(تاریخ بغداد: ۱/۴۲۶)

مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری، اور مولانا سلطان محمود وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے لفظ "شیخ" کو الفاظ توثیق میں شمار کیا ہے۔ (توضیح الکلام: ۱/۲۲۷؛ ابکار المنن: ص ۱۴۰؛ اصطلاحات المحدثین: ص ۲۱)

رہا امام دارقطنیؒ اور امام ابن ماکولا کا ان کو "لیس بالقوی" کہنا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ علی زئی کے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے ایک راوی پر واردان الفاظ کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

(امام بیہقیؒ نے) لیس بالقوی کہا ہے، لیس بقوی نہیں کہا، اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ ان الفاظ سے درجہ کاملہ کی نفی مراد ہوتی ہے، اور وہ راوی اصل میں صدوق ہوتا ہے، اور کیا صدوق کی روایت سے احتجاج ناجائز ہے؟ (توضیح الکلام: ۱/۳۹۸)

نیز خود علی زئی نے ایک راوی جس کے متعلق حافظ ذہبیؒ نے یہی الفاظ (لیس بالقوی) استعمال کیے ہیں،

۱۶۔ امام محمد بن جریر طبریؒ (م: ۳۱۰ھ)

امام طبریؒ فقہ، تفسیر، حدیث، اور تاریخ کے جلیل القدر امام ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کا ترجمہ: الامام، العلم الفرد، الحافظ، احد الاعلام، اور صاحب التصانیف کے القاب سے شروع کیا ہے۔[1]

حافظ المغرب علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (م: ۴۶۳ھ) نے بہ سند متصل ان سے نقل کیا ہے کہ

کان ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم القاضی فقیھا عالما حافظا، ذکر انہ کان یعرف بحفظ الحدیث فیحفظ خمسین وستین حدیثا ثم یقوم فیملیھا علی الناس، وکان کثیر الحدیث.[2]

''امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم قاضیؒ ایک فقیہ، عالم اور حافظ الحدیث تھے، اور آپ احادیث کو یاد کرنے میں خاص شہرت رکھتے تھے، چنانچہ کسی محدث کے پاس جاتے تو ایک ہی مجلس میں پچاس ساٹھ حدیثیں زبانی یاد کر لیتے، پھر وہاں سے اٹھ کر وہی حدیثیں دیگر لوگوں کو (زبانی) لکھوا دیتے، نیز آپ کثیر الحدیث تھے۔''[3]

(گذشتہ سے پیوستہ) کے دفاع میں لکھتے ہیں: القوی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قوی بھی نہیں ہے۔ (نور العینین: ص ۳۳)

اب ہم اس سے زیادہ علی زئی صاحب کی تسلی اور کیا کرا سکتے ہیں؟ لیکن اس کے باوجود

ع تیرا جی نہ چاہے تو بہانے ہیں ہزار

الحاصل: امام مزنیؒ کے مذکورہ بالا قول کو علی زئی کا غیر ثابت کہنا خود ان کے اپنے مسلمات کی روشنی میں بھی باطل ہے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ (۲/۲۰۱)

۲۔ الانتقاء (ص ۱۷۳)

۳۔ **امام طبریؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت**: علی زئی لکھتے ہیں: اس (قول کی سند) میں ابن عبدالبر کا استاد احمد بن محمد بن احمد غیر متعین ہے۔

الجواب: یہ احمد بن محمد بن احمد بن سعید بن الحباب الاموی (م: ۴۰۱ھ) ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کو الامام، المحدث،

۱۷۔ امام ابوبکر بیہقیؒ (م:۴۵۸ھ)

امام موصوف علم حدیث کی ایک نامور و بلند پایہ شخصیت ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کے ترجمے کا آغاز: الامام، الحافظ، العلامۃ، شیخ اور صاحب التصانیف کے القاب سے کیا ہے۔[1]

یہ جلیل القدر امام بھی امام ابویوسفؒ کی توثیق کرنے والوں میں شامل ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

وابویوسف ثقة.[2]

''کہ امام ابویوسفؒ ثقہ ہیں۔''

۱۸۔ امام ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوریؒ (م:۴۰۵ھ)

محدث کبیر امام حاکمؒ (جن کو حافظ ذہبیؒ نے: الحافظ الکبیر، امام المحدثین اور صاحب التصانیف کے القاب سے یاد کیا ہے)[3] نے اپنی مشہور کتاب ''المستدرک علی الصحیحین'' میں امام ابویوسفؒ سے حجت پکڑی ہے، اور آپ کی ایک حدیث کے ذیل میں آپ کو صراحتاً ثقہ کہا ہے۔[4]

نیز امام موصوف نے اپنی اس کتاب میں امام ابویوسفؒ کی کم از کم چار احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[5]

(گذشتہ سے پیوستہ) الثقہ اور الادیب کے القاب سے یاد کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وكان خيرا صالحا شاعرا، عالي الاسناد واسع الرواية، صدوقا.

نیز ذہبیؒ نے تصریح کی ہے کہ ان سے ابن عبدالبرؒ اور ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے۔ ذہبیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ابن حزم ظاہری کے سب سے بڑے شیخ ہیں، اور ابن عبدالبرؒ نے ان سے (فقہ مالکی کی مشہور کتاب) ''المدونۃ'' پڑھی تھی۔

(سير اعلام النبلاء ت: ۱۴۷/۱۷)

۱۔ تذكرة الحفاظ (۲۱۹/۳) ۲۔ السنن الكبرى (۳۴۷/۱)

۳۔ تذكرة الحفاظ (۱۶۲/۳)

۴۔ المستدرك (۵۳۳/۱، رقم الحديث: ۱۳۹۵)

۵۔ دیکھئے: المستدرك (رقم الحديث: ۲۱۸۴، ۳۶۸۹، ۳۹۱۸، ۷۷۸۳)

۱۹۔ امام شمس الدین الذہبیؒ (م:۷۴۸ھ)

امام ذہبیؒ حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال وغیرہ علوم کے مایہ ناز سپوت اور بلند پایہ عالم ہیں۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ غیر مقلد ارقام فرماتے ہیں:

حافظ ذہبیؒ جن کی نسبت حافظ ابن حجر ''شرح نخبہ'' میں لکھتے ہیں:

ھو من استقراء التام فی نقد الرجال.

''یعنی حافظ ذہبیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو رجال کے پرکھنے میں کامل استقراء والے ہیں۔[1]''

امام موصوف نے مختلف الفاظ میں امام ابو یوسفؒ کی زبردست توثیق کی ہے۔ مثلاً اپنی کتاب ''تلخیص المستدرک'' میں آپ کی ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ویعقوب ھو القاضی ابو یوسف: حسن الحدیث.[2]

''کہ یعقوب قاضی ابو یوسفؒ حسن الحدیث ہیں۔''

یعنی آپ کی حدیث حسن ہوتی ہے۔

نیز ذہبیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ھو الامام المجتھد، العلامۃ المحدث.[3]

اسی طرح آپ کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وھو انبل تلامذتہ، واعلمھم.[4]

امام ابو یوسفؒ آپ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ معزز، اور ان میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

نیز لکھتے ہیں:

بلغ ابو یوسف من رئاسۃ العلم مالا مزید علیہ.[5]

---

۱. تحقیق الکلام (۲/۱۴۳)

۲. حاشیۃ المستدرک (۱/۵۳۳)

۳. سیر اعلام النبلاء (۸/۵۳۵)

۴. ایضاً

۵. ایضاً

"امام ابو یوسفؒ علم کی اس ریاست تک پہنچے ہیں کہ اس سے آگے نہیں پہنچا جا سکتا۔"

علاوہ ازیں حافظ ذہبیؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب "تذکرۃ الحفاظ" میں آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے آپ کا شاندار ترجمہ لکھا ہے جس کا آغاز ان القاب سے کیا ہے:

الامام، العلامة، فقيه العراقين.[۱]

اور پھر آپ کے ترجمہ کے آخر میں آپ کی ایک حدیث (جو آپ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے) کو اپنی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

هذه اسناده متصل عال.[۲]

"کہ اس حدیث کی سند متصل اور عالی ہے۔"

مولانا محمد حنیف ندویؒ غیر مقلد "سند عالی" کی تعریف میں لکھتے ہیں:

سند کے عالی ہونے کے معنی وہ نہیں جو عوام کے ذہن میں ہیں، یعنی یہ کہ سلسلہ روایت جس قدر مختصر ہوگا اور رواۃ کی تعداد جس قدر کم ہوگی، اسی نسبت سے اس میں علو ابھر آئے گا۔ بلکہ اس کے برعکس علو سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسے جلیل القدر محدث کا قرب حاصل ہے کہ جس کی ثقاہت، تثبت، اور (اس کی) فقہ حدیث امور مسلم سے ہو، چاہے رواۃ کی تعداد زیادہ ہی ہو۔[۳]

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ذہبیؒ جیسے امام کے نزدیک امام ابو یوسفؒ اور آپ کے استاذ مکرم امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ثقاہت، تثبت (علم حدیث میں پختگی) اور فقاہت حدیث امور مسلم میں سے ہے۔

مزید برآں حافظ ذہبیؒ نے امام موصوف کے مناقب میں مستقل ایک جزء لکھا ہے، جیسا کہ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے مناقب میں بھی مستقل جزء لکھے ہیں۔ یہ تینوں اجزاء "مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ" کے نام سے یکجا مطبوعہ ہیں اور قابل دید ہیں۔

---

۱. تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۴، ۲۱۵)
۲. تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۴، ۲۱۵)
۳. مطالعہ حدیث (ص ۱۲۷)

۲۰۔ امام ابو الحسن دار قطنیؒ (م:۳۸۵ھ)

امام دار قطنیؒ مشہور حافظ الحدیث اور ناقد الرجال ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کا تعارف: الامام، شیخ الاسلام، حافظ الزمان، اور الحافظ الشہیر جیسے عظیم القاب سے کراتے ہیں۔[۱]

انہوں نے بھی امام ابو یوسفؒ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ ان کے شاگرد امام ابو بکر برقانیؒ (م ۴۲۵ھ) نے ان سے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

هو اقوىٰ من محمد بن الحسن.[۲]

''امام ابو یوسفؒ امام محمد بن حسنؒ سے بھی زیادہ قوی ہیں۔''[۳]

جب کہ امام دار قطنیؒ، امام محمدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لايستحق محمد عندي الترك.[۴]

میرے نزدیک امام محمدؒ ترک کرنے کے مستحق نہیں ہیں (بلکہ وہ قابل قبول ہیں)۔[۵]

نیز انہوں نے اپنی کتاب ''غرائب حدیث مالک'' میں امام محمدؒ کو ثقہ حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔[۶]

بنا بریں جب امام دار قطنیؒ کے نزدیک امام محمد بن حسنؒ غیر متروک، اور ثقہ حفاظ حدیث میں سے ہیں، تو پھر امام ابو یوسفؒ کا علم حدیث میں مقام کس قدر بلند ہوگا جو بقول امام دار قطنیؒ امام محمدؒ سے بھی زیادہ مضبوط اور قوی ہیں؟۔[۷]

---

۱. تذكرة الحفاظ (۳/۱۳۲)

۲. سوالات البرقاني للدارقطنيؒ (ص ۱۴۶)، تاريخ بغداد (۱۴/۲۶۲)

۳۔ علی زئی نے بھی اس قول کو امام دار قطنیؒ سے ثابت ہونا تسلیم کیا ہے۔ (الحدیث: ش ۱۹، ص ۵۲)

۴. سوالات البرقاني للدارقطني (ص ۱۳۱)، تاريخ بغداد (۲/۱۷۷)

۵۔ علی زئی لکھتے ہیں: اس (قول) کی سند صحیح ہے۔ (الحدیث: ش ۱۹، ص ۵۲)

۶. نصب الرايةؒ (۱/۴۰۸)

۷۔ **امام دار قطنیؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی کی بے انصافی ملاحظہ کریں کہ وہ امام دار قطنیؒ کو امام ابو یوسفؒ کے موثقین میں شمار کرنے کی بجائے ان کو ان کے روایت حدیث سے غیر متعلق ایک قول کی وجہ سے آپ کے جارحین میں شمار کر رہے ہیں۔ والى الله المشتكى.

تنبیہ: امام دار قطنیؒ کا جو قول علی زئی نے امام ابو یوسف کے خلاف بطور جرح ذکر کیا ہے اس کا جواب آگے کتاب میں ان شاء اللہ آرہا ہے۔

۲۱۔ امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ)

امام محمد بن سعدؒ جو بقول حافظ ذہبیؒ: الحافظ اور العلامۃ تھے۔[۱] نے امام ابو یوسفؒ کو کثیر الحدیث اور بلند پایہ حافظ الحدیث قرار دیا ہے۔

چنانچہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وكان عند ابی یوسف حدیث كثیر.[۲]

''کہ امام ابو یوسفؒ کے پاس کثرت سے حدیثیں تھیں۔''

نیز فرماتے ہیں:

وكان يعرف بالحفظ للحديث، وكان يحضر المحدث فيحفظ خمسين وستين حديثا فيقوم فيمليها على الناس.[۳]

''آپ حفظ حدیث میں مشہور تھے، آپ جب کسی محدث کی مجلس میں حاضر ہوتے تو (ایک ہی مجلس میں) پچاس ساٹھ حدیثیں زبانی یاد کر لیتے، پھر اس مجلس سے اٹھ کر وہی حدیثیں (اپنے حافظہ سے) دیگر لوگوں کو لکھوا دیتے۔''[۴]

۲۲۔ امام علی بن صالح بن حیؒ (م: ۱۵۴ھ)

موصوف کوفہ کے ایک بلند پایہ، محدث وفقیہ، اور عظیم ولی اللہ ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے ترجمے کا آغاز: الامام اور القدوۃ الکبیر کے القاب سے کرتے ہیں۔[۵]

یہ امام ابو یوسفؒ کے استاذ مکرم امام ابو حنیفہؒ کے معاصر ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے

۱۔ تذكرة الحفاظ (۲/۱۱)

۲۔ الطبقات الكبرىٰ (۷/۲۳۹، ۲۳۹)

۳۔ الطبقات الكبرىٰ (۷/۲۳۹، ۲۳۹)

۴۔ امام ابن سعدؒ کی توثیق پر علی زئی کی ہٹ دھرمی: زبیر علی زئی نے یہاں بھی اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام محمد بن سعدؒ کے مذکورہ توثیقی قول (جس میں انہوں نے امام ابو یوسفؒ کی زبردست توثیق وتعریف کی ہے) کو نظر انداز کر دیا اور ان کے روایت حدیث سے غیر متعلق قول (جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے) کے بل بوتے ان کو امام ابو یوسفؒ کے جارحین میں شمار کر دیا۔ انا للہ.....

۵۔ سیر اعلام النبلاء (۷/ ۳۷۱)

امام ابو یوسفؒ سے روایت حدیث کرنے کے علاوہ آپ کی بڑے عمدہ الفاظ میں توثیق بھی کی ہے۔

حافظ ابو عبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل امام حسن بن ابی مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ

وكان علی بن صالح اذا حدث عن ابی یوسف یقول: حدثنی فقیه الفقهاء وقاضی القضاة وسید العلماء ابو یوسف.[1]

"امام علی بن صالحؒ جب امام ابو یوسفؒ سے کسی حدیث کی روایت کرتے تو فرماتے: مجھ سے امام ابو یوسفؒ نے یہ حدیث بیان کی ہے جو کہ فقہاء میں سب سے بڑے فقیہ، قاضی القضات اور علماء کے سردار ہیں۔"

۲۳۔ امام علی بن الجعدؒ (م:۲۳۰ھ)

یہ امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے استاذ اور پختہ کار محدث ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں تیرہ حدیثیں ان سے نقل کی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ حفاظ حدیث میں ان کو شمار کرتے ہوئے ان کا ترجمہ "الحافظ الثبت، اور المسند" کے القاب سے شروع کرتے ہیں۔[2]

یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور انہوں نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔

امام ابو عبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل امام طحاویؒ کے استاذ اور ثقہ محدث امام احمد بن ابی عمرانؒ (م۲۸۰ھ) جو کہ امام علی بن الجعدؒ کے تلامذہ حدیث میں سے ہیں، سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ امام علی بن الجعدؒ ہم کو احادیث کی املاء کرا رہے تھے اور آپ کی مجلس لوگوں سے بھری ہوئی تھی، جب انہوں نے فرمایا: "أنبأ ابو یوسف" (امام ابو یوسفؒ نے حدیث بیان کی) تو لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے ابوالحسن: (یہ علی بن الجعد کی کنیت ہے) کیا آپ ابو یوسف کا تذکرہ کرتے ہیں؟ امام علی بن الجعدؒ کے دل میں یہ گزرا کہ یہ شخص امام ابو یوسفؒ کے تذکرے کو اچھا نہیں چاہتا تو انہوں نے اس شخص سے فرمایا:

اذا اردت ان تذکر ابا یوسف فاغسل فمک باشنان وماء حار! ثم

۱۔ اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۰۰)

۲۔ تذکرة الحفاظ (۱/۲۹۲)

قال واللہ مارأیت مثلہ. قال ابن ابی عمران: وقد رأی الثوری والحسن بن صالح ومالکا وابن ابی ذئب واللیث بن سعد وشعبة بن الحجاج.[۱]

''جب تو امام ابو یوسف کا تذکرہ کرنا چاہے۔ تو تجھے اس سے پہلے اپنے منہ کو اشنان (صابن کی طرح یہ ایک بوٹی ہے۔ ناقل) اور گرم پانی سے دھو لینا چاہیے۔ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے تو امام ابو یوسفؒ کی طرح کوئی شخص نہیں دیکھا۔ امام احمد بن ابی عمرانؒ (اس قول کو نقل کرنے کے بعد) فرماتے ہیں: حالانکہ امام علی بن الجعدؒ نے امام سفیان ثوریؒ، امام حسن بن صالحؒ، امام مالکؒ، امام ابن ابی ذئبؒ، امام لیث بن سعدؒ، اور امام شعبہؒ بن حجاجؒ جیسے لوگوں کو دیکھا ہوا تھا۔''

یعنی ان جلیل القدر ائمہ کو دیکھنے کے باوجود وہ امام ابو یوسفؒ جیسے شخص کو دیکھنے کی نفی کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں امام ابو یوسف جیسے علمی پایہ کا شخص دوسرا کوئی نہیں تھا۔

۴۴۔ امام ہلال بن یحییٰ الرائیؒ (م: ۲۴۵ھ)

امام رائےؒ ایک جلیل القدر عالم اور بلند پایہ فقیہ ہیں، ان کو علم اور فقہ میں بلند مرتبت ہونے کی وجہ سے ہی ''الرائی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حافظ عبد القادر قرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) اور حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م: ۸۷۹ھ) ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

وانما لقب بالرائی لسعة علمه وکثرة فقهه.[۲]

''ان کو وسیع العلم اور کثیر الفقہ ہونے کی وجہ سے ''رائے'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔''

انہوں نے بھی امام ابو یوسفؒ کے علم کی بڑی تعریف کی ہے، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے ان سے سند متصل کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

کان ابو یوسف یحفظ التفسیر والمغازی وایام العرب، وکان اقل

---

[۱] اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۰۲)

[۲] الجواهر المضیة (۲/۲۰۷)، تاج التراجم (ص ۸۰)

علومه الفقه.[1]

''امام ابو یوسفؒ، تفسیر مغازی (جنگوں کے حالات) اور ایام عرب (تاریخ عرب) کے حافظ تھے، اور آپ کا سب سے کم درجہ کا علم فقہ تھا۔''

یعنی جب فقہ جو آپ کا سب سے کم درجہ کا مضمون تھا، اس میں آپ کا یہ مقام ہے تو دیگر علوم (حدیث وغیرہ) میں آپ کا پایہ کس قدر بلند ہوگا؟

۲۵۔ علامہ یحییٰ بن خالد البرمکیؒ (م: ۱۹۰ھ)

یہ خلیفہ ہارون رشیدؒ (م: ۱۹۳ھ) کے مشہور وزیر اور علم و کمال میں یکتائے روزگار تھے۔

امام ابن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ) ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

فانه كان من النبل والعقل وجميع الخلال علىٰ اكمل حال.[2]

''یہ اپنی بزرگی، عقل مندی اور تمام خوبیوں میں انتہائی باکمال تھے۔''

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد ان کو خاندان برمک کا ایک نامور فرد قرار دیتے ہیں۔[3]

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) نے ان سے امام ابو یوسفؒ کی تعریف میں یہ قول نقل کیا ہے کہ:

قدم علينا ابو يوسف واقل مافيه الفقه، وقد ملأبفقهه مابين الخافقين.[4]

''امام ابو یوسفؒ ہمارے پاس تشریف لائے تھے، آپ کا سب سے کم درجہ کا علم فقہ تھا لیکن بلاشبہ آپ نے اپنی فقہ سے مشرق و مغرب کے درمیان خلا کو بھر دیا ہے۔''

یعنی فقہ جو کہ آپ کا ''اَقَلُّ العلومُ'' تھا، میں وسعت کا یہ حال ہے تو پھر دیگر علوم (حدیث وغیرہ) میں آپ کتنے وسیع العلم ہوں گے؟

---

۱. تاریخ بغداد (۱۴/۲۴۹)

۲. وفیات الاعیان (۳/۱۱۱)

۳۔ حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۵۳)

۴. مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ (ص ۴۰)

۲۶۔ امام عمر بن احمد المعروف بابن شاہینؒ (م: ۳۸۵ھ)

امام ابن شاہینؒ جن کو حافظ ذہبیؒ نے: الحافظ، الامام، المفید، المکثر (کثیر الحدیث) اور محدث العراق کے القاب سے یاد کیا ہے۔[1]

یہ محدثِ جلیل بھی امام ابو یوسفؒ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو ثقات (ثقہ راویوں) میں ذکر کیا ہے۔[2]

بلکہ موصوف امام ابو یوسفؒ کو امام ابوحنیفہؒ سے بھی زیادہ ثقہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جہاں امام ابوحنیفہؒ کو "الثقات" (ثقہ راویوں) میں شمار کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ

وابو یوسف اوثق من ابی حنیفة فی الحدیث[3]

"امام ابو یوسفؒ حدیث میں امام ابوحنیفہؒ سے بھی زیادہ ثقہ ہیں۔"[4]

نیز امام حمزہ بن یوسف سہمیؒ (م ۴۲۷ھ) نے اپنی تاریخ کے آخر میں چند رُواۃ سے متعلق امام ابن شاہینؒ کی آراء نقل کی ہیں، چنانچہ وہ ان سے ایک راوی ابان بن ابی عیاشؒ کے متعلق نقل

۱۔ تذکرة الحفاظ (۱۲۹/۳)

۲۔ تاریخ اسماء الثقات (ص ۳۳۳، ت ۱۶۵۷)

۳۔ ایضاً (ص ۳۰۹، ت ۱۵۰۶)

۴۔ امام ابن شاہین کا امام ابو یوسف کو ثقہ کہنا تو بجا اور عین حقیقت ہے لیکن ان کا آپ کو حدیث میں امام ابو حنیفہؒ پر فوقیت دینا یہ مبالغہ اور خود امام ابو یوسفؒ کی تصریح سے بھی متصادم ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ کے بارے میں فرمایا ہے:

وکان هوا بصر الحدیث الصحیح منی. (تاریخ بغداد: ۳۴۰/۱۳)

امام ابوحنیفہ صحیح حدیث کو مجھ سے زیادہ پہچاننے والے تھے۔

نیز فرماتے ہیں:

ومارأیت احدًا اعلم بتفسیر الحدیث منه. (الانتقاء: ص ۱۳۹)

"میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ حدیث کی تفسیر کرنا جانتا ہو۔"

ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ امام صاحب علم حدیث میں خود امام ابو یوسف کے نزدیک بھی ان پر فوقیت رکھتے تھے۔

کرتے ہیں کہ: ممن روی عنه من الثقات. کہ ان سے کئی ثقہ راویوں نے روایت کی ہے۔
اور پھر ان ثقات میں امام ابن شاہینؒ نے امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ اور امام ابویوسفؒ کو بھی شمار کیا ہے۔[۱]
معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ تینوں حضرات ثقہ ہیں۔

۲۷۔ امام ابوسعد عبدالکریم السمعانیؒ (م: ۵۶۲ھ)

امام سمعانیؒ حدیث، تاریخ، اور انساب وغیرہ علوم کے نامور امام ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کو حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ان کا تعارف: الحافظ، البارع، العلامۃ، تاج الاسلام، اور صاحب التصانیف کے القاب سے شروع کیا ہے۔[۲]

یہ بزرگ بھی امام ابویوسفؒ کے موثقین (ثقہ قرار دینے والوں) میں سے ہیں۔ چنانچہ اپنی مشہور تصنیف ''کتاب الانساب'' میں مادہ ''البجلی'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

و ابو یوسف...... صاحب ابی حنیفة رحهما الله، من اهل الكوفة، كان قاضی القضاة يروی عن يحيی بن سعيد الانصاری، روی عنه بشر بن الوليد وعامة اهل العراق و كان متقنا.[۳]

''امام ابویوسفؒ صاحب امام ابوحنیفہؒ اہل کوفہ میں سے ہیں، آپ قاضی القضات تھے، اور آپ نے امام یحییٰ بن سعید انصاریؒ (تابعی) سے روایت حدیث کی ہے، جب کہ آپ سے امام بشر بن ولید اور اکثر اہل عراق روایت حدیث کرتے ہیں، اور آپ متقن (ایک پختہ کار محدث) تھے۔''

واضح رہے کہ ہم نے امام سمعانیؒ کے قول: ''مُتقِن'' کا مطلب ''پختہ کار محدث'' اس لیے بیان کیا ہے کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں ''مُتقِن'' اس شخص کو کہتے ہیں جو حدیث میں ثقہ اور اس کا حافظ ہو۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتمؒ نے عبداللہ بن عمرو منقریؒ کے بارے میں امام ابوزرعہؒ کا قول ''کان حافظا ثقه'' (وہ حافظ الحدیث اور ثقہ تھا) کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

یعنی انه متقنا.[۴]

۱۔ تاریخ جرجان (ص ۲۶۵)
۲۔ تذکرۃ الحفاظ (۴/۷۵)
۳۔ کتاب الانساب (۱/۲۹۹)
۴۔ الجرح والتعدیل (۵/۱۱۹)

کہ امام ابو زرعہؒ کے قول کا مطلب ہے کہ وہ مُتقِن تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام سمعانیؒ نے امام ابو یوسفؒ کو جو متقن کہا ہے، اس کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک امام ابو یوسفؒ روایت حدیث میں ثقہ بھی ہیں، اور حافظ الحدیث بھی ہیں۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی توثیق ہے۔

نیز امام سمعانی مادہ ''قاضی'' کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں:

وھو اول من دعی بقاضی القضاۃ فی الاسلام، ولم یختلف یحیی بن معین، واحمد بن حنبل، وعلی المدینی فی ثقتہٖ فی النقل، ولم یتقدمہ احد فی زمانہٖ، وکان النھایۃ فی العلم والحکم والریاسۃ والقدر......[1]

امام ابو یوسفؒ پہلے وہ شخص ہیں جو قاضی القضات کے لقب سے پکارے گئے، امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام علی بن مدینیؒ کا اس بابت کوئی اختلاف نہیں کہ آپ نقل حدیث میں ثقہ ہیں، آپ کے زمانہ میں کوئی شخص بھی آپ پر فوقیت نہیں رکھتا تھا، اور آپ علم، حکمت، ریاست اور مرتبت میں انتہائی درجہ پر فائز تھے۔

۲۸۔ امام ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ)

امام ابن حزمؒ فقہ ظاہریہ کے ایک جلیل القدر امام اور نامور محدث ہیں۔ موصوف اپنے تمام علمی کمالات رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے مخالفین (خصوصاً امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کے اصحاب) کے خلاف انتہائی متشدد اور زبان دراز ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی توثیق کی ہے۔

چنانچہ موصوف ایک مسئلہ کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

والمحفوظ عَنْ ابی حنیفۃ ھو ماذکرہ محمد بن الحسن فی ''الجامع الصغیر'' فی کلامہٖ فی العتق الذی بین کلامہٖ فی الکراھۃ وکلامہ فی الرھن. قال محمد: انا یعقوب عن ابی حنیفۃ قال...[2]

۱۔ کتاب الانساب (۴/۱۳)
۲۔ المحلّی شرح المجلّی (۸/۱۲۴)

امام ابوحنیفہؒ سے محفوظ روایت وہ ہے جو امام محمد بن حسنؒ نے ''الجامع الصغیر'' میں ذکر کی ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ عتق کی مکروہ صورت اور ''رہن'' سے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ہم سے یعقوب (امام ابویوسفؒ) نے روایت کی کہ ان سے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:...

اس بیان میں علامہ ابن حزمؒ نے امام محمدؒ کی امام ابویوسفؒ سے اور ان کی امام ابوحنیفہؒ سے نقل کردہ روایت کو محفوظ قرار دیا ہے۔ اور خود زبیر علی زئی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ محدث کا کسی راوی کی روایت کو محفوظ قرار دینا یہ اس راوی کی توثیق پر دلیل ہے۔ چنانچہ علی زئی نے ایک راوی کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے امام بیہقیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

انہوں نے اس کی روایت کو محفوظ کہا۔[1]

بنابریں علامہ ابن حزمؒ کا امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی روایت کو محفوظ قرار دینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔

۲۹۔ امام ابویعلی خلیل بن احمد خلیلیؒ (م ۴۴۶ھ)

امام خلیلیؒ جو بتصریح حافظ ذہبیؒ: ''الحافظ، الامام'' تھے،[2] نے بھی امام ابویوسفؒ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: صدوق فی الحدیث[3] کہ آپ روایت حدیث میں صدوق (راست باز) تھے۔

نیز لکھتے ہیں:

وهو صحيح المذهب و كان شديدًا علي الجهمية.[4]

آپ صحیح المذہب اور جہمیہ (بدعتی گروہ) کے سخت مخالف تھے۔

۳۰۔ امام شمس الدین احمد بن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ)

علامہ ابن خلکانؒ جو مشہور مورخ اسلام ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کو کریم، جواد، سری، ذکی،

۱۔ القول المتین (ص ۲۶)

۲۔ تذکرۃ الحفاظ (۳/۲۱۴)

۳۔ الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث (ص ۱۳۸)

۴۔ ایضاً (ص ۲۲۵)

احوذی اور عارف بِاَیَّامِ النَّاس کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔[1]

امام موصوف نے اپنی تاریخ میں امام ابو یوسف کا بڑا مبسوط اور شاندار ترجمہ لکھا ہے، اور آپ کے بارے میں دیگر ائمہ کے توثیقی اقوال نقل کرنے کے علاوہ خود بھی بڑے عمدہ الفاظ میں آپ کی توثیق کی ہے، چنانچہ وہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

کان فقیہا عالما حافظا.[2]

''آپ فقیہ، عالم اور حافظ الحدیث تھے۔''

نیز لکھتے ہیں:

واخبار ابی یوسف کثیرۃ، واکثر الناس من العلماء علی تفضیلہ وتعظیمہ. وقد نقل الخطیب البغدادی فی تاریخہ الکبیر الفاظا عن عبداللہ بن المبارک، ووکیع بن الجراح، ویزید بن ھارون، ومحمد بن اسماعیل البخاری، وابی الحسن الدارقطنی وغیرھم، ینبوا السمع عنھا، فترکت ذکرھا.[3]

''امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں روایات بکثرت ہیں، اور اکثر علماء آپ کی فضیلت اور عظمت بیان کرتے ہیں۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ کبیر میں امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام وکیع بن جراحؒ، امام یزید بن ہارونؒ، امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، امام ابوالحسن دار قطنیؒ وغیرہ سے آپ کے بارے میں بعض ایسے الفاظ نقل کیے ہیں جو نا قابل سماعت ہیں اس لیے میں نے ان کو ذکر نہیں کیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ کی توثیق ہی راجح ہے اور آپ کے خلاف وارد اقوالِ جرح نا قابل سماعت ہیں۔

۳۱۔ امام محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسیؒ (م:۷۴۴ھ)

یہ ابن عبدالہادی سے مشہور ہیں، اور ان کا شمار علم حدیث اور فن اسماء الرجال کے کبار علماء

---

۱ العبر (۳/۲۴۷)

۲ وفیات الاعیان (۳/۳۸۹)

۳ ایضاً (۳/۳۹۳)

میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴ھ) ان کو: الشیخ، الامام، العالم، العلامۃ، الناقد، البارع فی فنون العلم کے القاب سے یاد کرتے ہیں، اور ان کو حدیث و اسماء الرجال کے حافظ و ماہر قرار دیتے ہیں۔[۱]

انہوں نے ائمہ اربعہ (امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ) کے مناقب میں ایک کتاب ''مناقب الائمۃ الاربعۃ'' کے نام سے لکھی ہے۔

اس میں انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تذکرے میں امام ابو یوسفؒ کو آپ کے تلامذہ میں شمار کرتے ہوئے آپ کے بارے میں لکھا ہے:

والقاضی الامام العلامۃ، فقیہ العراقین، ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری الکوفی......[۲]

نیز امام موصوف نے اپنی کتاب ''طبقات علماء الحدیث'' میں بھی امام ابو یوسفؒ کا بڑا شاندار ترجمہ کیا ہے اور آپ کے علمی مقام کی بڑی تعریف کی ہے۔[۳]

واضح رہے کہ امام موصوف کی یہ کتاب ان کی تصریح کے مطابق: ان حفاظ حدیث کے تذکرے پر مشتمل ہے کہ جن کے حالات سے ناآشنائی کسی بھی طالب حدیث کے لیے مناسب نہیں ہے۔[۴]

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ کا شمار اُن عظیم حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے کہ جن کے مقام سے آگاہی حدیث کے ہر طالب علم کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

۳۲۔ امام ابو الفداء عماد الدین ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴ھ)

امام ابن کثیرؒ کا تفسیر، حدیث اور تاریخ وغیرہ علوم میں جو مقام ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابو یوسفؒ کا بڑا شاندار ترجمہ لکھا ہے اور آپ کی توثیق

۱۔ البدایۃ والنہایۃ (۹/۶۵ھ)

۲۔ مناقب الائمۃ الاربعۃ (ص ۶۰)

۳۔ طبقات علماء الحدیث (۱/۴۲۲، ۴۲۳)

۴۔ ایضاً (۱/۷۷)

میں امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مزنیؒ، امام علی بن مدینیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور امام ابو زرعہؒ وغیرہ ائمہ کبار کے اقوال نقل کیے ہیں، اور خود بھی آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ مثلاً آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقد کان یحضر فی مجلس حکمه العلماء علی طبقاتهم، حتی ان احمد بن حنبل کان شاباً وکان یحضر مجلسه فی اثناء الناس فینتا ظرون ویتباحثون، وهو مع ذلک یحکم وینصف ایضا.[1]

''امام ابو یوسفؒ کی مجلسِ حکومت (قضاء) میں ہر طبقے کے علماء حاضر ہوتے تھے، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبلؒ جو اس وقت نوجوان تھے، وہ بھی آپ کی مجلس میں دیگر لوگوں کے ساتھ شریک ہوتے رہتے تھے، یہ لوگ آپ سے مناظرہ اور بحث ومباحثہ کرتے لیکن اس کے باوجود آپ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرتے۔''

۳۳۔ امام عبدالحی بن احمد المعروف بابن العمادؒ (م:۱۰۸۹ھ)

امام ابن العمادؒ مؤرخین متاخرین میں سے ایک جید اور مشہور عالم ہیں۔[2]

موصوف نے بھی اپنی تاریخ میں امام ابو یوسف کا شاندار ترجمہ لکھا ہے اور آپ کی توثیق و تعریف میں متعدد ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔[3]

نیز شروع کتاب میں خود ان کا حوالہ گزر چکا ہے جس میں انہوں نے امام ابو یوسفؒ کو جید حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور آپ کے حفظِ حدیث کی بڑی تعریف کی ہے۔

۳۴۔ امام جلال الدین السیوطیؒ (م:۹۱۱ھ)

شیخ الاسلام امام سیوطیؒ جو مشہور صاحب التصانیف عالم ہیں، اور جن کی علمی شخصیت علماء اور عوام میں یکساں مقبول ہے۔

انہوں نے حفاظ حدیث کے حالات پر مشتمل اپنی کتاب ''طبقات الحفاظ'' میں امام ابو

۱۔ البدایة والنهایة (۷/ ۱۷۱۔۱۷۳)

۲۔ حافظ زبیر علی زئی ان کو ائمہ جرح وتعدیل میں شمار کرتے ہیں۔ (الحدیث: ۱۸/ ۲۰، ۲۲/ ۱۱) وغیرہ

۳۔ شذرات لذهب (۱/ ۳۰۰)

یوسفؒ کو بھی ان حفاظ حدیث کی صف میں ذکر کیا ہے، اور آپ کا تعارف: الامام، العلامة، اورفقیہ العراقیین کے القاب سے کرایا ہے۔

نیز آپ کی توثیق میں متعدد ائمہ حدیث کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔[1]

۳۵۔ امام شمس الدین محمد بن ابوبکر دمشقی المعروف بہ "ابن ناصر الدین" (م ۸۴۲ھ)

امام ابن ناصر الدینؒ دمشق کے ایک جلیل المرتبت محدث ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے ان کو حافظ اور محدث بلاد الدمشقیہ کے القاب سے یاد کیا ہے، اور ان کی تصانیف کی بڑی تعریف کی ہے۔[2]

امام موصوف نے علوم حدیث میں کئی شاندار کتب تصنیف کی ہیں جن میں سے ایک "بديعة البيان عَنْ موتِ الأعيان" بھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے جلیل المرتبت حفاظ حدیث کے ناموں کو نظم کیا ہے جیسا کہ خود انہوں نے اس کتاب کے شروع میں تصریح کی ہے۔[3]

اس کتاب میں انہوں نے امام ابو یوسفؒ کا بھی واضح الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔[4]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابن ناصر الدینؒ جیسے محدثِ کبیر کے نزدیک بھی امام ابو یوسفؒ ایک جلیل المرتبت حافظ الحدیث ہیں۔

۳۶۔ امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعیؒ (م: ۹۴۲ھ)

امام صالحیؒ امام سیوطیؒ کے مایہ ناز شاگرد، جلیل القدر محدث وفقیہ، اور "سیرت الشامیہ" وغیرہ کتب نافعہ کے مصنف ہیں۔

امام شعرانیؒ (م: ۹۷۳ھ) ان کا تعارف ان القاب سے کراتے ہیں: الاخ الصالح، العالم الزاہد، الشیخ، المتمسک بالسنۃ المحمدیۃ، مفنن فی العلوم۔[5]

امام موصوف نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مناقب میں ایک بڑی محققانہ کتاب "عقود الجمان فی سیرۃ الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" تصنیف کی ہے۔

۱۔ طبقات الحفاظ (ص ۱۲۷)

۲۔ طبقات الحفاظ (ص ۵۵۰)

۳۔ بديعة البيان عن موت الاعيان (ص ۵)

۴۔ ایضاً (ص ۴۹)

۵۔ شذرات الذهب (۸/۲۵۰)

اس کتاب میں وہ ایک مسئلہ کی تحقیق میں ارقام فرماتے ہیں:

ان الثقات الائمة من اصحاب الامام ابی حنیفة لم ینقلوا عنه شیئا من ذلک کالامام ابی یوسف والامام محمد بن الحسن فیما جمعاه من حدیثه۔[1]

"بے شک امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے جو ثقہ امام ہیں جیسا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن ہیں، انہوں نے آپ کی احادیث کے جو مجموعے جمع کیے ہیں ان میں انہوں نے آپ سے ایسی کوئی بات نقل نہیں کی ہے۔"

اس بیان میں امام صالحیؒ نے صراحتاً امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو ثقہ ائمہ میں شمار کیا ہے۔

۳۷۔ امام ابو الفرج ابن الجوزیؒ (م: ۵۹۷ھ)

امام ابن الجوزیؒ بھی ایک مشہور و معروف عالم ہیں۔ ان کو امام اعظمؒ اور آپ کے تلامذہ سے قدرے تعصب ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی کتاب "اخبار الحفاظ" میں امام ابو یوسف کو امت مسلمہ کی اُن سو بے مثال شخصیات میں شمار کیا ہے کہ جن کی قوت حافظہ ضرب المثل تھی۔[2]

نیز انہوں نے اپنی کتاب "اخبار الاذکیاء" میں آپ کو امت مسلمہ کے ان علماء اور فقہاء میں شمار کیا ہے جو اپنی ذہانت و ذکاوت میں مشہور تھے، اور موصوف نے آپ کی ذکاوت و ذہانت کے متعدد واقعات بھی نقل کیے ہیں۔[3]

۳۸۔ امام جمال الدین ابو المحاسن ابن تغری بردیؒ (م ۸۷۴ھ)

امام ابن تغریؒ کا شمار نامور اور بلند پایہ مؤرخین میں ہوتا ہے۔ امام ابن العمادؒ نے ان کا بڑا شاندار ترجمہ لکھا ہے، جس کا آغاز انہوں نے الامام اور العلامہ کے القاب سے کیا ہے۔[4]

امام موصوف بھی امام ابو یوسفؒ کے علمی مقام کے بڑے معترف ہیں، اور انہوں نے آپ

۱۔ عقود الجمان (ص ۶۲)

۲۔ تانیب الخطیب (ص ۱۷۵)

۳۔ اخبار الاذکیاء (ص ۷۷، ۷۸)

۴۔ شذرات الذهب (۷/۳۱۷، ۳۱۸)

کی بہت تعریف کی ہے، اور آپ کے ترجمے کا آغاز: شیخ الاسلام اور قاضی القضات کے عظیم القاب سے کیا ہے، اور آپ کے بارے میں تصریح کی ہے کہ آپ امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے مقدم اور متعدد علوم میں انتہائی بلند مقام رکھتے ہیں۔[۱]

۳۹۔ امام عبداللہ بن مسلم المعروف بابن قتیبہؒ (م:۲۷۶ھ)

امام ابن قتیبہ مختلف علوم (تفسیر، حدیث اور اسماء الرجال وغیرہ) کے ایک نامور عالم ہیں۔

حافظ ذہبیؒ ان کو: العلامۃ الکبیر اور ذوالفنون کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔[۲]

زبیر علی زئی غیر مقلد ان کو "المحدث الصدوق" کہتے ہیں۔[۳]

علی زئی کے یہ انتہائی ممدوح اپنی مشہور کتاب "المعارف" میں امام ابویوسفؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وکان صاحب حدیث حافظا.[۴]

"امام ابویوسفؒ صاحب حدیث (محدث) اور حافظ الحدیث تھے۔"

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن المعروف بابن الندیمؒ (م:۳۸۵ھ)

علامہ ابن الندیمؒ مشہور اور جلیل المرتبت مؤرخ ہیں۔ امام علی بن انجب المعروف بہ "ابن الساعی" (م ۶۷۴ھ) نے ان کے علمی مقام اور ان کی تصنیف "کتاب الفہرست" کی بڑی تعریف کی ہے۔[۵]

موصوف اپنی مشہور کتاب "الفہرست" میں امام ابویوسفؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

کان حافظا للحدیث.[۶]

"آپ حدیث کے حافظ تھے۔"[۷]

۱۔ النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرۃ (۲/ ۱۳۸،۱۳۷)

۲۔ سیر اعلام النبلاء (۱۳/ ۲۹۶)

۳۔ مقالات (۱/ ۱۶۶)

۴۔ شذرات الذھب (۱/ ۳۰۰)

۵۔ الدر الثمین فی اسماء المصنفین (ص ۱۹۳)

۶. کتاب الفهرست (ص ۲۵۶)

۷۔ شروع کتاب میں آپ بحوالہ مولانا حنیف ندویؒ غیر مقلد اور علامہ امیر یمانی غیر مقلد "حافظ الحدیث" کی تعریف ملاحظہ کر چکے ہیں کہ وہ کتنی اعلیٰ محدثانہ خوبیوں کا حامل ہوتا ہے۔

۴۱۔ امام ابو عمر یوسف بن عبد البرؒ (م:۴۶۳ھ)

امام ابن عبد البرؒ جو کہ اندلس کے ایک بے مثل حافظ الحدیث گزرے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کے ترجمے کا آغاز: الامام، شیخ الاسلام، اور حافظ المغرب کے القاب سے کیا ہے۔[1]

امام موصوف نے امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں مستقل ایک جزء لکھا ہے جو ان کی کتاب ''الانتقاء'' کا حصہ ہے۔

اس میں انہوں نے خود بھی آپ کی تعریف کی ہے اور دیگر متعدد ائمہ حدیث (امام یحییٰ بن معین، اور امام طبریؒ وغیرہ) سے بھی آپ کی توثیق وتعریف نقل کی ہے۔[2]

اسی طرح امام موصوف اپنی شروحاتِ موطا ''التمہید'' اور ''الاستذکار'' میں جہاں دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب بیان کرتے ہیں وہاں وہ آپ کے مذہب کو بھی ضرور ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقالت طائفة من اهل العلم منهم: ابو یوسف......[3]

اہل علم کا ایک گروہ جن میں سے امام ابو یوسفؒ بھی ہیں فرماتے ہیں......

۴۲۔ امام عبد الکریم شہرستانیؒ (م:۵۴۸ھ)

یہ علم کلام کے مشہور ومعروف امام ہیں۔ علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) نے ان کو: الامام، مبرز، فقیہ، متکلم اور واعظ کے القاب سے یاد کیا ہے۔[4]

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ اور مولانا اسماعیل سلفیؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے۔[5]

امام موصوف نے امام ابو یوسفؒ، اور آپ کے استاذ مکرم امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام محمد بن حسنؒ وغیرہ کو ان ائمہ اہل سنت میں شمار کیا ہے جن پر لوگوں نے عقیدہ ارجاء کا بے بنیاد الزام لگایا

۱۔ تذکرة الحفاظ (۳/۲۱۷)

۲۔ دیکھئے الانتقاء (ص ۱۷۲، ۱۷۳)

۳۔ التمهيد (۵/۵۲۵)، الاستذكار (۲/۲۰۶)

۴۔ شذرات الذهب (۴/۱۴۹)

۵۔ تاریخ اہل حدیث (ص ۸۷) تحریک آزادی فکر (ص ۱۴۱)

ہے، اور پھر انہوں نے ان حضرات کے عقیدہ کی خوب اچھی طرح سے وضاحت کی ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء. نیز ان سب حضرات کے متعلق تصریح کی ہے کہ:

وھؤلاء کلھم ائمۃ الحدیث.[۱]

''یہ سب کے سب حدیث کے امام ہیں۔''

۴۳۔ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ (م: ۷۲۸ھ)

امام ابن تیمیہؒ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے حنبلی (مقلد) ہونے کے باوجود غیر مقلدین ان کو شیخ الاسلام قرار دیتے ہیں۔[۲] اور اپنے آپ کو ان پیروکار ظاہر کر کے عرب شیوخ سے مالی مراعات حاصل کرتے ہیں۔

ماقبل امام ابو یوسفؒ کی ''امامت فی الحدیث'' کے بیان میں امام ابن تیمیہؒ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ ان ائمہ میں سے ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں میں باکمال تھے، اور ان کو ان دونوں علوم میں درجہ امامت حاصل تھا۔

نیز شروع کتاب میں امام موصوف کے یہ حوالے بھی گزرے ہیں جن میں انہوں نے امام ابو یوسفؒ کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے سب سے زیادہ جلیل القدر، اور حدیث کے سب سے بڑے عالم قرار دیا ہے۔ یہ ان کی طرف سے آپ کی زبردست توثیق ہے۔

۴۴۔ امام شمس الدین ابن القیمؒ (م: ۷۵۱ھ)

امام ابن القیمؒ حافظ ابن تیمیہؒ کے مشہور شاگرد اور علوم اسلامیہ (حدیث وغیرہ) کے جید اور نامور عالم ہیں۔

موصوف بھی اپنے استاذ محترم حافظ ابن تیمیہؒ کی طرح امام ابو یوسفؒ کے محدثانہ مقام کے بڑے معترف ہیں۔ چنانچہ ایک مسئلہ کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

واما طریقۃ الصحابۃ والتابعین وائمۃ الحدیث کالشافعی والامام احمد و مالک وابی حنیفۃ وابی یوسفؒ والبخاری واسحق

۱۔ الملل والنحل (۱/۱۱۶)

۲۔ امام ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام قرار دینے والوں میں سے حافظ زبیر علی زئی بھی ہیں۔ جیسا کہ ان کا حوالہ ماقبل گزر چکا ہے۔

فعکس هذه الطریق.[1]

''صحابہ کرامؓ، تابعین عظام، اور ائمہ حدیث جیسے امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام بخاریؒ، امام اسحاق بن راہویہ کا طریقہ ان لوگوں کے طریقے کے برعکس تھا۔''

اس بیان میں امام ابن القیمؒ نے امام ابو یوسفؒ اور آپ کے استاذ مکرم امام ابو حنیفہ کو امام بخاریؒ جیسے نامور ائمہ حدیث کی صف میں ذکر کر کے ان کی ''امامت فی الحدیث'' کی کھلے لفظوں میں توثیق کردی ہے۔ جزاہ اللّٰہ عنا احسن الجزاء.

۴۵۔ امام محی الدین عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ)

امام قرشیؒ ایک پختہ کار حافظ الحدیث اور مشہور حنفی فقیہ ہیں۔ ان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ زین الدین عراقیؒ (جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاذ کبیر ہیں) جیسے محدث جلیل ان کے تلامذہ حدیث میں سے ہیں۔

حافظ ابوالفضل مکیؒ ان کو حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ان کا تعارف: الامام، العلامة، اور الحافظ کے القاب سے کرایا ہے، اور ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ: وسمع منه الحفاظ والفضلاء.[2]

''ان سے حفاظ حدیث اور فضیلت والے محدثین نے سماع حدیث کیا تھا۔''

امام موصوف نے امام ابو یوسفؒ کا ''طبقات حنفیہ'' میں شاندار ترجمہ لکھا ہے، اور آپ کی توثیق متعدد ائمہ حدیث سے نقل کی ہے۔[3]

۴۶۔ امام جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ (م۷۶۲ھ)

امام زیلعیؒ ایک متبحر محدث اور ان اہل علم میں سے ہیں کہ جن کی ثقاہت اور غیر جانبداری سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ موصوف بھی امام ابو یوسف کو ثقہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ امام ابن القطان نے جب امام ابو یوسف کو مجہول کہا تو امام زیلعیؒ نے اس پر ان کا رد کرتے ہوئے لکھا:

۱۔ اعلام الموقعین (ص ۲۰۷)

۲۔ ذیول تذکرة الحفاظ (۵/۱۰۵)

۳۔ الجواهر المضیة (۲/۲۲۰)

و فیہ شیء، فقد وثقہ ابن حبان وغیرہ.[۱]

ان کی بات میں خرابی ہے، کیونکہ امام ابو یوسفؒ کو امام ابن حبانؒ اور دیگر محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

یعنی امام ابو یوسفؒ ثقہ ہیں، اور آپ کو مجہول قرار دینا غلط ہے۔

۴۷۔ امام نورالدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ)

امام موصوف مشہور و جلیل المرتبت محدث اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ جیسے نامور حفاظ حدیث کے استاذ ہیں۔ امام موصوف کے نزدیک بھی امام ابو یوسفؒ روایتِ حدیث میں ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں، چنانچہ وہ ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط و اسنادہ حسن.[۲]

اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "المعجم الکبیر" اور "المعجم الاوسط" میں روایت کیا ہے، اور حدیث کی سند حسن ہے۔

امام ہیثمیؒ جس حدیث کو حسن قرار دے رہے ہیں، وہ حدیث "المعجم الکبیر" وغیرہ میں امام ابو یوسفؒ کی سند سے مروی ہے۔[۳]

۴۸۔ امام حسین بن عبدالرحمان علوی المعروف بہ ابن الاہدلؒ (م ۸۵۵ھ)

امام ابن الاہدلؒ ایک نامور محدث، فقیہ اور کثیر الاستحضار عالم ہیں۔ علامہ محمد شوکانی غیر مقلد (م ۱۲۵۰ھ) نے ان کا بڑا اچھا ترجمہ لکھا ہے، اور ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ:

وھو شیخ عصرہ بلا مدافع.[۴] آپ بلا اختلاف اپنے زمانے کے شیخ ہیں۔

امام ابن الاہدلؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابو یوسفؒ کے علمی مقام کی بڑی تعریف کی ہے، اور آپ کے بارے میں یہ اقرار بھی کیا ہے کہ:

واکثر العلماء علیٰ تفضیلہ و تعظیمہ.[۵]

۱۔ نصب الرایہ (۲/۳۵۸)

۲۔ مجمع الزوائد (۳/۳۵)

۳۔ المعجم الکبیر (۱۳/۱۲۰)

۴۔ البدر الطالع (۱/۱۵۰)

۵۔ شذرات الذہب (۱/۲۹۹)

اکثر علماء امام ابو یوسفؒ کی فضیلت اور عظمت شان کو تسلیم کرتے ہیں۔

۴۹۔ امام محمد بن ابراہیم الوزیرؒ (م ۸۴۰ھ)

موصوف ایک نامور حافظ الحدیث ہیں۔ علامہ شوکانیؒ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے، اور ان کا تعارف الامام الکبیر اور المجتہد المطلق سے کرایا ہے۔[۱]

امام ابو یوسفؒ کے بارے میں ان کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے کہ جن کی عدالت، فضیلت اور بزرگی پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔

نیز امام موصوف نے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ آپ ''جبالِ علم'' میں سے ہیں۔[۲]

یہ تصریحات اس بات کی دلیل ہیں کہ امام موصوف کے نزدیک امام ابو یوسفؒ نہایت ثقہ ہیں۔

۵۰۔ امام عبدالرحمان بن محمد مقدسی حنبلیؒ (م ۹۲۸ھ)

موصوف کا شمار اَجلّہ حنبلی محدثین میں ہوتا ہے۔ حافظ سخاویؒ وغیرہ کبار اہل علم بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔[۳]

موصوف کے نزدیک بھی امام ابو یوسفؒ ثقہ اور علم حدیث میں انتہائی بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ چنانچہ پہلے ان کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اکثر اہل علم امام ابو یوسفؒ کی فضیلت و عظمتِ شان کو تسلیم کرتے ہیں۔

نیز وہ آپ کو کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں اور آپ کے بارے میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ:

وکان فقیها عالما، حافظا۔[۴]

امام ابو یوسفؒ، فقیہ، عالم اور حافظ الحدیث تھے۔

اسی طرح انہوں نے آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

۱۔ البدر الطالع (۲/۱۹، ۲۰)

۲۔ الروض الباسم عن سنۃ ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم (۱/۳۱۱)

۳۔ مقدمۃ التاریخ المعتبر (۱/۲۴)

۴۔ التاریخ المعتبر (۳/۳۵۴-۳۵۶)

و کان مشهور الفضل وافقه اهل عصره، و لم يتقدمه احد فی زمانه، و کان نهاية فی العلم والحلم والرياسة والقدر.[۱]

آپ فضیلت کے ساتھ مشہور اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ اور آپ کے زمانہ میں کوئی شخص بھی آپ پر فوقیت نہیں رکھتا تھا، نیز آپ علم، حلم، ریاست اور قدر و منزلت میں انتہائی بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

۵۱۔ امام محمد بن عبدالرحمان ابن الغزیؒ (م ۱۱۶۷ھ)

امام ابن الغزی شافعیؒ ایک بلند پایہ عالم ہیں۔ امام محمد بن خلیل مرادیؒ (م ۱۲۰۶ھ) نے ان کا شاندار ترجمہ لکھا ہے، جس کا آغاز انہوں نے عالم، فاضل، محدث، نحریر... وغیرہ القاب سے کیا ہے۔[۲]

امام موصوف بھی امام ابو یوسفؒ کی توثیق کرنے والوں میں سے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کا ترجمہ یوں بیان کرتے ہیں:

الامام، الحبر، البحر، الفقيه، الحافظ، قاضی القضات... صاحب ابی حنيفة و خليفته فی حلقته من بعده.[۳]

۱۔ ایضاً

۲۔ سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر (۴/۵۴)

۳۔ دیوان الاسلام (۴/۱۰۲)

غیر مقلدین حضرات سے امام ابو یوسفؒ کی توثیق

ائمہ حدیث اور ارباب جرح و تعدیل کی توثیق کے بعد اب امام ابو یوسفؒ کے بارے میں خود غیر مقلدین کے اکابر علماء کے چند توثیقی اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ:

ع   وَالْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

(برتری تو وہ ہے جسے مخالفین بھی تسلیم کریں)۔

(۱) مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ کے شاگرد اور اپنی جماعت میں ''امام العصر'' کے لقب سے مشہور ہیں۔

موصوف اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ

امام ابو یوسفؒ جیسا کہ فقہاء کے نزدیک علم و حفظ میں پختہ ہیں، ویسے ہی محدثین کے نزدیک بھی معتبر ہیں۔[1]

نیز لکھتے ہیں:

امام ابو یوسفؒ محدثین کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔[2]

(۲) مولانا سیالکوٹی کے شاگرد اور سابق امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ ارقام فرماتے ہیں:

ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابو عبدالرحمن اوزاعی، ابو یوسف، محمد، یہ سب اہلحدیث کے مجتہد ہیں۔[3]

---

۱. واضح البیان فی تفسیر ام القرآن (ص ۱۰۲)

۲. ایضاً (ص ۱۰۵)

۳. تحریک آزادی فکر (ص ۴۹۰)

دیکھیے: مولانا سلفی صاف اقرار کر رہے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ اور آپ کے ساتھی امام محمد بن حسنؒ بھی امام بخاریؒ، امام مسلمؒ کی طرح حدیث میں درجہ امامت رکھتے ہیں، اور اہل حدیث (محدثین) کے مجتہدین میں سے ہیں۔

(۳) مولانا عطاء اللہ حنیفؒ (جو کہ مولانا اسماعیل سلفی کے خصوصی شاگرد، اور غیر مقلدین کے مشہور مجلہ ''ہفت روزہ الاعتصام'' کے بانی ہیں) امام ابو یوسفؒ کو ائمہ سلف اور امام ابوحنیفہؒ کے قابل شاگردوں میں گردانتے ہیں۔[۱]

نیز موصوف امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فرواۃ هذا کلهم ثقاۃ.[۲]

اس روایت کے سارے راوی (بشمول امام ابو یوسفؒ) ثقہ ہیں۔

(۴) مولانا عبدالقادر سندھیؒ غیر مقلد فاضل مدینہ یونیورسٹی تصریح کرتے ہیں کہ ابو یوسف امام، ثقہ، عادل، قاضی انصاری ہیں۔[۳]

(۵) شیخ جمال الدین القاسمی دمشقیؒ غیر مقلد، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

وهما البحران الزاخران، وآثارهما تشهد بسعة علمهما وتبحر هما، بل بتقدهما علیٰ کثیر من الحفاظ، وناهیک ''کتاب الخراج'' لابی یوسف وموطا الامام محمد.[۴]

یہ دونوں علم کے موجزن سمندر تھے، اور ان کے آثار (روایات) ان کی وسعت علم، اور ان کے تبحر علمی پر گواہ ہیں، بلکہ اس بات پر بھی شاہد ہیں کہ یہ دونوں حضرات اکثر حفاظ پر تفوق رکھتے ہیں، تجھے (ان کے علمی پایہ کو جاننے کے لیے) امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' اور امام محمدؒ کی ''موطا'' ہی کافی ہیں۔

۱۔ حاشیہ حیات حضرت امام ابوحنیفہؒ (ص ۳۲۸)
۲۔ ایضاً
۳۔ مسئلہ رفع الیدین مترجم (ص ۱۰۵)
۴۔ الجرح والتعدیل (ص ۳۱)

(۶) نامور غیر مقلد شیخ احمد شاکرؒ، امام ابو یوسفؒ کی کتاب ''الخراج'' سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و هو باسناد صحيح غاية فى الصحة، فان ابا يوسف من ثقات ائمة المسلمين فى الحديث.[۱]

اس حدیث کی سند انتہائی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، کیونکہ امام ابو یوسفؒ ان ائمہ مسلمین میں سے ہیں جو حدیث میں ثقہ ہیں۔

(۷) عصر حاضر کے مشہور غیر مقلد عالم شیخ ناصر الدین البانیؒ نے بھی امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کی سند کو جید قرار دیا ہے، اور آپ کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ:

فو ثقه جماعة، وضعفه آخرون، و لم يتبين ضعفه.[۲]

آپ کی ایک جماعت نے توثیق کی ہے، اور بعض لوگوں نے آپ کو ضعیف کہا ہے، لیکن میرے نزدیک آپ کو ضعیف کہنے کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ یعنی آپ کی توثیق ہی راجح ہے۔

(۸) مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی امام ابو یوسفؒ اور امام زفر بن ہذیلؒ کو ثقات (ثقہ راویوں) میں سے قرار دیا ہے۔[۳]

خود معترض حافظ زبیر علی زئی نے بھی امام موصوف کی طرف منسوب ایک روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[۴]

اور علی زئی صاحب کا اپنا یہ بیان پہلے گزر چکا ہے کہ کسی سند کو صحیح کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس سند کا ہر ہر راوی صحیح کہنے والے کے نزدیک ثقہ یا صدوق ہے۔

لہٰذا خود علی زئی کے نزدیک بھی امام ابو یوسفؒ کا ثقہ اور صدوق ہونا ثابت ہو گیا

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

۱۔ حاشیہ کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم (ص ۸۴، ۸۵) بحوالہ الامام محمد بن الحسن الشیبانی نابغة الفقه الاسلامی (ص ۱۸۸) للدکتور علی احمد الندوی

۲۔ ارواء الغلیل (۵/۲۷۳)

۳۔ تنقیح الکلام (ص ۲۷۰، ۲۷۱)

۴۔ نصر الباری (ص ۱۹۹)

امام ابویوسفؒ پر جرح کا جواب

امام ابویوسفؒ کے بارے میں ائمہ محدثین کے جم غفیر اور کئی نامور علمائے غیر مقلدین کے توثیقی آراء آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب ہم ان اقوال جرح کا جائزہ لیتے ہیں جن کو ایک متعصب غیر مقلد حافظ زبیر علی زئی پیردادی نے امام موصوف کے خلاف پیش کر کے ان سے آپ کو مجروح اور ضعیف ثابت کرنے کی ناکام کوشش ہے۔

۱۔ امام یحییٰ بن معینؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: یحییٰ بن معین (نے فرمایا) لایکتب حدیثه، اس (ابویوسف) کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی: ۸/۴۶۶) وسندہ صحیح، وتاریخ بغداد: ۱۴/۲۵۸۔ علان هو علی بن احمد بن سلیمان، ترجمته فی سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۴۹۶. وقول ابن یونس "وفی خلقه زعارة" لا علاقة له بالحدیث فهو مردود)

اس قول سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین سے توثیق والی روایات منسوخ ہیں۔[۱]

جواب: یہ قول کئی وجوہ سے ناقابل استناد ہے:

(۱) امام ابن معینؒ سے منسوب یہ قول "لایکتب حدیثه" اگر ان سے ثابت بھی مان لیا جائے تو پھر بھی باقرار غیر مقلدین یہ جرح میں صریح نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی وجہ سے امام ابن معین کے توثیقی اقوال کو منسوخ قرار دے دیا جائے۔

شیخ عبدالرحمٰن یمانی غیر مقلد (جن کو علی زئی "ذہبی العصر" قرار دے چکے ہیں) امام ابن معینؒ کے قول "لاتکتب حدیثه" (جو کہ باقرار علی زئی "لایکتب حدیثه" کے ہم معنی ہے)[۲] کے متعلق لکھتے ہیں:

---

۱. الحدیث (ش: ۱۹، ص ۴۹)　　۲. الحدیث (ش ۱۷، ص ۱۶)

ان کلمة "لاتکتب حدیثه" لیست بصریحة فی الجرح.[1]

"لاتکتب حدیثه" کا کلمہ جرح میں صریح نہیں ہے۔

اب جب کہ یہ کلمہ جرح میں صریح ہی نہیں تو پھر علی زئی کیسے اس کلمہ کی وجہ سے امام ابن معینؒ کو امام ابو یوسفؒ کے جارحین میں بھرتی کر رہے ہیں اور اس سے ان کے دیگر توثیقی اقوال کے منسوخ ہونے کا بلا دلیل دعویٰ کر رہے ہیں؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

(۲) اس قول کی سند بھی محل نظر ہے، چنانچہ اس قول کے ایک راوی "علان" کے متعلق خود علی زئی نے امام محمد بن یونس مصریؒ سے یہ جرح نقل کی ہے کہ

وفی خلقه زعارة (یہ بدخو طبیعت کا شخص تھا۔)

زبیر علی زئی نے یہ کہہ کر اس کے دفاع کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس جرح کا تعلق روایت حدیث سے نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایسے بدخو اور بُری خصلت والے شخص کی روایت سے مسلمانوں کے عظیم الشان امام کو مجروح ثابت کیا جاسکتا ہے؟

نیز امام ابن معینؒ سے اس قول کو احمد بن سعد بن ابی مریم نے نقل کیا ہے، اور ماقبل امام ابو یوسفؒ کی بابت امام ابن معینؒ کے توثیقی اقوال میں علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) کا حوالہ گزر چکا ہے کہ احمد بن سعد بن ابی مریم کا امام ابن معین سے روایت کردہ یہ قول ان کے دیگر تلامذہ کی روایات کے مخالف ہے۔ پھر انہوں نے امام ابن معینؒ کے کم از کم سات تلامذہ کی روایات نقل کی ہیں جن میں امام ابن معینؒ نے مختلف الفاظ میں امام ابو یوسفؒ کی توثیق کی ہے۔ خود علی زئی نے ان میں سے بعض روایات کا صحیح السند ہونا تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ ماقبل گزرا ہے۔

اب اگر احمد بن سعد بن ابی مریم ثقہ ہے تو اس کی روایت امام ابن معینؒ کے دیگر ثقہ بلکہ اوثق تلامذہ کی روایات کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے (جو کہ اصول حدیث کی رُو سے ضعیف روایت کی ایک قسم ہے) اور اگر یہ ضعیف ہے تو پھر اس کی یہ روایت منکر ہے جس کا ضعیف ہونا یقینی ہے۔ جیسا کہ خود علی زئی نے شاذ اور منکر کی تعریف میں لکھا ہے۔[2]

۱۔ التنکیل (۱/۱۰۹)

۲۔ الحدیث (ش:۲۵،ص:۴۳)

غرض دونوں صورتوں میں اس کی یہ روایت ضعیف ہے۔

(۳) اس کی یہ روایت محدثین کی تصریحات کے بھی مخالف ہے۔ چنانچہ امام ابویوسفؒ کی توثیق میں کئی جلیل القدر محدثین، امام احمد بن کامل قاضیؒ، امام ابن عبدالبرؒ، امام ابوسعد سمعانیؒ، امام ابن خلکانؒ، اور امام عبدالقادر قرشیؒ کے حوالے گزر چکے ہیں جن میں انہوں نے صاف تصریح کی ہے کہ امام یحییٰ بن معینؒ نے امام ابویوسفؒ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

زبیر علی زئی کا عدل وانصاف (جس کا ان کو دعویٰ ہے)[1] ملاحظہ کریں کہ وہ امام یحییٰ بن معینؒ کے تمام تلامذہ کے روایت کردہ توثیقی اقوال (جن میں سے بعض کا صحیح السند ہونا خود ان کو بھی تسلیم ہے) کے مقابلے میں احمد بن ابی مریم کی اس روایت کو ترجیح دے رہے ہیں جس کی سند بھی مشکوک ہے، اور وہ محدثین کی تصریحات سے بھی متصادم ہے۔ حالانکہ خود علی زئی کو اپنے قلم کا لکھا ہوا یہ بھی یاد نہیں رہا کہ

اگر کسی روایت کی تصحیح وتضعیف میں ائمہ محدثین کا اختلاف ہو تو حدیث کے ثقہ مشہور اور ماہر اہل فن کی اکثریت کو لامحالہ ترجیح دی جائے گی۔[2]

سچ ہے:

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

(۴) اگر اس قول کو امام ابن معینؒ سے ثابت بھی مان لیا جائے لیکن یہ تو خود علی زئی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ امام ابن معینؒ سے امام ابویوسفؒ کی توثیق بھی ثابت ہے۔

اور علی زئی صاحب کے انتہائی ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد (جن کے بارے میں علی زئی کا حوالہ گزر چکا ہے جس میں انہوں نے ان کو محقق جلیل القدر قرار دیا ہے) نے ایسی صورت میں یہ فیصلہ ذکر کیا ہے کہ ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ علی زئی صاحب کو اپنے اس جلیل القدر محقق کا فیصلہ قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

۱. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۰)

۲. نور العینین (ص ۵۷)

۳. توضیح الکلام (۱/ ۵۳۴)

(۵) خود امام یحییٰ بن معینؒ کی شخصیت بھی غیر مقلدین کے نزدیک جرح میں متشدد اور متعنت مشہور ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

یہ مت بھولیئے کہ امام ابن معین جرح میں متعنت و متشدد ہیں۔[1]

اسی طرح مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ، مولانا محمد گوندلویؒ، مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ، مولانا نذیر احمد رحمانیؒ اور دیگر علمائے غیر مقلدین نے بھی جرح میں امام ابن معینؒ کے تشدد اور تعنت کا شکوہ کیا ہے۔[2]

اور غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ (جن کے متعلق علی زئی کا حوالہ گزر چکا ہے کہ وہ شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام الثقہ، المتقن الحجہ، المحدث الفقیہ، اور الاصولی تھے) نے متشدد امام کے بارے میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ

جرح کرنے والا اگر متعنت اور متشدد ہو تو اس کی توثیق تو معتبر ہے مگر جرح معتبر نہیں۔[3]

لہٰذا اگر امام ابن معینؒ سے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں جرح ثابت بھی ہو تو خود غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں بھی ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس کے بالمقابل انہوں نے امام موصوف کی جو توثیق کی ہے وہ ہر حال میں مقبول ہے۔

(۶) غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ:

جب یحییٰ بن معین سے کسی راوی کے بارے میں جرح بھی منقول ہو اور تعدیل بھی تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ضعیف و ناقابل احتجاج ہے۔ پھر مبارکپوری صاحبؒ نے حافظ ابن حجرؒ، امام باجیؒ اور حافظ سخاویؒ سے نقل کیا ہے کہ امام ابن معین کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں یہ فیصلہ کیا جائے گا وہ راوی ثقہ ہے، البتہ دیگر کسی زیادہ ثقہ راوی کی نسبت کمزور

---

1. ایضاً (۱/۷۹)
2. مقالات مبارکپوری (ص ۲۲۰)، خیر الکلام (ص ۴۶)، تاریخ اہلحدیث (ص ۸۰)، انوار المصابیح (ص ۱۱۳)
3. خیر الکلام (ص ۴۶)

ہے۔[1]

بنابریں اگر امام ابو یوسفؒ کے خلاف امام ابن معینؒ کی جرح ثابت بھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ویسے تو ثقہ ہیں، البتہ اپنے سے کسی اوثق راوی (امام ابوحنیفہؒ وغیرہ) کی نسبت کم تر ہیں۔ فلا اشکال.

۲۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: عبدالله بن المبارک المروزی قال: انی لاکره ان اجلس فی مجلس لذکر فیه یعقوب. کہا: میں ایسی مجلس میں بیٹھنا مکروہ سمجھتا ہوں جس مجلس میں یعقوب (ابو یوسف) کا (اچھا) ذکر کیا جائے۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی: ج ۲ ص ۷۸۹، وسندہ صحیح)

(۲) ایک آدمی نے امام عبداللہ بن مبارکؒ سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اسے مسئلہ بتایا، وہ آدمی بولا: ابو یوسف اس مسئلے میں آپ کے مخالف ہیں تو ابن المبارک نے فرمایا: ان کنت صلیت خلف ابی یوسف فانظر صلاتک. "اگر تم نے ابو یوسف کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو اپنی نماز دیکھو۔ یعنی اس کا اعادہ کرلو۔" (کتاب الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۱ وسندہ صحیح، الہیثم بن خلف ثقۃ وجرح الاسماعیلی مردود)

(۳) عبدہ بن سلیمان المروزی کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ ابن المبارک جب ابو یوسف کا ذکر کرتے تو اس کی دھجیاں اڑا دیتے (یعنی شدید جرح کرتے) اور ایک دن آپ نے اس (ابو یوسف) کے بارے میں فرمایا: ان لوگوں میں سے کسی نے اپنے باپ کی جماع شدہ لونڈی (یعنی سوتیلی ماں) سے عشق کیا پھر اس نے ابو یوسف سے مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا: اس لونڈی کو سچا نہ سمجھو (یعنی اس سے نکاح کرلو) پس وہ آدمی ابو یوسف کے لیے جسے مقرر کرنے لگا، یا ابن المبارک اس پر شدید جرح کرنے لگے۔ (الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۴ وسندہ حسن)۔[2]

جواب: علی زئی نے امام ابن المبارکؒ سے جو یہ تین اقوال ذکر کیے ہیں ذیل میں ترتیب وار ان کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

۱۔ مقالات مبارکپوری (ص ۲۲۱)

۲۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۴۹)

(۱) پہلا قول علی زئی نے امام یعقوب الفارسیؒ کی طرف منسوب کتاب "المعرفۃ والتاریخ" سے نقل کیا ہے، اور اس کتاب کو امام یعقوب سے نقل کرنے والا عبداللہ بن جعفر بن درستویہ خود مجروح اور متکلم فیہ ہے۔[۱] لہٰذا ایسے راوی کی سند سے مروی قول کو امام ابو یوسفؒ جیسے عظیم امام کے خلاف پیش کرنا اور اس کو صحیح السند قرار دینا پرلے درجے کی بددیانتی ہے۔

ثانیاً: اگر اس قول کی سند کو صحیح بھی باور کر لیا جائے تو اس سے امام ابو یوسفؒ کی تنقیص لازم نہیں آتی کیونکہ امام ابن المبارکؒ کے اس قول کہ "میں کسی ایسی مجلس میں بیٹھنا مکروہ سمجھتا ہوں جس میں ابو یوسف کا ذکر کیا جائے۔" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں ایسی مجلس میں بیٹھنا مکروہ سمجھتا ہوں جس میں ابو یوسفؒ کا برائی سے ذکر کیا جائے۔ اور یہی مطلب امام عبداللہ بن مبارکؒ جیسے ولی اللہ اور پاک دامن شخص سے مناسبت رکھتا ہے کیونکہ ان کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوں جس میں لوگوں (خصوصاً امام ابو یوسف جیسے اہل علم) کی برائی اور غیبت کی جائے۔

علی زئی نے ان سے منسوب اس قول کے ترجمے میں قوسین (بریکٹ) لگا کر اپنی طرف سے اس قول کا جو غلط مطلب کشید کرنے کی کوشش کی ہے وہ محض ان کے تعصب کا شاخسانہ ہے ورنہ خود ان کے ممدوح اور غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ نے تصریح کی ہے کہ

یاد رکھنا چاہیے حتیٰ الامکان اگر کوئی کلام کسی توجیہ سے صحیح بن سکتا ہے تو اس کو صحیح ہی سمجھنا چاہیے۔[۲]

اللہ تعالیٰ علی زئی کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین

(۲) دوسرا قول علی زئی نے "کتاب الضعفاء" للعقیلی سے نقل کیا ہے، لیکن امام عقیلیؒ کا احناف کے بارے میں تعصب کسی سے مخفی نہیں ہے۔

نیز امام عقیلیؒ کا استاذ ہیثم بن خلف بھی متکلم فیہ ہے، امام اسماعیلیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

۱۔ تاریخ بغداد (۹/۴۳۵)

۲۔ خیر الکلام (ص ۳۰۶)

انه كان لايخالف مافي كتابه، وان عمله خطأ۔[1]

"یہ اپنی کتاب کی مخالفت نہیں کرتا تھا (اگرچہ اس میں غلط لکھا ہو)، اور اس کا یہ عمل غلط تھا۔"

یعنی اس کی کتاب میں درج شدہ روایات میں غلطیاں ہونے کے باوجود یہ ان کو ویسا ہی روایت کر دیتا تھا اور ان کی تصحیح نہیں کرتا تھا۔

پھر امام اسماعیلیؒ نے اس کی مثال یہ پیش کی کہ ایک راوی جن کا نام محمود تھا لیکن ہیثم کی کتاب میں غلطی سے اس کا نام محمد بن الربیع لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ ہیثم نے اس سے جب روایت بیان کی تو اس کا غلط ہی نام لیا۔[2] زبیر علی زئی نے امام اسماعیلیؒ کی اس جرح کو مردود کہہ دیا۔ لیکن اگر ان میں کوئی دیانت داری ہوتی تو وہ امام اسماعیلیؒ کی جرح کو مردود کہنے کی بجائے اس متکلم فیہ راوی کی روایت جو اس نے امام ابو یوسف کے خلاف پیش کی ہے، کو مردود قرار دیتے، یا پھر ثبوت پیش کرتے کہ اس نے یہ روایت اپنی اس غلطیوں کی پلندہ کتاب سے نقل نہیں کی ہے۔ دیدہ باید۔

نیز احمد بن السکریؒ نے اس کی ایک روایت کو "غریب جدا" قرار دیا ہے۔[3]

اور خود زبیر علی زئی نے "غریب" کا مطلب غلط و باطل ہونا بیان کیا ہے، چنانچہ موصوف نے لکھا ہے:

> ہیثم بن عدی کے قول کو حافظ ابن کثیر نے "زعم" کہہ کر ذکر کیا ہے اور "وھذا غریب" کہہ کر اس کے غلط و باطل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔[4]

بنا بریں احمد بن السکری نے ہیثم بن خلف کی روایت کو "غریب جدا" (بہت زیادہ غریب) جو کہا ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ غلط و باطل روایت بیان کرنے والا ہے۔

ثانیاً: اس قول کی سند سے قطع نظر بھی یہ قول جرح میں صریح نہیں کیونکہ ممکن ہے امام ابن

۱. لسان المیزان (۲/۱۷۶)
۲. ایضاً
۳. تاریخ بغداد (۶۰/۱۴)
۴. نور العینین (ص ۳۸)

المبارکؒ نے امام ابو یوسفؒ کی مدح میں سائل کو یہ فرمایا ہو کہ

اگر تو نے امام ابو یوسفؒ کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ امام ابو یوسفؒ کے پیچھے نماز پڑھنے میں کتنا خشوع وخضوع ملتا ہے۔ فلا اشکال۔

زبیر علی زئی کی عقل چونکہ ٹیڑھی ہے اس لیے ان کو صحیح بات بھی غلط ہی سمجھ آتی ہے۔

كَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صحيحًا
وَآفَتُهٗ مِنَ فَهْمِ السقيمِ

(۳) تیسرے قول کی سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عقیلیؒ کا استاذ احمد بن جمیل الھروی المروزی ہے، اس کے بارے میں امام یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ: صدوق لم یکن بالضابط.[1] یہ سچا ہے، لیکن روایت کو ضبط (اچھی طرح یاد) نہیں کر سکتا۔

لہٰذا اس کی روایت کا کیا اعتبار ہے؟ اس لیے کہ ممکن ہے کہ امام ابن المبارکؒ نے کچھ اور فرمایا ہو اور اس نے کچھ اور یاد کیا ہو؟ فَاِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ.

خود زبیر علی زئی نے بھی غیر ضابط راوی کو ضعیف اور مردود الروایہ قرار دیا ہے۔[2]

لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

ثانیاً: اس قول کی سند سے قطع نظر بھی اس کا تعلق روایت حدیث سے نہیں ہے، بلکہ یہ اجتہادی مسائل سے متعلق ہے، اور اجتہادی مسائل میں اہل علم کا ایک دوسرے پر اعتراض کرنا طریقہ متوارثہ ہے۔ فلا اشکال۔

اور پھر امام ابو یوسفؒ نے (بشرطِ ثبوتِ روایت) جو مسئلہ اس شخص کو بتلایا کہ تو اپنے والد کی لونڈی کو سچا نہ سمجھ، تو ممکن ہے کہ وہ عورت آپ کی نظر میں جھوٹی اور ناقابل اعتماد ہو، اور اپنے آقا سے جماع کا جھوٹا دعویٰ کر رہی ہو، بالخصوص جب کہ اس کے آقا کا اقرارِ جماع بھی ثابت نہیں ہے، لہٰذا امام ابو یوسفؒ نے اس شخص کو جو مسئلہ بتایا تھا اس میں آپ نے شریعت کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ ہی اس بابت آپ پر کوئی شرعاً اعتراض لاگو ہو سکتا ہے۔ نیز یہ واقعہ اس لیے بھی محل نظر ہے کہ اس میں یہ کوئی وضاحت نہیں کہ امام ابن

۱۔ لسان المیزان (۱/۲۵۰)

۲۔ الحدیث (۳۹/۵۵)

المبارکؒ کو یہ اطلاع دینے والا کون شخص (ثقہ یا غیر ثقہ) تھا کہ اس لونڈی کے آقا نے اس سے ضرور جماع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو غارت کرے جو ایسے جھوٹے اور بے بنیاد واقعات سے ائمہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

ثالثاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امام ابن المبارکؒ واقعی امام ابو یوسفؒ کے مخالف تھے اور وہ آپ پر تنقید کیا کرتے تھے تو پھر بھی یہ کوئی مضر نہیں کیونکہ خود علی زئی کے ''ذہبی عصر'' شیخ عبدالرحمٰن المعلمیؒ غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ امام ابن المبارکؒ کی امام ابو یوسفؒ اور مشہور محدث امام اسماعیل بن علیہؒ سے مخالفت کی وجہ محض ان دونوں کا حکومتی عہدے قبول کرنا تھا، چنانچہ شیخ موصوف لکھتے ہیں:

وقد كان ابن المبارك شديدًا علىٰ ابي يوسف لو لايته القضاء، ومجالسة الخلفاء، وقد غضب ابن المبارك علىٰ اسماعيل بن ابراهيم ابن علية لو لايته شيئًا خفيفا.[1]

''امام ابن المبارکؒ کی امام ابو یوسفؒ پر سخت تنقید کرنے کی وجہ امام ابو یوسف کا عہدہ قضاء قبول کرنا اور خلفاء کی مجالس اختیار کرنا ہے، جیسا کہ امام ابن المبارکؒ امام اسماعیل بن ابراہیم بن علیہؒ پر بھی غضب ناک تھے کیونکہ انہوں نے بھی کچھ حکومتی عہدے قبول کر لیے تھے۔''

اس اقتباس سے واضح ہو گیا کہ امام ابن المبارکؒ کی امام ابو یوسف پر تنقید (بشرط ثبوت) کی وجہ وہی تھی جو ان کی امام ابن علیہؒ پر تنقید کی وجہ تھی۔ اب اگر اس وجہ سے امام ابو یوسفؒ مجرم قرار پاتے ہیں تو پھر امام ابن علیہؒ (جو کہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور صحاح ستہ ان کی روایات سے بھری ہوئی ہیں) بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ لہٰذا علی زئی کو چاہیے کہ وہ امام ابو یوسفؒ پر تنقید کرنے سے پہلے امام ابن علیہ سے مروی احادیث پر خط تنسیخ کھینچ ڈالیں:

ع لیکن مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

۳۔ امام عبداللہ بن ادریس الکوفیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: عبداللہ بن ادریس الکوفی (نے فرمایا)

۱۔ التنکیل (۱/۴۷۹)

کان وابویوسف فاسقا من الفاسقین.

اور ابو یوسف فاسقوں میں سے ایک فاسق تھا۔ (الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۰ وسندہ صحیح)

نیز عبداللہ بن ادریس فرماتے ہیں کہ

رأیت أبا یوسف والذی ذهب بنفسه بعد موته فی المنام یصلی علیٰ غیر القبلة وسمعت وکیعا وسألهٗ رجل عن مسئالة فقال الرجل: ان ابا یوسف یقول: کذا وکذا، فحرک رأسه وقال: أقال تتقی الله، بابی یوسف تحتج عندالله.

''میں نے ابو یوسف کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا وہ قبلہ کے بغیر دوسری طرف نماز پڑھ رہا تھا، اور (یحییٰ بن محمد بن سابق نے کہا) میں نے ایک آدمی کو وکیع سے مسئلہ پوچھتے ہوئے سنا تو اس آدمی نے کہا: ابو یوسف تو یہ بات کہتے ہیں! وکیع نے (غصے سے) سر ہلاتے ہوئے کہا: کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ کیا تو اللہ کے سامنے ابو یوسف سے حجت پکڑے گا۔ (الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۲ وسندہ صحیح، یحییٰ بن محمد بن سابق روی عنه جماعة وقال الذهبی فی الکاشف ثقة.[1]

جواب: علی زئی نے امام ابن ادریس سے امام ابو یوسفؒ کے خلاف پہلا قول جو ذکر کیا ہے اس سے استدلال اس لیے درست نہیں کیونکہ امام ابن ادریس اگرچہ ثقہ حافظ الحدیث ہیں لیکن علمائے کوفہ کے سخت مخالف اور ان کے بارے میں طویل اللسان ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے امام یعقوب بن شیبہؒ سے ان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

کان یخالف الکوفیین.[2]

''عبداللہ بن ادریس اہل کوفہ کے مخالف تھے۔''

اور موصوف نے تقریباً تمام ائمہ کوفہ کے بارے میں سخت ریمارکس دیے ہیں۔ مثلاً امام ابو

---

۱. الحدیث (ش ۱۹، ص ۴۹)

۲. سیر اعلام النبلاء (۹/ ۴۲)

حنیفہؒ کہ جن کی فقہ پر ہر دور میں امت مسلمہ کی اکثریت عمل پیرا رہی، کو العیاذ باللہ، گمراہ تک کہہ دیا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا قول (**وابو یوسف فاسقا من الفاسقین**) کی ابتداء میں مذکور ہے۔ اسی طرح موصوف قراء سبعہ میں سے امام حمزہ بن حبیب کوفی کے بھی سخت مخالف تھے اور ان کی قرأت (جو کہ متواتر ہے) کو ناجائز قرار دیتے تھے۔

چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے ان سے نقل کیا ہے کہ

ما استجیز ان اقول لمن یقرأ لحمزة: انه صاحب سنة.[1]

میں اس شخص کو صاحب سنت (اہل سنت) کہنا جائز نہیں سمجھتا جو حمزہ کی قراءت کے مطابق قرآن پڑھتا ہے۔"

حافظ ذہبیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واللہ یغفرله، وقد تلقی المسلمون حروفه بالقبول، واجمعوا الیوم علیها.[2]

"اللہ تعالیٰ عبداللہ بن ادریسؒ کے اس گناہ کو معاف فرمائے، اس لیے کہ مسلمانوں نے امام حمزہؒ کے حروف (قراءت) کو شرف قبولیت بخشا ہے۔ اور آج تمام مسلمانوں کا ان کی قرأت (کے صحیح ہونے پر) اجماع ہے۔"

لہٰذا جو شخص ائمہ کوفہ سے اس قدر عداوت رکھتا ہو وہ اگر امام ابو یوسفؒ کو فاسق کہہ بھی دے تو اس کی اس بات کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ تو ایک مسلمہ اصول ہے کہ مخالف کی بات اس کے مخالف کے خلاف ناقابل سماعت ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام ذہبیؒ نے بھی تصریح کی ہے:

لا یسمع قول العدو فی عدوہ.[3]

کسی بھی مخالف کی اس کے مخالف کے بارے میں کوئی بات نہ سنی جائے۔

اور پھر انہوں نے امام ابو یوسفؒ کو فاسق تو کہہ دیا لیکن یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ آپ کا فسق کیا تھا؟ کیونکہ ایسا بلا دلیل دعویٰ ایک عام مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے تو امام ابو یوسفؒ جیسے جلیل القدر امام کے خلاف اس کو کون سنتا ہے؟

۱۔ سیر اعلام النبلاء (۹/ ۴۳)

۲۔ ایضاً

۳۔ سیر اعلام النبلاء (۱۳/ ۲۲۱، ترجمۃ ابن ابی داؤد)

نیز امام ادریسؒ، امام ابو یوسفؒ کے معاصر ہیں، اور معاصر کی جرح خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی غیر معتبر ہے، چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد معاصرانہ جرح کے متعلق لکھتے ہیں:

''اہل علم نے ''المعاصرۃ اصل المنافرۃ'' کا معروف جملہ ایسے ہی موقع پر استعمال کیا ہے۔ اور ایسی جرح بالاتفاق قابل سماعت نہیں۔[1]''

اسی طرح علی زئی نے امام ابن ادریسؒ سے امام ابو یوسفؒ کے خلاف جو خواب کا واقعہ نقل کیا ہے اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ خواب شرعی حجت نہیں ہے، اس سے نہ کوئی شرعی حکم ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس سے ہم کسی شخص کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ خود علی زئی نے امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق دیکھے گئے ایک خواب کے بارے میں لکھا ہے:

اس خواب اور دوسرے خوابوں کے یہاں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی خاص فائدہ ہے۔ دین کا دارومدار خوابوں پر نہیں بلکہ دلائل پر ہے۔[2]

نیز اگر خواب شرعی حجت ہے تو پھر علی زئی وغیرہ متعصب غیر مقلدین ان خوابوں کو معتبر کیوں نہیں سمجھتے جو امام ابو یوسفؒ اور دیگر ائمہ احناف کے حق میں دیکھے گئے ہیں۔

مثلاً علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ) نے ''امام محمد بن حسنؒ'' کے ترجمے میں امام محمویہؒ (جو کہ ابدال میں سے تھے) سے نقل کیا ہے کہ

''میں نے امام محمدؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے علم کا برتن اس لیے نہیں بنایا تھا کہ میں تجھے عذاب دوں۔''

امام محمویہؒ فرماتے ہیں: میں نے پوچھا کہ امام ابو یوسفؒ کا کیا بنا ہے؟

امام محمدؒ نے فرمایا: وہ (جنت میں) مجھ سے ایک طبقہ اوپر ہیں۔

میں نے پوچھا: امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ کیا ہوا؟

فرمایا: وہ تو امام ابو یوسفؒ سے بھی کئی طبقے اوپر ہیں۔[3]

۱۔ توضیح الکلام (۱/۲۳۸) ۲۔ الحدیث (ش: ۲۶، ص: ۱۹)

۳۔ تاریخ بغداد (۲/۱۷۸)، نیز دیکھئے اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (ص ۱۳۲، ۱۳۳) للامام الصمیریؒ

امام وکیعؒ سے منسوب جرح کا جواب جرح نمبر ۷ کے ذیل میں آرہا ہے۔

۴۔ امام یزید بن ہارونؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: یزید بن ہارون (نے فرمایا)

لایحل الروایة عنه، انه کان یعطی اموال الیتامی مضاربة، ویجعل الربح لنفسه.

اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے، یہ (ابو یوسف) یتیموں کے مال بطور مضاربت (تجارت میں) لگاتا اور اس کا نفع خود کھا جاتا تھا۔ (الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۰ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد: ۱۴/ ۲۵۸ وسندہ صحیح)[1]

جواب: اس قول کی سند کو صحیح کہنا باطل ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی احمد بن علی الآبار ہے جو کہ "الخوطی" سے مشہور ہے، حافظ ذہبیؒ نے اس کو "ضعفاء" (ضعیف راویوں) میں شمار کرتے ہوئے اس کے بارے میں تصریح کی ہے کہ

احمد بن علی الحنوطی، عن علی بن عبدالله بن مبشر الواسطی، بحدیث موضوع.[2]

"احمد بن علی الخوطی نے علی بن عبداللہ بن مبشر الواسطی سے موضوع حدیث روایت کی ہے۔"

نیز ذہبیؒ فرماتے ہیں:

وذکر خبرا موضوعا.[3]

اس نے جھوٹی حدیث ذکر کی ہے۔

اب جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرسکتا ہے اس سے کیا بعید ہے کہ اس نے مذکورہ قول کو اپنی طرف سے وضع کر کے امام یزید بن ہارونؒ کے ذمے لگالیا ہو؟ خصوصاً جب امام یزید بن ہارونؒ نے خود امام ابو یوسفؒ کے بارے میں تصریح کی ہے کہ

انا اروی عنه[4] کہ میں ان سے حدیث روایت کرتا ہوں۔

---

۱. الحدیث (ش ۱۹، ص ۴۹، ۵۰)
۲. المغنی فی الضعفاء (۱/۸۲)
۳. میزان الاعتدال (ت ۴۸۰)
۴. لسان المیزان (۶/۳۹۰)

اب اگر امام ابن ہارونؒ کے نزدیک امام ابو یوسفؒ سے حدیث روایت کرنا حلال نہ ہوتا تو پھر خود وہ ان سے احادیث کی روایت کیوں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ من گھڑت قول مذکورہ راوی احمد بن علی الآبار کی کارستانی ہے۔

نیز یہ بات بھی قطعاً بے بنیاد ہے کہ امام ابو یوسفؒ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھا جاتے تھے کیونکہ علامہ خطیب بغدادیؒ وغیرہ محدثین نے خود امام ابو یوسفؒ سے سند متصل کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنی مرض وفات میں فرمایا:

الھم انک تعلم انی لم آکل درھما حراما قط وانا اعلم۔[1]

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے جان بوجھ کر ایک درہم بھی حرام کا کبھی نہیں کھایا۔"

بنابریں اگر امام ابن ہارون سے منسوب اس قول کو صحیح بھی باور کرلیا جائے تب بھی یہ امام ابو یوسفؒ کے اپنے اس مذکورہ قول کے مقابلے میں کالعدم ہے۔

۵۔ امام مالک بن انسؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: ایک دفعہ مالک بن انس مدینہ میں امیر المومنین ہارون (الرشید) کے پاس گئے، وہاں ابو یوسف بھی تھے، اس (خلیفہ) نے دو دفعہ کہا: اے ابوعبداللہ (مالک بن انس)! یہ قاضی ابو یوسف ہیں۔ (امام مالک نے فرمایا) میں نے کہا: جی ہاں اے امیر المومنین! اور میں نے (قاضی) ابو یوسف کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اس نے دو یا تین دفعہ کہا۔ ابو یوسف بولا: اے ابوعبداللہ! اس مسئلے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو میں نے کہا: اے فلاں! اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں باطل لوگوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہاں آ کر مجھ سے (مسئلے) پوچھنا (الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۱ وسندہ صحیح، عبداللہ بن احمد بن شبویہ، مستقیم الحدیث/ الثقات لابن حبان: ۸/۳۶۶ ولہ ترجمۃ فی تاریخ بغداد: ۹/۳۷۱ وغیرہ) معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک قاضی ابو یوسف اہل باطل میں سے تھے۔[2]

جواب: اس قول کی سند کو صحیح کہنا علی زئی کا دھوکہ ہے، اس لیے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن احمد بن شبویہ کے متعلق سوائے امام ابن حبانؒ کے کسی کی توثیق معلوم نہیں ہے، اور خود علی

1۔ تاریخ بغداد (۱۴/۲۵۶) 2۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۰)

زئی نے ماقبل امام ابو یوسفؒ کے بارے میں امام وکیعؒ کے توثیقی قول کے ایک راوی نجیح بن ابراہیم کو محض اس لیے ضعیف قرار دیا ہے کہ اس کی سوائے ابن حبان کے کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔

علی زئی کا دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ جب امام ابن حبانؒ کی منفرد توثیق ان کے حق میں ہو تو پھر وہ معتبر ہے لیکن اگر یہ ان کے خلاف واقع ہو تو پھر ان کے نزدیک یہ غیر معتبر بن جاتی ہے۔

تیری بات کو بت حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے، کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

نیز اس سند کے بنیادی راوی امام عقیلیؒ ہیں جن کی روایت احناف کے خلاف ان کے تعصب کی وجہ سے معتبر نہیں ہے، پھر ان کا استاذ ہیثم بن خلف بھی متکلم فیہ ہے۔ جیسا کہ امام ابن المبارکؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزرا ہے۔

علاوہ ازیں اس واقعہ کے ناقل معن بن عیسیٰ نے یہ کوئی وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے یہ واقعہ خود امام مالکؒ سے سنا ہے؟ یا کسی اور راوی سے روایت کیا ہے؟ اور پھر وہ راوی ثقہ ہے یا ضعیف ہے؟ فَإِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ۔ علی زئی کے ایک انتہائی ممدوح علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) ایسی روایت کو منقطع قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ موصوف عبداللہ بن ادریس کی ایک روایت جو انہوں نے محمد بن اسحاق سے قال (محمد بن اسحاق نے کہا) سے بیان کی ہے، کے متعلق لکھتے ہیں:

والاول منقطع، لان ابن ادریس لم یذکر انہ سمعہ من ابن اسحٰق[1]

پہلی روایت (ابن ادریس والی) منقطع ہے، کیونکہ اس میں ابن ادریس نے یہ کوئی وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے محمد بن اسحاق سے یہ روایت خود سنی ہے۔

ان سب وجوہات کے باوجود علی زئی کا اس قول کی سند کو صحیح کہنا انتہائی تعجب خیز ہے۔

ثانیاً: اس قول کی سند سے قطع نظر بھی اس سے علی زئی کا امام ابو یوسفؒ کو اہل باطل میں سے ثابت کرنا باطل ہے کیونکہ اس سے تو آپ کا اہل حق میں سے ہونا ثابت ہو رہا ہے اس لیے کہ امام مالکؒ نے آپ کے سوال کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ آپ اہل باطل میں سے ہیں

[1] المحلی شرح المجلی (۸/۱۶۸)

بلکہ یہ کہا کہ جب آپ مجھے اہل باطل کی مجلس میں دیکھیں تو پھر مجھ سے یہ سوال کرنا۔
اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک وہ مجلس (جس میں امام ابو یوسفؒ بھی شریک تھے) اہل حق کی مجلس تھی۔

بلکہ اس واقعہ کو اگر ثابت مان لیں تو پھر اس سے امام مالکؒ پر، اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ، یہ الزام آئے گا کہ وہ اہل باطل کی مجالس میں بھی شریک ہو جایا کرتے تھے، اس لیے تو امام ابو یوسفؒ کو کہہ رہے ہیں کہ جب میں اہل باطل کی مجلس میں جاؤں تو پھر مجھ سے یہ مسئلہ پوچھنا۔ لہٰذا یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے۔

ثالثاً: اگر کوئی اس جھوٹے واقعہ کو صحیح کہنے پر ہی مُصر ہے تو بھی اس واقعہ کو امام ابو یوسفؒ کے خلاف پیش کرنا غلط ہے اس لیے کہ علی زئی صاحب کے انتہائی ممدوح اور مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری نے امام مالکؒ کی جرح کے جواب میں لکھا ہے کہ

امام مالکؒ کے متعلق بھی اہل علم کو شکوہ ہے کہ وہ ناروا ائمہ ثقات ومعروفین پر کلام کرتے ہیں اور ان سے روایت نہیں لیتے۔[1]

خود زبیر علی زئی نے امام مالک کو محمد بن اسحاق کے خلاف جرح کرنے پر نشانہ تنقید بناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

امام مالک وغیرہ نے ذاتی دشمنی کی وجہ سے انہیں شدید جروح کا نشانہ بنایا ہے۔[2]

ارشاد اثری صاحب کے اس ارشاد اثریہ اور علی زئی کے ارشاد عالیہ کے بعد امام مالکؒ کی امام ابو یوسفؒ کے خلاف جرح (بشرط ثبوت) کی، کیا وقعت رہ جاتی ہے؟

۶۔ امام سفیان ثوریؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: عبید اللہ بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری کے سامنے ابو یوسف اور (.....)۔[3] کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

۱۔ توضیح الکلام (۱/۲۶۷)

۲۔ الکواکب الدریہ (ص ۴۳)

۳۔ علی زئی نے یہ بین القوسین (بریکٹ میں) خالی جگہ کیوں چھوڑ دی ہے یہ وہی بہتر جانتے ہیں، لیکن

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ومن هؤلاء ثم وماهؤلاء. اور یہ لوگ کون ہیں؟ اور یہ لوگ کیا ہیں؟ (کتاب المعرفۃ والتاریخ:۲/۷۹۱ وسندہ صحیح)

جواب: امام ثوریؒ سے اس واقعہ کا راوی عبید اللہ موسیٰ متکلم فیہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ، امام عثمان بن ابی شیبہؒ، امام یعقوب بن سفیانؒ، امام ابو مسلم بغدادیؒ، اور دیگر محدثین نے اس پر جرح کی ہے، خاص کر اس کی ان احادیث پر جو امام سفیان ثوری سے روایت کی ہیں، اور یہ روایت بھی اس کی امام ثوریؒ سے ہے۔

اسی طرح یہ متکلم فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ اور رافضی بھی ہے، امام ابن سعدؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وكان يشيع ويروى احاديث فى التشيع منكرة وضعف بذلك عند كثير من الناس.

"یہ شیعہ ہے، اور اس نے شیعہ مذہب کی تائید میں منکر حدیثیں روایت کی ہیں اور اسی وجہ سے یہ اکثر لوگوں کے نزدیک ضعیف ہے۔"

امام یعقوب بن سفیان الفارسیؒ (جن کی طرف منسوب "کتاب المعرفۃ" سے علی زئی نے مذکورہ قول کو نقل کیا ہے) سے منقول ہے کہ:

شيعى وان قال قائل رافضى لم انكر عليه وهو منكر الحديث.

"یہ شیعہ ہے، اور اگر کوئی شخص اس کے رافضی ہونے کا قائل ہو تو میں اس کا انکار نہیں کرتا، نیز یہ منکر الحدیث ہے"

امام ساجیؒ فرماتے ہیں: كان يفرط فى التشيع۔ کہ یہ غالی شیعہ تھا۔

اسی طرح امام ابن حبانؒ، امام ابن قانعؒ اور دیگر محدثین نے بھی اس کو شیعہ قرار دیا ہے۔[1]

علی زئی کو امام ابو یوسفؒ جیسے امام اہل سنت کے خلاف ایسے متکلم فیہ اور غالی شیعہ راوی کی روایت کو پیش کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

علاوہ ازیں مذکورہ قول کے ماخذ "کتاب المعرفۃ والتاریخ" کو امام یعقوب بن سفیان

[1] ان اقوال کے لیے دیکھئے تھذیب التھذیب (۴/۳۶، ۳۷) وغیرہ

سے روایت کرنے والا منفرد راوی عبداللہ بن جعفر بن درستویہ بھی مجروح اور متکلم فیہ راوی ہے، جیسا کہ امام ابن المبارکؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزرا ہے۔ لہٰذا ایسے راویوں کی روایات کی بنیاد پر ائمہ کبار کو مجروح ثابت کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اور پھر اس قول کا تعلق روایت حدیث سے بھی نہیں ہے، اور نہ یہ جرح میں صریح ہے، اس لیے کہ ممکن ہے کہ امام ثوری نے یہ بات بطور مدح کی ہو کہ

یہ لوگ کس قدر عظیم الشان ہیں، اور ان کا رتبہ کتنا اعلیٰ ہے؟

اور ما قبل امام ابن المبارکؒ سے منسوب جرح کے جواب میں مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد کا یہ بیان گزرا ہے کہ

یاد رکھنا چاہیے حتیٰ الامکان اگر کوئی کلام کسی توجیہ سے صحیح بن سکتا ہو تو اس کو صحیح ہی سمجھنا چاہیے۔

۷۔ امام سفیان بن عیینہؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: سفیان بن عیینہ ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ابو یوسف ایک مدت تک مجھ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھتا رہا لیکن میں اسے اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا کہ اسے حدیث سنائی جائے۔ ایک دن ہم (امیر المؤمنین) ہارون (الرشید) کے پاس تھے، ابو یوسف نے اس سے کہا: اس کے پاس ایک اچھی (حسن) حدیث ہے، آپ اس سے پوچھیں۔ پس خلیفہ نے پوچھا تو میں نے اسے حدیث سنا دی، پس اس حدیث کو ابو یوسف نے چرا لیا۔ (الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۳ وسندہ صحیح)۔[1]

جواب: اس قول کی ابتدائی سند سے قطع نظر اس قول کو امام ابن عیینہؒ سے نقل کرنے والا محمد بن عیسیٰ بن نجیح ہے جو کہ ابن الطباع سے مشہور ہے، اور یہ باقرار علی زئی مدلس ہے، چنانچہ علی زئی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

ذکرہ فی المدلسین: العلائی (ص ۱۰۹) وابوزرعة ابن العراقی (۵٦) والسیوطی (۵۰) والحلبی (ص ۵۲) والذھبی والمقدسی، والدمینی (۳/۱۴۵) ورماہ الطحاوی بالتدلیس۔

۱۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۰)

(مشکل الآثار:۱/۱۰۰،۱۰۱)[1]

اس کو العلائیؒ، ابوزرعہؒ، ابن العراقیؒ، سیوطیؒ، ذہبیؒ، مقدسیؒ، اور امیمیؒ نے مدلسین میں ذکر کیا ہے، اور امام طحاویؒ نے بھی ''مشکل الآثار'' میں اس پر تدلیس کا الزام لگایا ہے۔

اس ابن الطباع جس کو خود علی زئی بھی مدلس کہہ رہے ہیں، نے امام ابن عیینہؒ سے مذکورہ قول کو یوں نقل کیا ہے:

قال ابن الطباع، قال سفیان......

اب یہاں ابن الطباع نے امام ابن عیینہؒ سے سماع کی تصریح نہیں کی بلکہ صرف یوں کہا کہ سفیان نے فرمایا......

اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ

مدلس کی صرف وہی حدیث قبول کی جائے جس میں وہ سماع کی تصریح کرے۔[2]

اور یہ بھی انہوں نے لکھا ہے کہ

قالَ اور سَمِعْتُ میں بڑا فرق ہے۔ قال (اس نے کہا) کا لفظ تصریح سماع کی لازمی دلیل نہیں ہوتا۔[3]

علی زئی صاحب یہ ساری باتیں تسلیم کر لینے کے باوجود اس قول کی سند کو جو صحیح کہہ رہے ہیں اس کے جواب میں ہم ان کو فی الحال صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں:

ع آپ کو عادت ہے لکھ کر بھول جانے کی

اور یہ اس لیے کہ:

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

ثانیاً: اگر اس قول کو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو بھی اس سے امام ابو یوسفؒ کی کوئی تنقیص ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو آپ کا حدیث سے شغف اور جذبہ طلبِ حدیث ثابت ہو رہا ہے کہ

---

۱. الفتح المبین (ص ۶۱)

۲. نور العینین (ص ۱۲۲)

۳. نصر الباری (ص ۸۹)

آپ ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لیے کتنی کوشش وبسیار کرتے رہے اور بالآخر اس کو حاصل کر کے ہی رہے۔

۸۔ امام بخاریؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (نے فرمایا) ترکوہ. یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔

(التاریخ الکبیر ۸/ ۳۹۷)

نیز فرمایا: ترکہ یحیی و عبدالرحمن ووکیع وغیرھم (الضعفاء الصغیر: ۴۲۵ وتحفۃ الاقویاء ص ۱۲۲)[۱]

جواب: امام بخاریؒ کا پہلا قول: "ترکوہ" خود علی زئی اور دیگر غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر جرح ہے۔ چنانچہ علی زئی ایک راوی پر اس طرح کی جرح "تکلموا فیہ" کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ یہ اکثریت کی توثیق کے خلاف ہے۔
۲۔ یہ جرح غیر مفسر ہے۔
۳۔ اس کا جارح نامعلوم ہے۔[۲]

بنابریں امام بخاریؒ کی امام ابو یوسفؒ کے خلاف یہ جرح "ترکوہ" بھی ان تین وجوہ سے باطل ہیں:

۱۔ یہ اکثر محدثین (جن میں سے ۵۱ کے توثیقی اقوال ہم ماقبل نقل کر آئے ہیں) کے خلاف ہے۔
۲۔ یہ جرح بھی غیر مفسر ہے۔
۳۔ یہاں بھی امام ابو یوسفؒ کو ترک کرنے والے لوگ مجہول ہیں۔

نیز علی زئی کے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد اسی طرح کے ایک قول "لینوہ" کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

۱ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۰)

۲ نور العینین (ص ۱۰۷)

امام دار قطنیؒ نے اگر "لینوہ" کہا ہے تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔[۱]

نیز لکھتے ہیں: اگر جارح مجہول ہے تو اہل علم نے جرح کو قبول نہیں کیا۔[۲]

مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ غیر مقلد نے بھی لکھا ہے کہ:

جارح مجہول کی جرح غیر معتبر و نامقبول ہے۔[۳]

بنابریں ہم کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں جو "ترکوہ" فرمایا ہے اس میں بھی تارکین مجہول ہیں لہٰذا اس جرح کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور پھر امام بخاریؒ کا یہ قول امام یحییٰ بن معینؒ کے قول کے مقابلے میں کالعدم ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ: میں خود بھی اور دیگر محدثین بھی ہمیشہ امام ابو یوسفؒ سے حدیث کی روایت کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا امام ابن معینؒ جو کہ امام بخاریؒ سے زیادہ ثقہ بھی ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے معاصر بھی ہیں، کے قول کو امام بخاریؒ، جو امام ابو یوسفؒ کے زمانے میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، کے قول پر راجح ہے۔

اسی طرح امام بخاریؒ سے منسوب دوسرا قول: "ترکه یحی...... الخ" بھی کئی وجوہ سے غیر معتبر ہے۔

(۱) "کتاب الضعفاء" کی سند امام بخاریؒ تک مشکوک ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابوعبداللہ محمد بن احمد الفارانی کی توثیق باقرار علی زئی ثابت نہیں ہے۔[۴]

اسی طرح اس میں کئی اور امور بھی محل اشکال ہیں۔ والتفصیل لموقع اخر۔

(۲) اگر اس کتاب کے مطبوعہ نسخے کی نسبت امام بخاریؒ تک صحیح بھی ہو تو پھر بھی اس سے استدلال خود علی زئی کے مسلمات کی روشنی میں بھی باطل ہے کیونکہ یہاں امام بخاریؒ نے جن تین محدثین، امام یحییٰ بن سعیدؒ، امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، اور امام وکیعؒ کی طرف امام

۱۔ توضیح الکلام (۱/۵۳۴)

۲۔ توضیح الکلام (۱/۵۳۴)

۳۔ تحقیق الکلام (۱/۶۳)

۴۔ تحفة الاقویاء (ص ۷)

ابو یوسفؒ کو ترک کرنے کی نسبت کی ہے ان میں سے کسی ایک سے بھی امام بخاریؒ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اور خود علی زئی نے ایک راوی کے متعلق امام یحییٰ بن معین کے قول: وکان شعبة یضعفه (امام شعبہؒ اس کو ضعیف قرار دیتے تھے) کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ابن معین ۱۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور شعبہ بن الحجاج ۱۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ یعنی یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔[1]

لہٰذا علی زئی کے اس اصول کی روشنی میں امام بخاریؒ کا یہ مذکورہ قول بھی منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۳) اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ان مذکورہ تین محدثین نے امام ابو یوسفؒ کو ترک کر دیا تھا لیکن غیر مقلدین کے استاذ العلما مولانا محمد گوندلویؒ صاحب نے تصریح کی ہے کہ:

کسی شخص کا کسی راوی سے روایت ترک کر دینا کوئی مفسر جرح نہیں۔ لہٰذا توثیق کے بعد معتبر نہیں۔[2]

اور خود علی زئی نے بھی لکھا ہے کہ

ایک ثقہ راوی (جیسے امام ابو یوسفؒ ہیں کہ جن کی پچاس سے زائد محدثین نے توثیق کی ہے۔ ناقل) سے اگر کوئی ثقہ راوی روایت ترک کر دے تو وہ ثقہ راوی متروک نہیں بن جاتا۔[3]

الغرض امام بخاریؒ کی طرف منسوب یہ دونوں قول خود معترض اور دیگر غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی غیر معتبر ہیں۔

۹۔ امام وکیع بن جراحؒ سے منسوب جرح کا جواب:

امام ابن ادریسؒ کی جرح میں علی زئی نے بحوالہ "کتاب الضعفاء للعقیلی" نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن محمد بن سابق نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو امام وکیع سے مسئلہ پوچھتے ہوئے سنا تو اس

---

[1] الحدیث (ش ۲۲، ص ۱۷)

[2] خیر الکلام (ص ۱۶۳)

[3] نصر الباری (ص ۳۵)

آدمی نے کہا: ابو یوسف تو یہ بات کہتے ہیں، وکیع نے سر ہلاتے ہوئے کہا: کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ کیا تو اللہ کے سامنے ابو یوسف سے حجت پکڑے گا؟

جواب: اس قول کی سند میں احمد بن علی الآبار ہے، اور امام یزید بن ہارونؒ سے منسوب جرح کے جواب میں، بحوالہ حافظ ذہبیؒ گزرا ہے کہ اس نے ایک موضوع حدیث روایت کی ہے۔ لہٰذا اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نیز اس وقعہ کے ناقل یحیٰی بن محمد بن سابق کو اگرچہ حافظ ذہبیؒ نے ''الکاشف'' میں ثقہ کہا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''تقریب التہذیب'' (جس کے بارے میں خود علی زئی نے اقرار کیا ہے کہ اس میں راوی کے متعلق وہی قول ذکر کیا جاتا ہے جو سب اقوال میں ''اَعْدَلُ الْاَقْوَال'' (سب سے زیادہ انصاف والا) ہو) لکھیں اس کو مقبول قرار دیتے ہیں۔[۲]

اور خود علی زئی کے نزدیک بھی حافظ ابن حجرؒ کے قول ''مقبول'' کا مطلب یہ ہے کہ اس راوی کی روایت صرف متابعت کی صورت میں مقبول ہے ورنہ نہیں، چنانچہ علی زئی ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: ابن حجر نے ''مقبول'' (یعنی عند المتابعۃ) قرار دیا۔[۳]

علی زئی کے ان دو اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ یحیٰی بن محمد بن سابق کے متعلق ''اَعْدَلُ الْاَقْوَالُ'' یہ ہے کہ جب اس کی روایت کا متابع ہو تو وہ مقبول ہے ورنہ اس کی وہ روایت مردود شمار ہوگی۔

اور یہاں اس کی روایت کا کوئی متابع نہیں ہے (من ادّعی خِلَافَهٗ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ) لہٰذا اس کی یہ روایت بھی مردود ہے، اور علی زئی کا اس ''اَعْدَلُ الْاَقْوَالُ'' قول کو چھوڑ کر ''غیر اَعْدَلُ الْاَقْوَالُ'' قول نقل کرنا بھی باطل ہے۔

نیز اس راوی کے متعلق امام ابو حاتم رازیؒ نے اس کی احادیث کو دیکھ کر فرمایا:
ولم اکتب عنہ[۴] کہ میں اس سے حدیث نہیں لکھتا۔

---

۱. الحدیث (ش ۴، ص ۱۱)
۲. تقریب التھذیب (۳۱۴/۲)
۳. القول المتین (ص ۳۹)
۴. الجرح والتعدیل (۱۸۵/۹)

اس کے بالمقابل انہوں نے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں فرمایا (جیسا کہ آپ کی توثیق میں گزرا ہے): یکتب حدیثه۔

کہ ان کی حدیث لکھنے کے قابل ہے۔

اب جس شخص کی حدیث امام ابو حاتمؒ کے نزدیک لکھنے کے قابل ہے وہ تو علی زئی کے ہاں ضعیف قرار پائے، اور جس کی حدیث امام ابو حاتمؒ کے نزدیک لکھنے کے ہی قابل نہیں ہے اس کو علی زئی ثقہ ثابت کر رہے ہیں۔ یہ ان کا عجیب انصاف ہے۔

اور پھر اس قول کا تعلق روایت حدیث بھی نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی مسائل سے متعلق ہے، اور اجتہادی مسائل میں اہل علم کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا مشہور و معروف ہے۔

نیز امام وکیعؒ نے سائل کو جو یہ کہا کہ "کیا تو اللہ کے سامنے ابو یوسفؒ سے حجت پکڑے گا" تو ممکن ہے کہ اس شخص نے امام ابو یوسفؒ کا قول حدیث کے مقابلے میں پیش کیا ہو جس پر امام وکیعؒ نے اس کو ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ حدیث کے مقابلے میں امام ابو یوسفؒ کا قول پیش کر کے تو عِندَاللہ بَرِیُّ الذِّمَّہ نہیں ہو سکتا۔ فلا اشکال۔

۱۰۔ امام ابو زرعہ رازیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ابو زرعه الرازی ذکره فی کتابه (کتاب الضعفاء: ۶۷۶ ج ۲) وقال: یعقوب بن ابراهیم ابو یوسف الذی کان علی القضاء یعنی صاحب ابی حنیفة۔[1] (کہ ابو زرعہ رازی نے ابو یوسفؒ کو اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے)۔

جواب: امام ابو زرعہؒ کی طرف منسوب کتاب "اسامی الضعفاء" کو ان سے نقل کرنے والے ابو عثمان برزعیؒ (م ۲۹۲ھ) ہیں، اور انہوں نے خود اس کتاب کے شروع میں تصریح کر دی ہے کہ میں نے ان ضعفاء کے ناموں کو ابو زرعہؒ کی لکھی ہوئی تحریر سے نقل کیا ہے، لیکن

ولم اسمعه منه۔[2] میں نے اس تحریر کو ان سے سنا نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ان کو امام ابو زرعہؒ سے نہ سماع ہے، اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ اس کتاب کو روایت کرنے کی ان کو امام ابو زرعہؒ سے اجازت حاصل ہے۔ اور خود زبیر علی زئی

۱۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۰)

۲۔ سوالات البرزعی لابی زرعة (ص ۳۰۷)

نے شیخ احمد شاکرؒ غیر مقلد کے حوالے سے لکھا ہے کہ راوی کی روایت کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری ہے اس کا سماع اپنے استاد سے ثابت ہو اور وہ قابلِ اعتماد اصل (نسخہ) سے روایت بیان کرتا ہو۔[1]

نیز زبیر علی زئی نے حدیث کی مشہور و متداول کتاب ''مصنف عبدالرزاق'' کو اس لیے مشکوک قرار دے دیا کہ امام عبدالرزاق سے اس کتاب کو نقل کرنے والے راوی دبری نے اپنی کم عمری میں ان سے اس کا سماع کیا تھا۔[2]

جب کہ یہاں تو برزعی کا ابوزرعہؒ سے سرے سے ہی سماع نہیں ہے تو پھر اس کو کیسے معتبر سمجھا جا سکتا ہے؟

ثانیاً: اگر اس کتاب کی نسبت امام ابوزرعہؒ کی طرف صحیح بھی ہے تو پھر بھی کوئی مضر نہیں کیونکہ امام ابوزرعہؒ کے اس بیان میں یہ کوئی وضاحت نہیں کہ انہوں نے کیوں امام ابو یوسفؒ کو ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کیا ہے؟ ان کی مذکورہ عبارت (جس میں انہوں نے آپ کے عہدہ قضاء کا ذکر کیا ہے) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا سبب امام ابو یوسفؒ کا عہدہ قضاء قبول کرنا ہے، اور یہ بات کوئی قابل جرح نہیں ہے اور نہ ہی اس سے امام موصوف کے محدثانہ مقام پر کوئی زد پڑ سکتی ہے، اس لیے کہ دیگر کئی نامور محدثین پر بھی عہدہ قضاء کی وجہ سے تنقید کی گئی ہے لیکن آج کتب حدیث ان سے مالا مال ہیں اور وہ علم حدیث کے سپوت سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً امام عبداللہ بن مبارکؒ سے منسوب جرح کے جواب میں شیخ عبدالرحمٰن الیمانیؒ غیر مقلد کا حوالہ گزر چکا ہے کہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور بلند پایہ محدث امام اسماعیل بن علیہؒ پر امام عبداللہ بن مبارکؒ نے محض اس لیے تنقید کی تھی کہ انہوں نے عہدہ قضاء قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا ہم کسی کو عہدہ قضاء قبول کرنے کی وجہ سے ضعیف نہیں قرار دے سکتے ورنہ پورے ذخیرہ حدیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ دیدہ باید۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام ابوزرعہؒ نے امام ابو یوسفؒ کو ''کتاب الضعفاء'' میں اس لیے ذکر کیا کہ آپ ان کے گمان میں جہمی تھے۔ جیسا کہ خود علی زئی نے بھی ان سے اسی مذکورہ

1۔ الحدیث (۵۵/۴۶)

2۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۶۹)

کتاب کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

لیکن شکر ہے کہ علی زئی نے خود ہی اس کی تردید کردی اور صاف لکھ دیا کہ ان کا یہ قول ان کے دوسرے قول سے معارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہے جو ''تاریخ بغداد'' میں صحیح سند کے ساتھ ان سے منقول ہے کہ امام ابو یوسفؒ ''جہمیت'' سے پاک تھے۔[1]

ع وَالْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءِ

الحاصل: امام ابوزرعہؒ کی امام ابو یوسفؒ پر یہ تنقید عہدہ قضاء کی وجہ سے ہو یا جہمی ہونے کے گمان پر ہو، دونوں صورتوں میں اصول جرح کے خلاف ہونے کی بنا پر نا قابلِ قبول ہے۔

۱۱۔ امام ابوحاتم رازیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ابو حاتم الرازی (نے کہا) یکتب حدیثه وهو احب الی من الحسن اللؤلؤی. (الجرح والتعدیل ۹/۲۰۲) ابن ابی حاتم کے نزدیک جو شخص صرف ''یکتب من حدیثه'' ہو وہ لایحتج بحدیثه فی الحلال والحرام ہوتا ہے۔ دیکھئے تقدمۃ الجرح والتعدیل (۱/ ۷) یعنی اس کی حدیث حجت نہیں ہوتی......[2]

جواب: ہم امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں بحوالہ علمائے غیر مقلدین ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابو حاتمؒ کا کسی راوی کے متعلق ''یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ'' کہنا اس راوی کی توثیق پر دلیل ہے، اگر چہ اس کے ساتھ وہ ''لَایُحْتَجُ بِهٖ'' وغیرہ الفاظ جرح بھی کیوں نہ استعمال کریں، اور یہاں تو انہوں نے امام ابو یوسفؒ کے متعلق صرف ''یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ'' کہا ہے اور آپ کے بارے میں جرح کا ادنیٰ سا کلمہ بھی استعمال نہیں کیا لہٰذا آپ کا ان کے نزدیک ثقہ ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہورہا ہے۔

لیکن علی زئی کو ان کی دیانت داری کی داد دیجئے کہ جو کلمہ خود ان کے اپنے علماء کے نزدیک بھی الفاظ توثیق میں سے ہے اس کو وہ امام ابو یوسفؒ کے خلاف بطور جرح استعمال کر رہے ہیں۔

ع ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہیے

اور پھر علی زئی نے ''تقدمه الجرح والتعدیل'' کا جو حوالہ دیا ہے وہ بھی محض ''سوال از

[1] الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۰) [2]. ایضاً

آسماں جواب از ریسماں'' کا مصداق ہے کیونکہ وہ قول پیش کر رہے ہیں ابو حاتم کا، اور اس قول کو جرح ثابت کرنے کے لیے حوالہ پیش کر رہے ہیں (عبدالرحمٰن) ابن ابی حاتم کا کہ ان کے نزدیک ایسے راوی کی حدیث حجت نہیں ہوتی۔

اور پھر اس حوالہ سے علی زئی جو غلط مطلب کشید کر رہے ہیں وہ بھی صرف ان کا دھوکہ اور دجل وفریب ہے ورنہ اس حوالہ کا مذکورہ موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ امام ابن ابی حاتم کی پوری عبارت یوں ہے:

ومنهم الصدوق الورع المغفل الغالب عليه الوهم والخطأ والسهو والغلط. فهذا يكتب من حديثه الترغيب والترهيب والزهد والاداب ولا يحتج بحديثه في الحلال والحرام.[1]

''راویوں میں سے جو شخص سچا اور متقی ہو لیکن وہ غافل ہو کہ اس پر وہم، خطاء، بھول، اور غلطیوں کا غلبہ ہو تو ایسے شخص کی صرف وہی حدیث لکھی جائے گی جو ترغیب، ترہیب، زہد، اور آداب سے متعلق ہو، لیکن اس کی حدیث حلال وحرام میں حجت نہیں ہوگی۔

دیکھئے: اس بیان میں امام ابن ابی حاتم ''الفاظ جرح'' کی تفصیل بیان نہیں کر رہے بلکہ راویوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ بعض راوی راست باز اور متقی ہونے کے باوجود غافل ہوتے ہیں اور ان پر وہم وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے، ایسے راویوں کی حدیث ترغیب وغیرہ میں تو لکھی جائے گی لیکن ان کی حدیث حلال وحرام میں حجت نہیں ہوگی۔

یہ عبارت بالکل صاف ہے اور اس کا علی زئی کے دعویٰ سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہیں ہے۔ لیکن وہ محض امام ابو یوسفؒ کو بدنام کرنے کے لیے عبارت میں قطع وبرید کر کے اس کا غلط مطلب پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

باقی علی زئی نے حافظ ذہبیؒ اور امام ابن عدیؒ کے جو حوالے پیش کیے ہیں ان کا جواب امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں گزر چکا ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک بھی ایسا راوی حسن

---

[1] الجرح والتعدیل (۱/۶،۷)

الحدیث ہوتا ہے۔لہٰذا علی زئی کے ہاتھ سے یہ دونوں حوالے بھی نکل گئے ہیں۔

ع جن پہ بھروسا تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

اور بالفرض تسلیم کرلیں کہ امام ابوحاتم کے نزدیک امام ابو یوسفؒ "لَایُحْتَجُّ بِہٖ" ہیں، تو پھر بھی اس سے امام ابو یوسفؒ کے محدثانہ مقام پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ خود علمائے غیر مقلدین (مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا مبارکپوریؒ وغیرہ) نے تصریح کی ہے کہ اگر ابوحاتم کسی کو صراحتاً بھی "لَایُحْتَجُّ بِہٖ" کہیں تو اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ متعنت ہیں، اور یہ کلمہ راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے۔[1]

۱۲۔ امام احمد بن حنبلؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: احمد بن حنبل (نے کہا): صدوق ولکن من اصحاب ابی حنیفة لاینبغی ان یروی عنه شی۔ (الجرح والتعدیل: ۹/ ۲۰۱ وسنده صحیح)

وانا لا احدث عنه (تاریخ بغداد: ۱۴/ ۲۶۰ وسنده صحیح)

تنبیہ: امام احمد کا ایک قول ہے: وکان منصفا فی الحدیث. اور وہ (ابو یوسف) حدیث میں منصف (درمیانہ) تھا۔

(تاریخ بغداد: ۱۴/ ۲۶۰ وسنده صحیح)

یعنی وہ روایت حدیث میں آدھے راستے پر تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: وکان یعقوب ابو یوسف متصفا فی الحدیث (تاریخ بغداد: ۲/ ۷۹ او سنده صحیح)

حافظ ابن حجر نے اسے: "کان ابو یوسف مضعفا فی الحدیث" کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

(لسان المیزان: ۵۵/ ۱۲۲ والحدیث: شمارہ ۷ ص ۱۵)

یہ متعارض و مختلف اقوال "لا احدث عنه" اور لاینبغی ان یروی عنه شی" کی رو سے منسوخ وساقط الاحتجاج ہیں۔[2]

---

[1] توضیح الکلام (ص ۴۹۶)، ابکار المنن، تحقیق الکلام (۱/ ۹۳)

[2] الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۱)

جواب: علی زئی نے امام احمدؒ کے جو دو اقوال امام ابو یوسفؒ کے خلاف پیش کیے ہیں یہ دونوں ساقط الاحتجاج ہیں نہ کہ ان کے آپ کے بارے میں توثیقی اقوال۔

اول: اس لیے کہ امام احمدؒ کے اس بیان میں صاف تصریح ہے کہ امام ابو یوسفؒ صدوق ہیں۔

اور غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

محدثین نے توثیق کے چار پانچ مراتب بیان کیے ہیں۔ صدوق کو دوسرے یا تیسرے مرتبے میں لیا ہے۔[1]

اسی طرح امام احمدؒ نے آپ کو ''منصف فی الحدیث'' (حدیث میں انصاف پسند)، ''متصف فی الحدیث'' (حدیث میں قابل وصف) اور ''اَبْصَرُ النَّاسِ بالآثار'' (لوگوں میں حدیث کی سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والا) قرار دیا ہے۔ ان کے یہ اقوال ہم ماقبل بحوالہ نقل کر چکے ہیں، اور ان میں سے بعض خود علی زئی نے بھی یہاں نقل کیے ہیں۔ نیز امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں متعدد محدثین کے حوالہ سے گزرا ہے کہ امام احمدؒ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ امام احمدؒ نے آپ کی زبردست توثیق و توصیف کی ہے تو پھر بعض متعصب راویوں[2] کا ان سے یہ نقل کرنا کہ امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب (امام ابو یوسفؒ وغیرہ) سے حدیث روایت کرنا نامناسب ہے۔'' انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

۱۔ خیر الکلام (ص ۱۵۹)

۲۔ ان متعصبین میں سے ایک امام عبد الرحمن بن ابی حاتم مؤلف ''الجرح والتعدیل'' بھی ہیں، یہ ائمہ احناف کے خلاف اقوال نقل کرنے میں بعض دفعہ ایسی غلط بیانیاں کرتے ہیں کہ اصل بات کو ہی بالکل بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً امام معلی بن منصور رازی حنفیؒ کے بارے میں امام ابو داودؒ نے فرمایا ہے کہ امام احمدؒ ان سے روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ رائے (فقہ) میں نظر رکھتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے جب اس قول کو امام احمدؒ سے نقل کیا تو اس کا مطلب بالکل بدل دیا اور کہا کہ امام احمدؒ ان سے اس لیے حدیث نقل نہیں کرتے تھے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ اس پر ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واما عبد الرحمن بن ابی حاتم، فغلط بلا ریب، فنقل عن ابیہ انہ قال: قیل لاحمد: کیف لم تکتب عن معلی فقال: کان یکذب، وانما الصواب ماقدمنا۔ (سیر اعلام النبلاء (۱۰/ ۳۶۶، ترجمہ معلی بن منصورؒ)

اور پھر ماقبل خود امام احمدؒ، اور دیگر متعدد محدثین کے حوالے سے گزرا ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے روایت حدیث کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ کے خیال میں امام احمدؒ نے اپنی مسند میں بھی امام ابو یوسفؒ سے حدیث روایت کی ہے، اور یہ بھی گزرا ہے کہ انہوں نے آپ سے اور امام محمد بن حسنؒ سے تین صندوق علم کے لکھے تھے۔

اب اگر امام احمدؒ کے نزدیک امام موصوف سے روایت کرنا نامناسب ہے تو پھر خود انہوں نے امام موصوف سے روایت حدیث کیوں کی ہے؟ اور ان سے علم کے تین صندوق کس لیے لکھے تھے؟

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس روایت (بشرط ثبوت) میں امام احمدؒ نے اصحاب ابی حنیفہؒ سے روایت کرنے کو جو غیر مناسب قرار دیا ہے، اس سے ان کا مقصد اپنے تلامذۂ حدیث کو اصحاب ابی حنیفہؒ سے ان کی فقہی آراء کو روایت کرنے سے روکنا ہوتا کہ کہیں وہ ان کی آراء لکھنے میں اتنے مشغول نہ ہو جائیں کہ ان کے حفظِ حدیث میں خلل آ جائے۔ جیسا کہ انہوں نے اسی خدشہ کے پیش نظر اصحابِ حدیث کو امام شافعیؒ کی کتب لکھنے سے منع کر دیا تھا۔ چنانچہ امام حاکمؒ نے، امام احمدؒ کے شاگرد ابراہیم نیشاپوریؒ (م ۲۹۵ھ) سے بہ سند متصل نقل کیا ہے کہ:

میں نے ایک شخص کو امام احمد سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ کیا اصحاب حدیث کو امام شافعیؒ کی کتب لکھنی چاہیے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

لا اری لهم ذلک. میں ان کے لیے یہ (امام شافعی کی کتب لکھنا) مناسب نہیں سمجھتا۔

امام حاکمؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(گزشتہ سے پیوستہ) عبدالرحمن بن ابی حاتم نے بلاشبہ غلط بیانی کی ہے جو انہوں نے اپنے والد سے یہ نقل کیا کہ امام احمدؒ سے کہا گیا کہ آپ نے معلیٰ سے حدیث کیوں نہیں لکھی؟ تو انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ (ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ) درست بات وہی ہے جو ہم نے ماقبل نقل کی ہے۔ احناف کے خلاف جن لوگوں کے تعصب کا یہ حال ہو ان کی نقل کا احناف کے خلاف کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ نیز امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ بھی احناف کے خلاف انتہائی متعصب اور ایک بدعتی فرقے کی طرف منسوب ہیں، جیسا کہ ان کا تعارف آگے ان شاء اللہ آ رہا ہے۔

یعنی انهم یشتغلون بذلک عن الحدیث.[1]

امام احمدؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ کہیں اصحاب حدیث (امام شافعیؒ کی کتب لکھنے کی وجہ سے) حدیث (یاد کرنے) سے غافل نہ ہو جائیں۔

بنا بریں امام احمدؒ نے اصحاب ابی حنیفہؒ سے روایت کرنے کو بھی غیر مناسب اس لیے کہا تا کہ ان کے تلامذہ کا اس کی وجہ سے حفظ حدیث میں خلل نہ آئے۔

اور بالفرض مان لیا جائے کہ امام احمدؒ نے امام ابو یوسفؒ پر جرح کی ہے تو پھر بھی یہ جرح ان کی توثیق کے مقابلے میں کالعدم ہے کیونکہ امام یحییٰ بن معینؒ سے منسوب جرح کے جواب میں مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کا بیان گزر چکا ہے کہ اگر ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو (کہ اس سے توثیق اور جرح دونوں منقول ہوں۔ناقل) تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے۔

لہٰذا امام احمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی جو توثیق کی ہے وہ ان کی جرح (بشرط ثبوت) پر راجح ہے۔

اسی طرح امام احمدؒ کی طرف منسوب دوسرا قول کہ "انا لا احدث عنه" بھی نا قابل احتجاج ہے، اس لیے کہ امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں امام احمدؒ اور دیگر متعدد محدثین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ امام احمدؒ نے آپ سے روایت حدیث کی ہے، اور یہ مُثبِت ہے، اس کے مقابلے میں جس روایت میں ان کے امام ابو یوسفؒ سے حدیث روایت نہ کرنے کا ذکر ہے وہ نافی ہے؛ اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ

> یہ بات عام طلباء کو بھی معلوم ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔[2]

لیکن اس کے باوجود علی زئی کا نافی والی روایت کو اثبات والی روایت پر ترجیح دینا گویا اقرار کرنا ہے کہ وہ عام طلباء میں سے بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ وہ اپنے آپ کو بڑا عالم یا محقق کہلوائیں۔ البتہ ان غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکر یہ ہے جو ایسے آدمی پر فخر کرتے ہیں جو بقول خود عام طلبہ کے معیار سے بھی گیا گزرا ہے۔

نیز خود غیر مقلدین کے ہاں بھی کسی محدث کا کسی راوی سے روایت نہ کرنا اس راوی کے

۱۔ سیر اعلام النبلاء (۱۳/۵۴۸)

۲۔ نور العینین (ص ۱۳۵)

ضعیف ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

بلکہ کسی بھی محدث کا کسی راوی سے حدیث نہ لینا اس کے ضعف کا موجب نہیں۔[1]

امام احمدؒ کے اقوال میں علی زئی کے خودساختہ اختلاف کی حقیقت:

علی زئی نے امام احمدؒ کے توثیقی اقوال میں اپنی طرف سے جو اختلاف پیدا کر کے ان کو باہم معارض ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ ان کے تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہے ورنہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ امام احمدؒ کے قول "کان منصفا فی الحدیث" کا مطلب ہے کہ امام ابو یوسفؒ حدیث میں انصاف پسند تھے۔

علی زئی نے اس کا جو مطلب بیان کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ حدیث میں آدھے راستے پر تھے، یہ محض ان کی جہالت ہے جس کی حقیقت ہم امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں واضح کر آئے ہیں۔

اور دوسرے قول: "کان متصفًا فی الحدیث" کا مطلب ہے کہ آپ حدیث میں قابل وصف اور قابل تعریف تھے۔

اب ان دونوں اقوال کا آپس میں کیا معارضہ ہو سکتا ہے؟

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "لسان المیزان" کے ہمارے پاس موجود دو نسخوں میں امام محمد بن حسنؒ کے ترجمہ میں امام ابو یوسفؒ کی بابت امام احمدؒ کا قول "وکان مُنصِفًا فی الحدیث" ہی منقول ہے۔[2] جو کہ اصل ماخذ (تاریخ بغداد وغیرہ) کے مطابق ہے۔ نیز حافظ ذہبیؒ، حافظ سیوطیؒ اور حافظ ابن عبد الہادیؒ وغیرہ علماء نے بھی امام احمدؒ سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔[3]

باقی اگر "لسان المیزان" کے کسی نسخہ میں غلطی سے امام احمد کا قول: "کان مُنصِفًا فی الحدیث" سے نقل ہو گیا ہے تو وہ خود علی زئی کے اصول کی روشنی میں بھی اپنے اصل ماخذ (تاریخ بغداد وغیرہ) کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے، چنانچہ علی زئی، امام ابو حنیفہؒ کی حضرت

---

[1] توضیح الکلام (۱/ ۵۴۹)

[2] لسان المیزان (۵/ ۱۲۷)، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (۷/ ۶۲)، مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب

[3] تذکرۃ الحفاظ (۱/ ۲۱۴)، طبقات الحفاظ (ص ۱۲۸)، طبقات علماء الحدیث (۳۲۳)

انسؓ سے رؤیت کے متعلق امام دارقطنی کے قول کے بارے میں لکھتے ہیں:

جلیل القدر معتدل امام دارقطنیؒ کا سابق بیان علامہ سیوطی (م:۹۱۱ھ) کی کتاب "تبییض الصحیفة فی مناقب الامام ابی حنیفة" میں مبدل ومحرف ہو کر چھپ گیا ہے (ص۰ا تعلیق محمد عاشق الٰہی برنی دیوبندی)

یہ تحریف شدہ متن اصل مستند کتابوں کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔[1]

علی زئی صاحب اپنے ان طے شدہ اصولوں کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟ کیا انہوں نے یہ اصول صرف احناف کے خلاف استعمال کرنے کے لیے بنائے ہیں؟

موصوف کا احناف کے خلاف یہ کہنا کہ

قوم شعیب علیہ السلام کی طرح ان لوگوں کے لیئے اور دینے کے پیمانے علیحدہ علیحدہ ہیں۔[2]

خود ان پر اور ان جیسے دیگر غیر مقلدین پر پوری طرح صادق آتا ہے

ع یہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

الغرض "لسان المیزان" کے جس نسخہ میں امام ابو یوسفؒ کی بابت "کان مضعفا فی الحدیث" کے الفاظ نقل ہو گئے ہیں، وہ غلط ہے۔ اور اصل الفاظ: "کان مضعفا فی الحدیث" ہی ہیں، اور یہ امام احمدؒ کے قول "کان متصفا فی الحدیث" کے معارض نہیں ہیں، لہٰذا علی زئی کا امام احمدؒ کے اقوال میں تعارض ثابت کرنے کی کوشش باطل ہے۔ اور پھر علی زئی کا ان اقوال کو امام احمدؒ کی جرح سے منسوخ قرار دینا بھی محض دعویٰ علم الغیب ہے جو کہ شرک ہے، یا مرزا غلام قادیانی ملعون (سابق غیر مقلد) کی طرح اپنے اوپر وحی اترنے کا اقرار کرنا ہے جو کہ سراسر گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب کرے۔ آمین۔

۱۳۔ قاضی شریک نخعیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: یحیٰی بن آدم کہتے ہیں کہ ابو یوسف نے شریک کے سامنے گواہی دی تو انہوں نے اسے مردود قرار دیا۔ میں نے کہا: آپ نے ابو یوسف کی گواہی کو رد کر دیا ہے؟

۱. الحدیث (ش ۱۷، ص ۱۹)

۲. نصر الباری (ص ۲۷۶)

انہوں نے فرمایا: جو شخص نماز کو ایمان میں سے نہ سمجھے کیا میں اس کی گواہی رد نہ کروں؟ (الضعفاء للعقیلی ۴/۴۴۱ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ قاضی شریک الکوفی کے نزدیک قاضی ابو یوسف مردود الشہادت یعنی ساقط العدالت تھے۔ علی بن حجر کہتے ہیں کہ ایک دن ہم شریک کے پاس تھے تو انہوں نے فرمایا: من ذکر ھاھنا من اصحاب یعقوب فأخرجوہ (الضعفاء للعقیلی: ۴/۴۴۲ وسندہ صحیح) یعنی اگر قاضی ابو یوسف کے ساتھیوں میں سے کوئی یہاں موجود ہے تو اسے باہر نکال دو۔

قاضی شریک مختلف فیہ راوی ہیں جمہور نے ان کی توثیق کی ہے اگر وہ سماع کی تصریح کریں اور اختلاط سے پہلے والی روایت ہو تو حسن الحدیث ہیں......[1]

جواب: ان دونوں اقوال کی سند سے قطع نظر خود قاضی شریک کی شخصیت بھی خود معترض علی زئی کے نزدیک بھی ناقابل اعتماد ہے، چنانچہ علی زئی اس کی ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کی سند شریک اور لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔[2]

نیز لکھا ہے کہ: شریک اور لیث دونوں حافظے کی وجہ سے ضعیف ہیں۔[3]

معلوم ہوا کہ شریک نخعی جو جارح ہے وہ خود علی زئی کے نزدیک بھی ضعیف ہے، اور علی زئی نے تصریح کی ہے کہ جو شخص خود مجروح ہو اس کی جرح مردود ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک راوی پر جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن عیاش اور قطبہ کی جرح ان کے ذاتی ضعف کی وجہ سے مردود ہے۔[4]

نیز علی زئی نے ابو بشر دولابی کی جرح کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

دولابی بذاتِ خود قول راجح میں ضعیف ہے۔[5]

۱۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۱)

۲۔ حاشیہ جزء رفع الیدین (ص ۴۸)

۳۔ نور العینین (ص ۱۴۸)

۴۔ القول المتین (ص ۴۳)

۵۔ الحدیث (۴۹/۴۴)

بنابریں امام ابویوسفؒ پر قاضی شریک کی جرح بشرط ثبوت بھی اس کے ذاتی ضعف کی وجہ سے مردود ہے۔

نیز مذکورہ بالا بیان میں اگرچہ علی زئی نے امام ابویوسفؒ کی دشمنی میں اپنے سابقہ مؤقف کو بدل دیا ہے، اور قاضی شریک کو حسن الحدیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ان سے یہ اقرار کرا لیا کہ شریک اختلاط سے پہلے حسن الحدیث ہے، جب کہ شریک کو عارضہ اختلاط منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد لاحق ہوا،[1] لہٰذا خود علی زئی کے نزدیک بھی شریک اختلاط کے بعد (جب وہ قاضی تھا) حسن الحدیث نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔

نیز علی زئی نے دوسری جگہ شریک کے بارے میں صراحتاً لکھا ہے کہ

منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔[2]

اب خود علی زئی اقرار کر رہے ہیں کہ شریک نخعی کا قاضی بننے کے بعد حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور وہ عارضہ اختلاط (بد دماغی) کا شکار ہو گئے تھے۔

لہٰذا اس تغیر حفظ اور بد دماغی کے زمانہ میں انہوں نے اگر امام ابویوسفؒ پر یا آپ کے تلامذہ پر کوئی تنقید کی بھی ہے تو اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

خود زبیر علی زئی ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: ان کے پیچھے اس حدیث کے راوی ابو اسماعیل السلمی نے نماز پڑھی ہے۔ جس کی عقل زائل ہو گئی ہو اس کے پیچھے وہی نماز پڑھتا ہے: جس کی عقل زائل ہوتی ہے۔[3]

علی زئی کے اس اصول کی روشنی میں ہم عرض کرتے ہیں کہ ایک بد حافظہ اور بد دماغ شخص سے جرح بھی وہی نقل کرتا ہے جو علی زئی کی طرح خود بد حافظہ اور بد دماغ ہو۔

ع
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

اور پھر اس جرح کا تعلق روایتِ حدیث سے بھی نہیں ہے بلکہ عقیدہ سے ہے، اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ

۱۔ تھذیب التھذیب (۲/۴۹۷)

۲۔ القول المتین (ص ۲۹)

۳۔ نور العینین (ص ۱۰۷)

مسلکی تفاوت صحت حدیث کے خلاف نہیں۔[1]

نیز قاضی شریکؒ، امام ابو یوسفؒ کے معاصر ہیں، اور امام محمد بن ادریسؒ کی جرح کے جواب میں مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ

معاصر کی جرح بالاتفاق نا قابل سماعت ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ نماز وغیرہ اعمال ایمان کا جزء ہیں یا نہیں، تو یہ ایک لفظی اختلاف ہے، جو لوگ اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں وہ ایمان سے ایمانِ کامل مراد لیتے ہیں، اور جو لوگ اعمال کو ایمان کا جزء نہیں سمجھتے وہ اس سے مراد نفس ایمان لیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے امام حماد بن ابی سلیمانؒ (استاذ امام ابو حنیفہؒ) کے ترجمہ میں امام معمرؒ کے ان پر ارجاء کے الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

یشیر معمر الی انه تحول مرجنا ارجاء الفقهاء، وهو انهم لا یعدون الصلاة والزکاة من الایمان، ویقولون: الایمان اقرار باللسان، ویقین فی القب والنزاع علی هذا لفظی ان شاء الله۔[2]

امام معمرؒ نے امام حمادؒ کو جو مرجئی کہا ہے، اس میں انہوں نے فقہاء کے ارجاء کی طرف اشارہ کیا ہے، اس لیے کہ فقہاء نماز اور زکوۃ کو ایمان میں سے نہیں قرار دیتے، اور کہتے ہیں کہ ایمان زبان کے ساتھ اقرار اور دل میں تصدیق کرنے کا نام ہے، اور یہ اختلاف اِن شَاءَ اللہ (یقیناً) لفظی ہے۔

یعنی اعمال کا ایمان کا جزء ہونا یا نہ ہونا محض لفظی اختلاف ہے، لہٰذا یہ کوئی قابل جرح بات نہیں ہے۔

۱۴۔ حافظ ابو حفص عمرو بن علی الفلاسؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ابو حفص عمرو بن علی الفلاس (نے کہا): ابو یوسف صدوق کثیر الغلط. (تاریخ بغداد ۱۴/۲۶۰، وسندہ صحیح)[3]

۱۔ ایضاً (ص ۵۹)

۲۔ سیر اعلام النبلاء (۵/۲۳۴)

۳۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۱)

جواب: حافظ فلاسؒ اگرچہ ثقہ حافظ الحدیث ہیں، لیکن جرح میں انتہائی متشدد اور متعنت ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ''صحیح بخاری'' کے کئی راویوں پر بھی جرح کی ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''صحیح بخاری'' کے ایک راوی پر ان کی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تکلم فیہ الفلاس فلم یلتفت الیہ۔[1]

اس میں فلاسؒ نے کلام کیا ہے، اور ان کی جرح ناقابل التفات ہے۔
لہٰذا ان کا امام ابو یوسفؒ کو ''کثیر الغلط'' کہنا بھی ناقابل التفات ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ احناف کے بارے میں انتہائی متعصب ہیں۔

ثانیاً: موصوف نے امام ابو یوسفؒ کو ''صدوق'' بھی کہا ہے، اور امام احمدؒ سے منسوب جرح کے جواب میں غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ محدثین نے توثیق کے جو چار یا پانچ مراتب بیان کیے ہیں ان میں انہوں نے صدوق کو دوسرے یا تیسرے مرتبے میں ذکر کیا ہے۔
لہٰذا حافظ فلاسؒ کا آپ کی توثیق کرنے کے باوجود آپ کو کثیر الغلط کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ امام ابن حبانؒ نے ایک راوی کی توثیق کے ساتھ اس کو کثیر الخطاء بھی کہا تو علی زئی نے ان کے رد میں یہ لکھا کہ:

اگر یخطئی کثیرًا ہے تو ثقہ نہیں ہے، لہٰذا اسے ''کتاب الثقات'' میں ذکر کیوں کیا؟ اور اگر ثقہ ہے تو یخطئی کثیرًا نہیں ہے۔[2]

کیا یہاں بھی ہم علی زئی سے ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید۔

۱۵۔ امام ابوالحسن الدار قطنیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ابوالحسن علی بن عمر الدار قطنی ۔ آپ نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں فرمایا: اعور بین عمیان. اندھوں میں کانا (تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۶۰ وسندہ صحیح) حوالتوی من محمد بن الحسن۔ سوالات البرقانی (۵۶۷) یعنی محمد بن الحسن کی بہ نسبت قاضی ابو یوسف زیادہ قوی ہے۔

۱۔ ھدی الساری (ص ۶۳۶)
۲۔ الحدیث (ش ۱۲، ص ۱۸)

تنبیہ: دار قطنی کے قول: اندھوں میں کانا'' سے معلوم ہوا کہ محمد بن الحسن الشیبانی ان کے نزدیک اندھا تھا۔[1]

جواب: امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں نقل ہو چکا ہے کہ امام دار قطنیؒ نے امام محمد بن حسنؒ کو ثقہ حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، اور آپ کے بارے میں تصریح کی ہے کہ آپ غیر متروک یعنی روایت حدیث میں مقبول تھے۔

اب جب کہ امام دار قطنیؒ کے نزدیک امام محمدؒ کا یہ مقام ہے تو پھر امام ابو یوسفؒ کا روایت حدیث میں مقام کتنا بلند ہوگا کہ جو بقول امام دار قطنی، امام محمد بن حسنؒ سے بھی زیادہ قوی ہیں؟ لیکن اس کے باوجود ان کا آپ کو ''عور'' (کانا) کہنا ان کے تعصب (جیسا کہ احناف کے بارے میں ان کی یہ عام روش ہے) کا شاخسانہ ہے۔

نیز غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور زبیر علی زئی کے انتہائی ممدوح مولانا محمد گوندلویؒ نے امام دار قطنیؒ کو متعنت قرار دیا ہے۔[2]

اور امام ابن معین سے منسوب جرح کے جواب میں مولانا گوندلوی کے حوالے سے ہی گزرا ہے کہ جرح کرنے والا اگر متشدد و متعنت ہے تو اس کی توثیق تو معتبر ہے لیکن جرح معتبر نہیں۔ لہٰذا یہاں بھی امام دار قطنیؒ کی امام ابو یوسفؒ کے حق میں توثیق تو معتبر ہے، لیکن ان کا آپ کو اعور کہنا غیر معتبر ہے۔

اسی طرح علی زئی کا امام موصوف کے قول ''عمیان'' کا مصداق امام محمد بن حسنؒ کو قرار دینا اس جاہل علی زئی کے اپنے اندھا پن اور اس کی اپنی بدبختی کی دلیل ہے۔ کیونکہ امام دار قطنیؒ نے اپنے اس بیان میں امام محمدؒ کا نام تک نہیں لیا، لیکن علی زئی خواہ مخواہ امام محمدؒ کو اس میں گھسیٹ رہے ہیں۔ جو شخص خود امام دار قطنیؒ کے نزدیک ثقہ حافظ الحدیث اور روایت حدیث میں مقبول ہو، اگر وہ اندھا ہے تو پھر دنیا میں بینا کون ہے؟

ع
بریں عقل و دانش بباید گریست

---

[1] ایضاً (ش ۱۹، ص ۵۲)

[2] التحقیق الراسخ (ص ۷۸)

۱۶۔ حافظ ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی (نے کہا) اسد بن عمرو و ابو یوسف و محمد بن الحسن واللؤلوی قد فرغ الله منهم. (احوال الرجال ص۷۶، ۷۷ ت ۹۶ تا ۹۹)۔[1]

جواب: علی زئی نے امام ابو یوسفؒ کے خلاف جوز جانی سے جرح تو نقل کر دی مگر وہ یہ بھول گئے کہ جوز جانی ان کے ہاں خود کس مقام کے حامل ہیں؟ چنانچہ علی زئی لکھتے ہیں: ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی المبتدع (بدعتی)......[2]

اسی طرح ایک اور جگہ علی زئی نے لکھا ہے کہ:

اس سلسلے میں جوز جانی بدعتی کا اصول صحیح نہیں ہے۔[3]

نیز ایک راوی پر جوز جانی کی جرح کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابراهیم بن یعقوب الجوز جانی السعدی: "فی نفسه" ثقہ وصدوق امام ہونے کے باوصف متعنت (متشدد) تھے اور ان پر ناصبی ہونے کا الزام تھا۔[4]

لہٰذا علی زئی کا جوز جانی موصوف کو بدعتی، ناصبی (دشمن اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)، متعنت، متشدد، اور جرح میں غیر معتبر ماننے کے باوجود اس کے قول کو امام ابو یوسفؒ جیسے امام اہل سنت کے خلاف پیش کرنا ان کے لیے انتہائی باعث شرم ہے۔ بالخصوص جب خود علی زئی یہ تصریح کر چکے ہیں کہ بدعتی کی اہل سنت پر جرح اصلاً مردود ہوتی ہے۔[5]

ع شرم مگر ان کو نہیں آتی

پھر جوز جانی کا یہ کلام روایت حدیث سے متعلق ہے بھی نہیں بلکہ یہ ایک فضول کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ امام ابو یوسف وغیرہ سے فارغ ہو گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ اس جوز جانی (جو بقول علی زئی ایک بدعتی اور دشمن اہلِ بیت ہے) کو موت

۱۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۲)

۲۔ ایضاً (ش ۲، ص ۹)

۳۔ ایضاً (۱۲/۵۹)

۴۔ القول المتین (ص ۴۳)

۵۔ الحدیث (۳۵/۳۹)

دے کر اس سے فارغ نہیں ہو گیا یا کیا علی زئی پر موت نہیں آئے گی اور عالم دنیا کو اللہ تعالیٰ ایسے متعصب اولیاء اللہ سے فارغ نہ کریں گے جو اس فضول قول کو نقل کر کے خوش ہو رہے ہیں؟

۱۷۔ امام سعید بن منصورؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے مسجد عرفہ (عرنہ والے حصے میں) امام کے ساتھ نماز پڑھی، پھر امام کے (مزدلفہ کی طرف) واپس ہونے تک وہی رکا رہا، اس کا کیا مسئلہ ہے؟ ابو یوسف نے کہا: کوئی حرج نہیں ہے۔ تو اس آدمی نے (تعجب سے) کہا: سبحان اللہ! ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص عرفہ سے واپس لوٹ آئے تو اس کا حج نہیں ہوتا، مسجد عرفہ تو وادی عرنہ کے درمیان ہے (اب جدید توسیع کے بعد عرفات کا کچھ حصہ بھی اس مسجد میں شامل کر دیا گیا ہے) ابو یوسف نے کہا: علامتیں (احکام) آپ جانتے ہیں اور فقہ ہم جانتے ہیں۔ وہ آدمی بولا: جب آپ اصل ہی نہیں جانتے تو فقیہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟

(کتاب المعرفۃ والتاریخ: ۲/۷۹۰ وسندہ صحیح، وتاریخ بغداد ۱۴/۲۵۶ وسندہ صحیح)[1]

جواب: محقق العصر اور محدث ناقد امام زاہد الکوثریؒ اس نامعلوم شخص کے قول کا جو جواب دیا ہے، اس کا مترجم اقتباس پیشِ خدمت ہے:

اس روایت کی سند میں عبداللہ بن جعفر بن درستویہ ہے اور یہ متہم ہے اس بات کے ساتھ کہ یہ چند دراہم کی خاطر نہ سنی ہوئی روایت بھی بیان کر دیتا تھا۔ جیسا کہ پہلے اس کے بارے میں گزر چکا ہے۔ اور اس کی سند میں سعید بن منصورؒ ہے اس نے امام ابو یوسفؒ کے ساتھ مجلس ہی نہیں کی۔ نیز اس کی عبارت منقطع ہے کہ جس آدمی سے اس نے (یہ واقعہ) سنا اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور جس سے سعید بن منصور روایت کر رہا ہے وہ مجہول العین ہے۔ تو اس جیسی سند کے ساتھ اس گفتگو کا امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ذرا بھی تعلق نظر نہیں آتا۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ بطن عرنہ میں وقوف صحیح نہیں ہے۔ لیکن مسجد عرفہ عرنہ میں نہیں بلکہ عرفہ میں ہے (خود علی زئی نے بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ اوپر بریکٹ میں علی زئی نے اپنی طرف سے لکھا ہے کہ اب جدید توسیع کے بعد عرفات کا کچھ حصہ بھی اس مسجد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ کیا علی زئی نے اس پر حکومت سعودیہ اور ان کے

---

[1] الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۲)

مفتیوں کے خلاف کوئی فتویٰ جاری کریں گے؟ دبدہ باید۔ ناقل) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مسجد کی اضافت عرفہ کی طرف ہے۔ اور لفظ کو ظاہر سے کسی دلیل کے ساتھ ہی پھیرا جاتا ہے ورنہ ظاہر پر ہی رکھا جاتا ہے اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے۔[1]

۱۸۔ امام ابوجعفر العقیلیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: آپ نے قاضی ابویوسف کو ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کر کے جروح نقل کی ہیں۔

(دیکھئے ج ۴ ص ۴۳۸ تا ۴۴۴)[2]

جواب: امام عقیلیؒ احناف کے خلاف انتہائی متعصب ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ سے لے کر ان کے زمانے تک کا کوئی حنفی شاید ہی ان کے تعصب سے محفوظ رہا ہو، اور خود زبیر علی زئی نے تصریح کی ہے کہ:

تعصب والی جرح مردود ہوتی ہے۔[3]

لہٰذا امام عقیلیؒ جیسے متعصبین کا امام ابویوسفؒ کہ جن کی تحقیقات پر ہر دور میں امت کی اکثریت اعتماد کرتی آئی ہے، کو ضعفاء میں ذکر کرنا کچھ وقعت نہیں رکھتا۔

ثانیاً: امام عقیلیؒ نے اپنے تمام تر تعصب کے باوجود اگرچہ امام ابویوسفؒ کے خلاف جروح نقل کی ہیں (جن میں سے اکثر کی حقیقت آپ ماقبل ملاحظہ کر چکے ہیں) لیکن خود انہوں نے آپ پر کوئی جرح نہیں کی، اس کا مطلب ہے کہ امام عقیلیؒ جیسے متعصب شخص کو بھی امام ابویوسف میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی کہ جس کی بنیاد پر وہ آپ پر جرح کرتے۔

ثالثاً: خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام عقیلیؒ سخت متعنت اور متشدد ہیں یہاں تک کہ انہوں نے امام بخاریؒ کے استاذ کبیر اور نامور حافظ الحدیث امام علی بن مدینیؒ کو بھی معاف نہیں کیا، اور ان کو بھی ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کر دیا۔

مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد (جن کو علی زئی: مولانا المحقق الفقیہ کے القاب سے یاد

۱۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا عادلانہ دفاع ترجمہ تانیب الخطیب (ص ۴۰۰)

۲۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۲)

۳۔ الحدیث (۲۲/۴۴)

کرتے ہیں) امام عقیلیؒ کے رد میں بحوالہ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

ذکره العقیلی فی کتاب الضعفاء فبئس ماصنع...... الیٰ ان قال قال فمالک عقل یا عقیلی اتدری فیمن تکلم.[۲]

''عقیلیؒ نے امام علی بن مدینی کو ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کر کے بہت برا کیا ہے......اے عقیلی! تیری عقل کہاں چلی گئی؟ کیا تو جانتا ہے کہ کس شخص پر تو تنقید کر رہا ہے؟''

ہم یہاں علی زئی سے ان کے اپنے محقق اور فقیہ کی زبان سے گزارش کرتے ہیں کہ اے عقل کے اندھے! امام ابو یوسفؒ کے خلاف عقیلی سے جرح نقل کرتے وقت تیری عقل کہاں چلی گئی؟ کیا تو نہیں جانتا کہ امام ابو یوسفؒ وہ عظیم شخص ہیں کہ ایک نہیں ہزاروں عقیلی بھی ہوں تو وہ سب مل کر بھی آپ کے علم وفضل کے پاسنگ بھی نہیں ہو سکتے؟

نیز رحمانیؒ صاحب لکھتے ہیں:

چار حضرات (ابن معین، نسائی، عقیلی اور ابن عدی) کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے۔[۳]

شیخ عبدالرحمٰن الیمانی غیر مقلد نے بھی عقیلی کو متشدد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

فقد کان فی العقیلی تشدد ما فینبغی التثبت فیما یقول من عند نفسه فی مظان تشدده.[۴]

''بے شک عقیلیؒ میں قدرے تشدد پایا جاتا ہے لہٰذا جب وہ تشدد میں آ کر اپنی طرف سے کسی پر جرح کریں تو اس کو قبول کرنے میں احتیاط برتی جائے۔''

لہٰذا جب خود غیر مقلدین کو بھی یہ تسلیم ہے کہ امام عقیلی جرح میں متشدد اور متعنت ہیں تو پھر علی زئی ان کی جرح کو امام ابو یوسف کے خلاف کیوں پیش کر رہے ہیں حالانکہ ان کے ممدوح

۱. تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۷)
۲. انوار المصابیح (ص ۱۱۱)
۳. ایضاً (۱۱۳)
۴. التنکیل (۱/۴۶۵)

مولانا ارشاد الحق اثری نے تصریح کی ہے کہ

یہ طے شدہ بات ہے کہ متعنت کی جرح قابل قبول نہیں۔[1]

اور خود علی زئی کا اپنا بیان بھی حافظ جوز جانی سے منسوب جرح کے جواب میں گزر چکا ہے

جس میں علی زئی نے متعنت کی جرح کو مردود قرار دیا ہے۔

۱۹۔ امام محمد بن سعدؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: محمد بن سعدؒ (نے کہا): **وكان يعرف بالحفظ للحديث...... ثم لزم أبا حنيفة النعمان بن ثابت فتفقه وغلبه عليه الرأى وجفا الحديث.** وہ حفظ حدیث کے ساتھ معروف تھا...... پھر اس نے ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی شاگردی کی تو فقہ سیکھی اور اس پر رائے غالب آ گئی اور اس نے حدیث کے ساتھ ظلم کیا۔ (طبقات ابن سعد: ۳۳۰/۷)[2]

جواب: امام ابو یوسفؒ کی توثیق میں امام ابن سعد کا حوالہ گزر چکا ہے جس میں انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ آپ کثیر الحدیث محدث تھے، اور آپ ایسے پختہ کار حافظ الحدیث تھے کہ ایک ہی مجلس میں پچاس ساٹھ حدیثیں زبانی یاد کر لیتے تھے، اور پھر دیگر محدثین کو اپنے حافظے سے ان کی املاء کرا دیتے تھے۔

یہ سب کچھ تسلیم کر لینے کے بعد امام ابن سعدؒ کا امام ابو یوسفؒ پر فقہ سیکھنے اور رائے میں غلبہ پانے کی وجہ سے تنقید کرنا کچھ وقعت نہیں رکھتا کیونکہ کئی دیگر محدثین نے بھی احادیث حاصل کرنے کے بعد فقہ سیکھی ہے۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتمؒ، مشہور محدث امام ابو زرعہ رازیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

> **كتب الىّ ابو ثور فقال فى كتابه: كان الامر قديما امر اصحابك. يعنى فى التفقه حتى نشأقوم فاشتغلوا بعدد الاحاديث وتركوا التفقه. قال وسمعت ابازرعة يقول: وقدعاد قوم فى التفقه وهو الاصل.**[3]

---

۱. توضیح الکلام (۳۱۲/۱)

۲. الحدیث (ش ۱۹ ص ۵۲)

۳. الجرح والتعدیل (۳۴۴/۱)

"میری طرف امام ابو ثورؒ نے خط لکھا کہ پہلے زمانے میں تمہارے اصحاب (محدثین) فقہ سیکھتے تھے، لیکن بعد میں ایسے لوگ آ گئے جو صرف احادیث جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور فقہ سیکھنا چھوڑ دیا، امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو زرعہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ (محدثین) دوبارہ تفقہ (فقہ سیکھنے) کی طرف لوٹ آئے ہیں اور یہی چیز اصل ہے۔"

اسی طرح کئی نامور محدثین رائے (جو کہ در اصل فقہ کا ہی دوسرا نام ہے) میں اتنے زیادہ مشغول ہوئے کہ ان کا لقب ہی "رائے" پڑ گیا۔

مثلاً امام ربیعہ بن عبد الرحمٰن (م:۱۳۶ھ) جو امام مالکؒ کے استاذ کبیر ہیں (حافظ ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے کہ: ان مالکا اخذ جل المؤطا عن ربیعة.[1] کہ امام مالکؒ نے "مؤطا" کا ایک بڑا حصہ امام ربیعہؒ سے لیا ہے) یہ رائے میں مہارت اور مشغولیت کی وجہ سے "ربیعة الرائی" سے مشہور ہو گئے۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

فقہ میں مہارت رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کو "ربیعة الرائی" کہتے ہیں۔[2]

اب اگر فقہ سیکھنی، اور رائے میں مشغول ہونا حدیث کے ساتھ جفا (ظلم) ہے تو پھر ان محدثین پر کیا فتویٰ صادر ہوگا جنہوں نے احادیث کی تحصیل کے بعد تفقہ حاصل کیا اور اس کو اصل قرار دیا؟ اور اُن محدثین کا کیا بنے گا جو رائے میں اتنے مشغول ہوئے کہ "رائے" سے ہی مشہور ہو گئے؟ اور پھر حدیث کی جلیل القدر کتاب "مؤطا مالک" کی کیا ہی حیثیت رہ جائے گی کہ بقول حافظ ابن تیمیہؒ جس کا بڑا حصہ ایک کٹر "صاحب الرائے" سے ماخوذ ہے؟

ثانیاً: امام ابن سعدؒ خود غیر مقلدین (بشمول علی زئی) کے نزدیک بھی جرح میں غیر معتبر ہیں۔ علی زئی کے "ذہبی عصر" شیخ عبد الرحمٰن الیمانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

فلیس ابن سعد فی معرفة الحدیث ونقده ومعرفة درجاة رجاله فی حدان یقبل منه تلیین من ثبت غیره، علیٰ انه فی اکثر کلامه انما

---

1. مجموع الفتاویٰ (۱۴۲/۲۰)
2. تاریخ اهل حدیث (ص ۱۲۶)

یتابع شیخه الواقدی، الواقدی تألف.[1]

''ابن سعدؒ، حدیث کی معرفت اور حدیث کو جانچنے، اور راویان حدیث کے درجات پہچاننے میں اس درجہ کے نہیں ہیں کہ ان کی جرح اس شخص کے خلاف قبول کرلی جائے کہ جس کو کسی دوسرے محدث نے پختہ قرار دیا ہے۔ نیز (ان کی جرح ناقابل اعتبار اس لیے بھی ہے کہ) یہ جرح میں اپنے استاذ واقدی پر اعتماد کرتے ہیں، اور واقدی نہایت ضعیف راوی ہے۔''

علی زئی کے ''محقق جلیل القدر'' مولانا ارشاد الحق اثری ارشاد فرماتے ہیں:

ابن سعدؒ کی جرح غیر مقبول ہے۔[2]

نیز لکھتے ہیں:

بلکہ حافظ ابن حجر نے ''ہدی الساری'' میں صراحت کی ہے کہ چونکہ ابن سعد تضعیف میں واقدی پر اعتماد کرتے ہیں اس لیے ان کی جرح محل نظر ہے۔[3]

خود علی زئی نے بھی امام ابن سعدؒ کے بارے میں یہ تسلیم کیا ہے کہ

اسماء الرجال کے علم میں وہ واقدی کذاب کی پیروی کرتے ہیں۔[4]

لیکن اس کے باوجود علی زئی کا امام ابن سعدؒ کے اس قول پر اعتماد کرنا انتہائی بے انصافی اور پرلے درجے کی بددیانتی ہے:

آپ اپنے جور و جفا پہ خود ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی!

۲۰۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: الذہبی ذکرہ فی الضعفاء والمتروکین (۲/۲۶۶ ح ۴۷۶۶)

---

۱. التنکیل (۱/۹۵)

۲. توضیح الکلام (۱/۳۳۳)

۳. ایضاً

۴. الکواکب الدریہ (ص ۳۱)

تنبیہ: ذہبی نے دیوان الضعفاء میں ابو یوسف کا کوئی دفاع نہیں کیا۔ جب کہ تلخیص المستدرک میں اسے ''حسن الحدیث'' کہا ہے۔ یہ دونوں تحقیقات باہم متعارض ہو کر ساقط ہو گئیں۔ [۱]

جواب: علی زئی کا یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ حافظ ذہبیؒ کا امام ابو یوسف کو ''دیوان الضعفاء'' میں ذکر کرنا ان کے آپ کو ''حسن الحدیث'' قرار دینے کے معارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود علی زئی کا حافظ ذہبیؒ کو آپ کے جارحین میں شمار کرنا علی زئی کے بے انصاف ہونے کی بین دلیل ہے۔

اور پھر علی زئی کا یہ اصول کہ حافظ ذہبیؒ جس راوی کو ''دیوان الضعفاء والمتروکین'' میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کریں اور اس کا کوئی دفاع نہ کریں وہ راوی ضعیف ہوتا ہے، اور یہ کہ حافظ ذہبیؒ نے اس راوی کو جو توثیق کی ہوتی ہے وہ بھی اس جرح سے معارض ہو کر ساقط ہو جاتی ہے۔ تو کیا یہ ''علی زئی اصول'' صرف ائمہ احناف کو مجروح ثابت کرنے کے لیے بنا ہے یا یہ اصول علی زئی کے ان پسندیدہ راویوں کو بھی شامل ہوگا کہ جن کو انہوں نے حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان کو بھی حافظ ذہبیؒ نے ''دیوان الضعفاء والمتروکین'' میں ذکر کر کے ان کے خلاف جروح نقل کی ہیں اور ان کا کوئی دفاع نہیں کیا۔

مثلاً آٹھ تراویح کے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں علی زئی نے حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [۲]

لیکن حافظ ذہبیؒ نے اس کو مذکورہ کتاب میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے اور اس کا کوئی دفاع نہیں کیا۔ [۳]

اسی طرح اس کے شاگرد یعقوب بن عبداللہ القمی کو حافظ ذہبیؒ کے ''صدوق'' کہنے کی وجہ سے علی زئی نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [۴]

لیکن حافظ ذہبیؒ نے اس کو مذکورہ کتاب میں ذکر کر کے اس کے خلاف جرح نقل کی ہے اور

۱۔ الحدیث (ش ۱۹ ص ۵۲)
۲۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۸)
۳۔ دیوان الضعفاء والمتروکین (۲/۲۱۹)
۴۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۷)

اس کا کوئی دفاع نہیں کیا۔[1]

اس طرح کی کئی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔

اب علی زئی صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ کے بیان کردہ اصول کی روشنی میں یہ راوی تو ضعیف قرار پاتے ہیں، اور حافظ ذہبیؒ کی ان کے متعلق توثیق ان کی جرح کے معارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو رہی ہے تو کیا آپ ان کے بارے میں بھی ضعیف ہونے کا فیصلہ صادر کریں گے یا اپنی عادت کے موافق اپنے اس اصول کو صرف ائمہ احناف کے خلاف ہی استعمال کرنے کے لیے خاص رکھیں گے؟ لیکن

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

علی زئی کا امام ابو یوسفؒ کے خلاف غیر منصفانہ فیصلہ:

گذشتہ صفحات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ امام ابو یوسفؒ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق، اور ایک بلند پایہ حافظ الحدیث ہیں، اور ہم نے امام موصوف کی توثیق میں اکاون محدثین کے اقوال بحوالہ نقل کیے ہیں جن میں سے بعض کا صحیح ہونا خود علی زئی نے بھی تسلیم کیا ہے، اور جن بعض اقوال پر انہوں نے اعتراضات کیے ہیں ان کے جوابات بھی ہم نے خود ان کے اپنے مسلمات کی روشنی میں دے دیئے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین کے نامور علماء اور خود علی زئی سے بھی ہم نے امام موصوف کا ثقہ ہونا نقل کیا ہے، اس کے بالمقابل علی زئی نے امام موصوف کے خلاف جو بیس اقوال جرح نقل کیے ہیں ان کا بطلان بھی ہم نے بحمد اللہ خود ان کے اور دیگر غیر مقلدین کے حوالہ جات سے ثابت کر دیا، اور یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ خود ان کے اپنے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں بھی ان کے ذکر کردہ تمام اقوال باطل ہیں، اور ان میں سے ایک سے بھی امام ابو یوسفؒ کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

لیکن ان سب حقائق کے باوجود علی زئی کا یہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ فیصلہ ملاحظہ کریں کہ:

قاضی ابو یوسف روایت حدیث میں ضعیف ہیں کیونکہ جمہور محدثین نے انہیں ضعیف و مجروح قرار دیا ہے۔[2]

اس کے جواب میں ہم علی زئی کو صرف یہی کہہ سکتے ہیں:

۱۔ دیوان الضعفاء والمتروکین (۲/ ۴۶۷)

۲۔ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۳)

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ستمگر پہلے

علی زئی کا امام ابو حنیفہؒ پر بہتان کہ آپ نے امام ابو یوسفؒ کی تکذیب کی ہے۔

شروع کتاب میں گزر چکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بڑا گہرا تعلق تھا، اور امام صاحبؒ بھی آپ سے بڑی محبت کرتے تھے اور آپ کو اپنے تلامذہ میں سب سے زیادہ علم والا قرار دیتے تھے۔ دیگر محدثین نے بھی آپ کو امام صاحبؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے عالم، سب سے زیادہ جلیل القدر، اور سب سے زیادہ عالی الشان قرار دیا ہے۔

زبیر علی زئی کی عقل چونکہ الٹی ہے اس لیے وہ ہر چیز کے متعلق الٹا ہی سوچتے ہیں، یہاں بھی انہوں نے اپنی الٹی سوچ کی وجہ سے بجائے اس کے کہ وہ امام ابو یوسفؒ اور امام صاحبؒ کے درمیان اچھے تعلقات کا ذکر کرتے الٹا وہ آپ کو امام صاحب کی نظر میں کذاب ثابت کر رہے ہیں۔ انا اللہ......

اور پھر ان کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ ان کو وہ تمام ٹھوس حوالہ جات تو نظر نہیں آئے جن سے ان دونوں عالی المرتبت استاذ و شاگرد کے درمیان اچھے تعلقات ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن ان کو وہ دو ضعیف السند اور موضوع سے غیر متعلق روایات ضرور نظر آ گئیں جن کے بل بوتے یہ حاسد شخص امام ابو یوسفؒ کو کذاب ثابت کر کے اپنے حسد کی آگ کو مزید بھڑکانا چاہتا ہے۔

چنانچہ علی زئی نے لکھا ہے کہ:

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ نے قاضی ابو یوسف سے کہا: **انکم تکتبون فی کتابنا مالا نقولہ.** تم ہماری کتاب میں وہ باتیں لکھتے ہو جو ہم نہیں کہتے۔ (الجرح والتعدیل: ۹/۲۰۱ وسندہ صحیح)

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: **الاتعجبون من یعقوب، یقول علی مالا اقول.** کیا تم یعقوب (ابو یوسف) پر تعجب نہیں کرتے، وہ میرے بارے میں ایسی باتیں کہتا ہے۔ جو میں نہیں کہتا۔ (التاریخ الصغیر، الاوسط للبخاری: ۲/۲۰۹ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے شاگرد قاضی ابو یوسف کو کذاب سمجھتے تھے۔[1]

[1] الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۳)

لیکن اول تو ان دونوں روایات کی سند ہی صحیح نہیں ہے، چنانچہ پہلی روایت کے غیر صحیح ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی ہے جس کو خود علی زئی بدعتی، اور ناصبی (دشمن اہل بیت رسول اللہ ﷺ) قرار دے چکے ہیں، جیسا کہ جوزجانی موصوف کی جرح میں گزر چکا ہے۔

پھر اس بدعتی اور دشمن اہل بیت کی امام اہل سنت کے خلاف روایت کا کیا اعتبار ہے؟ اور دوسری روایت کی سند میں علی بن جنید ہے جس کے متعلق امام ابن حبان کی توثیق کے علاوہ کسی اور امام کی توثیق معلوم نہیں ہے، اور ماقبل خود علی زئی کا حوالہ گزر چکا ہے کہ جس راوی کی توثیق صرف ابن حبانؒ کریں وہ ثقہ نہیں ہوتا، لہٰذا یہ روایت بھی مردود ہے۔ علی زئی نے اس راوی کو امام بخاری کا استاذ قرار دے کر اس کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے یہ اصول پیش کیا ہے کہ

امام بخاری صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔[1]

لیکن یہ اصول خود اکابرین غیر مقلدین کے نزدیک بھی باطل ہے، اور ان کے نزدیک امام بخاریؒ کے بعض اساتذہ نہ صرف یہ کہ ضعیف ہیں بلکہ کذاب ہیں۔

مثلاً امام بخاریؒ کے استاذ نعیم بن حماد کے بارے میں غیر مقلدین کے امام العصر مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ نے متعدد ائمہ حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ

نعیم مذکور سنت کی تقویت میں اور امام ابو حنیفہؒ کی بدگوئی میں جھوٹی حدیثیں اور من گھڑت حکایتیں بنالیا کرتا تھا۔[2]

نیز اس کے بارے میں مولانا سیالکوٹی نے لکھا ہے کہ

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بنا پر حضرت امام ابو حنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں۔[3]

جب باقرار غیر مقلدین امام بخاریؒ کے اساتذہ میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو جھوٹی حدیثیں گھڑتے ہیں، اور امام ابو حنیفہؒ کے خلاف بے بنیاد اختراع کرتے ہیں تو پھر یہ کیا بعید ہے کہ

۱. تحفۃ الاقویاء (ص ۱۲۳)
۲. تاریخ اہلحدیث (ص ۸۴، ۸۵)
۳. تاریخ اہلحدیث (ص ۸۴، ۸۵)

ان میں علی بن جنید جیسے لوگ نہ ہوں جو امام ابو یوسفؒ کے خلاف ایسی بناوٹی باتیں وضع کرتے ہیں۔

نیز مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ امام بخاریؒ نے صحت کا جو التزام کیا ہے وہ صرف ان کی ''صحیح'' کے ساتھ خاص ہے، ان کی دیگر کتب میں یہ التزام نہیں ہے، چنانچہ وہ امام بخاریؒ کی ''التاریخ الصغیر'' (جس کا حوالہ علی زئی نے امام ابو یوسف کے خلاف نقل کیا ہے) کے ایک حوالے کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> محدثین کے نزدیک روایت کے متعلق سب سے پہلے راویوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے کہ وہ کیسے ہیں؟ اور یہ بھی یاد رہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح'' کی طرح دیگر کتب میں صحت کا التزام نہیں کیا۔[1]

مولانا سیالکوٹیؒ کے اس اقتباس کے بعد علی زئی کے بیان کردہ اصول کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ اور بالفرض علی زئی کا یہ اصول تسلیم بھی کرلیں کہ امام بخاریؒ کے سارے اساتذہ ثقہ ہیں تو پھر بھی ان کا اس اصول سے مذکورہ راوی علی بن جنید کو ثقہ ثابت کرنا باطل ہے کیونکہ خود ان کے ''ذہبی عصر''، شیخ عبدالرحمٰن الیمانی غیر مقلد تصریح کرتے ہیں کہ

> ونحو هذا قول المحدث: "شيوخي كلهم ثقات"، او شيوخ فلان كلهم ثقات، فلايلزم من هذا ان كل واحد منهم بحيث يستحق ان يقال له بمفرده على الاطلاق "هو ثقة".[2]

> ''کسی محدث کا یہ قول کہ میرے سارے اساتذہ ثقہ ہیں، یا فلاں محدث کے سارے اساتذہ ثقہ ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ راوی اس کے مستحق ہو جائیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ''علی الاطلاق'' ثقہ کہہ دیا جائے۔''

الغرض یہ دونوں روایات بلحاظ سند ضعیف ہیں اور علی زئی کا ان کو صحیح ثابت کرنا مردود ہے۔

ثانیاً: ان دونوں روایات کو صحیح باور کرنے کے باوجود بھی ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو کذاب سمجھتے تھے جیسا کہ علی زئی ان سے غلط مطلب کشید

---

1. تاریخ اہلحدیث (ص ۸۲)
2. التنکیل (۱/۳۶۲)

کر رہے ہیں، بلکہ ان سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا کہ امام صاحبؒ نے امام ابو یوسفؒ کو تنبیہ فرمائی کہ
آپ کتاب میں جب میرے اقوال لکھتے ہو تو ان کے ساتھ اپنے اقوال (بطور تشریح، وضاحت) نہ لکھا کریں تاکہ کہیں آپ کے اور میرے اقوال آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ فلا اشکال.
اور اگر ان روایات کا یہ مطلب ہوتا کہ آپ امام ابو یوسفؒ کو کذاب سمجھتے تھے تو پھر آپ ان کو اپنے حلقہ درس میں بیٹھنے ہی کیوں دیتے، اور ان کو اپنے مسائل قلمبند کرنے کی اجازت کیوں مرحمت فرماتے؟ بلکہ ان سے صاف کہہ دیتے کہ آپ میرے حلقہ درس میں نہ شریک ہوں اور نہ میرے مسائل کو تحریر کرو۔ اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ.

امام ابو حنیفہؒ کے متعلق علی زئی کے امام ابو یوسفؒ سے نقل کردہ دو اقوال کی حقیقت:

زبیر علی زئی نے اپنے مضمون کے آخر میں امام ابو یوسفؒ سے چند اقوال نقل کیے ہیں، اور اپنی متعصبانہ عادت سے مجبور ہوتے ہوئے انہوں نے امام موصوف کی طرف دو غلط اقوال منسوب کر دیے ہیں، اور پھر اپنی طرف سے ان کا ایسا غلط مطلب بیان کیا کہ جن سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، اس سے علی زئی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ اپنے استاذ مکرم کے مخالف تھے۔

ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

ذیل میں علی زئی کے ذکر کردہ ان دونوں اقوال کی قلعی کھولی جاتی ہے۔

۱۔ امام ابو حنیفہؒ کی طرف قرآن کو مخلوق کہنے کی نسبت اور اس کی حقیقت

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: قاضی ابو یوسف نے کہا: اول من قال: القرآن مخلوق ابو حنیفة. یرید بالکوفة. کوفہ میں سب سے پہلے ابو حنیفہ نے قرآن کو مخلوق کہا۔ (المجروحین لابن حبان: ۳/۶۴، ۶۵ وسندہ حسن، السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۲۳۶، تاریخ بغداد: ۱۳/۳۷۵)۔[۱]

جواب: زبیر علی زئی نے امام ابو حنیفہؒ کے خلاف قرآن کے مخلوق ہونے کی جو روایت نقل کی ہے وہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) زبیر علی زئی کی بددیانتی کی حد ہے کہ وہ ایک طرف امام ابو یوسفؒ کو ضعیف و مجروح قرار دے رہے ہیں، اور دوسری طرف وہ امام اعظمؒ کے خلاف ان سے منسوب روایت کو ''حسن'' بھی کہہ رہے ہیں۔ اب جب بقول علی زئی: امام ابو یوسفؒ ضعیف ہیں، تو پھر ان سے منسوب اس قول کی سند حسن کیسے ہوگئی ہے؟

تیری بات کو بت حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

(۲) علی زئی نے ''کتاب السنہ'' وغیرہ سے اس قول کو جس سند (اسحاق بن عبدالرحمٰن، عن حسن بن ابی مالک، عن ابی یوسف) سے نقل کیا ہے، بعینہٖ اسی سند سے یہ قول امام محمد بن خلف بن حیان المعروف بوکیعؒ (م ۳۰۶ھ) کی ''اخبار القضاۃ'' میں اس کے برعکس یوں منقول ہے:

اول من قال: القرآن لیس بمخلوق ابو حنیفة.[۲]

سب سے پہلے جس شخص نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے، وہ امام ابو حنیفہؒ ہیں۔

اور یہ قول چونکہ امام اعظمؒ کے دیگر اقوال اور آپ کے مقلدین اور دیگر محدثین اور خود علمائے غیر مقلدین کی آپ سے متعلق تصریحات سے مؤید ہے، بلکہ غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سمیت تمام ائمہ اربعہ سے بالتواتر ثابت ہے کہ وہ قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے۔[۳]

۱۔ ماہنامہ الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۴)

۲۔ اخبار القضاۃ للوکیع (ص ۶۵۳)

۳۔ مجموعۃ الرسائل والمسائل (۱/۳۵۲) طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت

لہٰذا یہ قول علی زئی کے ذکر کردہ قول پر راجح ہے۔ اور اگر اس قول کو راجح نہ مانا جائے تو پھر یہ دونوں قول باہم متعارض ہو کر ساقط ہو جائیں گے۔ اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا.

(۳) خود چوٹی کے علمائے غیر مقلدین کو بھی یہ تسلیم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل نہیں تھے، بلکہ آپ صراحتاً قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے۔

شیخ ناصر الدین البانی غیر مقلد (جن کو علی زئی: محقق امام[1] اور محدث العصر وامام المحدثین[2] قرار دیتے ہیں) نے امام ابوحنیفہؒ سے منسوب خلق قرآن کی ایک روایت کو ضعیف قرار دینے کے بعد لکھا ہے:

لكن هناك فى التاريخ روايات اخرى عدة ان ابا حنيفة كان يقول: القرآن مخلوق. الا اننى دققت فى بعضها فوجدته لايخلومن من قادح، ولعل سائرها كذلك، لاسيما و قد روى الخطيب عن الامام احمد انه قال: لم يصح عندنا ان ابا حنيفة كان يقول: القرآن مخلوق.

قلت: وهذا هو الظن بالامام ابى حنيفة رحمه الله و علمه، فان صح عنه خلافه، فلعل ذلك كان قبل ان يناظره ابويوسف، كما فى الرواية الثابتة عنه فى الكتاب، فلما ناظره، ولامر ما استمر فى مناظرته ستة اشهر، اتفق معه اخيرا علىٰ ان القرآن غير مخلوق، وان من قال: القرآن مخلوق فهو كافر.

وهذا فى الواقع من الادلة الكثيرة علىٰ فضل ابى حنيفة، فانه لم تاخذه العزة، ولم يستكبر عن متابعة تلمیذه ابى يوسف حين تبيّن له ان الحق معه، فرحمه الله تعالىٰ و رضى عنه.[3]

لیکن تاریخ (بغداد) میں دیگر کئی روایات میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قرآن مخلوق

۱۔ ماہنامہ الحدیث (۲/۳۵)

۲۔ حاشیہ عبادات میں بدعات (ص ۱۲۸)

۳۔ تحقیق مختصر العلو للذهبی (ص ۱۵۶)

ہے۔ مگر میں نے ان میں سے بعض روایات کو باریک بینی سے دیکھا تو ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں نکلی جس میں کوئی عیب نہ ہو، اور ممکن ہے کہ یہ ساری روایات اسی طرح کی ہوں، بالخصوص جب علامہ خطیب بغدادیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں کہ امام ابو حنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے تھے۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ امام صاحبؒ کی شخصیت اور آپ کے علمی مقام کے پیش نظر یہی گمان کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر اس کے بالمقابل بات کہ امام ابو حنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے تھے، صحیح ہو تو پھر ممکن ہے کہ یہ اس سے پہلے کی بات ہو جب آپ کا امام ابو یوسفؒ سے اس مسئلہ پر مناظرہ ہوا تھا جیسا کہ اس کتاب (مختصر العلو) میں ثابت ہے کہ آپ کا اور امام ابو یوسف کا اس مسئلہ پر چھ مہینے مناظرہ چلا اور آخر یہ دونوں حضرات اس بات پر متفق ہو گئے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے، اور جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا نظریہ رکھے وہ کافر ہے۔ درحقیقت یہ واقعہ امام ابو حنیفہؒ کی فضیلت پر بکثرت دلائل میں سے ایک دلیل ہے کہ امام صاحبؒ نے اس کو اپنی عزت کا مسئلہ نہیں بنایا اور نہ ہی اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کی بات ماننے سے تکبر کیا کہ جب آپ کے سامنے واضح ہو گیا کہ حق امام ابو یوسف کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ سے راضی ہو۔ آمین

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عطاء اللہ حنیفؒ (جن کو علی زئی اپنا استاذ اور شیخ کہتے ہیں)[1] رقمطراز ہیں:

صحیح یہ ہے کہ امام (ابو حنیفہ) صاحبؒ صراحۃً قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے جیسا کہ کتاب الاسماء" (بیہقی) اور "شرح فقہ اکبر" ص ۳۱ میں ہے۔[2]

نیز لکھتے ہیں:

سارے ائمہ سلف عقیدہ خلق قرآن کو گمراہی سمجھتے تھے۔ خود حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں قابل شاگرد (امام ابو یوسف، و امام محمدؒ) خلق قرآن کے عقیدہ کو کفر سمجھتے تھے۔ کتاب الاسماء والصفات (از امام بیہقی متوفی: ۴۵۸ھ) میں امام ابو یوسفؒ سے بروایت ثقات مذکور ہے:

کلمت ابا حنیفة فی ان القرآن مخلوق ام لافاتفق رائیة برائتی

---

[1] نصر الباری (ص ۴۰)

[2] حاشیہ حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۲۷)

علیٰ ان من قال القرآن مخلوق فهو كافر. رواة هذا كلهم ثقات

(ص ۱۸۸ طبع ہند)

''میں نے امام ابو حنیفہؒ سے قرآن کے مخلوق ہونے کے متعلق گفتگو کی تو آپ کی اور میری رائے اس متعلق یہ قرار پائی کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ اس روایت کے ساری راوی ثقہ ہیں۔''

(ترجمہ از ناقل)

اور امام محمدؒ سے منقول ہے: من قال القرآن مخلوق فلاتصل خلفه (ایضاً)

''جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ قرآن مخلوق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔''

(ترجمہ از ناقل)

اور یہی رائے سب ہی ائمہ سنت کی ہے۔[1]

مولانا موصوف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

امر محقق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس (قرآن کو مخلوق کہنے کے) سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا اور نہ ہی ان کے زمانے میں اس مسئلے (خلق قرآن) نے ایسی شہرت پائی تھی۔[2]

علاوہ ازیں غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ صاحب کے خاص شاگرد مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ نے صراحتاً لکھا ہے کہ

یہ فتنہ (خلق قرآن) ۲۱۸ھ سے شروع ہو کر ۲۲۸ھ تک نہایت زور پر رہا۔[3]

جب کہ امام صاحبؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اب جب کہ یہ فتنہ شروع ہی آپ کی وفات کے ۶۸ سال بعد ہوا تو پھر آپ کو خلق قرآن کے قائلین میں شمار کرنا سوائے جہالت اور تعصب کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

۲۔ امام ابو حنیفہؒ پر مسلمانوں کے خلاف تلوار چلانے کا الزام اور اس کی حقیقت

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: قاضی ابو یوسف نے کہا: كان ابو حنيفة برى السيف. ابو

۱۔ ایضاً (ص ۳۲۸)

۲۔ حاشیہ حیات امام احمد بن حنبلؒ (ص ۲۴۱)

۳۔ سیرۃ البخاریؒ (ص ۲۴۸)

حنیفہ (مسلمانوں میں ایک دوسرے کو مارنے کے لیے) تلوار چلانے کے قائل تھے۔ (یعنی حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز سمجھتے تھے) حسن بن موسیٰ الاشیب نے کہا کہ میں نے ابو یوسف سے پوچھا: کیا آپ بھی اس کے قائل ہیں؟ انہوں نے کہا: معاذ اللہ۔ (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد ۲۳۴ وسندہ صحیح)۔[1]

جواب: ذیل میں اس قول کی حقیقت ملاحظہ کریں:

کتاب السنۃ (المنسوب الی عبداللہ بن احمدؒ) کے صرف ایک نسخہ (نسخہ محمد بن سعید القحطانی) میں امام ابو حنیفہؒ کے خلاف اس طرح کی روایات ہیں، اس کتاب کے باقی تمام نسخے اس طرح کی بیہودہ روایات سے خالی ہیں۔[2] لہٰذا علی زئی کی یہ ذمہ داری بنتی تھی کہ پہلے اس نسخہ کا صحیح ہونا ثابت کرتے پھر اس کی مذکورہ روایت کو استدلال میں پیش کرتے۔

ثانیاً: یہ قول بلحاظ سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ابو یوسفؒ سے اس قول کا ناقل حسن بن موسیٰ بن اشیب متکلم فیہ ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن علی بن مدینیؒ (جن کا ثقہ ہونا بحوالہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نقل ہو چکا ہے) نے اپنے والد امام علی بن مدینیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔[3]

حافظ ذہبیؒ نے اس کو ''الضعفاء'' میں ذکر کر کے اس کے بارے میں تصریح کی ہے کہ

واشار ابن المدینی الیٰ لین فیه.[4]

امام ابن المدینیؒ نے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام یحییٰ بن معینؒ اس کو خبیث اللسان (بری زبان والا) قرار دیتے ہیں، اور اس کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ

کان یقع فی اصحاب الرائی.[5]

یہ اصحاب رائے (فقہائے احناف) کے بارے میں بکواس کیا کرتا تھا۔

---

1. الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۴)
2. حاشیہ کتاب السنۃ (ص ۶۱ ج ۱) للشیخ مصطفی امین
3. تاریخ بغداد (۷/۴۴۰)
4. المغنی فی الضعفاء (۱/۲۵۸)
5. تاریخ بغداد (۷/ ۴۳۹)

لہٰذا احناف کے خلاف اس کی روایت کالعدم ہے۔
نیز اس کا شاگرد ابوالفضل الخراسانی بھی غیر متعین ہے کہ یہ کون شخصیت ہیں، ثقہ ہیں یا نہیں؟

اسی طرح اس کتاب کے مؤلف امام عبداللہ بن احمدؒ (بشرطیکہ اس کتاب کی نسبت ان کی طرف صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب) ایک بدعتی فرقہ مجسمہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے بندوں کی سی صفات مثلاً جلوس، قعود، حرکت اور ثقل وغیرہ ثابت کرتا ہے، سے تعلق رکھتے ہیں۔

موصوف اگرچہ ایک بلند پایہ حافظ الحدیث، اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے امام اہل سنت کے صاحبزادے ہیں، لیکن بدقسمتی سے انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلنے کی بجائے حافظ عثمان بن سعید الدارمی[1] وغیرہ جیسے مجسمہ کے زیر اثر اس بدعتی فرقہ کو اختیار کرلیا، اور اپنے والد کی وفات کے بعد یہ کتاب (کتاب السنۃ) لکھ کر سنت کے نام پر بدعات کو پھیلایا۔ انا للہ......

۱۔ حافظ عثمان بن سعید الدارمیؒ ایک مشہور حافظ الحدیث ہیں لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے مثل بندوں کے صفات ثابت کرنے میں (جو کہ فرقہ مجسمہ کا مذہب ہے) غلو رکھتے ہیں۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے ان کا خوب تعاقب کیا ہے، شیخ ناصر الدین البانی نے باوجود ایک متعصب غیر مقلد ہونے کے علامہ کوثریؒ کے اس تعاقب کو درست قرار دیا ہے اور حافظ دارمیؒ کے نظریہ کو غلط ثابت کیا ہے، چنانچہ البانی لکھتے ہیں:

اقول: لاشک فی حفظ الدارمی وامامته فی السنة، ولکن یبدومن کتابه: الرد علی المریسی، انه مغال فی الاثبات فقد ذکر فیه ماعزاه الکوثری الیه من القعود والحرکة والثقل ونحوه، وذلک مما لم یردبه حدیث صحیح، وصفاته تعالیٰ توفیقیة فلا تثبت له صفة، بطریق اللزوم مثلاً، کان یقال: یلزم من ثبوت مجیئه تعالیٰ و نزوله ثبوت الحرکة، فان هذا ان صح بالنسبة للمخلوق، فالله لیس کمثله شیٔ.

(حاشیة التنکیل (۱/۳۴۹) میں (البانی) کہتا ہوں کہ دارمی کے حفظ اور سنت میں امام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ان کی کتاب "اَلرَّدُّ عَلَی الْمَرِیْسِیْ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (اللہ کے لیے مثل بندوں کے) صفات ثابت کرنے میں غلو رکھتے ہیں، انہوں نے اپنی اس کتاب میں واقعی وہ چیزیں ذکر کی ہیں جو (علامہ) کوثریؒ نے ان کی طرف "قعود، حرکت اور ثقل وغیرہ منسوب کی ہیں، حالانکہ اس نظریہ کی تائید میں ایک بھی حدیث صحیح وارد نہیں ہوئی، اللہ کی صفات توفیقیہ ہیں اور اللہ کے لیے کوئی بھی صفت بطریق لزوم ثابت نہیں ہوسکتی مثلاً اللہ کی مجیئت اور نزول سے حرکت کا ثبوت نہیں ہوسکتا، یہ اگرچہ مخلوق کی نسبت تو ٹھیک ہے لیکن اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ

وهل يكون الاستواء الا بجلوس.[1]

استواء صرف جلوس (بیٹھنے) کے ساتھ ہی تو ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بیٹھتے بھی ہیں۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰه.

اسی طرح انہوں نے ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾ کی تفسیر ایک ضعیف حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

انه ليقعد جل وعز فما يفضل منه الا قيدار بع اصابع، وان لهُ اطيطاً كأطيط الرحل اذا ركب.[2]

''اللہ تعالیٰ اس کرسی پر بیٹھتے ہیں تو یہ کرسی آپ سے صرف چار انگلیوں کی مقدار میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے، اور اللہ کے بیٹھتے وقت اس سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کجاوے پر بیٹھا جائے تو اس سے جو آواز پیدا ہوتی ہے۔''

اس طرح انہوں نے اس میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ

ان الرحمن ليثقل على حملة العرش من اول النهار اذا قام المشركون، حتى اذا قام المسبحون خفف عن حملة العرش.[3]

''بے شک رحمان (اللہ تعالیٰ) عرش کے فرشتوں پر دن کے شروع میں ثقیل (بھاری) ہو جاتے ہیں جب مشرکین (اپنے معبودوں کی عبادت کے لیے) کھڑے ہوتے ہیں یہاں تک کہ جب تسبیح پڑھنے والے کھڑے ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ عرش کے فرشتوں کے لیے (خفیف) ہلکے ہو جاتے ہیں۔''

اس کتاب میں اس طرح کے اور بھی کئی باطل نظریات ہیں۔

اللہ تعالیٰ امام زاہد الکوثریؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے،

---

۱ كتاب السنة (ص ۹) طبع دار البصيرة الاسكندريه، مصر

۲ ايضاً (ص ۱۵۰)

۳ ايضاً (ص ۲۴۷)

قلعی کھولی ہے۔[1]

انہوں نے اس کتاب کے عیوب کی خوب قلعی کھولی ہے۔
علاوہ ازیں عبداللہ بن احمدؒ، امام اعظمؒ کے بارے میں بہت زیادہ تعصب اور عناد رکھتے ہیں، اوراس کتاب میں انہوں نے آپ کے خلاف انتہائی بے بنیاد اور لچر قسم کی باتیں منسوب کی ہیں یہاں تک کہ آپ پر یہ بھی الزام لگادیا کہ آپ خشکی کے خنزیر کو کھانا جائز سمجھتے تھے[2] اناللہ......

حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) ایسے دشمنانِ امام اعظمؒ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کما ان ابا حنیفة وان کان الناس خالفوه فی اشیاء وانکروها علیه فلایستریب احد فی فقهه وفهمه وعلمه وقد نقلوا عنه اشیاء یقصدون شناعة علیه وهی کذب علیه قطعا مثل مسئلة الخنزیر البری ونحوها.[3]

"جس طرح امام ابوحنیفہؒ ہیں کہ اگرچہ بعض لوگوں نے کئی چیزوں میں آپ کی مخالفت کی ہے، اور آپ کی کئی چیزوں کا انکار کیا ہے، لیکن کوئی شخص بھی آپ کی فقاہت، سمجھداری اور آپ کے علم کا انکار نہیں کرسکتا، بعض لوگوں نے آپ سے کئی ایسی چیزیں نقل کی ہیں جس سے ان کا مقصد آپ پر بھرائی تھوپنا ہے حالانکہ وہ باتیں آپ پر محض جھوٹ ہیں۔ مثلاً خشکی کے خنزیر (کے حلال ہونے کا مسئلہ) اور دیگر اس طرح کے مسائل۔"

خود علی زئی نے بھی امام صاحبؒ کی طرف خنزیر بری کے حلال ہونے کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے اور آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ

کیونکہ یہ مروی ہے کہ وہ خنزیر بری کو حرام سمجھتے تھے بلکہ خنزیر بحری (ڈولفن مچھلی) بھی ان کے نزدیک بقول دمیری (متوفی ۸۰۸ھ) حرام ہے۔[4]

اس ساری تفصیل سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ ایک بدعتی فرقے

۱۔ دیکھئے مقالات الکوثری (ص ۲۴۵ تا ۲۵۰)
۲۔ کتاب السنة (ص ۸۱)
۳۔ منهاج السنة (۱/۲۵۹)
۴۔ نصر الباری (ص ۱۹۹)

مجسمہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور امام صاحب کے بارے میں اس قدر عناد رکھتے ہیں کہ آپ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

جس قول کی سند اس قدر خرابیوں اور عیوب کا خزانہ ہو اس کو صحیح کہنا علی زئی جیسے لوگوں کا ہی کام ہو سکتا ہے جن کا مقصد محض امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو بدنام کرنا ہے:۔

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی
زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

ثانیاً: اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی باور کر لیں تو اس قول: "کان ابو حنیفة یری السیف" (امام ابو حنیفہؒ تلوار چلانے کو جائز سمجھتے تھے) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ امام صاحبؒ مسلمانوں پر تلوار چلانا جائز سمجھتے تھے۔ جیسا کہ علی زئی نے بوجہ جہالت و تعصب اس کا یہ غلط مطلب بیان کیا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو ظالم اور جابر حکمرانوں کے ظلم اور ان کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلانے کے لیے ایسے حکمرانوں کے خلاف خروج اور اعلائے کلمۃ اللہ کو جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب بنی امیہ اور بنی عباسی کے بعض ظالم حکمرانوں نے اپنی رعایا خصوصاً اہل بیت (خاندان رسول اللہ ﷺ) اور علویوں (خاندان حضرت علی المرتضیٰؓ) پر ظلم کے پہاڑ توڑے تو آپ نے ان کے خلاف خروج کو جائز سمجھا۔

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد ارقام فرماتے ہیں:

یہاں تک تو درست ہے کہ حضرت امام (ابو حنیفہؒ) کو ایک اموی خلیفہ کے خلاف زید بن علیؒ کے خروج، یا منصور عباسی کے عہد میں بعض علویوں کے خروج سے دلی ہمدردی تھی لیکن اس سلسلے کے سارے واقعات کو سامنے رکھا جائے تو اس کی زیادہ وجہ امویوں او عباسیوں کے وہ لرزہ خیز مظالم تھے جو بیچارے علویوں پر توڑے جا رہے تھے۔[1]

شیخ عبدالرحمان معلمیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

کان ابو حنیفة یستحب اویوجب الخروج علیٰ خلفاء بنی العباس لما ظهر منهم الظلم.[2]

1. حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۲۹۸) 2. التنکیل (۱/۹۳)

"امام ابوحنیفہ بنی عباس کے خلفاء کے خلاف خروج مستحب یا واجب اس لیے سمجھتے تھے کیونکہ ان سے ظلم ظاہر ہوا تھا۔"

نیز شیخ موصوف نے جابر حکمرانوں کے خلاف خروج کو ایک "مجتہد فیہ" مسئلہ قرار دیا ہے اور محققین کا اس سلسلے یہ مذہب نقل کیا ہے کہ اگر اس خروج سے ظالم حکمرانوں کے ظلم سے چھٹکارا مل سکتا ہے تو پھر خروج جائز ہے۔[1]

اور پھر اس مسئلہ میں امام صاحبؒ ہی صرف منفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر کئی نامور محدثین کا بھی یہی مؤقف ہے، چنانچہ خلیفہ منصور کے خلاف جب ابراہیم علویؒ نے خروج کیا تھا تو متعدد فقہاء اور محدثین نے نہ صرف اس خروج کو جائز کہا تھا بلکہ اس خروج میں باقاعدہ حصہ لیا تھا۔ چنانچہ امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) نے ابراہیم علویؒ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ:

و خرج معه عيسى بن يونس، و معاذ بن معاذ، و عباد بن العوام، و اسحق بن يوسف الازرق، و معاوية بن هشيم بن بشير، و جماعة كبيرة من الفقهاء و اهل العلم.[2]

ابراہیم علویؒ کے ساتھ عیسیٰ بن یونسؒ، معاذؒ بن معاذؒ، عباد بن عوام، اسحاق بن یوسف ازرقؒ، معاویہ بن ہشیم بن بشیرؒ اور فقہاء و اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے بھی خروج کیا تھا۔

حافظ ذہبیؒ بھی بحوالہ مؤرخ امام خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:

خرج مع ابراهيم: هشيم، وابو خالد الاحمر، وعيسىٰ بن يونس، وعباد بن العوام، ويزيد بن هارون، وكان ابو حنيفة يجاهر فى امره ويامر بالخروج.[3]

"ابراہیم علویؒ کے ساتھ (محدثین میں سے) ہشیمؒ، ابوخالد الاحمرؒ، عیسیٰ بن یونسؒ، اور یزید بن ہارونؒ نے خروج کیا تھا، امام ابوحنیفہ بھی کھل کر اس کی حمایت کرتے

۱۔ ایضاً (۱/۹۵)

۲۔ الطبقات الکبریٰ (۵/۴۴۰، ۴۴۱)

۳۔ العبر (۱/۱۵۵)

تھے اور لوگوں کو اس کے ساتھ خروج کا حکم فرماتے تھے۔"

لہٰذا اب اگر ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کی حمایت کرنے کی وجہ سے امام صاحبؒ کے خلاف طعن و تشنیع کی جائے گی تو پھر ان فقہاء اور محدثین کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ جنہوں نے نہ صرف اس خروج کی حمایت کی بلکہ اس میں باقاعدہ شرکت بھی فرمائی؟

نیز اس سے پہلے صحابہ کرامؓ اور دیگر سلف صالحینؒ، ظالم حکمرانوں کے خلاف جو خروج کرتے رہے ہیں ان کے خلاف کیا حکم صادر کیا جائے گا؟

شیخ الاسلام امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) ظالم حکمرانوں کے خلاف سلف صالحین کے خروج کے بارے میں لکھتے ہیں:

وبهذا خرج ابن الزبير، والحسين على يزيد، و خرج اهل العراق و علمائهم على الحجاج، ولهذا خرج اهل المدينة بنى امية عنهم وقاموا عليهم، فكانت الحرة.[1]

حکمرانوں کے ظلم کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف اور عراق کے اہل خیر و اہل علم نے حجاج کے خلاف خروج کیا، اسی طرح اہل مدینہ نے بنی امیہ کے خلاف خروج کیا، اور حرہ کا واقعہ پیش آیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی دو اقسام بیان کی ہیں، ایک وہ جو دین کی خاطر ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کرتے ہیں، اور دوسرے وہ جن کے خروج کا مقصد محض اقتدار کا حصول اور دنیاوی مفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ موصوف پہلی قسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

قسم خرجوا غضبا للدين من اجل جور الولاة و ترك عملهم بالسنة النبوية فهؤلاء اهل حق. و منهم الحسين بن على واهل المدينة فى الحرة والقراء الذين خرجوا على الحجاج.[2]

پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو دین کی خاطر اور حکمرانوں کے ظلم اور ان کے سنت

۱۔ الاستذکار (۱۶/۵)

۲۔ فتح الباری (۱۲/۳۵۳)

نبویہ کو ترک کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف خروج کرتے ہیں، اور یہ اہل حق کی قسم ہے۔ اس قسم سے تعلق رکھنے والوں میں سے حضرت حسین بن علیؓ، اہل مدینہ جو واقعہ حرہ میں شریک تھے، اور وہ قراء جنہوں نے حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کیا تھا، بھی ہیں۔

باقی امام ابو یوسفؒ نے سائل کے جواب میں اس خروج پر جو معاذ اللہ کہا (بشرط صحت روایت) تو وہ بھی انہوں نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کہا، کیونکہ ان کے زمانہ میں خلیفہ ہارون الرشید کا دور خلافت تھا اور ان کے دور میں عدل وانصاف غالب تھا اس لیے ان کے خلاف خروج کا تو کوئی جواز ہی نہیں بنتا تھا۔ بخلاف امام صاحبؒ کے دور میں کہ اس وقت جو ظلم برپا تھا اس کی تصدیق خود علمائے غیر مقلدین نے بھی کی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا دونوں کا مؤقف اپنی اپنی جگہ درست ہے۔

قارئین: یہ تھی اس روایت کی اصل حقیقت جس کو علی زئی نے کیا سے کیا بنا دیا۔ گویا

ع اتنی سی بات تھے جسے افسانہ کر دیا

اور پھر امام اعظمؒ کے اس مسئلہ میں مؤقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابراہیم علویؒ کی حمایت کرنے کی پاداش میں خلیفہ منصور کے ہاتھوں زہر دیئے جانے سے آپ کی جو موت واقع ہوئی اس کو اہل علم نے شہادت کی موت قرار دیا ہے۔

چنانچہ حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال کے مایہ ناز سپوت حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وقد رُوی ان المنصور سقاه السم فاسود ومات شهيدا رحمه الله لقيامه مع ابراهيم.[1]

”مُرْوِی ہے کہ منصور نے آپ کو (اس کے خلاف) ابراہیمؒ کا ساتھ دینے کی وجہ سے زہر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ شہادت کی موت سے سرفراز ہوئے۔ رَحِمَهُ اللّٰہ۔“

نیز فرماتے ہیں:

۱۔ العبر (۱/۱۶۴)

وبلغنا ان المنصور سقاه السم فاسود ومات شهيدا. رحمه الله.[1]

''ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ منصور نے آپ کو زہر دیا تھا جس کے اثر سے آپ شہادت کی موت پا گئے۔''

حافظ ذہبیؒ نے امام اعظمؒ کے ترجمہ میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ:

و قيل، ان المنصور سقاه السم لقيامه مع ابراهيم، فعلى هذا يكون قد حصل الشهادة وفاز بالسعادة.[2]

کہا گیا ہے کہ منصور نے امام صاحبؒ کو زہر دیا تھا۔ اس طرح آپ کو شہادت نصیب ہوئی اور آپ مقامِ سعادت سے سرفراز ہوئے۔

علی زئی وغیرہ غیر مقلدین کا امام عالی مقام کے اس اقدام پر تنقید کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ناصبی (دشمنان اہل بیت) حضرت حسینؓ کے یزید کے خلاف اقدامِ جہاد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں ظالموں سے ضرور حساب لے گا۔ ان شاء اللہ۔

امام ابو یوسفؒ کی تصانیف

امام موصوف نے اپنی بے شمار علمی و عملی (خصوصاً عہد قضاء) سے متعلق مصروفیات کے باوجود بکثرت کتب تصنیف کی ہیں جو آپ کی علمی یادگار ہیں۔ آپ کی چند مشہور ترین تصانیف کا تعارف پیشِ خدمت ہے:

(۱) کتاب الخراج: یہ کتاب اسلامی حکومت کے مالی وسائل اور ذرائع آمدن سے متعلق مسائل پر مشتمل ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے ان مسائل کو اس کتاب میں قرآن و سنت کے مضبوط دلائل سے مستحکم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں امام ابو یوسفؒ

[1] مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۳۰)

[2] تاریخ الاسلام (۳/۹۹۶)

کے مؤقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابو یوسف رجع عن ذلک، فانہ قال فی کتاب الخراج بعد ایراد حدیث لایفرق بین مجتمع... [1]

امام ابو یوسفؒ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا، چنانچہ وہ ''کتاب الخراج'' میں حدیث: ''جمع شدہ مال کو (زکوٰۃ دیتے وقت) جدا جدا نہ کیا جائے'' ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں...

نیز حافظ ابن حجرؒ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

ھو فی الخراج لابی یوسف. [2]

یہ حدیث امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' میں ہے۔

امام موصوف نے اپنی اس تصنیف لطیف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور آپ کے دیگر قوموں کے ساتھ طے پائے جانے والے معاہدات کی ایک بڑی تعداد کو بھی جمع کر دیا ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط، معاہدات (جو کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھے گئے، جن کی خاصی تعداد ''ابن ہشام''، ''روض الانف''، ''الاموال'' لابی عبید، ''الخراج'' للقاضی ابی یوسف میں موجود ہیں۔ [3]

شیخ احمد شاکرؒ غیر مقلد اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی اس کتاب کو امام ابو یوسفؒ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ [4]

(۲) الرد علی سیر الاوزاعی: یہ کتاب احکام جنگ اور ان سے متعلقہ مسائل: امان، اسلاب، صلح اور مالِ غنیمت وغیرہ سے متعلق ہے۔

۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری (۱۲/۴۱۰)

۲۔ الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ (۲/۱۳۱)

۳۔ مقالات حدیث (ص ۱۵۸)

۴۔ حاشیۃ المحلی (۶/۳، ۷۷، ۷۴)؛ توضیح الکلام (۱/۳۰۳، ۳۰۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) اس کتاب کے تعارف میں بحوالہ امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

هو كتاب في السير اصله لابي حنيفة، فرد عليه الاوزاعي، فرد ابو يوسف على الأوزاعي ردّه علىٰ ابي حنيفة، فاخذه الشافعي و ردّ علىٰ ابي يوسف رده على الاوزاعي، و هو الكتاب المعروف بسير الاوزاعي قلت و هو من جملة كتب الام.[1]

یہ "سیر" سے متعلق کتاب دراصل امام ابو حنیفہؒ کی تصنیف ہے، جس پر امام اوزاعیؒ نے ردّ لکھا ہے۔ پھر امام ابو یوسفؒ نے امام اوزاعیؒ کے ردّ کا جواب اس کتاب (الردّ علیٰ سیر الاوزاعی) میں دیا۔ اس کے بعد امام شافعیؒ نے امام ابو یوسفؒ کی کتاب کو لے کر اس پر اپنا ردّ لکھا جو کہ "سیر الاوزاعی" سے مشہور ہے، میں حافظ ابن حجرؒ) کہتا ہوں کہ یہ کتاب (امام شافعیؒ کی مشہور تصنیف) "الام" کا ایک حصہ ہے۔

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد نے اس کتاب کے تعارف میں لکھا ہے:

حضرت امام شافعیؒ نے "اَلرَّدُّ عَلٰی سِیَرِ الاوزاعی" پر نقد و محاکمہ کی حیثیت سے ایک فاضلانہ کتاب لکھی ہے جو "کتاب الام" کے ضمن میں مطبوع ہے۔ (ص ۳۰۳-۳۳۶، ج ۷) دونوں (الرد علیٰ سیر الاوزاعی، اور امام شافعیؒ کے ردّ) کا مطالعہ ہونا چاہیے۔[2]

مصر کے مشہور محقق و ادیب شیخ ابو زہرہ مصریؒ اس کتاب کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

اس کے پہلو بہ پہلو فقہی دلائل ہیں جن سے امام ابو حنیفہؒ کے منہاج فکر کا پتہ چلتا ہے۔[3]

(۳) کتاب الآثار: یہ کتاب دراصل امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تصنیفِ حدیث ہے، جس کو آپ سے

---

[1] توالی التاسیس (ص ۱۵۳)

[2] حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۶۴)

[3] حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۶۷)

آپ کے متعدد تلامذہ نے روایت کیا ہے جن میں سے ایک امام ابو یوسفؒ بھی ہیں۔ حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م ۷۷۵ھ) نے امام ابو یوسفؒ کے صاجزادے امام یوسفؒ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے:

و روی کتاب الآثار عن ابیه عن ابی حنیفة و هو مجلد ضخم.[1]

امام یوسفؒ نے اپنے والد ماجد امام ابو یوسفؒ سے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے ''کتاب الآثار'' کو روایت کیا ہے جو کہ ایک ضخیم جلد میں ہے۔

اسی طرح اس کتاب کو امام ابو یوسفؒ سے امام عمرو بن ابی عمروؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ ان کے روایت کردہ نسخہ ''کتاب الآثار'' کو امام ابوالمؤید خوارزمیؒ (م ۶۶۵ھ) نے ''نسخہ ابی یوسف'' کے نام سے نقل کیا ہے، اور ان تک اپنی اسناد بھی ذکر کر دی ہے۔[2]

امام ابولیث نصر بن محمد سمرقندیؒ (م ۳۷۵ھ) جو بقول حافظ ذہبیؒ: الامام، الفقیہ، المحدث اور الزاہد تھے،[3] نے ایک مسئلہ کی تحقیق میں امام ابو یوسفؒ کا مؤقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقال فی کتاب الآثار: لاباس ببیع السباع کلها اذا کان له ثمن.[4]

امام ابو یوسفؒ ''کتاب الآثار'' میں فرماتے ہیں کہ درندوں کی بیع جائز ہے، اگر ان کی کوئی قیمت مقرر ہو۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی اپنی معجم میں امام ابو یوسفؒ کے نسخہ کتاب الآثار (جس کو آپ سے عمرو بن ابی عمروؒ نے روایت کیا ہے)[5] سے ایک حدیث اپنی سند متصل کے

۱۔ الجواہر المضیہ (۲/۲۳۵)

۲۔ جامع المسانید (۱/۷۵)

۳۔ سیر اعلام النبلاء (۱۶/۳۲۳)

۴۔ عیون المسائل (ص ۷۶)

۵۔ زبیر علی زئی نے اس نسخہ کی سند کو غلط ثابت کرنے کے لیے امام خوارزمیؒ پر یہ الزام لگا دیا کہ انہوں نے اپنی طرف سے یہ سند فٹ کر رکھی ہے (الحدیث: ۱۹/۵۳) حالانکہ یہ علی زئی کی جہالت ہے، ورنہ جو سند امام خوارزمیؒ نے ذکر کی ہے، وہی تقریباً امام ذہبیؒ بھی ذکر کر رہے ہیں۔ اب علی زئی امام ذہبیؒ کے خلاف کیا فیصلہ صادر کریں گے؟ دیدہ باید۔

ساتھ نقل کی ہے۔[۱]

(۴) اختلاف ابی حنیفة و ابن ابی لیلیٰ: اس کتاب میں امام ابو یوسفؒ نے اپنے دو عظیم اساتذہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن ابی لیلیٰؒ کے اختلافی مسائل کو ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:

واخذه عنه محمد بن الحسن ونقله الشافعی عن محمد بن الحسن.[۲]

اس کتاب کو امام ابو یوسفؒ سے امام محمد بن حسنؒ نے حاصل کیا، اور ان سے اس کو امام شافعیؒ نے لے کر نقل کیا۔

امام شافعیؒ نے اس کتاب پر محاکمہ بھی لکھا ہے، اور اس کے بعض مسائل میں انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی اور بعض مسائل امام ابن ابی لیلیٰؒ کی تائید کی ہے۔ مثلاً امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) شرح مؤطا میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

وقال الشافعی فی کتاب اختلاف ابی حنیفة و ابن ابی لیلیٰ......

(امام شافعیؒ "کتاب اختلاف ابی حنیفة و ابن ابی لیلیٰ" میں فرماتے ہیں)

پھر امام ابن عبد البرؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ان دونوں (امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن ابی لیلیٰؒ) کا موقف بیان کرنے کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے قول کے بارے میں فرمایا:

وهذا شبه القولين.[۳]

کہ دونوں قولوں میں یہ بہتر قول ہے۔

(۵) کتاب الامالی: یہ کتاب آپ کے ان مسائل پر مشتمل ہے جو آپ نے اپنے تلامذہ کو زبانی املا کرائے تھے، اور بقول علامہ ابن الندیمؒ (م ۳۸۵ھ) یہ کتاب چھتیس جلدوں پر مشتمل ہے۔[۴] علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے اپنی کتب میں اس کتاب سے بکثرت مسائل نقل کیے ہیں۔[۵]

۱۔ معجم شیوخ الذھبی (ص ۳۱۸، ۳۱۹)
۲۔ مجموع الفتاوی (۲۰/۱۳۹)
۳۔ الاستذکار (۷/۳۱۵)
۴۔ کتاب الفہرست (ص ۲۵۶)
۵۔ مثلاً دیکھیے: "الاستذکار" (۳/۲۷۶، ۶/۵۴۴، ۷/۱۸۶، ۳۰۱، ۵۶۴، ۸/۷۸)

آپ کی بعض دیگر تصانیف

ان مذکورہ کتب کے علاوہ بھی آپ کی بکثرت تصانیف ہیں، جن میں سے بعض علامہ ابن الندیم (م: ۳۸۵ھ) کی تصریح کے مطابق یہ ہیں:

(۱) کتاب الصلوٰۃ، (۲) کتاب الزکوٰۃ، (۳) کتاب الصیام، (۴) کتاب الفرائض، (۵) کتاب البیوع، (۶) کتاب الحدود، (۷) کتاب الوکالۃ، (۸) کتاب الوصایا، (۹) کتاب الصید والذبائح، (۱۰) کتاب الغصب والاستبراء، (۱۱) کتاب الامصار، (۱۲) کتاب الرد علی مالک بن انس، (۱۳) کتاب الجوامع، (۱۴) کتاب الفقہ (جو بقول ابن الندیم چالیس کتب (اجزاء) پر مشتمل ہے)۔[1]

آپ کی تصانیف کے رُوات:

امام ابویوسفؒ سے ان کی تصانیف کو آپ کے متعدد تلامذہ نے روایت کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ): آپ امام ابویوسفؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر ہیں، جیسا کہ امام ابویوسفؒ کے تلامذہ کے بیان میں بحوالہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) گزر چکا ہے۔ نیز علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے آپ کے متعلق لکھا ہے:

وهو راوية ابي حنيفة وابي يوسف.[2]

آپ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ (کی کتب اور مسائل) کے بہت بڑے راوی ہیں۔

(۲) امام معلی بن منصور رازیؒ (م ۲۱۱ھ): امام ابویوسفؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے استاذ ہیں۔ موصوف بھی امام ابویوسفؒ کی کتب کے راوی ہیں۔ علامہ ابن الندیمؒ ارقام فرماتے ہیں:

۱۔ کتاب الفہرست (ص ۲۵۶، ص ۲۵۷)

۲۔ الانتقاء (ص ۱۷۴)

وممن روى عن ابى يوسف: معلى بن منصور الرازى، ويكن ابا يعلىٰ، روى عنه فقهه واصوله وكتبه.[1]

''امام ابو یوسفؒ سے ان کتب کو جن لوگوں نے روایت کیا ہے ان میں سے امام معلیٰ بن منصور الرازی کہ جن کی کنیت ''ابو یعلی'' ہے، بھی ہیں، انہوں نے آپ سے آپ کی فقہ، آپ کے اصول، اور آپ کی کتب کو روایت کیا ہے۔''

(۳) امام ابو سلیمان جوز جانیؒ (م ۲۱۱ھ): یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے جلیل القدر شاگرد ہیں، اور انہوں نے امام معلیٰ بن منصورؒ کے ساتھ مل کر امام ابو یوسفؒ کی کتب کا سماع کیا تھا۔ چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) موصوف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روى عن ابى يوسف و محمد الكتب والامالى والنوادر، وشاركه فى ذلك ابو سليمان الجوزجانى، وهما من الورع والدين وحفظ الفقه والحديث بالمنزلة الرفيعة.[2]

''امام معلیٰؒ نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے ان کی کتب، امالی، اور نوادر کو روایت کیا ہے، اور ان کے ساتھ ان کتب کو روایت کرنے میں امام ابو سلیمان الجوز جانیؒ بھی شریک تھے، اور یہ دونوں حضرات پرہیز گاری، دین داری، اور فقہ وحدیث کو حفظ کرنے میں بلند مرتبت ہیں۔''

نیز امام جوز جانیؒ امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی کتب کو امام محمدؒ کے واسطہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

چنانچہ امام امیر ابن ماکولاؒ (م: ۴۷۵ھ) ''احمد بن اسماعیل ابو احمد مقری الصرام'' کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

سمع كتب ابى حنيفة وابى يوسف من احمد بن نصر عن ابى سليمان الجوزجانى عن محمد.[3]

---

۱. الفهرست (ص ۲۵۷)

۲. الجواهر المضية (۲/۱۷۸)

۳. الاكمال (۷/۶۱)

''انہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی کتابوں کو احمد بن نصرؒ سے، انہوں نے ابوسلیمان الجوز جانیؒ سے، اور انہوں نے امام محمد بن حسنؒ سے سنا تھا۔''

(۴) امام بشر بن ولید الکندی (م: ۲۳۸ھ): امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی عن ابی یوسف القاضی کتبه و املائه۔[1]

''انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے ان کی کتب اور ان کی امالی کو روایت کیا ہے۔''

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے امام بشر بن ولید کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

قال محمد بن سعد العوفی: روی بشر بن ولید الکندی عن ابی یوسف کتبه۔[2]

امام محمد بن سعد عوفیؒ فرماتے ہیں کہ امام بشر بن ولید کندیؒ نے امام ابو یوسفؒ سے ان کی کتب کو روایت کیا ہے۔

مشہور جلیل القدر محدث امام ابویعلی (م: ۳۰۷ھ) صاحب المسند الکبیر نے امام بشرؒ سے ہی امام ابو یوسفؒ کی کتب کا سماع کیا تھا، چنانچہ امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) نے ان کے شاگرد امام ابوعلی الحافظؒ (م: ۳۴۹ھ) سے نقل کیا ہے کہ:

ولو لم یشتغل ابو یعلیٰ بکتب ابی یوسف علیٰ بشر بن الولید لادرک بالبصرة سلمان بن حرب و ابا الولید الطیالسی۔[3]

''اگر امام ابویعلیؒ، بشر بن ولیدؒ کے پاس امام ابو یوسفؒ کی کتابیں پڑھنے میں مشغول نہ ہوتے تو بصرہ میں سلیمان بن حربؒ اور ابوالولید طیالسیؒ کو پا لیتے۔''

(۵) امام محمد بن سماعہؒ (م: ۲۳۳ھ): علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ) بحوالہ امام ابوعبداللہ الصیمریؒ (م: ۴۳۶ھ) لکھتے ہیں:

ومن اصحاب ابی یوسف ومحمد جمیعا ابو عبدالله محمد بن

۱۔ الطبقات الکبریٰ: (۷/۲۵۴)

۲۔ سیر اعلام النبلاء (۱۰/۶۷۳)

۳۔ تاریخ نیسابور (طبقة شیوخ الحاکم، ص ۲۲۵)؛ تذکرة الحفاظ (۲/۱۹۹)

سماعة وهو من الحفاظ الثقات، كتب النوادر عن ابی یوسف و محمد جميعا، وروى الكتب والامالی.[1]

''امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مشترکہ تلامذہ میں سے ایک ابو عبداللہ محمد بن سماعہ بھی ہیں جو کہ حفاظ حدیث اور ثقہ محدثین میں سے ہیں، انہوں نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں سے کتب نوادر کو لکھا تھا، اور انہوں نے ان سے ان کی دیگر کتب اور امالی کو بھی روایت کیا ہے۔''

(۶) امام الجرح والتعدیل حافظ یحییٰ بن معینؒ (م:۲۳۳ھ) نے بھی امام ابو یوسفؒ سے بعض کتب کا سماع کیا تھا۔ جیسا کہ ماقبل شیخ الاسلام حافظ ابن عبدالبرؒ (م:۴۶۳ھ) کے حوالے سے امام ابن معینؒ کا یہ بیان گزرا ہے کہ میں نے خود امام ابو یوسفؒ سے ''الجامع الصغیر'' کو سنا تھا۔

(۷) اسی طرح امام شافعیؒ (م:۲۰۴ھ) نے بھی اپنے استاذ امام محمد بن حسنؒ کے واسطے سے آپ کی بعض کتب کو روایت کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب ''اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ'' ان سے امام محمد بن حسنؒ نے حاصل کی، اور پھر امام محمد بن حسنؒ سے امام شافعیؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔

(۸) اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ (م:۲۴۱ھ) کے متعلق ان کے صاحبزادے امام عبداللہ بن احمدؒ (م:۲۹۰ھ) کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ میرے والد (امام احمدؒ) نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے ان کی کتابوں کے تین صندوق لکھے تھے۔

(۹) امام ابو عتیق الموصلیؒ (م:۲۳۴ھ) نے بھی امام ابو یوسفؒ سے آپ کی کتب کو روایت کیا تھا، چنانچہ حافظ یزید بن محمد ازدی موصلیؒ (م۳۳۴ھ) اپنی کتاب ''طبقات اہل الموصل'' میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

كان يفتى بالموصل برأى ابی حنيفة وابی يوسف، وروى كتب ابی یوسف.[2]

''یہ موصل میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے (فقہ) پر فتویٰ دیا کرتے

---

[1] تاریخ بغداد (۴۰۳/۲)

[2] الجواهر المضية (۳۴۳/۱)

تھے، اورانہوں نے امام ابویوسفؒ کی کتابوں کو بھی (آپ سے) روایت کیا ہے۔"

(۱۰) امام علی بن الجعدؒ (م: ۲۳۰ھ) جو ثقہ محدث اور "صحیح بخاری" کے راوی ہیں۔ امام صیمریؒ (م ۴۳۶ھ) نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے امام ابویوسفؒ سے آپ کی "کتب الامالی" لکھی ہیں۔[۱]

ان مذکورہ ائمہ کے علاوہ بھی آپ سے کئی حضرات نے آپ سے آپ کی کتب کو روایت کیا ہے۔ خصوصاً آپ سے آپ کی امالی" کو روایت کرنے والوں کا شمار نہیں ہے۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

واصحاب الامالی الذین رووھا عن ابی یوسف لایحصون.[۲]

امام ابویوسفؒ سے آپ کی "امالی" کو اتنے لوگوں نے روایت کیا ہے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔"

قارئین: آپ نے ملاحظہ کیا کہ امام ابویوسفؒ سے آپ کی کتب کو کس کثرت سے لوگوں نے روایت کیا ہے؟ اور آپ سے ان کتب کو جن لوگوں نے روایت کیا ہے وہ کتنے اعلیٰ پایہ کے لوگ ہیں؟ نیز جلیل المرتبت محدثین اور نامور علمائے غیر مقلدین امام موصوف کی ان کتب کو بالجزم آپ کی تصانیف قرار دے رہے ہیں، اور ان سے استدلال بھی کر رہے ہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد اپنی جہالت اور عصبیت کا ماتم کرتے ہوئے یہ واویلا کر رہے ہیں کہ امام ابویوسفؒ کی مشہور تصانیف (کتاب الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الخراج وغیرہ) آپ سے ثابت ہی نہیں ہیں، اور آپ تک ان کی اسناد مشکوک ہیں۔[۳] حالانکہ ہم ماقبل بحوالہ محدثین آپ کی تصانیف کے متعدد راویوں کا تعارف پیش کر چکے ہیں، اور محدثین کے حوالے سے ہی یہ ثابت کر آئے ہیں کہ یہ سب رُوات ثقہ اور انتہائی جلیل المرتبت ہیں۔

اب جس شخص کی تصانیف کے رُوات انتہائی جلیل المرتبت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی کثرت سے بھی ہوں، ایسے شخص کی تصانیف کو مشکوک ٹھہرانا اور ان کی اسانید پر نقد کرنا یہ زبیر علی

۱۔ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (ص ۱۶۳)

۲۔ الجواھر المضیۃ (۱/۴)

۳۔ الحدیث (ش ۱۹ ص ۵۳، ۵۴)

زئی جیسے جاہل اور متعصب لوگوں کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

ثانیاً: محدثین (حافظ ابن حجرؒ، امام بیہقیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن عبد البرؒ وغیرہ) کے علاوہ خود غیر مقلدین کے نامور علماء (شیخ احمد شاکرؒ، مولانا اسماعیل سلفیؒ، مولانا عطاء اللہ حنیفؒ اور مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ) اس بات کی گواہیاں دے رہے ہیں کہ یہ مذکورہ کتب امام ابو یوسفؒ کی تصانیف ہیں، جیسا کہ ان کے بیانات گزر چکے ہیں، ان اہلِ علم کی گواہیوں کے بعد زبیر علی زئی جیسے طفل مکتب کے انکار کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

ثالثاً: خود زبیر علی زئی کے طے شدہ اصول کی روشنی میں بھی محدثین کا ان کتب کو بالجزم امام ابو یوسفؒ کی تصانیف قرار دینا، ان کتب کے آپ سے ثابت اور ان کے راویوں کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ زبیر علی زئی، امام بخاریؒ کی طرف منسوب "جزء رفع الیدین" کے بنیادی راوی محمود بن اسحاق الخزاعیؒ کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ:

> ائمہ کا "جزء رفع الیدین" کو بطور جزم بخاریؒ کی تصنیف قرار دینا اس کی توثیق ہے۔[1]

بنابریں ائمہ حدیث کا امام ابو یوسفؒ کی تصانیف کو بالجزم آپ کی تصانیف قرار دینا بھی ان کتب کے رُوات کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا علی زئی کا اعتراض فضول ہے۔

رابعاً: زبیر علی زئی نے امام ابو یوسفؒ کی جن تصانیف پر اعتراض کیا ہے، ان میں سے ایک "اَلرَّدُّ عَلٰی سِیَرِ الْاَوْزَاعِیْ" بھی ہے۔ اور امام ابن حجرؒ اور مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنی تصنیف "کتاب الام" (ج ۷، ص ۳۰۳-۳۳۶) میں اس کتاب کو اپنے محاکمے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اور زبیر علی زئی "کتاب الام" کو امام شافعیؒ کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں۔[2]

اب ان کا دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ وہ "کتاب الام" کو تو امام شافعیؒ سے ثابت تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس میں مذکور امام ابو یوسف کی تصنیف "اَلرَّدُّ عَلٰی سِیَرِ الْاَوْزَاعِیْ" کو وہ امام ابو یوسفؒ کی تصنیف تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۱۔ نور العینین (ص ۵۳)

۲۔ مقالات (۴۹/۱)

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

الحاصل: حافظ زبیر علی زئی نے امام ابو یوسفؒ کی ذات گرامی، آپ کے علم، آپ کے محدثانہ مقام اور آپ کی کتب پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ سب خلافِ حقیقت ہیں، اور ان کا باطل ہونا ہم نے بحمد اللہ خود ان کے اور ان کے دیگر ہم مسلک علماء کے مسلمات کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد واٰلہ واصحابہ وعلیٰ من اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین.

ظہور احمد الحسینی غفرلہ

بروز اتوار ۱۰ شوال المکرم ۱۴۲۸ھ

مطابق ۲۱ اکتوبر ۲۰۰۷ء

بمقام جیلینگھم برطانیہ

تذکرہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

ولادت: ۱۳۲ھ، وفات: ۱۸۹ھ

مختصر سوانحی تذکرہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

نحمده و نصلّی ونسلّم علیٰ رسوله الکریم. امّابعد:

امام محمدؒ فقہ حنفی کے عظیم سپوت اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے فقہ حنفی (جو شروع سے اب تک اہل اسلام کی اکثریت کا دستور عمل اور پرسنل لاء ہے) کو کتابی صورت میں لکھ کر پوری دنیا کو اس سے روشناس کرایا۔

آپ کے ذاتی حالات:

حضرت امام محمدؒ کے خاندان کا تعلق دمشق (شام) کے علاقہ ''الغوطہ'' کے وسط میں واقع قصبہ ''حرستا''، سے تھا، پھر آپ کے والد شام سے ہجرت کر کے عراق آگئے اور عراق کے شہر ''واسط'' میں سکونت اختیار کر لی، امام محمدؒ کی پیدائش یہیں ''واسط'' میں ہوئی، اور پھر آپ کوفہ تشریف لے گئے اور وہیں آپ کی نشو ونما ہوئی۔

امام ابو سعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ)، امام ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ)، امام ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ)، اور امام ابن ناصر الدین (م:۸۴۰ھ) وغیرہ علماء آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

اصله من قرية دمشق فی وسط الغوطه اسمها حرستا، وقدم ابوه من الشام الى العراق، واقام بواسط فولدله بها محمد المذكور ونشا بالكوفة.[1]

''امام محمدؒ کا اصل تعلق دمشق میں ''وسطِ غوطہ'' میں واقع ایک قصبہ جس کا

[1] كتاب الانساب (۳/۱۶۶)، وفيات الاعيان (۲/۳۲۱)، مناقب ابى حنيفة وصاحبيه (ص ۵۰)، اتحاف السالك براة الموطا عن مالك (ص ۱۷۶)

نام ''حرستا'' ہے، سے ہے۔ آپ کے والد شام سے عراق آ کر ''واسط'' میں مقیم ہو گئے تھے، اور یہیں ان کے ہاں امام محمدؒ مذکور کی ولادت ہوئی، اور آپ کوفہ میں پروان چڑھے۔''

امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) کی تصریح کے مطابق آپ کے خاندان کا اصلی تعلق دمشق سے بھی پہلے ''جزیرہ'' سے تھا۔[1]

آپ کی ولادت صحیح قول کے مطابق ۱۳۲ھ میں ہوئی، جیسا کہ امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ)، امام شمس الدین ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ)، امام ابن ناصر الدینؒ (م: ۸۴۰ھ)، امام ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴ھ)، اور دیگر کئی محدثین نے تصریح کی ہے۔[2]

امام محمدؒ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرا، اور کچھ عرصہ کے لیے آپ دریائے فرات کے کنارے آباد ایک مشہور شہر ''رقہ'' کے قاضی بھی رہے، لیکن جلد ہی اس سے سبکدوش ہو کر بغداد منتقل ہو گئے اور دوبارہ ہمہ تن اپنے علمی مشاغل میں مصروف رہنے لگے۔ خلیفہ ہارون الرشیدؒ (م: ۱۹۳ھ) آپ کے علم اور فضل و کمال کا بہت زیادہ معترف تھا، اور جب سفر میں جاتا تو اکثر آپ کو بھی اپنے ساتھ رکھتا، ۱۸۹ھ میں جب وہ ایران کے مشہور علمی شہر ''رے'' گیا تو آپ کو اور مشہور نحوی عالم امام کسائی (م: ۱۸۹ھ) کو بھی اپنے ساتھ لے گیا، اور اتفاق سے ان دونوں جبال علم نے وہیں ایک ہی روز انتقال کیا، خلیفہ کو اس کا بہت صدمہ ہوا اور ان دونوں کو دفن کرنے کے بعد کہنے لگا:

دفنتُ الیوم اللغة و الفقه جمیعا بالری.[3]

''آج کے دن میں نے لغت عربیہ اور فقہ دونوں کو ''رے'' میں دفن کر دیا ہے۔''

خلیفہ ہارون الرشیدؒ کے درباریوں میں سے ایک مشہور ادیب و شاعر ابو محمد الیزیدیؒ نے امام محمدؒ کی وفات پر ایک طویل مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

---

۱. الطبقات الکبریٰ (۷/۲۴۲)

۲. الطبقات الکبریٰ (۷/۲۴۲)، مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۰)، اتحاف السالک (ص ۱۷۶)، البدایة والنهایة (۷/۱۹۶)

۳. تاریخ بغداد (۲/۱۷۸)، اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۳۲، ۱۳۳)

وقلت اذا ما الخطب اشکل من لنا

بایضاحه یوما وانت فقید[1]

"میں نے کہا: آج جب تو نہ رہا تو ہمارے لیے مشکلات حل کرنے والا کہاں سے آئے گا۔"

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) اور امام ابوعبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل نقل کیا ہے کہ امام محمویہؒ جو کہ ابدال میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ کو آپ کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور آپ سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے؟

آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں داخل کر دیا ہے اور مجھ سے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے علم کا برتن اس لیے نہیں بنایا تھا کہ تجھے عذاب دوں۔

میں نے پوچھا کہ: امام ابو یوسفؒ کا کیا بنا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ (جنت میں) مجھ سے ایک طبقہ اوپر ہے۔

میں نے پوچھا کہ: امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: فوق ابی یوسف بطبقات.[2]

وہ تو (جنت میں) امام ابو یوسفؒ سے بھی کئی طبقے (درجے) اوپر ہیں۔

عہد طلب علمی

آپ کی نشو ونما چونکہ "کوفہ" جیسے عظیم شہر میں ہوئی جو اس وقت "معدن العلم والفقہ" تھا، اور جس کا علمی پایہ پوری اسلامی دنیا میں مشہور تھا، اور پھر تحصیلِ علم کا شوق وجذبہ بچپن سے آپ میں موجزن تھا اس لیے یہ ناممکن تھا کہ آپ اس علمی ماحول سے متاثر ہوئے بغیر رہ جاتے، چنانچہ آپ اپنی کم عمری سے ہی علم (خصوصاً حدیث وفقہ) کی تحصیل میں لگ گئے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے بہ سند متصل خود آپ کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ

ترک ابی ثلاثین الف درهم، فانفقت خمسة عشر الفاعلی النحو والشعر، وخمسة عشر الفا علی الحدیث والفقه.[3]

---

۱. ایضاً ۲. ایضاً

۳. تاریخ بغداد (۲/۱۷۰)

"میرے والد نے (ترکہ میں میرے لیے) تیس ہزار درہم چھوڑے تھے، میں نے ان میں سے پندرہ ہزار درہم نحو اور شعر و شاعری سیکھنے میں لگا دیئے، اور باقی پندرہ ہزار حدیث اور فقہ کی تحصیل میں خرچ کر دیئے۔"

آپ نے حدیث وغیرہ علوم کی تحصیل میں اپنے وقت کے اکابر ائمہ کے سامنے زانوے تلمذتہ کیے، علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) اور علامہ صلاح الدین صفدیؒ (م۷۶۴ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وطلب الحديث ولقي جماعة من اعلام الائمة.[۱]

امام محمدؒ نے حدیث حاصل کی، اور اس کی طلب میں ائمہ اعلام سے ملاقات کی۔

آپ کو جیسے ائمہ اعلام اور جلیل القدر اساتذہ و مشائخ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، ایسے ہی آپ کا یہ اعزاز بھی ہے کہ آپ کے اساتذہ و مشائخ میں ایک بڑی تعداد حضرات تابعین کی بھی ہے۔

محدث کبیر امام حاکم نیشاپوریؒ (م:۴۰۵ھ) آپ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

وقد ادرک جماعة من التابعين.[۲]

"آپ نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا ہے۔"

آپ نے تابعین کی اس جماعت سے فقہ وغیرہ علوم کی تحصیل کے علاوہ روایت حدیث بھی کی ہے جس کی وجہ سے آپ کی سند حدیث اپنے معاصرین میں سب سے عالی ہوگئی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے شرف تلمذ

امام موصوف نے جن ائمہ اعلام سے اخذ علم کیا ان میں سر فہرست حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت امام صاحبؒ چونکہ تمام دینی علوم بالخصوص فقہ اور حدیث کے جامع تھے اس لیے امام محمدؒ نے آپ سے ان دونوں علوم میں کمال حاصل کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ)، امام محمدؒ کے ترجمے میں ارقام فرماتے ہیں:

---

۱ وفيات الاعيان (۲/ ۳۲۱)؛ الوافي بالوفيات (۲/ ۳۳۲)

۲ معرفت علوم الحديث (ص ۱۹۳)

ولازم اباحنیفة وحمل عنه الفقه والحدیث.[1]

''آپ نے امام ابوحنیفہؒ کی صحبت کو لازم پکڑا، اوران سے فقہ اور حدیث کو حاصل کیا۔''

نیز لکھتے ہیں:

وتفقه بابی حنیفة وسمع منه.[2]

آپ نے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم پائی اوران سے حدیث کا سماع کیا۔

امام محمد بن سعدؒ (م:۲۳۰ھ) آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

وجالس ابا حنیفة وسمع منه ونظر فی الرائی[3]

امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی مجالست اختیار کی، اوران سے حدیث کی سماعت کی، اور رائے (فقہ) میں کمال حاصل کیا۔

امام ابن قتیبہؒ (م۲۷۶ھ) نے بھی آپ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

و طلب الحدیث و سمع... و جالس ابا حنیفة و سمع منه.[4]

امام محمدؒ نے حدیث طلب کی اور اس کا سماع کیا، نیز آپ نے امام ابوحنیفہؒ کی مجالست اختیار کی اور آپ سے بھی حدیث کا سماع کیا۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

وروی عن ابی حنیفة.[5]

امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے۔

نیز ذہبیؒ اوران کے شاگرد علامہ صفدیؒ نے آپ کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

سمع ابا حنیفة واخذ عنه بعض کتب الفقه.[6]

---

۱. تعجیل المنفعة (ص ۳۶۱)

۲. الایثار بمعرفة رُواة الآثار، طبع مع کتاب الآثار (ص ۲۳۲)

۳. الطبقات الکبریٰ (۷/۲۴۲) ۴. المعارف (ص۵۰۰)

۵. سیئر اعلام النبلاء (۹/ ۱۳۴)

۶. تاریخ الاسلام (۴/ ۹۵۴)؛ الوافی (۲/ ۳۳۲)

آپ نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث کا سماع کیا، اور ان سے فقہ کی بعض کتب پڑھیں۔

حافظ ابوسعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) آپ کو امام صاحبؒ کے تلمیذ قرار دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وصاحب ابی حنیفة وتلوه.[۱]

آپ صاحب ابی حنیفہؒ اور ان کے پیرو و جانشین ہیں۔

امام ابویوسفؒ سے تکمیل علم

امام محمدؒ کو صرف دو سال حضرت امام اعظمؒ سے استفادہ کا موقع مل سکا، اگرچہ اس قلیل عرصہ میں بھی آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور حضرت امام صاحبؒ جیسے ماہر اور قابل فخر استاذ کی صحبت کی بدولت بہت کچھ حاصل کرلیا تھا، لیکن مزید علم حاصل کرنے کے شوق میں آپ نے امام صاحبؒ کی وفات (۱۵۰ھ) کے بعد ان کے سب سے بڑے شاگرد امام ابویوسفؒ (م:۱۸۲ھ) کی مجالست اختیار کی اور ان سے دینی علوم کی تکمیل کی۔

علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) اور علامہ ابن ناصر الدینؒ (م:۸۴۰ھ) رقمطراز ہیں:

وحضر مجلس ابی حنیفة سنتين ثم تفقه علیٰ ابی یوسف صاحب ابی حنیفة.[۲]

امام محمدؒ دو سال امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضر رہے، پھر (امام صاحبؒ کی وفات کے بعد) آپ نے امام ابویوسفؒ صاحب ابی حنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) آپ کے مناقب میں ارقام فرماتے ہیں:

وكتب شيئا من العلم عن ابی حنيفة، ثم لازم ابا یوسف من بعده حتی برع فی الفقه.[۳]

آپ نے امام ابوحنیفہؒ سے کچھ علم لکھا، پھر امام صاحبؒ (کی وفات) کے بعد

---

۱. كتاب الانساب (۱۶۶/۳)

۲. وفيات الاعيان (۳۲۱/۲)؛ اتحاف السالک (ص ۱۵۷)

۳. مناقب ابی حنيفة و صاحبيه (ص ۵۰)

آپ نے امام ابو یوسفؒ (کی مجالست) کو لازم پکڑا یہاں تک کہ فقہ میں مکمل عبور حاصل کر لیا۔

نیز ذہبیؒ لکھتے ہیں:

واخذ عن ابی حنیفة بعض الفقه، وتمم الفقه علی القاضی ابی یوسف.[۱]

امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے کچھ فقہ حاصل کیا، اور اس کی تکمیل قاضی ابو یوسفؒ سے کی۔

امام ابو یوسفؒ سے اگرچہ بڑے بڑے نامور اور بلند مرتبت محدثین وفقہاء نے حدیث اور فقہ کی تحصیل کی، اور آپ کے تلامذہ پوری دنیا میں پھیلے ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ فقیہ، اور سب سے زیادہ جلیل القدر جو شخص قرار پائے وہ امام محمدؒ ہیں۔

چنانچہ حافظ ذہبی (م:۷۴۸ھ)، امام حماد بن ابی سلیمانؒ کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وانتشر اصحاب ابی یوسف فی الآفاق، وافقهم محمد بن الحسن.[۲]

امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ پوری دنیا میں پھیلے ہیں، ان میں سب سے زیادہ فقیہ امام محمد بن حسنؒ ہیں۔

نیز ذہبیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں جہاں ان کے تلامذہ میں امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام علی بن الجعدؒ جیسے نابغہ روزگار محدثین کو شمار کیا ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ

واجل اصحابه محمد بن الحسن.[۳]

امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر شاگرد امام محمد بن حسنؒ ہیں۔

گویا حافظ ذہبیؒ جیسے مؤرخ اسلام اور محدث ناقد کی نظر میں امام محمدؒ کا مقام فقہ اور جلالت

---

۱. سیر اعلام النبلاء (۹/ ۱۳۴)

۲. سیر اعلام النبلاء (۵/ ۲۳۶)

۳. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۳۹)

شان میں امام ابو یوسفؒ کے دیگر تمام تلامذہ (امام ابن معینؒ، امام احمدؒ وغیرہ) سے زیادہ ہے۔
مزید برآں امام موصوف کا یہ بھی بہت بڑا اعزاز ہے کہ آپ امام اعظم ابو حنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے سب سے بڑے راوی سمجھے جاتے ہیں، اور آپ ہی نے ان دونوں حضرات کے مذاہب کو مضبوط دلائل سے مستحکم کیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م:۴۶۳ھ) آپ کے متعلق تصریح کرتے ہیں:

ولازم اباحنیفة ثم ابا یوسف بعده، وهو راویة ابی حنیفة وابی یوسف القائم بمذهبهما.[1]

امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ (کی مجلس) کو، اور پھر امام ابو یوسفؒ (کی مجلس) کو لازم پکڑا، اور آپ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے (مذہب کے) بڑے راوی ہیں، اور ان کے مذہب کو قائم (مضبوط) کرنے والے ہیں۔

کوفہ کے دیگر ائمہ سے اخذ علم:

آپ نے امام اعظمؒ، اور امام ابو یوسفؒ کے علاوہ کوفہ کے دیگر کئی نامور اور جلیل المرتبت ائمہ سے بھی اخذ علم کیا۔ علامہ خطیب بغدادیؒ، اور حافظ ذہبیؒ وغیرہ محدثین کی تصریح کے مطابق آپ کے بعض مشہور اساتذہ یہ ہیں:

امام سفیان ثوریؒ، امام مالک بن مغولؒ، امام مسعر بن کدامؒ، امام زفر بن ہذیلؒ، امام یونس بن ابی اسحاقؒ، امام قاسم بن معنؒ، امام داوٗد طائیؒ، وغیر ہم رحمہم اللہ تعالیٰ[2]

امام مالکؒ سے مؤطا اور دیگر احادیث کا سماع:

حضرت امام محمدؒ، ائمہ کوفہ سے تحصیل علم کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں کے ائمہ اَجِلّہ خصوصاً امام دار الہجرت حضرت مالک بن انسؒ (م:۱۷۹ھ) سے استفادہ کرنے لگے۔ آپ تین سال امام مالکؒ کی خدمت میں رہے اور ان سے ان کی "مؤطا" اور دیگر احادیث کا سماع کیا۔

---

۱. الانتقاء (ص ۱۷۴)

۲. تاریخ بغداد (۱۶۹/۲)، مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۰)، بلوغ الامانی (ص ۷)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

وسمع ...... مالك بن انس ولازم مالكا مدة.[1]

امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے بھی حدیث کا سماع کیا، اور ایک عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔

حافظ ابن ناصر الدینؒ (م: ۸۴۰ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وكان اقام عنده ثلاث سنين او شبيها بثلاث سنين.[2]

امام محمدؒ، امام مالکؒ کے پاس پورے تین سال، یا تین سال کے قریب رہے۔

نیز حافظ موصوف نے بحوالہ قاضی عیاضؒ لکھا ہے:

ومحمد قد سمع المؤطا من مالك وسمع عليه كثيرا.[3]

امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے موطا اور بکثرت احادیث کا سماع کیا۔

نیز حافظ ابن ناصر الدین تصریح کرتے ہیں کہ:

واخذ عن مالك المؤطا وغيره من الاحاديث لفظا وعرضا.[4]

آپ نے امام مالکؒ سے "موطا" اور ان کی دیگر احادیث لفظاً (یعنی امام مالکؒ سے خود سن کر) اور عرضاً (یعنی امام مالکؒ کو ان کی احادیث سنا کر) دونوں طریقوں سے حاصل کیں۔

محدثین میں روایت حدیث کے دو طریقے رائج تھے، ایک لفظاً کہ محدث خود اپنے طلبہ کو احادیث سنائے۔ اور دوسرا طریقہ "عَرَضْ عَلَى الْمُحَدِّث" کہ طلبہ محدث کی لکھی ہوئی احادیث اس کو پڑھ کر سنائیں۔

امام مالکؒ کے ہاں یہ دوسرا طریقہ (عَرَضْ عَلَى الْمُحَدِّث) رائج تھا، اور وہ خود بہت ہی کم طلبہ کو حدیث سناتے تھے۔ لیکن امام محمدؒ کا امام مالکؒ کی نظر میں عظیم المرتبت ہونے اور آپ سے ان کی محبت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ امام مالکؒ نے اپنی عادت سے ہٹ کر آپ کو خود اپنی

۱۔ مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۰)

۲۔ اتحاف السالک (ص ۱۷۷)

۳۔ ایضاً (ص ۲۶۲)

۴۔ ایضاً (ص ۱۷۶)

زبانی سات سو احادیث سنائیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) امام شافعیؒ سے ناقل ہیں کہ

قال لی محمد بن الحسن: اقمتُ علیٰ مالک ثلاث سنین، وسمعت من لفظه سبع مائة حديث، قلت: وكان مالك لايحدث من لفظه الا نادرا۔[1]

امام محمد بن حسنؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تین سال امام مالکؒ کے پاس رہا، اور خود ان کے الفاظ سے سات سو احادیث کی سماعت کی[2] میں (حافظ ابن حجرؒ) کہتا ہوں کہ امام مالکؒ اپنے الفاظ سے بہت کم احادیث بیان کیا کرتے تھے۔

نیز لکھتے ہیں:

فلولا طول اقامة محمد عنده وتمكنه منه، ماحصل له عنه هذا۔[3]

اگر امام محمدؒ امام مالکؒ کے پاس زیادہ عرصہ نہ رہے ہوتے، اور ان سے آپ کا اچھا تعلق نہ ہوتا تو آپ کو ان سے یہ چیز نہیں مل سکتی تھی۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے آپ کو امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ وغیرہ جیسے امام مالک کے

۱۔ الایثار مع کتاب الآثار (ص ۲۳۳)

۲۔ **علی زئی کا امام محمدؒ کے ایک قول پر اعتراض کی حقیقت:** حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اس قول کی دو سندیں لکھی ہیں، پہلی سند صحیح ہے لیکن اس کا انہوں نے متن نہیں لکھا، اور دوسری سند جس کا انہوں نے متن لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ (ماہنامہ الحدیث: ش ۵، ص ۱۳، حاشیہ ۲) لیکن علی زئی کا یہ اعتراض دراصل علم حدیث سے ان کے تہی دامن ہونے کی دلیل ہے ورنہ علم حدیث کے بنیادی طالب علم کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ جس قول کے ساتھ دو سندیں مذکور ہوں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ قول دو سندوں کے ساتھ منقول ہے، اور ان دونوں سندوں کا متن ایک جیسا ہی ہے۔

جس جماعت میں زبیر علی زئی جیسے علم حدیث سے تہی دامن لوگ محدث اور شیخ الحدیث کی کرسی پر براجمان ہوں اس جماعت کا اللہ ہی حافظ ہے۔

۳۔ تعجیل المنفعة (ص ۳۶۱، ۳۶۲)

کبار تلامذہ میں شمار کیا ہے، اور آپ کو امام شافعیؒ (جو امام مالک کے مشہور شاگرد ہیں) پر ترجیح دی ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے ایک حدیث کی سند کے متعلق فرمایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس کو بیان کرتے ہوئے غلطی کی ہے اور سند میں انہوں نے مجاہد کے نام کا اضافہ غلطی سے کر دیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ امام شافعیؒ کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

قدرواه عن مالک. باثبات مجاهد. ابراهيم بن طهمان، وابن وهب، وعبدالرحمن بن مهدی، ومحمد بن الحسن الفقيه، وسماع هؤلاء منه قديم[1]

امام مالکؒ سے مجاہدؒ کے اثبات کے ساتھ ابراہیم بن طہمانؒ، ابن وہبؒ، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، اور محمد بن حسن فقیہؒ نے روایت کیا ہے، اور ان حضرات کا (امام شافعیؒ کے مقابلے میں) امام مالکؒ سے سماع قدیم ہے۔

یعنی یہ چار حضرات (امام محمدؒ سمیت) امام مالکؒ کے قدیم شاگرد ہیں اور ان کی روایت کو امام شافعیؒ کی روایت پر ترجیح ہے۔

امام محمدؒ کا ''موطا'' کے راویوں میں ایک نمایاں مقام:

امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے ان کی مشہور تصنیف حدیث ''موطا'' کو سن کر آگے اس کو روایت بھی کیا ہے، اور آپ کا شمار ''موطا'' کے مشہور اور بڑے راویوں میں ہوتا ہے۔ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے امام محمدؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

و قال ابن عدی فی کامله سمع محمد المؤطا من مالک.[2]

امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے موطا کا سماع کیا تھا۔

محدث کبیر امام حاکم نیشاپوریؒ (م: ۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

ومحمد بن الحسن الشيبانی ممن روی المؤطا عن مالک.[3]

۱۔ سیر اعلام النبلاء (ترجمہ عبدالکریم الجزریؒ)

۲۔ تاریخ الاسلام (۹۵۴/۴)

۳۔ معرفت علوم الحدیث (ص ۹۳)

امام محمد بن حسن شیبانیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے امام مالکؒ سے موطا کو روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) آپ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ

وقد جمع حديثه عن مالك واورد فيه مايخالفه فيه وهو المؤطا المسوع من طريقه۔[1]

امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے مروی احادیث کو جمع کیا، اور ان کے ساتھ جو اختلاف کیا وہ بھی ذکر کردیا، اور اسی مجموعہ کا نام موطا ہے جو امام محمدؒ کے طریق سے مسموع (سنا جاتا) ہے۔

حافظ ابن ناصر الدین (م:۸۴۰ھ) نے امام محمدؒ کو ”موطا“ کے مشہور راویوں میں شمار کر کے آپ کا شاندار ترجمہ لکھا ہے، اور آپ کے رایت کردہ نسخہ ”موطا“ کے تعارف میں تصریح کی ہے کہ:

والمؤطا الذی يعرف بموطأ محمد بن الحسن: هو كتاب اختلاف محمد بن الحسن ومالك بن انس، وهو تسعة اجزاء انبأ نابه جماعة.[2]

موطا جو کہ ”موطا محمد بن حسنؒ“ سے مشہور ہے، یہ وہ کتاب ہے جو امام محمد بن حسنؒ اور امام مالک بن انسؒ کے اختلافات پر مشتمل ہے، اور اس کے نو اجزاء (حصے) ہیں، ہمیں محدثین کی ایک جماعت نے اس کی روایت کی ہے۔

امام محمدؒ کے روایت کردہ نسخہ موطا کی محدثین میں مقبولیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ”موطا“ کے بیس سے زائد نسخے ہیں لیکن آج صرف اس کے دو نسخے مشہور و متداول ہیں، ایک امام یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؒ کا نسخہ، اور دوسرا یہ امام محمدؒ کا نسخہ۔

اس نسخہ کا مزید تعارف آخر کتاب میں امام محمدؒ کی تصانیف کے تعارف میں ان شاء اللہ آرہا ہے۔

---

۱. تعجیل المنفعة (ص ۳۶۲)

۲. اتحاف السالك برواة المؤطا عن مالك (ص ۱۷۸، ۱۷۹)

امام محمدؒ کا دیگر بلادِ اسلامیہ کے ائمہ سے استفادہ:

امام محمدؒ کی وسعت و کثرت علم کی یہ بیّن دلیل ہے کہ آپ نے تقریباً تمام مشہور بلادِ اسلامیہ مثلاً کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، خراسان، اور واسط وغیرہ کے اَجِلّہ اہل علم سے استفادہ کیا اور ان سے حدیث کی سند لی۔ کوفہ سے تعلق رکھنے والے آپ کے مشہور اساتذہ کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

مدینہ منورہ کے اہل علم میں سے آپ نے امام مالکؒ کے علاوہ محمد بن عبدالرحمان بن ابی ذئبؒ، عبدالرحمان بن ابی الزنادؒ، خارجہ بن عبداللہؒ، محمد بن ہلالؒ، عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الخیاطؒ، اور داؤد بن قیسؒ وغیرہم سے بھی اخذ علم کیا۔[1]

مکہ مکرمہ کے جن اہل علم سے آپ نے استفادہ کیا ان میں شیخ المحدثین امام سفیان بن عیینہؒ، زمعہ بن صالحؒ، اسماعیل بن عبدالملکؒ، طلحہ بن عمروؒ، سیف بن سلیمانؒ، ابراہیم بن یزید اموئیؒ، زکریا بن اسحاقؒ، اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفیؒ وغیرہ زیادہ قابل ذکر ہیں۔[2]

امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) کی تصریح کے مطابق آپ نے مکہ مکرمہ کے سب سے مشہور محدث وفقیہ اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی امام ابن جریج مکیؒ (م: ۱۵۰ھ) سے بھی درس حدیث لیا تھا۔[3]

بصرہ جو آپ کے شہر کوفہ کے قریب واقع ہے، اور کوفہ کی طرح اس کا علمی پایہ بھی بہت بلند تھا، آپ نے یہاں کے علماء سے بھی کافی استفادہ کیا، چنانچہ آپ کے بصری اساتذہ میں سے عبدالعزیز بن ربیع بصریؒ، ہشام بن ابی عبداللہؒ، ربیع بن صبیحؒ، ابوحرہ واصل بن عبدالرحمٰنؒ، سعید بن ابی عروبہؒ، اسماعیل بن ابراہیمؒ، اور مبارک بن فضالہؒ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔[4]

ملک شام سے تعلق رکھنے والے آپ کے مشائخ میں سرفہرست امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ) ہیں جو کہ اہل شام کے امام اور مجتہد عظیم ہیں، اور شام وغیرہ کے علاقوں میں کئی سو سال تک ان کی

---

۱. بلوغ الامانی (ص ۸)

۲. ایضاً (ص ۸)

۳. الطبقات الکبریٰ (۷/۲۴۲)

۴. بلوغ الامانی (ص ۸)

تقلید ہوتی رہی۔ آپ نے ان سے علم فقہ میں استفادہ کرنے کے علاوہ ان سے حدیث کی بھی روایت کی ہے، جیسا کہ امام ابن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) نے تصریح کی ہے۔[۱]

امام اوزاعیؒ کے علاوہ آپ نے شام کے دیگر محدثین وفقہاء مثلاً محمد بن راشد مکحولیؒ، اسماعیل بن عیاشؒ، اور ثور بن یزیدؒ وغیرہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیے ہیں۔[۲]

خراساں سے تعلق رکھنے والے امام عبداللہ بن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ) جو محدثین میں ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کے لقب سے مشہور تھے، یہ بھی آپ کے مشائخ میں سے ہیں۔[۳]

اور واسط کے کئی چیدہ چیدہ اہل علم سے بھی آپ نے اخذ علم کیا جن میں مشہور محدث اور امام فن الرجال شعبہ بن حجاجؒ (یہ بھی امام ابن المبارکؒ کی طرح ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کے لقب سے پکارے جاتے ہیں) عباد بن عوامؒ، اور ابو مالک بن عبد الملک نخعیؒ بھی شامل ہیں۔[۴]

غرضیکہ آپ تمام مشہور بلاد اسلامیہ کے علوم کے جامع تھے۔

مسند درس وتدریس

امام محمدؒ نے ماہر اساتذہ کی زیر تربیت، اور اپنی ذہانت اور محنت کی وجہ سے بہت جلد علوم دینیہ کی تحصیل فرمائی، اور نہایت کم عمری میں ہی مسند درس وتدریس پر فائز ہوگئے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ) نے اپنی سند کے ساتھ امام اعظمؒ کے جلیل القدر پوتے امام اسماعیلؒ بن حمادؒ بن ابی حنیفہؒ (م: ۲۱۲ھ) سے نقل کیا ہے کہ

> كان محمد بن الحسن لهٗ مجلس فی مسجد الكوفة وهو ابن عشرين سنة[۵]

امام محمد بن حسنؒ کی مسجد کوفہ میں مجلس درس لگتی تھی جب آپ کی عمر صرف بیس سال تھی۔

امام ابوسعد سمعانیؒ (م: ۵۶۲ھ) آپ کے تعارف میں ارقام فرماتے ہیں:

---

۱. الطبقات الکبریٰ (۲۴۲/۷)
۲. بلوغ الامانی (ص۸) از: امام زاهد الکوثریؒ
۳. ایضاً
۴. ایضاً
۵. تاریخ بغداد (۱۷۰/۲)

انه کان یجلس فی مسجد الکوفة وهو ابن عشرین سنة.[۱]

امام محمدؒ جب کوفہ کی مسجد میں درس کے لیے بیٹھے تو اس وقت آپ کی عمر صرف بیس سال تھی۔

آپ کچھ عرصہ کوفہ میں مسند درس کو آباد کرتے رہے، پھر بغداد تشریف لے گئے اور وہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

امام محمد بن سعدؒ (م:۲۳۰ھ) آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وقدم بغداد ونزلها واختلف الیه الناس وسمعوا منه الحدیث والرائی.[۲]

امام محمدؒ بغداد آ کر وہاں آباد ہو گئے، اور لوگ آپ کے پاس آنے لگے اور آپ سے حدیث اور رائے (فقہ) کا سماع کرنے لگے۔

علامہ ابن الندیمؒ (م:۳۸۵ھ) نے بھی آپ کے متعلق تصریح کی ہے کہ

وقدم بغداد و نزلها وسمع منه الحدیث واخذ عنه الرائی.[۳]

امام محمدؒ بغداد تشریف لائے تو وہیں مقیم ہو گئے، چنانچہ وہاں آپ سے حدیث کا سماع کیا گیا اور رائے (فقہ) کا علم حاصل کیا گیا۔

آپ کے درس سے بڑے بڑے نامور اور بکثرت لوگ فیض یاب ہوئے ہیں، اور جس طرح آپ سے حدیث کا درس لینے والوں میں نابغہ روزگار محدثین ہیں اسی طرح آپ سے تفقہ حاصل کرنے والوں میں بھی بلند پایہ ائمہ اور مجتہدین ہیں۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وتفقه به ائمة.[۴]

امام محمدؒ سے کئی ائمہ نے فقاہت سیکھی ہے۔

---

۱. کتاب الانساب (۳/۱۶۶)

۲. الطبقات الکبریٰ (۷/۲۴۲)

۳. کتاب الفهرست (ص ۲۵۷)

۴. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۰)

امام محمدؒ کے بعض نامور تلامذہ کا تعارف

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام محمدؒ کو جہاں دیگر کمالات سے نوازا، وہاں آپ کو درس وتدریس میں بھی انتہائی مقبولیت اور اعلیٰ درجہ کی مہارت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ آپ نے جب تدریس کا آغاز کیا تو تھوڑے عرصہ میں ہی آپ کے درس کا شہرہ پورے عالمِ اسلام میں پھیل گیا، اور دور دراز سے تشنگانِ علم آ کر آپ کے چشمہ علم سے سیراب ہونے لگے۔ آپ سے دینی علوم خصوصاً حدیث اور فقہ کی تعلیم پانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ یہاں مشکل ہے۔ ہم بطور ''گلے از گلزارے'' آپ کے صرف ان چند مشہور تلامذہ کا تعارف پیش کرتے ہیں جن کی دینی خدمات تاریخ اسلام کا سنہری باب ہے۔

۱۔ امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (م: ۲۰۴ھ)

حضرت امام شافعیؒ جو دوسری صدی کے مجدد، عظیم الشان مجتہد، ائمہ اربعہ میں سے تیسرے بڑے امام، اور حدیث وفقہ کے بلند پایہ سپوت ہیں۔ امام موصوف نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی فقہ کو امام محمدؒ سے حاصل کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے امام شافعیؒ کے مناقب میں تصریح کی ہے کہ:

> وانهت رياسة الفقه بالعراق الى ابى حنيفة، فاخذ عن صاحبه محمد بن الحسن حمل جمل ليس فيها شئى الا وقد سمعه عليه.[۱]

عراق میں فقہ کی ریاست امام ابو حنیفہؒ پر آ کر ختم تھی۔ امام شافعیؒ نے آپ کی فقہ کو آپ کے شاگرد امام محمد بن حسنؒ سے اخذ کیا، اور امام شافعیؒ نے ان سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا، اور اس علم میں سے کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کا انہوں نے امام محمدؒ سے سماع نہ کیا ہو۔

امام شافعیؒ نے اگرچہ متعدد ائمہ سے اخذ علم کیا لیکن ان میں سب سے زیادہ جن سے انہوں

۱۔ توالی التاسیس (ص ۷۳)

نے استفادہ کیا وہ امام محمدؒ بن حسنؒ ہیں، اور اس کا اقرار خود امام شافعیؒ نے بھی کیا ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) اپنی ''التاریخ الکبیر'' میں لکھتے ہیں:

قول الشافعی حملت عن محمد و قربختی صحیح، رواه ابن ابی حاتم قال حدثنا الربیع، قال سمعت الشافعی یقول حملت عن محمد بن الحسن حمل بختی لیس علیه الاسماعی۔[1]

امام شافعیؒ کا یہ قول کہ ''میں نے امام محمدؒ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا'' ان سے صحیح ثابت ہے، چنانچہ امام ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں کہ ہم سے امام ربیعؒ (تلمیذ الشافعیؒ) نے بیان کیا کہ میں نے خود امام شافعیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے امام محمد بن حسنؒ سے ایک بار اونٹ کے برابر علم حاصل کیا کہ جس کو میں نے (آپ سے اکیلے) سماع کیا تھا۔

حافظ ذہبیؒ کا یہ اپنا بیان ہے کہ

وکتب عن محمد بن الحسن الفقیه وقربختی۔[2]

امام شافعیؒ نے امام محمد بن حسن فقیہؒ سے ایک بار اونٹ کے برابر علم حاصل کیا۔

نیز ذہبیؒ امام محمدؒ کے ترجمہ میں تصریح کرتے ہیں کہ

اخذ عنه الشافعی فاکثر جدا۔[3]

امام شافعیؒ نے آپ سے بہت زیادہ علم حاصل کیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴ھ) آپ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

وسکن بغداد وحدث بها، وکتب عنه الشافعی حین قدمها فی سنة اربع وثمانین ومائة۔[4]

آپ نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں آپ حدیث کا درس دیا

---

۱. بلوغ الامانی (ص ۲۲)

۲. تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۶۵، ترجمہ امام شافعیؒ)

۳. سیر اعلام النبلاء (۹/ ۱۳۴)

۴. البدایة والنهایة (۷/ ۱۹۶)

کرتے تھے، امام شافعیؒ جب ۱۸۴ ہجری میں بغداد آئے تھے تو آپ سے انہوں نے حدیث لکھی تھی۔

نیز حافظ موصوف امام شافعیؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

واکرمه محمد بن الحسن و کتب عنه الشافعی وقر بعیر.[۱]

امام محمد بن حسنؒ نے امام شافعیؒ کا اکرام کیا تھا، اور امام شافعیؒ نے آپ سے ایک بار شتر کے برابر علم لکھا تھا۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

روی عنه الامام الشافعی ولازمه وانتفع به.[۲]

امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے، اور انہوں نے آپ (کی صحبت کو) کو لازم پکڑا ہے، اور آپ سے وہ نفع مند ہوئے ہیں۔

حافظ ابن عبدالہادی حنبلیؒ (م: ۷۴۴ھ) نے امام محمدؒ کے تعارف میں لکھا ہے:

احد شیوخ الامام الشافعی.[۳]

کہ آپ امام شافعیؒ کے شیوخ میں سے ایک ہیں۔

نیز دیگر متعدد محدثین مثلاً حافظ ابن عبدالبرؒ (م: ۴۶۳ھ)، علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ)، علامہ سمعانیؒ (م: ۵۶۲ھ)، علامہ ابن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ)، علامہ ابن الاثیرؒ (۶۳۰ھ)، علامہ ابن الفراتؒ (م: ۸۰۷ھ)، علامہ ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۱ھ)، اور علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م: ۱۰۸۹ھ) وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے اخذ علم کیا تھا اور انہوں نے آپ سے فقہ اور حدیث کی روایت کی ہے۔[۴]

---

۱. ایضاً (۲۵۵/۷)

۲. الجواهر المضية (۴۲/۲)

۳. مناقب الائمة الاربعة (ص ۲۰)

۴۔ دیکھیے الانتقاء (ص ۹۷)، تاریخ بغداد (۱۶۹/۲)، کتاب الانساب (۱۲۶/۳)، وفیات الاعیان (۳۲۱/۲)، اللباب (۳۵/۲)، تعجیل المنفعة (ص ۳۶۱)، شذرات الذهب (۳۲۱/۱)

امام شافعیؒ کی ''مسند'' میں بھی امام محمدؒ کی کم از کم سات احادیث موجود ہیں،[1]
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۱ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ:
امام شافعیؒ کی مسند میں ان کی امام محمدؒ سے روایت کردہ احادیث موجود ہیں۔[2]
مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد (م:۱۳۲۹ھ) اس مسند کی ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

رواه الشافعی فی مسنده عن محمد بن الحسن عن ابی یوسف القاضی عن هشام بن عروة عن ابیه......[3]

اس حدیث کو امام شافعیؒ نے اپنی ''مسند'' میں امام محمد بن حسنؒ سے روایت کیا ہے، اور وہ اس کو امام ابو یوسف قاضیؒ سے، وہ ہشام بن عروہؒ سے، اور وہ اس کو اپنے والد عروہؒ سے روایت کرتے ہیں......۔

روایتِ حدیث کے علاوہ امام شافعیؒ آپ کی فقہ سے بھی بہت بہرہ مند ہوئے ہیں، اور اسی لیے محدث ناقد حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے ان کو امام محمدؒ سے فقہ حاصل کرنے والوں میں سب سے زیادہ فقیہ قرار دیا ہے، چنانچہ ذہبیؒ، امام حماد بن ابی سلیمانؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وافقه اصحاب محمد، ابی عبدالله الشافعی.[4]

امام محمد بن حسنؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ فقیہ امام ابوعبداللہ شافعیؒ ہیں۔
علاوہ ازیں حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) نے بھی امام شافعیؒ کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ

فاجتمع بمحمد بن الحسن و کتب کُتبه.[5]

امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے ساتھ مجالست کی تھی، اور آپ سے آپ کی کتابیں لکھی

[1] دیکھئے مسند الشافعی (ص ۳۳۸، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۸۴)
[2] تعجیل المنفعة (ص ۳۶۱)
[3] التعلیق المغنی (۲/۲۷۳)
[4] سیر اعلام النبلاء (۵/۲۳۴)
[5] مجموع الفتاوی (۲۰/۱۵۰)

تھیں۔

نیز حافظ موصوف، امام ابو یوسفؒ کی کتاب ''اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

واخذه عنه محمد بن الحسن ونقله الشافعی عن محمد بن الحسن[1]

امام ابو یوسفؒ سے اس کتاب کو امام محمد بن حسنؒ نے لیا، اور امام محمدؒ سے اس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن الیمانی المعلمیؒ غیر مقلد (م:۱۳۸۶ھ) بھی اس حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالحق ان الشافعی سمع بعض الکتب من محمد علی سبیل الروایة.[2]

حق بات یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے آپ کی کتب کو باقاعدہ روایت کے طریقے کے مطابق سنا تھا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد (م:۱۳۸۷ھ) نے بھی اقرار کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے استفادہ کیا ہے۔[3] [4]

---

۱. ایضاً (۱۴۹/۲۰)

۲. التنکیل (۴۲۱/۱)

۳. تحریک آزادی فکر (ص ۸۲)

۴. **امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے تلمذ پر علی زئی کی ہٹ دھرمی:** مذکورہ بالا تحقیق اور ٹھوس حوالوں سے الحمدللہ! یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے، اور امام شافعیؒ نے آپ سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ مگر ایک نام نہاد محقق حافظ زبیر علی زئی نے ان سب حقائق سے دانستہ چشم پوشی کرتے ہوئے محض حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاذ قول کے بل بوتے امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے تلمذ کا انکار کر دیا، چنانچہ لکھتے ہیں: ایک رافضی نے کہا کہ (امام) شافعی نے محمد بن الحسن سے پڑھا ہے، تو اس کی تردید کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

(گذشتہ سے پیوستہ) ان هذا الیس کذلک بل جالسهٗ وعرف طریقه وناظره واول من اظهر الخلاف لمحمد بن الحسن ورد علیه الشافعی...... ایسی بات نہیں ہے بلکہ (امام شافعی) اس کے پاس بیٹھے ہیں، اس کا طریقہ پہنچانا ہے اور اس سے مناظرہ کیا ہے، سب سے پہلے محمد بن الحسن سے اختلاف اور اس کا رد امام شافعی نے کیا ہے۔ (منهاج السنة النبویة: ج ۴ ص ۱۴۳) ایک غالی دیوبندی نے شیخ الاسلام کا رد لکھا ہے۔ لیکن یہ مردود ہے۔ (الحدیث ش ۷، ص ۱۲، ۱۳)

علی زئی اس عبارت سے یہ تأثر دے رہے ہیں کہ امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے تلمذ کے قائل صرف رافضی ہیں حالانکہ بحوالہ گزر چکا ہے کہ خود امام شافعی سمیت متعدد محدثین نے امام شافعی کے امام محمد سے تلمذ کی تصریح کی ہے، کیا یہ سب حضرات بھی علی زئی کی نظر میں رافضی ہیں؟

نیز امام شافعیؒ کی ''مسند'' میں بھی امام محمدؒ سے کئی احادیث مروی ہیں، اور ان میں سے ایک حدیث کی سند بحوالہ مولانا عظیم آبادیؒ غیر مقلد ہم نقل بھی کر چکے ہیں۔

اور پھر حافظ ابن تیمیہؒ کے دو حوالے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں جن میں انہوں نے بھی امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے تلمذ اور ان سے روایت کرنے کا اقرار کیا ہے، اسی طرح شیخ معلمیؒ غیر مقلد کا حوالہ بھی گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے بعض کتب روایت کی ہیں، اور مولانا اسماعیل غیر مقلد نے بھی امام شافعیؒ کے آپ سے استفادہ کرنے کا اقرار کیا ہے۔

اب علی زئی صاحب کی دیانت داری ملاحظہ کریں کہ خود امام شافعیؒ بھی امام محمدؒ سے اپنے تلمذ کا اقرار کر رہے ہیں، اور دیگر محدثین اور علمائے غیر مقلدین بھی اس کی تصریح کر رہے ہیں، حافظ ابن تیمیہؒ بھی دوسری جگہ ان کے امام محمدؒ کے شاگرد ہونے کی تصدیق کر رہے ہیں، اور سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود امام شافعیؒ کی مسند میں بھی امام محمدؒ سے مروی احادیث موجود ہیں، لیکن یہ سب حوالہ جات تو علی زئی کی نظر میں مردود ٹھہر رہے ہیں، اور حافظ ابن تیمیہؒ کا ایک شاذ قول ہی ان کے ہاں معتبر قرار دیا جا رہا ہے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

اور پھر علی زئی نے حافظ ابن تیمیہؒ کا یہ حوالہ نقل کرنے میں بھی دجل و تلبیس کا مظاہرہ کیا ہے، اور ان کی پوری عبارت نقل نہیں کی کیونکہ اس سے علی زئی کے اپنے مؤقف پر زد پڑتی تھی۔ وہ اس طرح کہ جس رافضی کی حافظ ابن تیمیہؒ نے تردید کی ہے اس نے نہ صرف یہ کہ امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے تلمذ کا ذکر کیا ہے بلکہ اس نے امام شافعیؒ سے امام احمدؒ کے تلمذ کا بھی ذکر کیا تھا، اور حافظ موصوف نے اس کی ان دونوں

امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کو تعلیم دینے کے علاوہ ان پر دیگر بھی بڑے احسانات کیے ہیں، چنانچہ علامہ ابن الفرات (م: ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں:

وکان کثیر البر بالامام الشافعیؒ فی قضاء دیونہ والانفاق علیہ من مالہ وعارۃ الکتب[1]

امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کے ساتھ بڑے احسانات کیے ہیں، ان کے قرضے ادا کیے، ان پر مال خرچ کیا، اور ان کو عاریتاً کتابیں عطا کیں۔

جب امام شافعیؒ بغداد میں بعض شر پسندوں کی سازش سے خلیفہ ہارون الرشید کے عتاب میں آ گئے تھے، اور قریب تھا کہ خلیفہ ان کو قتل کروا دیتا، لیکن امام محمدؒ (جو اس وقت خلیفہ کے انتہائی مقربین میں سے تھے) اللہ کی طرف سے غیبی مدد بن کر ان کی امداد کے لیے بیچ میں آ گئے، اور خلیفہ

(گذشتہ سے پیوستہ) باتوں کی تردید کی ہے (جو خلاف تحقیق ہے)، چنانچہ حافظ موصوف کی جو عبارت علی زئی نے ذکر کی ہے اس سے آگے ان کی عبارت یوں ہے:

وکذلک احمد بن حنبل لم یقرأ علی الشافعی لکن جالسہ کما جالس الشافعی محمد بن الحسن، واستفاد کل منہما من صاحبہ. (منہاج السنۃ: ۱۴۳/۴)

(امام شافعیؒ نے جیسے امام محمدؒ سے نہیں پڑھا) اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے بھی امام شافعیؒ سے نہیں پڑھا، بلکہ صرف ان کے پاس بیٹھے ہیں جیسا کہ امام شافعیؒ، امام محمد بن حسنؒ کے پاس بیٹھے تھے، اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی سے استفادہ کیا ہے۔

علی زئی نے حافظ موصوف کی یہ عبارت اس لیے چھوڑ دی ہے کیونکہ اس میں امام شافعیؒ سے امام احمدؒ کے تلمذ کی بھی نفی ہے، جب کہ علی زئی امام شافعیؒ کو امام احمدؒ کے استاذ تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ابو حاتم رازی نے امام احمد کو علم حدیث میں ان کے استاد امام شافعی پر ترجیح دی ہے۔
(الحدیث: ش ۲۵، ص ۳۹)

یہ ہے علی زئی کا انصاف! کہ حافظ ابن تیمیہؒ کی آدھی بات ان کے ہاں مقبول ہے اور آدھی بات مردود۔ گویا

ع
میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

1. شذرات الذھب (۳۲۳/۱، ۳۲۴)

کے سامنے ان کی صفائی پیش کر کے ان کو اپنی ضمانت سے خلیفہ سے چھڑوالیا۔ اس طرح امام شافعیؒ قتل ہونے سے بچ گئے۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م:۱۰۸۹ھ) اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فیجب علیٰ کل شافعی الیٰ یوم القیمة ان یعرف هذا لمحمد بن الحسن ویدعوله بالمغفرة۔[۱]

یوم قیامت تک آنے والے ہر شافعی المذہب شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ امام محمد بن حسنؒ کے اس احسان کو پہچانے، اور آپ کی مغفرت کے لیے دعا کرے۔

امام شافعیؒ سے منسوب ''رحلۃ الشافعی'' کی حقیقت:

لیکن صد افسوس کہ بعض متعصب شافعیوں نے امام محمدؒ کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے الٹا امام شافعیؒ کے نام سے ایک جھوٹا سفرنامہ (رحلة الشافعی) گڑھ کر امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ پر یہ جھوٹا الزام لگا دیا کہ ان دونوں حضرات نے امام شافعیؒ کے قتل کی سازش کی تھی، اور خلیفہ کو ان کے قتل پر ابھارا تھا۔ اس طرح اس فرضی سفرنامے میں انہوں نے اور طرح طرح کے جھوٹ امام شافعی اور امام محمدؒ کی طرف منسوب کیے ہیں۔

علامہ ابن العمادؒ بحوالہ علامہ ابن الفراتؒ ان لوگوں کی تردید میں لکھتے ہیں:

وقد ذكر بعض الشافعية ان محمد بن الحسن وشى بالامام الشافعي الى الخليفة بانه يدعى انه يصلح للخلافة وكذا ابو يوسف رحمهمالله، وهذا بهتان وافتراء عليهما، والعجب منهم كيف نسبوا هذا اليهما مع علمهم بان هذا لايليق بالعلماء ولايقبله عقل عاقل.[۲]

بعض شافعیوں نے ذکر کیا ہے کہ امام محمد بن حسنؒ، اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے بھی خلیفہ (ہارون الرشیدؒ) سے شکایت کی تھی کہ امام شافعیؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ میں خلیفہ بننے کا اہل ہوں، حالانکہ یہ ان دونوں اماموں پر محض بہتان اور

---

۱. ایضاً

۲. ایضاً

افتراء ہے، ان لوگوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے کس طرح یہ بات ان کی طرف منسوب کردی حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ چیز علماء کے لائق نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی عقل منداس کو قبول کرسکتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ)، حافظ ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ)، اور حافظ ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ) وغیرہ محدثین نے بھی امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ پر ان الزامات کی پرزور تردید کی ہے، اور امام شافعیؒ کی طرف منسوب ان سفرناموں کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے۔[1]

امام محمد زاہد الکوثریؒ (م ۱۳۷۱ھ) نے بڑی عرق ریزی سے ان سفرناموں کی ایک ایک جزئی کی خوب نقاب کشائی کی ہے۔[2] جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء.[3]

۲۔ امام احمد بن حنبلؒ (م:۲۴۱ھ)

امام احمدؒ حدیث اور فقہ کے ارکان میں شمار ہوتے ہیں، اور ائمہ متبوعین میں امام شافعیؒ کے بعد ان ہی کا مقام و مرتبہ ہے۔

یہ عظیم المرتبت امام بھی امام محمد بن حسنؒ سے استفادہ کرنے والوں میں سے ہیں۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے بہ سند متصل امام احمدؒ کے صاحبزادے امام عبداللہ بن احمدؒ (م:۲۹۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ

---

۱. مجموع الفتاویٰ (۲۰/۱۵۰)، البدایۃ والنہایۃ (۷/۱۷۳)، توالی التاسیس (ص ۱۳۱، ۱۳۲)

۲۔ دیکھئے بلوغ الامانی (ص ۲۸ تا ص ۳۵)

۳۔ پاک و ہند کے بعض غیر مقلدین امام شافعیؒ کی طرف منسوب ان من گھڑت سفرناموں کو شائع کرتے ہیں، اور ان کو امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان مخالفت اور دشمنی ثابت کرنے کے لیے بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد نے ایسے ہی ایک جھوٹے سفرنامے کے چند اقتباسات نقل کرکے امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے تلمذ کو محض افسانہ قرار دے دیا۔ (التحقیق الراسخ، ص ۱۸۶)۔ اناللہ......

یہ ہے ان کے استاذ العلماء کا حال، تو پھر اندازہ لگالیں کہ ان کے جہلاء کا کیا حال ہوگا؟

ع قیاس کن ز گلستان من بہار را

كتب ابى عن ابى يوسف و محمد ثلاثة قماطر، قلت لهٗ كان ينظر فيها، قال كان ربما ينظر فيها.[1]

میرے والد (امام احمدؒ) نے امام ابو یوسفؒ، اور امام محمد بن حسنؒ سے تین قماطیر (بڑے تھیلے) علم کے لکھے تھے، (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے امام عبداللہؒ سے پوچھا کہ: کیا آپ کے والد ان کا مطالعہ بھی کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! بسا اوقات ان کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔

شیخ عبدالرحمٰن الیمانی المعلمیؒ غیر مقلد (م: ۱۳۸۶ھ) اس قول کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فالظاهر انه كتب عنهما مما يرويانه من الآثار.[2]

اس قول سے ظاہر یہی ہے کہ امام احمدؒ نے امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ سے ان دونوں کی احادیث لکھی تھیں۔

نیز علامہ خطیب بغدادیؒ نے امام احمدؒ کے شاگرد امام ابراہیم حربیؒ (م: ۲۸۵ھ) سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ آپ نے یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل کیے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

من كتب محمد بن الحسن.[3]

کہ امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں سے۔[4]

---

۱. تاریخ بغداد (۳/۲۲۵) ترجمہ علامہ واقدیؒ

۲. التنکیل (۱/۱۶۵)

۳. تاریخ بغداد (۲/۱۷۴)

۴. **امام محمدؒ سے امام احمدؒ کے تلمذ پر علیزئی کی نکتہ چینی کی حقیقت:** علی زئی امام احمد کے مذکورہ بالا قول پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس روایت کے راوی ابو بکر القراطیسی کی توثیق نامعلوم ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا تعلق روایت حدیث سے نہیں ہے۔ (الحدیث: ش ۷، ص ۱۸)

جواب: اس قول کے صحیح ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ مورخ اسلام حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے اپنی تاریخ میں اس قول کو نقل کر کے اس پر کوئی جرح و قدح نہیں کی۔ (البدایۃ والنھایۃ: ۷/۱۹۷) اور غیر مقلدین کے امام العصر مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ نے امام ابن کثیرؒ کے بارے میں تصریح کی ہے کہ ان کی عام روش یہی ہے کہ وہ قابل جرح روایت پر جرح ظاہر کر دیتے ہیں (سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

(گذشتہ سے پیوستہ) ص ۱۸۳) بنابریں امام ابن کثیرؒ کا اس قول کو نقل کرنے کے بعد جرح سے سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس قول کی سند صحیح ہے۔ لہٰذا اس قول کی سند کے راوی ''القراطیسی'' کو مجہول کہنا غلط ہے۔

ثانیاً: اگر اس کی توثیق معلوم نہ بھی ہو تو پھر بھی کوئی مضر نہیں کیونکہ علی زئی کے انتہائی ممدوح مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد (جن کو علی زئی نے "شيخ الاسلام، حجة الاسلام، شيخ القرآن والحديث، الامام الثقة، المتقن الحجة، المحدث الفقيه، الاصولی" قرار دیا ہے۔ ''الكواكب الدرية'' ص ۷) نے ایک راوی جس کی توثیق نا معلوم ہے، کے بارے میں لکھتے ہیں:
مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو۔ (خير الكلام: ص ۲۴۸)

نیز لکھتے ہیں: علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) کے رُوات (راویوں) میں بہت ایسے ہیں جن کی توثیق صراحتاً کسی سے ثابت نہیں۔'' (ایضاً ص ۱۶۹)

اسی طرح انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ عراقی فرماتے ہیں جو محدث مجروح نہ ہو وہ آنحضرت ﷺ کے اس قول کہ (اس علم کے اٹھانے والے عادل ہوں گے) عادل ٹھہرے گا۔ (ایضاً ص ۱۶۸)

علی زئی کے اس انتہائی ممدوح کے مذکورہ اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ کسی راوی کی توثیق معلوم نہ ہونا مضر نہیں ہے بشرطیکہ وہ مجروح نہ ہو۔ اور ابو بکر قراطیسی کا مجروح ہونا ثابت نہیں ہے ورنہ علی زئی حوالہ پیش کریں۔ اور پھر اس کی مذکورہ روایت کی تائید پہلی روایت سے بھی ہو رہی ہے جس میں امام احمدؒ کا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے دو قماطیر علم لکھنے کا ذکر ہے اور وہ روایت بالکل صحیح ہے۔ لہٰذا متابعت کی صورت میں یہ روایت بھی قابل حجت ہے۔

رہا علی زئی کا یہ کہنا کہ اس قول کا روایت حدیث سے تعلق نہیں ہے تو جواباً عرض ہے کہ امام احمدؒ کا امام محمدؒ سے یہ مسائل لکھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نظر میں یہ مسائل حدیث کے موافق تھے اور امام محمدؒ ان کے نزدیک علم حدیث میں با اعتماد تھے۔

اور اگر اس قول کا تعلق روایت حدیث سے نہ بھی ہو بلکہ فقہی مسائل سے ہو تو پھر بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ امام احمد کے پہلے قول کا تعلق تو ضرور روایت حدیث سے ہے کیونکہ شیخ معلمیؒ غیر مقلد (جن کو علی زئی صاحب: ''ذہبی عصر حقا'' قرار دیتے ہیں۔'' (نور العینین: ص ۱۱۹) کی تصریح گزر چکی ہے کہ امام احمدؒ کے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے تین قماطیر لکھنے کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ امام احمدؒ نے ان دونوں سے ان کی مروی احادیث لکھی تھیں۔ لہٰذا امام احمدؒ کے پہلے قول سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ امام محمدؒ ان کے نزدیک روایت حدیث میں با اعتماد تھے، اور دوسرے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں آپ فقہ میں بھی قابل حجت اور قابل استدلال تھے، اور امام احمدؒ نے فقہ اور حدیث دونوں علوم میں آپ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وهذا هو مطلوبنا.

اس طرح امام محمدؒ کو یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوا کہ ائمہ اربعہ میں سے دو اماموں (ابو حنیفہؒ و مالکؒ) سے آپ نے علم حاصل کیا، جب کہ ان میں سے دو اماموں (شافعیؒ و احمدؒ) نے آپ سے علم حاصل کیا۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.

۳۔ امام اسد بن فراتؒ (م: ۲۱۳ھ)

امام موصوف ایک بلند پایہ فقیہ، جلیل القدر محدث، عظیم مجاہد، اور فاتح صقلیہ (افریقہ) ہیں، نیز ان کا شمار امام مالکؒ اور صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے کبار تلامذہ میں ہوتا ہے۔

یہ ۱۴۲ھ میں نجران میں پیدا ہوئے، جب دو سال کے تھے تو ان کے والد ان کو لے کر قیروان آگئے، پھر وہاں سے یہ تونس چلے گئے اور وہاں تحصیل علم میں مشغول ہو گئے، مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مدینہ منورہ اور عراق (کوفہ وغیرہ) کا سفر کیا، اور امام مالکؒ، اور امام محمدؒ وغیرہ مشائخ سے فقہ اور حدیث کا درس لیا۔

حافظ ابن ناصر الدین (م ۸۴۰ھ) ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

اختلف الیٰ علی بن زیاد التونسی بتونس فلزمهٗ و تفقه به ثم رحل الی المشرق وسمع من مالک بن انس مؤطا وغیره. ثم رحل الی العراق فاخذ عن ابی یوسف و محمد بن الحسن وابی بکر بن عیاش وغیرهم.[1]

امام ابن الفراتؒ تونس میں علی بن زیاد تونسیؒ کے پاس تشریف لے گئے، اور ان کی مجلس میں باقاعدگی سے شریک ہو کر ان سے فقہ حاصل کیا، پھر انہوں نے مشرق (مدینہ منورہ) کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ سے ان کی ''مؤطا'' اور دیگر احادیث کا سماع کیا، اور پھر یہ عراق (کوفہ) چلے گئے اور امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن حسنؒ، اور امام ابو بکر بن عیاشؒ وغیرہ سے علم حاصل کرنے لگے۔

جب یہ امام مالکؒ کے پاس مقیم تھے تو دوران سبق یہ ان سے فقہ کے متعلق بڑے

---

[1] اتحاف السالک (ص ۲۶۲)

سوالات کرتے تھے۔ایک دن امام مالکؒ نے تنگ آ کر ان سے کہہ دیا:

ان احببت الرائی فعلیک بالعراق.

اگر تو رائے (فقہ) پسند کرتا ہے تو پھر عراق چلا جا۔

امام ابن الفراتؒ یہ سن کر کوفہ آ گئے، اور امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ خصوصاً امام محمد بن حسنؒ سے فقہ حاصل کرنے لگے۔[1]

علامہ زاہد الکوثریؒ (۱۳۷۱ھ) بحوالہ "معالم الایمان فی تاریخ القیروان" لکھتے ہیں:

فسمع اسد بن الفرات بالعراق من اصحاب ابی حنیفة وتفقه علیهم: منهم ابو یوسف القاضی، واسد بن عمروا لبجلی، ومحمد بن الحسن وغیرهم من فقهاء العراق وکان اکثر اختلاقه الیٰ محمد بن الحسن.[2]

امام اسد بن فراتؒ نے عراق میں امام ابوحنیفہؒ کے جن تلامذہ سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے فقہ کی تعلیم پائی ان میں امام ابو یوسف قاضیؒ، امام اسد بن عمرو البجلیؒ، اور امام محمد بن حسنؒ وغیرہ شامل ہیں، اور ان کی اکثر آمد و رفت امام محمد بن حسنؒ کے پاس رہتی تھی۔

امام محمدؒ نے ان پر خاص توجہ دی اور ان کو حدیث وفقہ کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ مالی طور پر بھی ان کی امداد کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے فقہ میں مکمل عبور حاصل کر لیا۔ پھر یہ مصر چلے گئے اور وہاں ان کی ملاقات امام مالکؒ کے تلامذہ خصوصاً ان کے شاگرد کبیر امام عبدالرحمٰن بن قاسمؒ (م:۱۹۹ھ) سے ہوئی، اور انہوں نے امام محمدؒ سے دوران سبق جو فقہ حنفی کی فروعات (جزئیات) لکھی تھیں ان ہی کی طرز پر انہوں نے امام ابن القاسمؒ سے سوالات کر کے فقہ مالکی کی فروعات لکھیں جو کہ "مسائل اسدیہ" سے مشہور ہوئیں، اور پھر یہی "مسائل اسدیہ" آگے جا کر فقہ مالکی کی تدوین (یعنی فقہ مالکی کی بنیادی کتاب "المدونہ" للسحنونؒ) کی بنیاد بنے۔

مشہور محدث امام ابوزرعہ رازیؒ (م:۲۶۴ھ) سے ان کے شاگرد حافظ ابوعثمان البرزعیؒ

---

۱. معالم الایمان فی تاریخ القیروان (۲/ ۴-۱۶)؛ بلوغ الامانی (ص ۱۴)

۲. بلوغ الامانی (ص ۱۵)

(م:۲۹۲ھ) نے پوچھا کہ: یہ مسائل اسدیہ کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

كان رجل من اهل المغرب يقال لهٔ اسد، رحل الىٰ محمد بن الحسن فسأله عَنْ هذه المسائل، ثم قدم مصر فاذا عبدالله بن وهب فسأله ان يسألهٔ عن تلك المسائل. فما كان عنده فيها عن مالك اجابهٔ، ومالم يكن عنده قاس علىٰ مالك فلم يفعل. فأتىٰ عبدالرحمن بن القاسم فتوسع له فاجابهٔ علىٰ هذا.[1]

اہل مغرب میں سے ایک آدمی تھے جن کو اسد (بن فرات) کہا جاتا ہے، انہوں نے امام محمد بن حسنؒ کے پاس جا کر آپ سے ان مسائل (کے جوابات) پوچھے تھے، پھر یہ مصر آ گئے اور یہاں انہوں نے امام عبداللہ بن وہبؒ (تلمیذ امام مالکؒ) سے ان مسائل کے متعلق پوچھا، ان کے پاس ان سوالات میں سے جن کے متعلق امام مالکؒ سے کچھ منقول تھا ان کے جوابات امام مالکؒ کے حوالے سے دے دیئے، اور جن سوالات کے متعلق ان کے پاس امام مالکؒ سے کچھ نہیں لکھا ہوا تھا ان کے جوابات انہوں نے جب امام مالکؒ کے دوسرے اقوال پر قیاس کر کے دیئے تو امام ابن الفراتؒ نے ان کو لکھنے سے انکار کر دیا اور (امام مالکؒ کے بڑے شاگرد) امام عبدالرحمٰن بن قاسمؒ کے پاس آ گئے، وہ ان کے ساتھ بڑی کشادگی سے پیش آئے اور ان کے سب سوالات کے جوابات ان کو امام محمدؒ کی طرز پر دیئے۔

امام ابوزرعہؒ کے مذکورہ قول کو امام ابن ابی حاتمؒ نے بھی ان سے نقل کیا ہے۔[2]

علامہ زاہد الکوثریؒ (م:۱۳۷۱ھ) نے "نیل الابتهاج بتطریز الدیباج" کے حوالے سے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

وهذه اسدية هى اصل مدونة سحنون اصلح ابن القاسم منها

---

[1] سوالات البرزعى لابى زرعة الرازى (ص ۲۴۹، ۲۵۰)، اتحاف السالک (ص ۲۶۴)

[2] الجرح والتعديل (۲۷۹/۵)

اشیاء علیٰ یدسخنون.[1]

یہ مسائل اسدیہ ہی امام سحنونؒ کی "مُدونہ" کی اصل ہیں، امام ابن القاسمؒ نے ان میں سے بعض مسائل کی اصلاح (اپنے شاگرد) امام سحنونؒ کے ہاتھ سے کروائی تھی۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م: ۷۲۸ھ) نے بھی "مُدوّنہ" کی اصل اہل عراق (یعنی امام محمدؒ) کی فروعاتِ مسائل کو قرار دیا ہے۔[2]

واضح رہے کہ فقہ مالکی کی سب سے بنیادی اور باعتماد کتاب "المدوّنہ" ہی ہے کہ جس کی اصل امام محمدؒ کے وہ مسائل ہیں جن کو آپ سے امام اسد بن فراتؒ نے لکھا تھا۔

گویا فقہ مالکی کے مسائل کی تدوین بھی امام محمدؒ اور آپ کے شاگرد امام ابن الفراتؒ کے مرہون منت ہے۔ امام ابن الفراتؒ کا یہ بھی بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے بیک وقت فقہ حنفی اور فقہ مالکی کو دیارِ مغرب میں متعارف کروایا، اور آخر عمر میں یہ فقہ حنفی کی ہی صرف نشر واشاعت کرتے رہے جس سے فقہ حنفی افریقہ اور مغرب میں اندلس (سپین) تک پھیل گیا، اور ۴۰۰ ہجری تک یہاں فقہ حنفی کا غلبہ رہا اور یہاں کے رہنے والوں کی اکثریت فقہ حنفی سے ہی وابستہ رہی[3] رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۴۔ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)

امام یحییٰ ایک یگانہ روزگار محدث اور فن جرح وتعدیل کے مایہ ناز سپوت ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحبؒ غیر مقلد نے لکھا ہے کہ

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین جن کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

کل حدیث لا یعرفه یحییٰ فلیس بحدیث.

---

۱. بلوغ الامانی (ص ۱)

۲. مجموع الفتاوی (۱۵۰،۱۴۹/۲۰)

۳. بلوغ الامانی (ص ۱۷) للامام الکوثریؒ، ابو حنیفة، حیاتهٔ وعصرهٔ، آراؤهٔ وفقههٔ (ص ۴۰۳) للشیخ ابی زهرةؒ

یعنی جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانیں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔[1]

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ حدیث اور فن جرح و تعدیل کے یہ عالی المرتبت امام نہ صرف یہ کہ فقہ حنفی سے وابستہ تھے بلکہ ان کا شمار کٹر حنفیوں میں ہوتا ہے۔

حافظ ذہبیؒ ان کے متعلق تصریح کرتے ہیں:

ان ابن معين كان من الحنفية الغلاة في مذهبه وان كان محدثا.[2]

امام یحییٰ بن معینؒ ان حنفیوں میں سے ہیں جو اپنے مذہب (فقہ حنفی) میں غالی ہیں، اگرچہ یہ محدث ہیں۔

نیز ذہبیؒ امام موصوف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

قد كان ابو زكرياؒ حنفيا في الفروع.[3]

بے شک امام ابوزکریا (یحییٰ بن معینؒ) فروعی مسائل میں حنفی تھے۔

موصوف نے فقہ حنفی کی تعلیم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعدد تلامذہ سے لی تھی جن میں سے امام محمد بن حسنؒ بھی ہیں، چنانچہ انہوں نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "الجامع الصغیر" امام محمدؒ سے پڑھی تھی۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) امام محمدؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وكتب عنه يحيى بن معين الجامع الصغير.[4]

آپ سے امام یحییٰ بن معینؒ نے "الجامع الصغیر" لکھی تھی۔

نیز علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ) نے بہ سند متصل خود امام ابن معینؒ کا اپنا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

كتبتُ الجامع الصغير عن محمد بن الحسن.[5]

---

۱. تحقيق الكلام (۲/۸۷)
۲. الرواة الثقاة المتكلم فيهم فيمالا يوجب ردهم (ص ۷)
۳. سير اعلام النبلاء (ت ۱۲۲۵)
۴. الجواهر المضية (۲/۴۳)
۵. تاريخ بغداد (۲/۱۷۳)

میں نے ''الجامع الصغیر'' خود امام محمد بن حسنؒ سے لکھی تھی۔[1]
فقہی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ امام یحییٰ بن معینؒ نے آپ سے روایت حدیث بھی کی ہے جیسا کہ حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ)، اور حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م:۸۷۹ھ) وغیرہ محدثین نے تصریح کی ہے۔[2]

۵۔ امام احمد بن حفص بخاری المعروف بہ ابوحفص کبیرؒ (م:۲۱۷ھ)

موصوف اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت ''ابوحفص'' سے مشہور ہیں، ان کے صاحبزادے امام محمد بن احمد بن حفصؒ (م:۲۶۴ھ) کی بھی ایک کنیت چونکہ ''ابوحفص'' ہے، اور وہ بھی اپنی اس کنیت سے زیادہ پہچانے جاتے ہیں، اس لیے ان دونوں میں فرق کرنے کے لیے باپ کو ''ابو حفص کبیر'' اور بیٹے کو ''ابوحفص صغیر'' کہا جاتا ہے۔[3]

۱۔ **امام محمدؒ سے امام ابن معینؒ کے تلمذ پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** معترض زبیر علی زئی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ مذکورہ قول کی سند امام یحییٰ بن معین تک صحیح ہے۔ (الحدیث: ش ۷، ص ۱۴، ج ۱) لیکن آگے اپنی عادت کے موافق اس قول پر یہ نکتہ چینی کر دی کہ الجامع الصغیر لکھنے کے بعد امام یحییٰ بن معین کس نتیجے پر پہنچے اس کا تذکرہ عباس الدوری کی تاریخ میں ہے۔

قال یحییٰ بن معین: محمد بن الحسن الشیبانی لیس بشئی. (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری ۱۷۷۰) یعنی محمد بن الحسن الشیبانی کچھ چیز نہیں ہے۔ (الحدیث ش ۷ ص ۱۴)

جواب: امام ابن معین کے اس قول: ''لیس بشئی'' کا جائزہ تو ہم انشاء اللہ امام محمدؒ کے خلاف منقول جرح کے جواب میں لیں گے کہ یہ کلمہ جرح ہے بھی یا نہیں، اور اس کا کیا مطلب ہے؟

یہاں صرف اتنا عرض ہے کہ اگر یہ کلمہ جرح ہو بھی تو علی زئی نے کس دلیل کی بنا پر یہ کہہ دیا ہے کہ امام ابن معینؒ نے امام محمدؒ سے ''الجامع الصغیر'' لکھنے کے بعد یہ جرح کی ہے؟ یہ کیوں نہیں ممکن کہ پہلے انہوں نے غلط فہمی کی بنا پر جرح کی ہو اور پھر اصل حقیقت واضح ہو جانے کے بعد انہوں نے اس سے رجوع اور امام محمدؒ سے رشتہ تلمذ استوار کر لیا ہو؟ علی زئی بریلویوں سے بھی چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ تو انبیاء علیہم السلام کے لیے دعویٰ علم غیب کرتے ہیں جب کہ علی زئی خود اپنے لیے یہ دعویٰ کر رہے ہیں۔ فیاللعجب۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۲۔ مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ (ص ۵۰)؛ تاج التراجم (ص ۱۵۹)

۳۔ الفوائد البھیۃ (ص ۱۸)

امام ابوحفص کبیر کئی سال امام محمدؒ کی صحبت میں رہ کر ان سے تفقہ حاصل کرتے رہے، اور ان کا شمار آپ کے کبار تلامذہ میں ہوتا ہے۔

حافظ ذہبیؒ ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ارتحل وصحب محمد بن الحسن مدةً، وبرع فی الرأی، وسمع من وکیع بن الجراح، وابی اسامة، وهذه الطبقة.[۱]

امام ابوحفص کبیرؒ نے طلب علم میں رحلت سفر باندھا اور کئی سال امام محمدؒ کی صحبت میں رہ کر رائے (فقہ) میں عبور حاصل کیا، اور وکیع بن جراحؒ، ابواسامہؒ اور اس طبقہ کے دیگر محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔

نیز ذہبیؒ نے ان کے ترجمے کا آغاز ان القاب سے کیا ہے:

احمد بن حفص الفقیه العلامة، شیخ ماوراء النهر، ابوحفص البخاری الحنفی، فقیه المشرق، ووالد العلامة شیخ الحنفیة ابی عبدالله محمد بن احمد بن حفص الفقیه.[۲]

اسی طرح حافظ ذہبیؒ نے ان کے صاحبزادے امام ابوحفص صغیرؒ کے ترجمے میں لکھا ہے کہ

وکان ابوه من کبار تلامذة محمد بن الحسن انتهت الیه رئاسة الاصحاب ببخاری، والیٰ ابنه ابی عبدالله هذا، وتفقه علیه ائمة.[۳]

ان کے والد (ابوحفص کبیرؒ) امام محمد بن حسنؒ کے کبار تلامذہ میں سے تھے، اور بخارا میں ''اصحاب ابی حنیفہ'' کی ریاست ان پر اور ان کے صاحبزادے ابو عبداللہ (یعنی ابوحفص صغیر) پر ختم تھی، اور امام ابوحفص کبیرؒ کے پاس کئی ائمہ نے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔

حافظ ذہبیؒ، اور حافظ سخاویؒ نے ''بخارا'' کے تعارف میں یہاں کے جن چند بڑے اور مشہور ائمہ (امام بخاریؒ صاحب الصحیح وغیرہ) کا ذکر کیا ہے، ان میں انہوں نے امام ابوحفص کبیرؒ کو

---

۱. سیر اعلام النبلاء (۱۰/۱۵۷)
۲. ایضاً
۳. ایضاً (۱۲/۶۱۷)

بھی شمار کیا ہے۔[1]

مولانا حنیف ندویؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: بخارا میں عیسیٰ بن موسیٰ غنجار، احمد بن حفص الفقیہ (ابوحفص کبیرؒ)، محمد بن سلام الکیندی اور عبد بن محمد السندی ایسی شخصیتیں کتاب وسنت کے فروغ کا باعث بنیں۔[2]

''ماوراء النہر'' کے علاقوں (بخارا وغیرہ) میں ان سے حدیث اور فقہ حنفی کی تعلیم پانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ بخارا وغیرہ کا پورا پورا گاؤں ان کے تلامذہ سے بھرا ہوا تھا۔

حافظ ابوسعد سمعانیؒ (م: ۵۶۲ھ) اور حافظ ابن اثیرؒ (م: ۶۳۰ھ) ''بخارا'' کے مضافات میں ایک گاؤں ''خراجز'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

كان منها جماعة من الفقهاء تلمذ والابى حفص الكبير.[3]

یہاں فقہاء کی ایک پوری جماعت تھی جو سب کے سب امام ابوحفص کبیرؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔

اسی طرح حافظ سمعانیؒ نے بخارا کے گاؤں ''خیزاخزا'' کے متعلق لکھا ہے کہ

خلقا من اصحاب ابى حفص الكبير لايحصون.

یہاں امام ابوحفص کبیر کے تلامذہ کی اتنی خلقت تھی کہ جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) حافظ سمعانیؒ کے مذکورہ قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا فى قرية من قرى بخارا.[4]

یہ تو صرف بخارا کے ایک گاؤں کا ذکر ہے۔

یعنی بخارا کے ایک گاؤں میں ان کے تلامذہ اتنے زیادہ تھے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا تو باقی ''بخارا'' اور ''ماوراء النہر'' کے دیگر علاقوں میں ان کے تلامذہ کی کثرت کا کیا حال ہوگا؟

---

۱. الامصار ذوات الآثار (ص ۹۰) للذہبیؒ، اعلان بالتوبیخ (ص ۱۴۲) للسخاویؒ

۲. مطالعہ حدیث (ص ۶۱)

۳. کتاب الانساب (۱۳۸/۳)، اللباب فی تہذیب الانساب (۲۸۹/۱)

۴. الجواهر المضية (۳/۱)

دراصل یہ سارا فیض امام محمد بن حسنؒ کا تھا، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ آپ کا علمی فیض کہاں کہاں اور کس کثرت سے پھیلا ہے؟

امام بخاریؒ صاحب الصحیح بھی امام ابوحفص کبیرؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور امام بخاریؒ اور ان کے خاندان کے امام موصوف کے ساتھ ذاتی مراسم بھی تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ) نے ان کو امام بخاریؒ کے مشائخ میں شمار کیا ہے۔[1]

علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ) نے اپنی سند کے ساتھ خود امام بخاریؒ کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں ابوحفص کبیر کے پاس "جامع سفیان ثوریؒ" کا سماع اپنے والد کی کتاب میں کر رہا تھا کہ وہ ایک حرف سے گزرے جو میری کتاب میں نہیں تھا، میں نے اس کے متعلق ان سے مراجعت کی، پھر انہوں نے وہی پڑھا، میں نے دوبارہ مراجعت کی لیکن پھر بھی انہوں نے وہی پڑھا، میں نے جب تیسری دفعہ مراجعت کی تو وہ کچھ خاموش ہو گئے اور میرے متعلق پوچھنے لگے کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ اسماعیل بن ابراہیم بن بردزبہ کا بیٹا ہے۔ فرمانے لگے: اس نے صحیح کہا ہے، اور پھر فرمایا:

واحفظوا فان هذا يوماً يصير رجلا.[2]

یاد رکھو یہ لڑکا ایک دن مردِ میدان بنے گا۔

حافظ ابن حجرؒ (م: ۸۵۲ھ) نے امام ابوحفصؒ سے امام بخاریؒ کے متعلق یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

هذا يكون له صيت.[3]

کہ اس کا شہرہ ہوگا۔

امام بخاریؒ کے والد اسماعیلؒ سے امام ابوحفص کبیرؒ کے بڑے گہرے مراسم تھے، جب اسماعیلؒ کی وفات ہو رہی تھی تو امام موصوف اس وقت بھی ان کے پاس موجود تھے، اور اس وقت اسماعیلؒ نے ان سے کہا تھا کہ

---

۱. هدى السارى مقدمة فتح البارى (ص ۶۶۷)

۲. تاريخ بغداد (۱۱/۳، ترجمه امام بخاريؒ)

۳. هدى السارى (ص ۶۶۷)

لا اعلم من مالی درهما من حرام ولا درهما من شبهة. [۱]

میں اپنے مال میں نہ کوئی درہم حرام کا پاتا ہوں، اور نہ شبہے کا۔

امام اسماعیلؒ کی وفات کے بعد بھی ان دونوں خاندانوں کے درمیان یہ مراسم برقرار رہے، اور امام ابوحفصؒ امام بخاریؒ کے پاس بڑے بڑے تحائف بھیجتے رہتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحفص کبیرؒ نے امام بخاریؒ کو اس قدر مال تجارت بھیجا کہ جس کو بعض تاجروں نے امام بخاریؒ سے پانچ ہزار درہم نفع سے خریدا، دوسرے دن بعض تاجروں نے ان سے دس ہزار درہم منافع سے یہ مال خریدنا چاہا لیکن امام بخاریؒ نے ان کی اس پیشکش کو یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ کل میں بعض تاجروں پر اس مال کو پانچ ہزار درہم منافع سے بیچنے کی نیت کر چکا ہوں لہٰذا اب میں اپنی نیت کو بدلنا نہیں چاہتا۔ [۲]

اسی طرح امام ابوحفص کبیرؒ کے صاحبزادے امام ابوحفص صغیرؒ (م: ۲۶۴ھ) امام بخاریؒ کے ساتھ کئی سال طلب حدیث میں رفیق اور ہم سفر رہے۔

حافظ ذہبیؒ ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

ورافق البخاری فی الطلب مدة. [۳]

یہ طلب حدیث میں کئی عرصہ تک امام بخاریؒ کے رفیق رہے ہیں۔

امام ابوحفص کبیرؒ اور امام ابوحفص صغیرؒ کے بعد بھی بڑے عرصے تک ان کا خاندان علمی اور دنیاوی ریاست پر متمکن رہا۔

امام حاکم نیشاپوریؒ (م ۴۰۵ھ) نے ''تاریخ نیساپور'' میں امام ابوحفص کے پڑپوتے امام محمد بن احمد بن خاقان الرئیس بن ابوحفص کبیرؒ (م ۳۷۳ھ) کے ترجمہ میں تصریح کی ہے:

وكانت الفتوى والرياسة فی بیوتهم من وقت محمد بن الحسن. [۴]

امام محمد بن حسنؒ کے زمانے سے لے کر اب تک فتویٰ اور ریاست (حکومت) امام ابوحفص ہی کے خاندان میں چلے آرہے ہیں۔

---

۱. ایضاً (ص ۲۶)
۲. ایضاً (ص ۲۶۵)
۳. سیر اعلام النبلاء (۱۲/۶۱۷)
۴. تاریخ نیسابور (طبقۃ شیوخ الحاکم (ص ۳۶۵)؛ الجواہر المضیۃ (۲/۲۱)

۶۔ امام خلف بن ایوب بلخیؒ (م:۲۱۵ھ)

امام بلخیؒ ایک جلیل القدر محدث وفقیہ، اور اپنے زمانے کے کبار ومشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ان کے علمی مرتبے کو جاننے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام ابو حاتم رازیؒ وغیرہ جیسے اساطین علم ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے ان کے ترجمے کا آغاز: ''الامام المحدث الفقیه، مفتی المشرق،...... الحنفی الزاهد، اور عالم اہل بلخ'' جیسے عظیم القاب سے کیا ہے۔[1]

نیز حافظ ذہبیؒ ان کو ''مفتی اہل بلخ'' قرار دیتے ہیں اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکان زاهد قدوة، روی عنه یحییٰ بن معین والکبار.[2]

یہ خود بھی پرہیز گار تھے اور پرہیز گاروں کے لیے نمونہ بھی تھے، امام یحییٰ بن معینؒ اور دیگر کبار محدثین نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔

اسی طرح حافظ ذہبیؒ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اور امام حاکم نیشاپوریؒ (م:۴۰۵ھ) کا یہ بیان ان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

کان مفتی بلخ وزاهدها، زاره صاحب بلخ فاعرض عنه.[3]

یہ بلخ کے مفتی اور زاہد تھے، سلطان بلخ ان کی زیارت کے لیے آیا تو انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔

امام ابن حبانؒ (م:۳۵۴ھ) نے ان کو ''ثقات'' (ثقہ راویوں) میں شمار کیا ہے۔[4]

امام خلیلیؒ (م:۴۶۶ھ) ان کے متعلق تصریح کرتے ہیں کہ:

صدوق مشهور، کان یوصف بالستر والصلاح والزهد، وکان فقیها علیٰ رأی الکوفیین.[5]

---

۱. سیر اعلام النبلاء (۹/ ۵۴۱)

۲. العبر (۱/۲۸۹)

۳. الکاشف (۱/۲۳۷)

۴. تهذیب التهذیب (۳/۹۰)

۵. کتاب الارشاد فی معرفة علماء المحدثین (ص ۴۴۲)

یہ حدیث میں نہایت راست باز و مشہور اور پاکدامنی، نیکی، اور زہد و تقویٰ سے موصوف تھے، اور اہل کوفہ (احناف) کی رائے پر فقیہ تھے۔

نیز امام خلیلیؒ ان کو ثقہ اور زاہد قرار دیتے ہیں۔[1]

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ)، اور حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م:۸۷۹ھ) نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ

كان من اصحاب محمد وزفر.[2]

یہ امام محمد بن حسنؒ اور امام زفر بن ہذیلؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔

اسی طرح حافظ قرشیؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

امام خلفؒ نے حدیث و فقہ کی تعلیم امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، اور امام زفرؒ وغیرہ اصحاب ابی حنیفہؒ سے حاصل کی تھی، اور زہد امام ابراہیم بن ادہمؒ (تلمیذ امام اعظمؒ) سے سیکھا تھا۔[3]

۷۔ امام محمد بن سماعۃ التمیمیؒ (م:۲۳۳ھ)

امام ابن سماعہ بھی فقہ و حدیث کے عظیم المرتبت امام ہیں، اور ان کا شمار امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے ان تلامذہ میں ہوتا ہے جو ثقہ حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی (م:۴۶۳ھ) اپنے استاذ امام ابوعبداللہ صمیریؒ (م:۴۳۶ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ومن اصحاب ابی یوسف ومحمد جمیعا ابو عبدالله محمد بن سماعة وهو من الحفاظ الثقات.[4]

امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے مشترکہ تلامذہ میں سے ایک ابوعبداللہ محمد بن سماعہ بھی ہیں جو کہ حفاظ حدیث اور ثقہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔

امام یحییٰ بن معینؒ (م۲۳۳ھ) فرمایا کرتے تھے:

لو كان اصحاب الحديث يصدقون في الحديث كما يصدق

۱۔ ایضاً (ص۸۰)

۲۔ الجواهر المضية (۱/۲۳۱، تاج التراجم (ص ۲۷)

۳۔ الجواهر المضية (۱/۲۳۱،۲۳۲)

۴۔ تاریخ بغداد (۲/۴۰۲)

محمد بن سماعة فی الرأی کانوا علیٰ نہایۃ۔[1]

اگر اصحاب حدیث (محدثین) حدیث میں اس طرح سچے ہوں جیسے محمد بن سماعہؒ رائے (فقہ) میں سچے ہیں تو وہ (کامیابی کے) انتہائی درجہ کو پالیں۔

امام ابن سماعہؒ کا جب انتقال ہوا تو امام ابن معینؒ نے فرمایا:

الیوم مات ریحانة العلم مِن اھل الرائی۔[2]

آج اہل رائے (فقہاء) میں سے ''ریحانۃ العلم'' (علم کے پھول) کا انتقال ہو گیا۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) ان کو ''علامہ'' اور ''صاحب ابی یوسفؒ و محمدؒ'' قرار دیتے ہیں۔[3]

نیز ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

تفقه علیٰ ابی یوسف و محمد...... وکان ورده فی الیوم واللیلة مائتی رکعة۔[4]

انہوں نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ سے فقہ حاصل کیا تھا...... اور دن رات میں دوسو رکعت (نفل) پڑھنے کا ان کا معمول تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) نے ان کو روایت حدیث میں ''صدوق'' قرار دیا ہے۔[5]

امام محمدؒ کے دیگر بعض تلامذہ:

مذکورہ بالا ائمہ کے علاوہ کئی دیگر نامور محدثین اور فقہاء نے بھی آپ سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً ابو عبید قاسم بن سلامؒ، ہشام بن عبید اللہ رازی، علی بن مسلم طوسیؒ، عمرو بن ابی عمروؒ، یحییٰ بن صالح الوحاظیؒ، معلی بن منصور رازیؒ، علی بن معبدؒ، ابو بکر بن ابی مقاتلؒ، محمد بن مقاتل رازیؒ، موسیٰ بن نصر

---

1. تاریخ بغداد (۴۰۳/۲)
2. الجواہر المضیۃ (۵۹/۲)
3. سیر اعلام النبلاء (۱۰/ ۶۴۶)
4. العبر (۲۸۹/۱)
5. تقریب التہذیب (۸۳/۲)

رازیؒ، شداد بن حکیم بلخیؒ، حسین بن حرب رقیؒ، ابن جبلہؒ، ابوالعباس حمیدؒ، ابوالتوبہ ربیع بن نافعؒ، عبیداللہ بن ابی حنیفہ دبوسیؒ، ابوبرید عمرو بن یزید الجرمیؒ، مصعب بن عبداللہ زبیریؒ، ایوب بن حسن نیساپوریؒ، علی بن صبیح، عقیل بن عنبسہؒ، علی بن مہرانؒ، عمرو بن مہیرؒ، یحییٰ بن اکثمؒ، ابوعبدالرحمن مؤدبؒ، علی بن حسن رازیؒ، ابوجعفر احمد بن محمد بن مہران نسویؒ (راوی السیر الکبیر عنه)، ابوبکر ابراہیم بن رستم مروزیؒ (راوی النوادر عنه)، عیسیٰ ابن ابانؒ (راوی الحجة علیٰ اهل المدینة وغیرہ)، شعیب بن سلیمان کسائیؒ (راوی الکیسانیات عنه)، ابوزکریا یحییٰ بن صالح وحاظی حمصی وغیرہم۔[1]

آخر میں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ امام محمدؒ کے کئی تلامذہ ایسے بھی ہیں جو امام بخاریؒ صاحب الصحیح کے کبار اساتذہ ومشائخ میں سے ہیں۔ مثلاً علی بن مسلم طوسیؒ (م۲۵۳ھ)،[2] معلی بن منصورؒ (م۲۱۱ھ)،[3] امام یحییٰ بن معینؒ (م۲۳۳ھ)،[4] ابوحفص کبیرؒ (م۲۱۷ھ)،[5] علی بن ابی ہاشم بغدادیؒ،[6] یحییٰ بن صالح الوحاظیؒ (م۲۲۲ھ)،[7] محمد بن سلام سلمیؒ (م۲۲۵ھ)[8] اور محمد بن مقاتل مروزیؒ (م۲۱۱ھ)[9] وغیرہ۔

۱۔ دیکھئے مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۰)، الجواهر المضیة (۲/۴۳)، بلوغ الامانی (ص ۹، ۱۰)

۲۔ تاریخ بغداد (۲/۱۶۹)

۳۔ تہذیب التہذیب (۵/۴۹۸)

۴۔ تاریخ بغداد (۲/۱۷۳)

۵۔ سیر اعلام النبلاء (۱۰/۱۵۷)؛ ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری (ص ۶۶۷)

۶۔ تہذیب التہذیب (۴/۲۴۷)

۷۔ ایضاً (۶/۱۴۶)؛ تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۹۹)

۸۔ الاکمال (۴/۴۰۵)

۹۔ تہذیب التہذیب (۵/۲۹۹)

امام محمدؒ کا فقہی مقام

جس شخص نے امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، اور امام ابن جریجؒ وغیرہ جیسے ائمہ کبار اور مجتہدین عظام سے فقہ کا درس لیا ہو، اور خود جس شخص کے درس سے پڑھ کر امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام اسد بن فراتؒ وغیرہ جیسے ائمہ فقیہ اور مجتہد بنے ہوں اس شخص کے فقہ میں بلند پایہ اور عظیم الشان ہونے میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے؟

چنانچہ اسی وجہ سے امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے:

مارأیت ...... افقه ...... من محمد بن الحسن[1]

میں نے امام محمد بن حسنؒ سے زیادہ فقیہ کوئی شخص نہیں دیکھا۔

حافظ سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) اور حافظ عبدالکریم قزوینیؒ (م ۶۲۳ھ) نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امام شافعیؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے جب وہ مسئلہ اس کو بتلایا تو وہ ان سے کہنے لگا: آپ نے اس مسئلہ میں فقہاء کی مخالفت کی ہے۔ اس پر امام شافعیؒ نے اس کو جواب دیا:

وهل رأیت فقیها قط؟ الهم الا ان یکون رأیت محمد بن الحسن، فانه کان یملأ العین والقلب.[2]

کیا تو نے کبھی کسی فقیہ کو دیکھا بھی ہے؟ ہاں! اگر تو محمد بن حسنؒ کو دیکھ لیتا، اس لیے کہ وہ (اپنے فقہی رعب سے) آنکھوں اور دل کو بھر دیتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ بیان پہلے گزر چکا ہے کہ میں نے دقیق (باریک) مسائل امام محمدؒ کی کتابوں سے لیے ہیں۔

امام شافعیؒ کے شاگرد کبیر امام مزنیؒ (م:۲۶۴ھ) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

اکثرهم تفریعا.[3]

---

۱. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۵)

۲. کتاب الانساب (۱۶۶/۳، ۱۶۷)؛ التدوین فی اخبار قزوین (۲۵۲/۱)

۳. تاریخ بغداد (۲۴۹/۱۴)

اہل عراق میں سے امام محمدؒ فقہی مسائل کی جزئیات بیان کرنے میں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔

امام یحییٰ بن صالحؒ (م.....)، اور امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ ان دونوں نے فرمایا:

محمد بن الحسن افقه من مالک۔[1]

امام محمد بن حسنؒ، امام مالکؒ سے بھی زیادہ فقیہ ہیں۔

حافظ ابن عبد الہادی حنبلیؒ (م:۷۴۴ھ)، حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ)، اور حافظ ابن ناصر الدینؒ (م:۸۴۰ھ) آپ کو "فقیہ العراق" قرار دیتے ہیں۔[2]

نیز حافظ ذہبیؒ آپ کو "فقيه العصر" اور "رأس في الفقه" (فقہ میں سردار) بھی کہتے ہیں۔[3]

اور آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

و کان من بحور العلم و الفقه.[4]

امام محمد علم اور فقہ کے سمندر تھے۔

اسی طرح حافظ ذہبیؒ، اور حافظ ابن ناصر الدینؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

انتهت الیٰ محمد بن الحسن الرئاسة في الفقه بالعراق بعد موت ابی یوسف[5]

عراق میں امام ابو یوسفؒ کی وفات کے بعد فقہ کی سربراہی امام محمد بن حسنؒ پر ختم تھی۔

نیز ذہبی نے آپ کو مجتہد قرار دیا ہے۔[6]

---

۱. ایضاً (۱۷۶/۲)، شذرات الذهب (۳۲۳/۱)

۲. مناقب الائمة الاربعة (ص ۲۰)، سیر اعلام النبلاء (۹/ ۱۳۴)، اتحاف السالک (ص ۱۸۰)

۳. العبر (۲۳۴/۱)، تذکرة الحفاظ (۱۵۷/۳)

۴. لسان المیزان (۱۲۷/۵)

۵. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۰)، اتحاف السالک (ص ۱۷۷)

۶. تاریخ الاسلام (۹۵۵/۴)

امام صلاح الدین صفدیؒ (م: ۷۶۴ھ) اور ابن تغری بردیؒ (م: ۸۷۴ھ) بھی کھلے لفظوں میں آپ کے مجتہد ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔[1]

حافظ ذہبیؒ نے امام حماد بن ابی سلیمانؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

فافقه اهل الكوفة علي وابن مسعود، وافقه اصحابهما علقمة، وافقه اصحابه ابراهيم النخعي. وافقه اصحاب ابراهيم حماد، وافقه اصحاب حماد ابو حنيفة، وافقه اصحابه ابو يوسف، وانتشر اصحاب ابى يوسف فى الافاق، وافقهم محمد بن الحسن.[2]

اہل کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ حضرت علیؓ، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، ان دونوں کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت علقمہؒ ہیں، ان کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت ابراہیم نخعیؒ ہیں، حضرت ابراہیم نخعیؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ امام حمادؒ ہیں، امام حمادؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ امام ابوحنیفہؒ ہیں، اور ان کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ امام ابو یوسفؒ ہیں، امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ پوری دنیا میں پھیلے ہیں لیکن ان میں سب سے بڑے فقیہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو دنیا میں پھیلانے کا سہرا امام محمدؒ کے سر ہے:

واضح رہے کہ امام موصوف نے اگرچہ تمام مشہور فقہاء سے علمی فیض حاصل کیا، اور تقریباً سب مشہور بلاد اسلامیہ کے فقہاء سے براہ راست ان کی فقہ حاصل کی مثلاً اہل عراق کی فقہ کو امام ابو حنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ سے، اہل مدینہ کی فقہ کو امام مالکؒ وغیرہ سے، اہل مکہ کی فقہ کو امام ابن جریجؒ وغیرہ سے اور اہل شام کی فقہ کو امام اوزاعیؒ وغیرہ سے اخذ کر کے ان پر مکمل عبور حاصل کیا تھا لیکن آپ کی وابستگی جس فقہ سے رہی، اور آپ نے اپنی پوری زندگی جس فقہ کی نشر و اشاعت میں صرف کی وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہ ہے۔

۱۔ الوافی بالوفیات (۲/۲۴۷)، النجوم الزاھرۃ (۲/۱۶۴)

۲۔ سیر اعلام النبلاء (۵/ ۲۳۶)

چنانچہ اسی وجہ سے آپ "صاحب ابی حنیفة" اور "تلو ابی حنیفة" (امام ابوحنیفہؒ کے پیرو جانشین) کہلائے۔ جیسا کہ حافظ سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) اور حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) آپ کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

وانتشر علم ابی حنیفة.[1]

امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے علم کو (دنیا میں) پھیلایا ہے۔

علامہ یحییٰ بن ابراہیم سلماسیؒ (م ۵۵۰ھ) رقمطراز ہیں:

ومحمد بن الحسن هذا هو الذی ظهر علیٰ لدیه مذهب ابی حنیفة بما صنف و الف فی ذلک.[2]

امام محمد بن حسنؒ وہ شخص ہیں کہ جن کے ہاتھوں سے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب (دنیا میں) پھیلا ہے، کیونکہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں کتب تصنیف کی ہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی (م:۱۳۰۴ھ) رقمطراز ہیں:

وهو الذی نشر علم ابی حنیفة، وانما ظهر علم ابی حنیفة بتصانیفه.[3]

امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے علم کو پھیلایا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا علم امام محمدؒ کی کتابوں کے ذریعہ ظاہر ہوا ہے۔

---

۱. وفیات الاعیان (۳۲۱/۲)، الجواهر المضية (۴۲/۲)

۲۔ منازل الائمة الاربعة (ص ۷۹)

۳. الفوائد البهية (ص ۱۶۳)

آپ کا محدثانہ مقام

آپ کی زیادہ تر شہرت اگرچہ ایک فقیہ اور مجتہد کی حیثیت سے ہوئی لیکن اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ آپ فقہ کی طرح حدیث میں بھی بلند مرتبت تھے، اور آپ نے دیگر علوم کی طرح علم حدیث حاصل کرنے میں بھی خاص توجہ دی تھی اور اس میں مکمل عبور حاصل کیا تھا۔ چنانچہ ماقبل آپ کا اپنا یہ بیان گزر چکا ہے کہ

میرے والد نے ترکہ میں میرے لیے جو تیس ہزار درہم چھوڑے تھے ان میں سے میں نے پندرہ ہزار درہم فقہ اور حدیث کی تحصیل میں صرف کیے، اور باقی پندرہ ہزار درہم نحو اور شعر و شاعری سیکھنے میں لگا دیئے۔

امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ)، اور علامہ ابن الفراتؒ (م: ۸۰۷ھ) نے آپ کے بارے میں تصریح کی ہے کہ

وطلب الحديث وسمع سماعا كثيرا.[1]

امام محمدؒ نے حدیث حاصل کی، اور کثرت سے احادیث کا سماع کیا۔

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (م: ۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

كتب عن مالك كثيرا من حديثه وعن الثوری وغيرهما.[2]

امام محمدؒ نے امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، اور دیگر محدثین سے بکثرت احادیث لکھی تھیں۔

آپ کے "عہد طلب علمی" کے تذکرے میں علامہ ابن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ) اور علامہ صلاح الدین صفدیؒ (م ۷۶۴ھ) کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ آپ نے باقاعدہ علم حدیث حاصل کیا تھا اور طلب حدیث میں کئی ائمہ اعلام سے ملاقاتیں کی تھیں۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ (۷/ ۲۴۸)، شذرات الذهب (۱/ ۳۲۲)

۲۔ الانتقاء (ص ۱۷۴)

آپ کے محدث ہونے کی اس سے بڑھ کر اور دلیل کیا ہوگی کہ مؤرخ اسلام، اور محدث ناقد حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے آپ کو محدثین کے طبقے میں شمار کیا ہے[1]

اور آپ کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ

وسمع کثیرا.[2]

کہ آپ کثیر السماع محدث تھے۔

امام ابن تغری بردیؒ (م ۸۷۴ھ) بھی آپ کے محدث ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔[3]

اور پھر آپ نے جیسے خود اپنے مشائخ حدیث سے بکثرت احادیث کا سماع کیا تھا، اسی طرح آپ نے اپنے تلامذہ کو بھی بہت زیادہ احادیث کا سماع کرایا، اور آپ کے تلامذہ نے آپ سے بڑی کثرت سے احادیث سنی ہیں۔ مثلاً آپ کے ایک شاگرد اسماعیل بن توبہ ثقفیؒ (م ۲۴۷ھ)، جو امام ابوحاتم رازیؒ وغیرہ نامور حفاظ حدیث کے استاذ ہیں، ان کے بارے میں امام ابویعلیٰ خلیلیؒ (م ۴۴۶ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

وسمع الكثير من محمد بن الحسن الشيبانى صاحب ابى حنيفة.[4]

انہوں نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ صاحب ابی حنیفہؒ سے بکثرت احادیث کا سماع کیا تھا۔

امام دارقطنیؒ (م:۳۸۵ھ) اور امام ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) جیسے نامور محدثین آپ کو حافظ الحدیث قرار دیتے ہیں، اور امام عبدالکریم شہرستانیؒ (م:۵۴۸ھ) آپ کو ائمہ حدیث میں شمار کرتے ہیں۔ ان تینوں حضرات کے حوالے ان شاء اللہ تعالیٰ آگے کتاب میں آرہے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد (م:۱۳۸۷ھ) آپ کو امام احمد بن حنبلؒ، اور امام شافعیؒ کے ساتھ ذکر کر کے ان سب کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

یہ ائمہ بھی اہلحدیث (محدثین) تھے۔ ان کے علوم سے اہلحدیث کو فائدہ پہنچا۔[5]

---

۱. المعين فى طبقات المحدثين (ص ۲۱)

۲. مناقب ابى حنيفة وصاحبيه (ص ۵۰)

۳۔ النجوم الزاهرة (۱۶۴/۲)

۴۔ الارشاد فی معرفة علماء الحديث (ص ۲۹۵)

۵۔ تحریک آزادی فکر (ص ۳۴۴)

نیز مولانا سلفیؒ آپ کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ جیسے کبار محدثین کے زمرہ میں شمار کرتے ہوئے آپ کے ائمہ حدیث میں سے ہونے کی صاف تصریح کرتے ہیں۔[۱]

اسی طرح مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ غیر مقلد (م:۱۳۴۳ھ) نے بھی آپ کو، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ، وامام ابویوسفؒ کو فقہائے حدیث میں شمار کیا ہے، اوران لوگوں کی تردید کی ہے جوان تینوں حضرات کو فقہائے اہل رائے میں ذکر کرتے ہیں۔[۲]

احناف کے خلاف تعصب وعناد میں سرتاپا غرق غیر مقلد حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس سب تعصب وعناد کے باوجود امام محمدؒ کا محدثین اور ائمہ حدیث میں سے ہونا تسلیم کیا ہے۔[۳]

ع وَالْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

دیگر علوم وفنون میں آپ کا مقام:

فقہ وحدیث کے علاوہ دیگر علوم وفنون مثلاً لغت عربیہ، نحو، حساب، اور شعروشاعری وغیرہ میں بھی آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔

علامہ سبط ابن الجوزیؒ (م۶۵۴ھ) نے اپنی تاریخ ''مرآۃ الزمان'' میں لکھا ہے کہ

قال علماء السير: كان محمد بن الحسن امامًا حجة فى جميع العلوم.[۴]

علمائے سیر (مؤرخین) فرماتے ہیں کہ امام محمد بن حسنؒ تمام علوم میں امام اور حجت کا درجہ رکھتے تھے۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وكان ايضا مقد ما فى علم العربية، والنحو، والحساب والفطنة.[۵]

امام محمدؒ (حدیث وفقہ کی طرح) علوم عربیہ، نحو، حساب، اور فطانت میں بھی فوقیت

---

۱. ایضاً (ص ۴۹۰)
۲. سیرۃ البخاریؒ (ص ۳۴۲)
۳. نورالعینین (ص ۶۳)، تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۳) وغیرہ
۴. بلوغ الامانی (ص ۵۹)
۵. الجواهر المضية (۲/۴۴)

رکھتے تھے۔

حافظ ابو سعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) نے امام احمد بن حنبلؒ (م:۲۴۱ھ) سے نقل کیا ہے کہ

ومحمد ابصر الناس بالعربية.[۱]

امام محمدؒ لغت عربیہ میں سب لوگوں سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔

نیز امام سمعانیؒ نے آپ کے شاگرد امام ہشام بن عبداللہ رازیؒ کے ترجمہ میں آپ کو

''صاحب فقہ وادب'' سے ملقب کیا ہے۔[۲]

حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) ارقام فرماتے ہیں:

ومحمد اعلمهم بالعربية والحساب.[۳]

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں امام محمدؒ لغت عربیہ اور فنِ حساب کے سب سے بڑے عالم تھے۔

علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) آپ کے ترجمہ میں تصریح کرتے ہیں کہ

ولهٗ فی مصنفاته المسائل المشكلة خصوصًا المتعلقة بالعربية.[۴]

امام محمدؒ کی کتابوں میں مشکل مسائل ہیں خصوصاً جو مسائل عربی زبان کے متعلق ہیں۔

امام ابوبکر الجصاص رازیؒ (م:۳۷۰ھ) ''الجامع الکبیر'' کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

كنتُ اقرأ بعض مسائل من جامع الكبير علىٰ بعض المبرزين فى النحو (يعنى اباعلي الفارسى) فكان يتعجب من تغلغل واضع هذا الكتُب فى النحو.[۵]

میں ''الجامع الکبیر'' (تصنیف امام محمد بن حسنؒ) کے بعض مسائل کو علم نحو کے ایک

---

۱. کتاب الانساب (۳/۱۶۷)

۲. ایضاً (۳/۷۰)

۳. مجموع الفتاوی (۲۰/۱۴۹)

۴. وفیات الاعیان (۲/۳۲۱)

۵. بلوغ الامانی (ص ۶۳)

بہت بڑے ماہر یعنی امام ابوعلی الفارسی (جو مشہور امام النحو گزرتے ہیں۔ ناقل) کے پاس پڑھ رہا تھا تو وہ بھی اس کتاب کے مصنف (امام محمدؒ) کی علم نحو میں مہارت پر حیران ہو گئے۔

اسی طرح امام اخفش نحویؒ (م:......) فرمایا کرتے تھے:

وماوضع شئی لشئی قط یوافق ذلک الاکتاب محمد بن الحسن فی الایمان فانه وافق کلام الناس.[1]

کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کسی دوسری چیز کے لیے وضع کی گئی ہو، اور وہ اس کے موافق بھی ہو، سوائے امام محمد بن حسنؒ کی تصنیف ''کتاب الایمان'' کے کہ وہ لوگوں کی کلام کے موافق ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن المعلمیؒ غیر مقلد (م:۱۳۸۶ھ) نے بھی امام محمدؒ کو فن حساب اور دقیق مسائل بیان کرنے میں ماہر تسلیم کیا ہے۔[2]

اور آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ

المسائل الحسابية الدقيقة التي ضحم بها محمد كتبه.[3]

امام محمدؒ نے اپنی کتابوں کو حساب کے دقیق مسائل سے بھر دیا ہے۔

علاوہ ازیں آپ قرآن کریم کے بھی بہت بڑے عالم تھے، چنانچہ امام ابوعبیدؒ (م:۲۲۴ھ) جو ایک جلیل القدر امام ہیں، فرماتے تھے:

مارأيتُ اعلم بكتاب الله من محمد بن الحسن.[4]

میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو امام محمد بن حسنؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ (قرآن کریم) کا عالم ہو۔

امام شافعیؒ (م:۲۰۴ھ) فرمایا کرتے تھے:

---

۱. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۱) للذهبیؒ

۲. التنکیل (۱/۱۶۶)

۳. ایضاً (۱/۱۶۷)

۴. تاریخ بغداد (۲/۱۷۲)

ما رأيت اعلم بكتاب الله من محمد كانه عليه نزل.[1]

میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو امام محمدؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہو، (امام محمدؒ قرآن کا علم اتنا زیادہ رکھتے تھے کہ) گویا قرآن اترا ہی آپ پر ہے۔

الغرض: امام عالی شان تمام علوم میں ماہر اور باکمال تھے۔

امام محمدؒ کی ذہانت اور فصاحت و بلاغت

امام موصوف تمام علوم میں یکتائے روزگار تھے، اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے کم عمری میں ہی یہ تمام علمی کمالات حاصل کر لیے تھے، اس لیے آپ کا شمار ذہین ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے شاگرد رشید امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے:

وما رأيت مبدنا قط اذكىٰ من محمد بن الحسن.[2]

میں نے کوئی بھی جسیم شخص امام محمد بن حسنؒ سے زیادہ ذہین نہیں دیکھا۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ)، اور حافظ ابن ناصر الدینؒ (م: ۸۴۰ھ) دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ

وكان من اذكياء العالم.[3]

امام محمدؒ دنیا کے ذکی اور ذہین ترین لوگوں میں سے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۱ھ) لکھتے ہیں:

وكان من افراد الدهر فى الذكاء.[4]

امام محمدؒ اپنے زمانے کے چند ذہین ترین لوگوں میں سے ایک تھے۔

علاوہ ازیں اللہ نے آپ کو علم اور ذہانت کے ساتھ فصاحت و بلاغت سے بھی خوب نوازا تھا، اور آپ انتہائی فصیح و بلیغ شخص تھے۔

حضرت امام شافعیؒ (م: ۲۰۴ھ) کا قول ہے کہ

---

۱. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۱) للذهبیؒ

۲. تاریخ بغداد (۲/۱۷۳)

۳. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۰)، اتحاف السالک (ص ۱۷۸)

۴. الایثار مع کتاب الآثار (ص ۲۳۳)

لوا شاءَ ان اقول ان القرآن نزل بلغة محمد بن الحسن لقلتهٗ لفصاحته.[۱]

اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ قرآن امام محمد بن حسنؒ کی لغت (زبان) میں اترا ہے تو آپ کی فصاحت کی وجہ سے میں یہ کہہ سکتا ہوں۔

نیز فرماتے ہیں:

کان محمد بن الحسن الشیبانی اذا اخذ فی المسألة کأنه قرآن ینزل علیه لایقدم حرفا ولا یؤخر.[۲]

امام محمد بن حسن شیبانیؒ جب کوئی مسئلہ بیان کرتے (تو اس کو اس خوبصورتی سے پیش کرتے کہ) گویا قرآن ان پر اتر رہا ہے، آپ نہ کوئی حرف آگے کرتے اور نہ کسی حرف کو پیچھے کرتے۔

امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے تھے:

مارأیت سمینا اخف روحا من محمد بن الحسن، ومارأیت افصح منه، کنت اذا رأیتهٗ یقرأ کأن القرآن نزل بلغته.[۳]

میں نے کوئی جسیم شخص امام محمد بن حسنؒ سے زیادہ ہلکی چال چلنے والا نہیں دیکھا، اور نہ ہی آپ سے زیادہ فصیح کوئی شخص دیکھا ہے، میں جب آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے دیکھتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا کہ گویا قرآن آپ کی لغت میں اترا ہے۔[۴]

---

۱. تاریخ بغداد (۲/۱۷۲، ۱۷۳) نیز دیکھئے اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۲۸، ۱۲۹) للصمیریؒ

۲. ایضاً

۳. ایضاً

۴. **امام محمدؒ کی فصاحت پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** امام شافعیؒ سے امام محمدؒ کی فصاحت کے متعلق متعدد روایات منقول ہیں، صرف علامہ خطیب بغدادیؒ کی تاریخ میں تین مختلف اسناد کے ساتھ ان سے امام محمدؒ کا فصیح ہونا منقول ہے، ان تینوں اسناد کے متون ہم نے اوپر درج کر دیئے ہیں۔ اسی طرح علامہ خطیبؒ کے استاذ امام صمیریؒ کی کتاب ''اخبار ابی حنیفة واصحابه'' میں بھی امام شافعیؒ سے دو مختلف اسناد کے

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) اور نامور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وکان افصح الناس، وکان اذاتکلم خیل لسامعه ان القرآن نزل بلغته.[1]

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح تھے، آپ جب قرآن پڑھتے تو سامع (سننے والے) کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ قرآن کریم آپ کی لغت میں اترا ہے۔

علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م:۱۰۸۹ھ) آپ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

فکان فصیحا بلیغا.[2]

امام محمد فصیح اور بلیغ شخص تھے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) ساتھ امام محمدؒ کی فصاحت کی تعریف مروی ہے۔ اس طرح دیگر کتب میں بھی مختلف اسناد کے ساتھ امام شافعیؒ سے یہ روایت کیا گیا ہے۔ اور پھر دیگر اہل علم نے بھی امام محمدؒ کا فصیح ہونا تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود زبیر علی زئی کا تجاہل عارفانہ ملاحظہ کریں کہ وہ دانستہ اس قول کی ان سب اسناد سے صرف نظر کرتے ہوئے "تاریخ بغداد" سے اس کی محض ایک سند کو لے کر اس قول کو مشکوک ثابت کرنے کی سعی نامراد کر رہے ہیں۔ (دیکھئے الحدیث: ش ۷، ص ۱۳، حاشیہ ۳)

ع

ایں چہ بوالعجبی است

اور پھر لکھتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس کا تعلق نہ جرح سے اور نہ تعدیل سے فصاحت اور چیز ہے اور عدالت وثقاہت اور چیز ہے۔ (ایضا) لیکن سوال یہ ہے کہ کس نے اس قول کو بطور توثیق پیش کیا ہے کہ جناب کو اس صحیح السند قول کو مشکوک ثابت کرنے کی زحمت اٹھانا پڑی، اور اس کی وجہ سے آپ اس قدر آگ بگولا ہو رہے ہیں؟ علی زئی صاحب جیسے لوگ (جو علم اور فصاحت دونوں سے عاری ہیں) ایسی باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں کہ جب کسی شخص کو علم کے ساتھ فصاحت سے بھی نوازا جائے تو وہ اس کے لیے بہت بڑا اعزاز اور کمال ہوتا ہے؟

۱. وفیات الاعیان (۳۲۱/۲)؛ التاج المکلل (ص ۸۰)

۲. شذرات الذھب (۳۲۱/۱)

آپ کی عبادت اور کثرت تلاوت:

آدمی کے لیے علم اسی وقت نفع مند ہے جب آدمی کی عملی زندگی اس کے علم کے مطابق ہو، امام محمد بن حسنؒ کا شمار بھی ان ہی اہل علم میں ہوتا ہے جو اپنے علم پر پوری طرح عمل پیرا تھے، چنانچہ آپ اعلیٰ درجہ کے عبادت گزار تھے اور آپ کی عبادت کا حسن ہر طرف مشہور تھا۔ اور پھر آپ کا یہ حسنِ عبادت آپ کے تلامذہ میں بھی منتقل ہوا، مثلاً آپ کے تلامذہ امام محمد بن سماعہؒ (م:۲۳۳ھ)، اور امام عیسیٰ بن ابانؒ (م:۲۲۱ھ) وغیرہ کی نماز کا حسن بہت مشہور ہے، انہوں نے اپنی نماز کا یہ حسن اپنے استاذ مکرم امام محمدؒ سے ہی اخذ کیا تھا۔

چنانچہ امام ابو عبداللہ الصیمریؒ (م:۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل امام بکر العمیؒ (م:......) سے نقل کیا ہے کہ

انما اخذ محمد بن سماعة وعيسى بن ابان حسن الصلاة من محمد بن الحسن رضى الله عنه۔[1]

امام محمد بن سماعہؒ، اور امام عیسیٰ بن ابانؒ نے اپنی نماز کا حسن امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہ سے سیکھا تھا۔

نیز آپ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود تلاوت قرآن کے ساتھ بھی انتہائی شغف رکھتے تھے۔ امام طحاویؒ (م:۳۲۱ھ) نے آپ کے بعض تلامذہ سے روایت کیا ہے کہ

ان محمدا كان حزبهٗ فى كل يوم وليلة ثلث القرآن.[2]

امام محمدؒ کا دن رات میں ثلث قرآن (دس پارے) پڑھنے کا معمول تھا۔

آپ کا حسن وجمال

آپ جیسے باطنی خوبیوں اور کمالات (علم، ذہانت وغیرہ) میں یگانہ روزگار تھے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری حسن وجمال سے بھی خوب نوازا تھا۔

علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م:۱۰۸۹ھ) نے بحوالہ علامہ ابن الفرات (م:۸۰۷ھ) لکھا ہے:

وكان من اجمل الناس واحسنهم، قال ابو حنيفة لوالده حين

---

۱. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۳۳)

۲. مناقب ابی حنیفة وصاحبيه (ص ۵۹)

حمله احلق شعرولدک والبسه الخلقان من الثياب لايفتتن به من رآه، قال محمد فحلق والدی شعری والبسنی الخلقان فزدت عندالحلق جمالا. وقال الشافعی رحمه الله اول مارأيت محمدًا وقد اجتمع الناس عليه نظرت اليه فكان من احسن الناس وجها ثم نظرت الیٰ جبينه فكانه عاج، ثم نظرت الیٰ لباسه فكان من احسن الناس لبا سائم سألته عن مسئلة فيها خلاف فقوی مذهبه ومرفيه كالسهم۔[1]

امام محمدؒ لوگوں میں انتہائی جمیل اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے، آپ کے والد جب آپ کو پہلی دفعہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس تحصیلِ علم کے لیے لے گئے تو امام صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ آپ اپنے بیٹے کے بال منڈوا دیں اور اس کو دو پرانے کپڑے پہنا دیں تا کہ اس کو دیکھنے والا کہیں کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے اس پر میرے بال منڈوا دیئے اور مجھے دو پرانے کپڑے پہنا دیئے لیکن سر منڈوانے سے میرا حسن پہلے سے دوبالا ہو گیا۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ امام محمدؒ سے جب میری پہلی دفعہ ملاقات ہوئی تو اس وقت لوگ آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، میں نے جب آپ کی طرف دیکھا تو آپ کا چہرہ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھا، پھر میں نے آپ کی پیشانی کی طرف دیکھا تو وہ انتہائی روشن اور چمک دار تھی، پھر میں نے آپ کے لباس کی طرف دیکھا تو آپ کا لباس سب لوگوں سے زیادہ اچھا تھا، اور پھر میں نے آپ سے ایک اختلافی مسئلہ پوچھا آپ نے (اس مسئلہ کے متعلق) اپنے مذہب کو (دلائل سے) مضبوط کیا اور اس میں تیر کی طرح نکل گئے۔

---

۱. شذرات الذهب (۳۲۲/۱)

محدثین سے امام محمدؒ کی توثیق

ماقبل محدثین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ فقہ حنفی جو شروع سے لے کر اب تک امت مسلمہ کی اکثریت کا دستور عمل (Personal Law) رہا ہے، اس کا مدار امام محمدؒ کی کتابوں پر ہے، اور آپ ہی نے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کو قید تحریر میں لا کر اس کو پوری دنیا میں پھیلایا، اور پھر امت کی طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوا جو کہ امت مسلمہ کا آپ کی نقل اور روایت پر اعتماد کی بین دلیل ہے۔ لہٰذا جس شخص کی نقل اور روایت پر امت کا اس قدر اعتماد ہو اس کی ثقاہت وعدالت پر کسی کی گواہی نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن افسوس! اس کے باوجود بعض عاقبت نااندیش ان اسلاف امت پر تنقید کر کے اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ اس لیے ہم امام موصوف کے ناقدین کی تسلی کے لیے محدثین سے آپ کی توثیق پیش کرتے ہیں۔

آپ کی توثیق سے متعلق محدثین کے اقوال:

محدثین کی ایک بڑی تعداد نے آپ کی توثیق کی ہے، ہم یہاں بطور " گلے از گلزارے " ان میں سے بعض نامور محدثین کے آپ کی توثیق سے متعلق اقوال ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔

۱۔ امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (م: ۲۰۴ھ)

امام شافعیؒ جو بیک وقت محدثین اور فقہاء دونوں طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کو امام محمدؒ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے کہ جس کی وجہ سے ان کو امام موصوف کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے لہٰذا آپ کے بارے میں ان کی گواہی دیگر محدثین پر مقدم ہے۔

پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، اور انہوں نے آپ سے تفقہ حاصل کرنے کے علاوہ آپ سے احادیث بھی روایت کی ہیں، اور ان میں سے آپ کی بعض احادیث امام شافعیؒ کی " مسند " میں بھی موجود ہیں۔

امام شافعیؒ نے نہ صرف یہ کہ آپ سے احادیث روایت کی ہیں، بلکہ آپ کی احادیث کو قابل حجت بھی سمجھا ہے۔ چنانچہ محدث ناقد حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) نے تصریح کی

ہے کہ

واما الشافعیؒ فاحتج بمحمد بن الحسن فی الحدیث۔[1]

امام شافعیؒ نے حدیث میں امام محمد بن حسنؒ سے حجت پکڑی ہے۔

اسی طرح امام شافعیؒ نے صراحتاً بھی آپ کو روایت حدیث میں صدوق (راست باز) قرار دیا ہے، چنانچہ وہ ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

اخبرنا محمد بن الحسن اوغیرہ من اھل الصدق فی الحدیث اوھما......[2]

ہم سے امام محمد بن حسنؒ یا حدیث میں اہل صدق (راست باز) میں سے کسی اور شخص نے یا ان دونوں نے یہ حدیث بیان کی ہے......

امام شافعیؒ نے آپ کی احادیث سے احتجاج کرنے، اور آپ کو "صدوق فی الحدیث" قرار دینے کے علاوہ آپ کی بڑی تعریف بھی کی ہے، اور ان سے آپ کی تعریف وتوثیق میں اتنے زیادہ اقوال منقول ہیں کہ اہل علم نے ان کو متواتر (جو روایت کی سب سے اعلیٰ قسم ہے) کا درجہ دیا ہے۔

امام ابن الفراتؒ (م:۸۰۷ھ) اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

وکان الشافعی یثنی علیٰ محمد بن الحسن ویفضلہ، وقد تواتر عنہ بالفاظ مختلفۃ۔[3]

امام شافعیؒ نے امام محمد بن حسنؒ کی تعریف کی ہے، اور آپ کی فضیلت کو تسلیم کیا ہے، امام شافعیؒ سے بالتواتر آپ کی تعریف اور فضیلت میں مختلف الفاظ منقول ہیں۔

حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) آپ کے تذکرے میں ارقام فرماتے ہیں

وکان الشافعی یعظمہ فی العلم۔[4]

۱. مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ (ص ۵۵)؛ تاریخ الاسلام (۴/ ۹۵۶)

۲. کتاب الأم (۳/ ۲۲۰، باب الخلاف فی الحجر)، مسند الامام الشافعی (ص ۳۸۴)

۳. شذرات الذہب (۱/ ۳۲۳)

۴. تعجیل المنفعۃ (ص ۴۰۹)

امام شافعیؒ نے علم (حدیث وغیرہ) میں امام محمدؒ کی عظمتِ شان کو تسلیم کیا ہے۔
شیخ الاسلام، حافظ المغرب امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م:۴۶۳ھ) نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ

وکان الشافعیؒ یثنی علی محمد بن الحسن ویفضله ویقول: مارأیت قط سمینا اعقل منه، قال وکان افصح الناس کان اذا تکلم خیل الیٰ سامعه ان القرآن نزل بلغته، وقال الشافعی کتبت عن محمد بن الحسن و قربعیر.[1]

امام شافعیؒ نے امام محمد بن حسنؒ کی تعریف کی ہے، اور آپ کی فضیلت کو بیان کیا ہے، امام شافعیؒ فرماتے تھے: میں نے کبھی بھی کوئی جسیم شخص امام محمدؒ سے زیادہ عقل مند نہیں دیکھا، اور فرمایا کہ امام محمدؒ لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح تھے جب آپ بات کرتے تو سننے والے کو یوں محسوس ہوتا کہ قرآن آپ ہی کی زبان میں اترا ہے، امام شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے امام محمد بن حسنؒ سے ایک بار شتر کے برابر علم لکھا تھا۔
نیز امام ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

وللشافعی فی اول قدمة قدمها علیه کتب بها الیه.

قُل لمن لم ترعین من رآه مثله	ان لم یکن قدرآه قدرأی من قبله
العلم یأبی اهله ان یمنعوه أهله	لعله یبذلهٗ لاهله لعله[2]

امام شافعیؒ کی جب پہلی دفعہ امام محمدؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کی طرف یہ اشعار لکھ کر بھیجے:

(ترجمہ اشعار) اس شخص کو کہہ دو کہ جس کو دیکھنے والوں کی آنکھ نے اس کا مثل نہیں دیکھا، اور جس نے اس کو دیکھ لیا گویا اس نے اس سے پہلے لوگوں کو بھی دیکھ لیا (یعنی امام محمدؒ فقید المثل اور اپنے اکابر کے نمونہ ہیں) علم اہل علم کو اس سے روکتا

1. الانتقاء (ص ۱۴۷، ۱۷۵)
2. ایضاً، نیز دیکھئے اخبار ابی حنیفة و اصحابه (ص ۱۲۷، ۱۲۸) للامام الصمیریؒ

ہے کہ وہ علم کو اس کے مستحقین تک پہنچنے سے روکے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مستحقِ علم بھی آگے دیگر مستحقینِ علم تک اس علم کو پہنچادے۔

امام ابن عبدالبرؒ نے امام شافعیؒ سے امام محمدؒ کی توصیف میں جو بعض اقوال نقل کیے ہیں ان کے علاوہ بھی امام شافعیؒ سے بکثرت اقوال منقول ہیں۔

مثلاً علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے بہ سند متصل امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

امن الناس علی فی الفقه محمد بن الحسن.[1]

فقہ (سکھانے) میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان امام محمد بن حسنؒ کا ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن محمد بن کاس نخعیؒ (م:۳۲۴) امام شافعیؒ سے ناقل ہیں کہ

مارأیت اعقل ولا ازهد ولا اورع ولا احسن نطقا وایرادً من محمد بن الحسن.[2]

میں نے کوئی شخص عقل مندی، پرہیزگاری، تقویٰ، اور اچھی گفتگو کرنے میں امام محمد بن حسن سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔[3]

---

۱. تاریخ بغداد (۲/ ۱۷۳)

۲. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۵) للذهبیؒ

۳۔ حافظ ذہبیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: یہ قول منکر (انوکھا) ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ اس پر نقد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

لاوجه لقول الذهبی هذا لأن ابن کاس ثقة، واحمد بن حماد بن سفیان وثقه الخطب (۴. ۱۲۴) علی تعنته، وقال الدارقطنی: لابأس به. ولم ینقل فیه جرح. وللخبر شواهد عدیدة فلایکون کلام الذهبی متمشیا مع قواعد النقد.

(حاشیه مناقب ابی حنیفة وصاحبیه: ص ۵۵)

حافظ ذہبیؒ کے اس قول کی کوئی وجہ نہیں بنتی کیونکہ امام ابن کاس (جو اس قول کے ناقل ہیں) ثقہ ہیں، (اسی طرح ان کے استاذ) احمد بن حماد بن سفیان کو علامہ خطیب بغدادیؒ نے باوجود اپنے تعنت (مخالفین کے بارے میں تشدد) کے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام دارقطنیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی خرابی نہیں ہے، نیز ان کے متعلق کوئی جرح بھی منقول نہیں ہے، اور اس خبر کے متعدد شواہد بھی ہیں

(گزشتہ سے پیوستہ) لہٰذا حافظ ذہبیؒ کا یہ کلام جرح کے قواعد کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں رکھتا۔

تنبیہ: زبیر علی زئی نے علامہ کوثریؒ کے اس مذکورہ جواب کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے: (۱) ابن کاس النخعی تک سند نامعلوم ہے۔

(۲) حافظ ذہبی نے اس قول کو منکر قرار دیا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتا ہے، لہٰذا کوثری کا ذہبیؒ پر ردّ مردود ہے۔ (الحدیث: ۵۵/۳۲)

جواب: علی زئی کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باہم متعارض اور متناقض ہیں۔ پہلی شق میں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حافظ ذہبیؒ سے امام ابن کاسؒ تک سند نامعلوم ہے۔ جبکہ دوسری شق میں وہ حافظ ذہبیؒ کو اس سند کا راوی بھی قرار دے رہے ہیں۔ اب اگر ابن کاس تک سند ہی نامعلوم ہے تو پھر حافظ ذہبیؒ اس سند کے راوی کیسے قرار دیے جا سکتے ہیں؟ اور اگر حافظ موصوف واقعی اس سند کے راوی ہیں تو پھر اس سند کو نامعلوم کہنا چہ معنی دارد؟ جس جماعت میں علی زئی جیسے لوگ محقق کے رتبے پر فائز ہوں اُس جماعت کا پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

ثانیاً: امام ابن کاسؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مناقب میں ''مناقب النعمان'' کے نام سے بہترین کتاب لکھی ہے۔ (عقود الجمان، ص ۴۹ وغیرہ) علامہ خطیب بغدادیؒ وغیرہ محدثین نے ان سے امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے فضائل سے متعلق متعدد اقوال بہ سند متصل نقل کیے ہیں۔ مثلاً امام شافعیؒ کے مذکورہ قول کے شروع کے الفاظ: ''ما رأیت اعقل من محمد بن الحسن'' کو علامہ خطیبؒ نے امام ابن کاسؒ سے بہ سند متصل نقل کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۷۲/۲) اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے بھی امام شافعیؒ کا مذکورہ قول امام ابن کاس کی کتاب سے نقل کیا ہوگا۔ خود زبیر علی زئی نے علامہ عبدالحق اشبیلیؒ کے امام ابن مغیثؒ سے نقل کردہ قول کے بارے میں لکھا ہے کہ: ظن غالب یہی ہے کہ یہ قول ان (ابن مغیث) کی کتاب ''المتجدین'' میں مذکور ہوگا۔ (امین اوکاڑوی کا تعاقب، ص ۳۴) کیا یہاں بھی ہم علی زئی سے ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ اور زبیر علی زئی کی تسلی کے لیے یہ بھی عرض ہے کہ حافظ ذہبیؒ کی امام ابن کاسؒ تک سند متصل ہے، اور انہوں نے کئی جگہوں پر امام ابن کاسؒ کے اقوال کو اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ مثلاً امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ترجمہ میں وہ امام ابن کاسؒ سے ایک قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اجرنا ابن علان کتابة، انبا الکندی، انبا القزاز، انبا الخطیب، انبا الخلال، انبا علی بن عمرو الحریری، حدثنا علی بن محمد بن کاس النخعی......

(سیر اعلام النبلاء: ۳۹۱/۶، ۳۹۲) اس سند میں مذکور یہ سب مشہور ثقہ راوی ہیں۔ (دیکھیے بالترتیب: معجم شیوخ الذہبی: ص ۶۱۷، سیر اعلام النبلاء: ۳۴/۲۲، کتاب الانساب: ۴۹/۴؛ سیر اعلام النبلاء: ۲۷۰/۱۸، تاریخ بغداد: ۴۳۷/۷، ایضاً: ۲۸/۱۲) لہٰذا علی زئی کا اس قول کی سند پر اعتراض فضول ہے۔

امام ابوعبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ

مارأیت رجلاً اعلم بالحلال والحرام والناسخ والمنسوخ من محمد بن الحسن.[1]

میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو حلال وحرام اور (احادیث میں) ناسخ ومنسوخ کو امام محمد بن حسنؒ سے زیادہ جانتا ہو۔

علامہ ابن الفراتؒ (م:۸۰۷ھ) نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ

ولولاه ما انفتق لی من العلم ما انفتق.[2]

اگر امام محمدؒ نہ ہوتے تو علم میں میری اتنی رسائی نہ ہوتی جتنی (آپ کی وجہ سے) ہوئی ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبلؒ (م:۲۴۱ھ)

امام شافعیؒ کے بعد جس شخص کا علمی مقام ہے وہ امام احمد بن حنبلؒ ہیں، اور علم حدیث میں ان کا جو پایہ ہے وہ تو کسی تعارف کا محتاج ہی نہیں، بلکہ بعض اہل علم نے تو علم حدیث میں ان کو امام شافعیؒ پر بھی فوقیت دی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام موصوف کے مختصر ترجمہ میں گزر چکا ہے کہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو امام محمدؒ کے علمی خوشہ چین ہیں، اور وہاں یہ بھی گزرا ہے کہ انہوں نے دقیق مسائل امام محمدؒ کی کتابوں سے لیے تھے، نیز انہوں نے آپ سے اور امام ابویوسفؒ سے تین صندوق علم کے بھی لکھے تھے۔ اور اس قول کے ذیل میں ہم شیخ عبدالرحمٰن المعلمیؒ غیر مقلد کا حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمدؒ نے ان دونوں سے ان کی احادیث لکھی تھیں۔

اس لحاظ سے امام محمدؒ بھی امام احمدؒ کے فقہ اور حدیث میں استاذ بنتے ہیں، اور حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بحوالہ امام ہیثمیؒ اور امام ابوالعرب لکھا ہے کہ

---

۱. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۲۸)

۲. شذرات الذهب (۳۲۳/۱)

امام احمدؒ کے تمام اساتذہ ثقہ ہیں، اور وہ صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔[1]

بنابریں امام محمدؒ کا امام احمدؒ کے نزدیک ثقہ ہونا خود معترض زبیر علی زئی سے بھی ثابت ہو گیا۔

مزید برآں امام احمدؒ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے، اور آپ کی علمی عظمتِ شان کو خوب سراہا ہے، چنانچہ امام ابوسعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) نے ان سے نقل کیا ہے کہ

اذا کان فی المسئلة قول ثلاثة لم تسع مخالفتهم. فقلت من هم؟ قال ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد بن الحسن.[2]

جب کسی مسئلہ میں تین حضرات کا قول مل جائے تو پھر ان کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا وہ تین حضرات کون ہیں؟ فرمایا: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، اور امام محمد بن حسنؒ۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) امام محمدؒ کے تذکرے میں رقمطراز ہیں:

وعظمه احمد و الشافعی.[3]

امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ آپ کی تعظیم کرتے تھے۔

نیز لکھتے ہیں:

و کان الشافعی یعظمه فی العلم و کذلک احمد.[4]

امام شافعیؒ اور اسی طرح امام احمدؒ بھی امام محمدؒ کا علم (حدیث وغیرہ) میں عظیم الشان ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

۳۔ امام یحییٰ بن معین (م:۲۳۳ھ)

امام الجرح والتعدیل اور علم حدیث کے مایہ ناز سپوت امام یحییٰ بن معینؒ نے بھی امام محمدؒ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ کے تلامذہ کے تعارف میں امام ابن معینؒ کا اپنا بیان گزر رہا ہے کہ میں

---

۱. الحدیث (ش ۲۱، ص ۲۲ بحواله مجمع الزوائد: ۱/۸۰، تهذیب التهذیب: ۹/۱۱۴)

۲. کتاب الانساب (۳/۱۶۷)

۳. الایثار مع کتاب الآثار (ص ۲۳۳)

۴. تعجیل المنفعة (ص ۴۰۹)

نے خود امام محمدؒ سے آپ کی تصنیف ''الجامع الصغیر'' لکھی تھی، اسی طرح محدثین میں سے حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ)، اور حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م: ۸۷۹ھ) کے حوالے سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ امام ابن معینؒ نے امام محمدؒ سے روایت حدیث بھی کی ہے۔

لہٰذا امام ابن معینؒ کا آپ سے ''الجامع الصغیر'' لکھنا اور آپ سے حدیث کی روایت کرنا ہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ) ''سعدان بن سعد اللیثی'' کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی عنه يحيى بن معين. قلتُ: ويكفيه رواية ابن معين عنه.[1]

امام یحییٰ بن معینؒ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ میں (حافظ ابن حجرؒ) کہتا ہوں کہ ان کے (ثقہ ہونے) کے لیے امام ابن معینؒ کا ان سے روایت کرنا ہی کافی ہے۔

بنابریں امام محمدؒ کے ثقہ ہونے کے لیے بھی اتنا کافی ہے کہ امام ابن معینؒ نے ان سے روایت کی ہے۔

۴۔ امام علی بن المدینیؒ (م: ۲۳۴ھ)

امام موصوف بھی امام ابن معینؒ کی طرح حدیث اور فن جرح وتعدیل کے ارکان میں شمار ہوتے ہیں، نیز وہ امام بخاریؒ کے کبار اساتذہ میں سے ہیں۔

امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سوائے امام ابن المدینیؒ کے اپنے آپ کو کسی کے سامنے کمتر نہیں سمجھا۔[2]

یہ عظیم المرتبت امام بھی امام محمدؒ کی توثیق کرنے والوں میں شامل ہیں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م: ۴۶۳ھ) وغیرہ محدثین نے بہ سند ان کے صاحبزادے عبداللہ بن علی بن المدینیؒ سے نقل کیا کہ میں نے اپنے والد سے امام محمدؒ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

محمد بن الحسن صدوق[3]

---

۱. لسان الميزان (۱۹/۳)

۲. تذكرة الحفاظ (۱۴/۲)

۳. تاريخ بغدادا (۱۷۸/۲)

امام محمد بن حسنؒ (روایت حدیث میں) صدوق (انتہائی راست باز) ہیں۔[1]

۵۔ امام احمد بن کامل القاضیؒ (م: ۳۵۰ھ)

یہ امام محمد بن جریر طبریؒ کے اصحاب میں سے ہیں، جب کہ ان کے تلامذہ میں امام دار قطنیؒ، اور امام حاکمؒ وغیرہ جیسے نامور محدثین بھی ہیں۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے ان کو احکام شرعیہ، علوم قرآن، نحو، شعر، تاریخ، اور تاریخ محدثین کے علماء میں سے قرار دیا ہے، اور ان کے بارے میں اپنے استاذ علامہ ابوالحسن بن زرقویہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

لم تری عیناى مثله.[2]

میری آنکھوں نے ان جیسا شخص نہیں دیکھا۔

حافظ ذہبیؒ ان کو "من بحور العلم" (علم کے سمندر) کہتے ہیں، اور ان کے ترجمے کا آغاز: الشیخ، الامام، العلامۃ اور الحافظ جیسے القاب سے کرتے ہیں۔[3]

۱۔ امام علی بن مدینی کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت: زبیر علی زئی غیر مقلد نے امام علی بن مدینی کے اس قول کی سند پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کے راوی عبداللہ بن علی بن المدینی کی توثیق نامعلوم ہے۔ (الحدیث ش ۷، ص ۱۶، حاشیہ ۷) لیکن خود علی زئی کے ہم مسلک اور ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد (جن کو علی زئی: محقق جلیل القدر قرار دیتے ہیں۔ (الحدیث ش ۴، ص ۱۳) نیز ان کے بارے میں لکھتے ہیں: پاکستان کے مشہور محقق اور اہل حدیث کے نامور عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظ اللہ (ایضاً: ش ۱۷، ص ۱۳) اسی عبداللہ بن ابن المدینیؒ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ عبداللہ بن علی (بن مدینی) ثقہ اور قابل اعتبار ہیں۔ (توضیح الکلام: ۲/۲۲۲)

اب علی زئی صاحب کو چاہیے کہ وہ اس قول کی سند پر اعتراض کرنے سے پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ وہ خود سچ بول رہے ہیں یا ان کے محقق جلیل القدر، مشہور محقق اور اہل حدیث کے نامور عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظ اللہ! ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ:۔

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے
لائے ہیں لوگ بزم یار سے خبر الگ الگ

۲۔ تاریخ بغداد (۵/ ۱۲۰)

۳۔ سیر اعلام النبلاء (۱۵/ ۵۴۴)

امام موصوف نے امام محمدؒ کی شخصیت اور آپ کے فضل وکمال کی بڑی تعریف کی ہے، چنانچہ امام ابوعبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) نے اپنے استاذ امام محمد بن عمران المرزبانیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے امام احمد بن کامل القاضیؒ نے بیان کیا کہ

ابو عبدالله محمد بن الحسن صاحب ابی حنیفة مولیٰ لبنی شیبان، وکان موصوفا بالکمال، وکانت منزلته فی کثرة الروایة والرأی والتصنیف لفنون علوم الحلال والحرام منزلة رفیعة، یعظمه اصحابه جدا.[1]

امام ابوعبداللہ محمد بن حسنؒ صاحب ابی حنیفہؒ بنوشیبان قبیلہ کے مولیٰ تھے، آپ فضل وکمال کے ساتھ موصوف تھے، اور آپ حدیث اور فقہ کو کثرت سے روایت کرنے، اور حلال وحرام کے علوم میں مختلف کتابیں تصنیف کرنے میں بہت بڑا مقام رکھتے تھے، اور آپ کے تلامذہ (امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل وغیرہ) آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔

اس بیان میں امام احمد بن کاملؒ نے امام محمدؒ کی بڑی تعریف کی ہے، اور اس میں انہوں نے آپ کی شخصیت، آپ کے محدثانہ وفقہی مقام، اور آپ کی تصانیف کی اس اعلیٰ پیرائے میں تعریف کی ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس سے بہتر اور جامع تعریف تقریباً ناممکن ہے۔[2]

---

۱. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۲۵)

۲. **احمد بن کاملؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** علی زئی نے اس قول کی سند پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس کا راوی ابوعبیداللہ محمد بن عمران المرزبانی ہے، جس کے بارے میں عتیقی نے کہا: وہ ثقہ تھا۔ ازہری نے کہا: وہ ثقہ نہیں تھا۔ اور کہا: ہمارے نزدیک کذب بیانی نہیں کرتا تھا۔ ابوعبیداللہ بن الکاتب نے کہا: میں نے اس کا ایک معاملہ دیکھا ہے جس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ کذاب تھا۔ محمد بن ابی الفوارس نے کہا: اس میں اعتزال اور تشیع تھا۔ (دیکھئے: تاریخ بغداد: ۳/۱۳۵) جمہور کی جرح سے معلوم ہوا کہ مرزبانی مذکور ضعیف راوی ہے۔ (الحدیث: ۳۳/۵۵)

جواب: علی زئی کا یہ دعویٰ کہ مرزبانیؒ پر جمہور نے جرح کی ہے، یہ سفید جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ علی زئی نے اس کے خلاف جن تین حضرات سے جرح نقل کی ہے ان میں سے محمد بن ابی الفوارس کی جرح مرزبانی کے عقیدہ سے متعلق ہے۔ اور امام محمدؒ کے خلاف جرح کے جواب میں خود علی زئی کے حوالے سے آرہا ہے کہ

۶۔ امام ابوالحسن الدار قطنیؒ (م:۳۸۵ھ)

امام دار قطنیؒ جو کہ بقول حافظ ذہبیؒ: الامام، شیخ الاسلام، حافظ الزمان، اور الحافظ الشہیر تھے۔[1]

امام موصوف باوجود علم حدیث میں بلند پایہ مقام رکھنے کے امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں متعنت اور بدزبان ہیں، لیکن اس سب کے باوجود انہوں نے امام محمدؒ کی بڑی توثیق وتعریف کی ہے، چنانچہ ان کے شاگرد امام ابوبکر برقانیؒ (م ۴۲۵ھ) نے ان سے نقل کیا ہے

(گذشتہ سے پیوستہ) ایسی جرح راوی کی صحت روایت کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح عبیداللہ بن الکاتب سے منسوب جرح بھی کالعدم ہے۔ اس لیے کہ ازہری نے ان سے اس قول کو نقل کرتے ہوئے سماع کی تصریح نہیں کی، بلکہ صرف اتنا کہا کہ: کان ابو عبید اللہ یذکر... کہ ابوعبیداللہ ذکر کرتے تھے۔ اور علی زئی کے ممدوح علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے تصریح کی ہے کہ ایسی روایت منقطع ہونے کی وجہ سے کالعدم ہوتی ہے۔ (المحلی: ۸/۱۶۸) اب صرف ازہریؒ کی جرح ہی بچتی ہے، جبکہ ان کے بالمقابل کم از کم سات محدثین نے مرزبانی کی توثیق کی ہے۔

(۱) امام عتیقی: موصوف نے مرزبانی کو ثقہ قرار دیا ہے جیسا کہ خود علی زئی نے بحوالہ تاریخ بغداد نقل کیا ہے۔

(۲) علامہ خطیبؒ: علامہ خطیبؒ نے ابوعبیداللہ بن الکاتب سے منسوب جرح کے رد میں لکھا ہے:
قلت، لیس حال ابی عبید اللہ عندنا الکذب. (تاریخ بغداد: ۳/۳۵۲)
میں (علامہ خطیبؒ) کہتا ہوں ابوعبیداللہ (محمد بن عمران مرزبانی) ہمارے نزدیک جھوٹے نہیں ہیں۔

(۳) امام ابن خلکانؒ: امام موصوف نے مرزبانیؒ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ: و کان ثقة فی الحدیث. (وفیات الاعیان: ۲/۳۹۷) کہ مرزبانیؒ حدیث میں ثقہ تھے۔

(۴) امام ذہبیؒ: انہوں نے مرزبانی کو صدوق قرار دیا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء: ۲/۳۵۶)

(۵) امام ابن الاھدلؒ: موصوف بھی مرزبانیؒ کو "ثقہ فی الروایة" قرار دیتے ہیں۔ (شذرات الذھب: ۳/۱۱۲)

(۶) امام ابن الجوزیؒ: یہ مرزبانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: لم یکن من الکذابین. (البدایة والنھایة: ۸/۱۷) یہ جھوٹے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔

(۷) امام صلاح الدین الصفدیؒ بھی مرزبانی کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ (الوافی بالوفیات: ۱۷۶۷)
لہٰذا زبیر علی زئی کا یہ دعویٰ کرنا کہ جمہور نے مرزبانیؒ پر جرح کی ہے، یہ ان کے دیگر اکاذیب کی طرح ایک صریح کذب ہے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ (۳/۱۳۲)

کہ انہوں نے امام محمدؒ کے بارے میں فرمایا:

وعندي لا يستحق الترك.[1]

امام محمدؒ میرے نزدیک (روایت حدیث میں) ترک کر دینے کے مستحق نہیں ہیں۔ یعنی آپ مقبول الروایت ہیں۔[2]

نیز امام دارقطنیؒ نے اپنی کتاب ''غرائب حدیث مالک'' میں آپ کو ثقہ حفاظ حدیث میں

---

۱. سوالات البرقانی للدارقطنی (ص ۱۳۱)، تاریخ بغداد (۲/۱۷۷)

۲. **امام دارقطنیؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** علی زئی جیسے متعصب غیر مقلدین یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی محدث ائمہ احناف میں سے کسی امام کی توثیق کرے، اور اگر کسی محدث سے کسی حنفی امام کی توثیق ثابت ہو جائے تو پھر یہ لوگ اس توثیق کو رکیک تاویلوں سے ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ علی زئی نے امام دارقطنیؒ سے مذکورہ توثیقی قول کی سند کو صحیح تسلیم کر لینے کے باوجود اس کو یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی ہے کہ

امام دارقطنی کے نزدیک کسی شخص کا متروک نہ ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی متروک نہیں ہے۔ (الحدیث: ش ۷، ص ۱۶، حاشیہ ۲) یہ ہے علی زئی کا انصاف! کہ اگر امام دارقطنیؒ کا کوئی حوالہ احناف کے خلاف آئے تو پھر وہ جلیل القدر معتدل امام ہیں، اور اگر ان کا کوئی حوالہ احناف کے حق میں ہو تو پھر وہ محدثین کی صف سے ہی خارج ہو جاتے ہیں اور ان کی توثیق کی کوئی وقعت ہی نہیں رہتی۔ انا للہ......

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اور پھر امام دارقطنی اپنی اس توثیق میں منفرد نہیں ہیں بلکہ دو درجن سے زائد دیگر محدثین نے بھی امام محمدؒ کی توثیق کی ہے، ان میں سے بعض کے توثیقی اقوال گزر چکے ہیں اور بعض کے آگے آ رہے ہیں۔ لہٰذا علی زئی کی مذکورہ تاویل باطل ہے۔

اور بالفرض اگر امام دارقطنیؒ امام محمدؒ کی توثیق کرنے میں منفرد بھی ہوں تو کم از کم علی زئی کو یہ تو کھلے دل سے تسلیم کر لینا چاہیے کہ امام محمدؒ امام دارقطنیؒ کے نزدیک ثقہ اور مقبول الروایت ہیں۔ لیکن علی زئی اس بات کو بھی تسلیم کر لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، چنانچہ ایک دوسری جگہ امام محمدؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: اس کی توثیق کسی معتبر محدث سے ثابت نہیں ہے۔ (حاشیہ جزء رفع الیدین (ص ۳۴) گویا علی زئی کی نظر میں امام دارقطنیؒ معتبر محدث نہیں ہیں۔

ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

شمار کیا ہے، چنانچہ محدث جلیل امام زیلعیؒ (م: ۷۶۲ھ) نے امام موصوف کی مذکورہ کتاب سے ایک حدیث کے متعلق ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

حدث بہ عشرون نفرا من الثقات الحفاظ منھم محمد بن الحسن الشیبانی، ویحیی بن سعید القطان، وعبداللہ بن المبارک، وعبدالرحمن بن مھدی وابن وھب وغیرھم.[۱]

اس حدیث کو (امام مالک سے) بیس عدد ثقہ حفاظ حدیث نے بیان کیا ہے جن میں سے امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام عبدالرحمان بن مہدیؒ، اور امام ابن وہبؒ وغیرہ شامل ہیں۔[۲]

---

۱. نصب الرایۃ (۱/۴۰۸، ۴۰۹)

۲. امام زیلعی کے امام دارقطنی سے نقل کردہ قول پر علی زئی کی بے چینی: زبیر علی زئی نے یہاں بھی اپنی عادت کے موافق امام دارقطنیؒ کے اس ایک مستند اور مضبوط حوالے کو قبول کرنے کی بجائے الٹا امام زیلعیؒ جیسے محدث جلیل پر یہ بے بنیاد الزام لگا دیا کہ انہوں نے امام دارقطنیؒ کے اس قول کو اپنی کتاب "نصب الرایۃ" میں کانٹ چھانٹ کر نقل کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"نصب الرایۃ للزیلعی" میں امام دارقطنی کی کتاب "غرائب مالک" سے ایک قول کانٹ چھانٹ کر کے نقل کیا گیا ہے۔ جب تک اصل کتاب "غرائب مالک" یا اس سے منقول پوری عبارت نہ دیکھی جائے، اس مبتور (آدھ کٹے) قول سے استدلال صحیح نہیں ہے، زاہد الکوثری صاحب وغیرہ اس مبتور و مقطوع قول پر بغلیں بجا بجا کر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ (الحدیث: ش ۷، ص ۱۹)

جواب: امام زیلعیؒ ایک بلند پایہ اور قابل اعتماد محدث ہیں، اور ان کی کتاب "نصب الرایۃ" فقہ حنفی کی مشہور کتاب "الھدایۃ" کی احادیث کی تخریج پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب حدیث کا ایک معتبر اور ضخیم مجموعہ ہے، اور تمام متاخرین محدثین (حافظ ابن حجرؒ وغیرہ) کی تحقیقات کا یہ ایک بڑا ماخذ ہے، اسی طرح غیر مقلدین کی تمام شروحات حدیث بھی اس کتاب کے مستدلات سے بھری ہوئی ہیں۔ مثلاً مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق ڈیانویؒ کی "التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی" زیادہ تر اسی "نصب الرایۃ" سے ماخوذ ہے۔ جس کا اقرار مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی کیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں: اہل علم جانتے ہیں کہ محدث ڈیانویؒ "التعلیق المغنی" میں اکثر و بیشتر "نصب الرایۃ" سے نقل کرتے ہیں۔ (تنقیح الکلام، ص ۲۷۳)

خود علی زئی نے امام زیلعی کے علمی مقام اور ان کی اس کتاب کی شہرت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ابو

اندازہ کریں کہ امام دار قطنیؒ جیسے محدث امام محمدؒ کو کس پایہ کے ثقہ حفاظ حدیث (امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام یحییٰ قطانؒ، اور امام ابن مہدیؒ وغیرہ) کے زمرے میں شمار کر رہے ہیں، اور پھر ان میں سے بھی آپ کو انہوں نے سرفہرست ذکر کر کے گویا یوں کہہ دیا ہے:

(گذشتہ سے پیوستہ) محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی مشہور حنفی عالم ہیں۔ ان کی کتاب ''نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ'' کا نام زبان زد عام ہے۔ (نور العینین ص ۵۱)

لیکن اس کے باوجود جب امام زیلعیؒ نے امام دار قطنیؒ کی ''غرائب مالک'' سے ان کا مذکورہ قول نقل کیا جو کہ بالکل صاف ہے، اور اس میں ادنیٰ سا بھی کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ اس میں کوئی قطع و برید ہوئی ہے لیکن علی زئی کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کریں کہ انہوں نے امام دار قطنی کی ''غرائب مالک'' دیکھی تک نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی امام زیلعیؒ پر بلا ثبوت یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ انہوں نے اس قول میں کانٹ چھانٹ کی ہے۔ فیا للعجب:

یہ انداز جنوں اچھا نکالا
لیا پہچان گو دیکھا نہ بھالا

اور پھر علی زئی کے دوغلا پن کی حد ہے کہ یہاں امام زیلعیؒ نے امام دار قطنی کی ''غرائب مالک'' سے جو حوالہ نقل کیا ہے وہ تو علی زئی کی نظر میں غیر معتبر ہے کیونکہ وہ ان کے مؤقف کے خلاف ہے، لیکن جب امام زیلعیؒ کا اسی ''غرائب مالک'' سے نقل کردہ حوالہ علی زئی کے حق میں ہو تو پھر وہ آنکھیں بند کر کے اس کو قبول کر لیتے ہیں، چنانچہ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: شیخ الاسلام امام دار قطنیؒ نے ایک کتاب ''غرائب حدیث مالک'' لکھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ہر قسم کی (موضوع و باطل وغیرہ بھی) روایات اکٹھی کی ہیں مگر وہ اس کتاب میں مغلطائی کنجری کی روایات نہیں لائے۔ ملاحظہ ہو ''نصب الرایۃ للزیلعی ج ۱ ص ۴۰۴'' (نور العینین ص ۵۱)

قارئین: آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ علی زئی صاحب کیسی دوغلی پالیسی پر گامزن ہیں کہ امام زیلعی کی نقل میں جب ان کو کوئی فائدہ نظر آئے تو فوراً اس کو قبول کر لیتے ہیں، اور جب ان کی نقل سے ان کے مؤقف پر زد پڑتی ہو تو پھر لچر قسم کے بہانوں سے اس کو رد کر دیتے ہیں، اور نام ہے اہلحدیث......
پھر یہ لوگ اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی بجائے علامہ زاہد الکوثریؒ وغیرہ جیسے اہل علم پر طنز کرتے ہیں کہ ''وہ اس مبتور قول پر بغلیں بجا بجا کر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں'' لیکن ان کو یہ سمجھنے کی توفیق نہیں ملی کہ علامہ زاہد الکوثریؒ وغیرہ تو ایک حقیقت کا اظہار کر کے خوشی کرتے رہے ہیں جو کہ بجا ہے، لیکن آپ لوگ تو اس حقیقت سے انکار کر کے اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کا ماتم کر رہے ہیں۔

میری انتہائی نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

۷۔ امام ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)

امام حاکمؒ جو بقول حافظ ذہبیؒ: الحافظ الکبیر اور امام المحدثین تھے۔[1] انہوں نے اپنی مشہور تصنیف حدیث ''المستدرک'' میں امام محمدؒ کی احادیث کی تخریج کی ہے، اور آپ سے حجت پکڑی ہے۔

نیز امام موصوف نے آپ کی سند حدیث کو ''صحیح الاسناد'' سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک حدیث جس کو انہوں نے امام ربیع سے، انہوں نے امام شافعیؒ سے، انہوں نے امام محمدؒ سے، انہوں نے امام ابویوسفؒ سے، انہوں نے عبداللہ بن دینارؒ سے، اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے، کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

هذا حديث صحيح الاسناد.[2]

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ امام محمدؒ سمیت اس روایت کے سارے راوی امام حاکمؒ کے نزدیک صحیح الاسناد اور ثقہ ہیں۔[3]

۱۔ تذکرۃ الحفاظ (۳/۱۶۲)

۲۔ المستدرک علی الصحیحین (۴/۳۷۹، ح ۷۹۹۰)

۳۔ **امام حاکمؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر امام حاکمؒ کی توثیق پر اعتراض کر دیا کہ حافظ ذہبیؒ نے ''تلخیص المستدرک'' میں امام حاکمؒ کا (امام محمدؒ کی روایت کی سند کو صحیح الاسناد کہنے پر) رد کرتے ہوئے کہا: قلت بالدبوس. میں نے کہا: ڈنڈے کے زور پر۔ معلوم ہوا کہ یہ تصحیح ذہبیؒ کے نزدیک مردود ہے۔ (الحدیث: ۵۴/۱۲، ۵۵/۳۴)

جواب: علی زئی کا یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱) حافظ ذہبیؒ کا امام حاکمؒ کی تصحیح کو رد کرنا امام حاکمؒ کی تصحیح پر نظر انداز نہیں ہوتا، اس لیے کہ امام حاکمؒ، حافظ ذہبیؒ سے مقدم بھی ہیں اور اوثق بھی۔ اور خود زبیر علی زئی نے دارقطنیؒ اور خطیب بغدادیؒ کے اقوال میں موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان دونوں (خطیب و دارقطنی) کے اقوال میں متقدم و اوثق ہونے کی وجہ سے دارقطنی کے قول کو ہی ترجیح حاصل ہے۔ (الحدیث: ۱۷/۱۹)

(گزشتہ سے پیوستہ) نیز علی زئی نے لکھا ہے: متاخرین کا متقدمین کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (القول المتین، ص۳۳)

ان تصریحات کے باوجود علی زئی کا امام حاکمؒ کی تصحیح کو حافظ ذہبیؒ کے قول کی وجہ سے رد کر دینا انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

(۲) حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب "تلخیص المستدرک" میں مذکورہ حدیث کے تمام راویوں کی دیگر احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً "الربیع عن الشافعی" کی سند سے مروی کم از کم دو احادیث کو انہوں نے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے: رقم الحدیث: (۲۸۱۴، ۳۲۵۴)۔ امام محمد بن حسنؒ کی ایک روایت پر بھی انہوں نے تلخیص میں سکوت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۹۷۸)۔ جو کہ باقرار غیر مقلدین حافظ ذہبیؒ کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث: ۱/۶۳۵) امام ابویوسفؒ کی کم از کم چار روایات کو انہوں نے صحیح کہا۔ (رقم الحدیث: ۲۱۸۴، ۳۶۸۹، ۳۹۱۸، ۷۷۸۳)۔ اسی طرح عبداللہ بن دینارؒ کی کم از کم ایک حدیث کی انہوں نے تصحیح کی۔ (رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

نیز حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتب (سیر اعلام النبلاء وغیرہ) میں ان سب حضرات کی توثیق و توصیف کی ہے۔

اور خود معترض زبیر علی زئی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ، امام ابوحاتم اور امام بیہقی نے اس روایت کو غیر محفوظ وغیرہ قرار دیا ہے۔ تو عرض ہے کہ یہ جرح غیر مفسر ہے۔ جبکہ اس حدیث کے تمام راوی امام بخاری، امام ابوحاتم اور امام بیہقی کے نزدیک ثقہ ہیں تو اسے کس دلیل کی بنیاد پر غیر محفوظ قرار دیا جا سکتا ہے۔ (مسئلہ فاتحہ خلف الامام، ص۲۲)

بنابریں جب مذکورہ حدیث جس کی تصحیح کو امام ذہبیؒ نے رد کیا ہے، کے تمام راوی امام ذہبیؒ کے نزدیک صحیح الحدیث اور ثقہ ہیں تو پھر کس دلیل کی بنیاد پر اس حدیث کی تصحیح کو رد کیا جا سکتا ہے؟

(۳) حافظ ذہبیؒ نے یہ کوئی تصریح نہیں کی کہ اس روایت کی سند کے کسی راوی کی وجہ سے اس کی تصحیح مردود ہے۔ لہٰذا زبیر علی زئی کو چاہیے کہ وہ امام محمدؒ پر اس کا سارا ملبہ ڈالنے کی بجائے اس روایت کے تمام راویوں (امام شافعیؒ وغیرہ) کو بھی ضعیف الحدیث کہہ دیں۔ دیدہ باید۔

واضح رہے کہ اس حدیث کی سند پر جو اعتراض کیا گیا ہے، اس کی وجہ اس سند کے راویوں کا ضعیف ہونا نہیں ہے، بلکہ اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں امام ابویوسفؒ اور عبداللہ بن دینارؒ کے درمیان عبیداللہ بن عمرؒ کا واسطہ گر گیا ہے۔ امام بیہقی جو ایک کٹر اور متعصب شافعی محدث ہیں، انہوں نے بھی یہ اقرار کیا ہے کہ یہ واسطہ امام شافعیؒ سے گرا ہے، کیونکہ انہوں نے جب اس حدیث کو زبانی بیان کیا تو وہ سند میں عبیداللہ بن عمرؒ کا نام لینا بھول گئے، اور اس کی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ نے دلیل یہ بیان کی ہے کہ امام ابن حبانؒ نے اپنی "صحیح" میں امام بشر بن ولید کے واسطے سے امام ابویوسفؒ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس میں یہ واسطہ موجود ہے۔ اسی طرح امام محمد بن حسنؒ نے بھی اپنی "کتاب الولاء" میں اس

۸۔ امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م: ۴۵۸ھ)

امام بیہقیؒ جو کہ مشہور صاحب التصانیف محدث ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے ترجمے کا آغاز: الامام، الحافظ، العلامۃ، شیخ اور صاحب التصانیف کے القاب سے کرتے ہیں۔[۱]

امام موصوف نے اپنی کتب حدیث میں امام محمدؒ سے کئی احادیث روایت کی ہیں، چنانچہ آپ کی ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وانما يصح عن الشعبى والرواية فيه عن ابن عباس على ماحكى محمد بن الحسن.[۲]

اس مسئلہ میں امام شعبیؒ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت صحیح ہے جیسا کہ امام محمد بن حسنؒ نے روایت کیا ہے۔

اس بیان میں امام بیہقیؒ نے امام محمدؒ کی روایت کو صراحتاً صحیح کہا ہے۔

اور حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے لکھا ہے کہ

کسی سند کو صحیح کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس سند کا ہر راوی صحیح کہنے والے کے نزدیک ثقہ یا صدوق ہے۔[۳]

نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

حدیث کی سند میں امام ابو یوسفؒ اور عبداللہ بن دینارؒ کے درمیان عبید اللہ بن عمرؒ کا نام لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ سے یہ واسطہ ذکر کرتے ہوئے چوک ہوئی ہے۔ (دیکھئے: تلخیص الحبیر: ۲۱۴/۴، للحافظ ابن حجرؒ)

لہٰذا اگر اس سند میں غلطی ہے تو اس کے ذمہ دار امام شافعیؒ ہیں نہ کہ امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ، لہٰذا علی زئی کا امام محمدؒ پر اعتراض فضول ہے۔

(۴) امام حاکم کی تصحیح ذہبیؒ کے مؤقف کے خلاف ہو یا جمہور کے جیسا کہ علی زئی کا دعویٰ ہے، لیکن یہ بات تو حتمی ہے کہ کم از کم امام حاکمؒ کے نزدیک امام محمدؒ، ثقہ ہیں۔ لہٰذا اس سے علی زئی کا یہ دعویٰ تو باطل ہو جاتا ہے کہ امام محمدؒ کی توثیق کسی محدث سے ثابت نہیں ہے۔

۱. تذکرۃ الحفاظ (۲۱۹/۴)

۲. السنن الکبریٰ (۱۰۴/۸)

۳. القول المتین (ص ۲۱)

محدثین کا حدیث کو حسن یا صحیح قرار دینا، ان کی طرف سے اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔[۱]

لہٰذا امام بیہقیؒ جیسے محدث کا امام محمد بن حسنؒ کی روایت کو صحیح کہنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان کے نزدیک ثقہ اور صدوق ہیں۔

۹۔ امام یوسف بن عبداللہ المعروف بہ ابن عبدالبرؒ (م: ۴۶۳ھ)

امام ابن عبدالبرؒ کی علمی شخصیت سے کون شخص ناواقف ہوگا؟ حافظ ذہبیؒ جیسے محدث ناقدان کو شیخ الاسلام اور حافظ المغرب کے القاب سے یاد کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ

یہ حدیث کے حفظ اور اس کی پختگی میں اپنے تمام اہل زمانہ کے سردار تھے۔[۲]

موصوف نے اپنی مایہ ناز تصنیف "الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء" جس میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور ان تینوں ائمہ کے مشہور تلامذہ کے فضائل ومناقب لکھے ہیں، اس میں انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے تعارف میں امام محمدؒ کا بھی بڑا شاندار ترجمہ لکھا ہے، اور اس ترجمہ میں انہوں نے امام شافعیؒ وغیرہ سے آپ کی توثیق نقل کرنے کے علاوہ خود بھی آپ کی ان الفاظ میں توثیق کی ہے:

کان فقيها عالما كتب عن مالك كثيرا من حديثه وعن الثوری وغيرهما۔[۳]

امام محمدؒ فقیہ، اور (حدیث وغیرہ) کے عالم تھے، اور آپ نے امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور دیگر محدثین سے بکثرت احادیث لکھی تھیں۔

اسی طرح موصوف نے امام شافعیؒ کے ترجمے میں آپ کو ان کے مشائخ میں شمار کرتے ہوئے بڑے عمدہ الفاظ میں آپ کا تعارف کرایا ہے۔[۴]

---

۱. نصر الباری (ص ۱۸)
۲. تذکرة الحفاظ (۳/۲۱۷)
۳. الانتقاء (ص ۱۷۴)
۴. ایضاً (ص ۶۹)

نیز امام موصوف نے امام محمدؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے رفع یدین سے متعلق امام مالکؒ کی ایک حدیث کی بابت ان کے تلامذہ میں پائے جانے والے اختلاف کو ذکر کیا، اور ان دونوں قسم کے تلامذہ کے ناموں کو بھی گنایا جن میں انہوں نے امام محمدؒ کے نام کو بھی ذکر کیا اور آخر میں ان سب کے متعلق تصریح کی ہے کہ:

لان جماعة حفاظا، رووا عنه الوجهين جميعا.[1]

کہ (امام محمد سمیت) حفاظ کی جماعت نے امام مالکؒ سے دونوں طرح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ ان کے نزدیک حفاظِ حدیث میں سے ہیں۔

۱۰۔ امام یحییٰ بن ابراہیم السلماسیؒ (م ۵۵۰ھ)

امام سلماسیؒ جو ایک جلیل القدر محدث اور امام ابن عساکرؒ اور امام ابن الجوزیؒ وغیرہ جیسے مشہور محدثین کے استاذ ہیں، انہوں نے ائمہ اربعہ کے مناقب میں ایک کتاب "منازل الائمۃ الاربعۃ" کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تذکرہ میں امام محمدؒ کو آپ کے تلامذہ میں شمار کرنے کے بعد ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

وكتب الحديث، وكان فقيها عالما شهما نبيلا.[2]

امام محمدؒ نے حدیث لکھی، اور آپ فقیہ، عالم، سمجھدار اور معزز شخص تھے۔

۱۱۔ امام عبدالکریم شہرستانیؒ (م: ۵۴۸ھ)

یہ علم کلام کے مشہور و معروف امام ہیں۔ علامہ ابن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ) ان کو: الامام، مبرز، فقیہ، متکلم اور واعظ کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔[3]

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ، اور مولانا اسماعیل سلفیؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے۔[4]

۱۔ التمہید (۴/۱۴۰، ۱۴۱)

۲۔ منازل الائمۃ الاربعۃ (ص ۸۸)

۳۔ شذرات الذهب (۴/۱۴۹)

۴۔ تاریخ اهل حدیث (ص ۸۷)، تحریک آزادی فکر (ص ۱۴۱)

امام موصوف نے امام محمدؒ اور آپ کے اساتذہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ کو ان ائمہ اہل سنت میں شمار کیا ہے کہ جن پر لوگوں نے عقیدہ ارجاء کا بے بنیاد الزام لگایا ہے، اور پھر انہوں نے اس الزام کی حقیقت کو اچھی طرح سے طشت از بام کیا ہے، اور ان کے بارے میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ

وهؤلاء كلهم ائمة الحديث۔[1]

یہ سب کے سب حدیث کے امام ہیں۔

۱۲۔ امام ابو سعد عبد الکریم السمعانیؒ (م: ۵۶۲ھ)

امام سمعانیؒ حدیث، تاریخ، اور انساب وغیرہ علوم کے اَجِلّہ ائمہ میں سے ہیں، حافظ ذہبیؒ نے ان کو: الحافظ، البارع، العلامۃ، تاج الاسلام، اور صاحب التصانیف قرار دیا ہے۔[2]

موصوف نے اپنی مشہور تصنیف ''کتاب الانساب'' میں مادہ ''الشیبانی'' کے ذیل میں امام محمدؒ کا شاندار اور مبسوط ترجمہ لکھا ہے، اس ترجمہ میں انہوں نے خود بھی آپ کی تعریف کی ہے اور دیگر متعدد ائمہ سے بھی آپ کے بارے میں توثیقی وتوصیفی اقوال نقل کیے ہیں۔[3]

اسی طرح انہوں نے مادہ ''الشہید'' کے ذیل میں امام ابو الفضل الحاکم الحنفیؒ کے ترجمہ میں آپ کو ''الامام الربانی'' قرار دیا ہے، چنانچہ امام حاکمؒ کی کتاب ''مختصر الکافی'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

اختصر كتاب "الكافى" الذى صنفه الامام الربانى محمد بن الحسن الشيبانى۔[4]

انہوں نے ''کتاب الکافی'' کا اختصار کیا جس کو امام رَبانی محمد بن حسن شیبانیؒ نے تصنیف کیا تھا۔

''ربانی'' محدثین کے ہاں اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو وسیع العلم اور دیانت دار ہو۔ چنانچہ

۱۔ الملل والنحل (۱/۱۶۱)

۲۔ تذکرۃ الحفاظ (۴/۷۵)

۳۔ کتاب الانساب (۳/۱۶۶، ۱۶۷)

۴۔ ایضاً (۳/۱۶۳)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) ''الربانی'' کی تعریف میں لکھتے ہیں:

وينسب هذه النسبة من يوصف بسعة العلم و الديانة.[1]

اس نسبت کے ساتھ وہ آدمی منسوب ہوتا ہے جو وسعت علم اور دیانت داری کے ساتھ موصوف ہو۔

اس سے واضح ہوگیا کہ امام سمعانیؒ کے نزدیک امام محمدؒ وسعت علم اور دیانت داری میں امام ہیں، اور یہ اعلیٰ درجہ کی توثیق ہے۔

۱۳۔ امام علی بن انجب المعروف بہ ''ابن الساعیؒ'' (م ۶۷۴ھ)

امام ابن الساعیؒ جو کہ بقول حافظ ذہبیؒ: الشیخ، الامام، العلامۃ، الاخباری اور مؤرخ الزمان تھے،[2] نے بھی امام محمدؒ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

امام عالم، کبیر القدر، شائع الذکر.[3]

۱۴۔ امام محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسیؒ (م: ۷۴۴ھ)

یہ امام ابن عبدالہادی سے مشہور ہیں، اور ان کا شمار حدیث اور فن جرح وتعدیل کے جلیل القدر ائمہ میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ان کا تعارف: الشیخ، الامام، العالم، العلامۃ، الناقد، اور البارع جیسے عظیم القاب سے کرایا ہے۔[4]

انہوں نے ائمہ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ) کے مناقب میں ایک شاندار کتاب ''مناقب الائمة الاربعة'' کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب میں انہوں نے امام اعظمؒ کے تلامذہ کے بیان میں امام محمدؒ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

والقاضی الامام العلامة فقيه العراق ابو عبدالله محمد بن الحسن الشيباني احد شيوخ الامام الشافعي.[5]

۱۔ تبصیر المنتبہ (۶۲۲/۲)

۲۔ سیر اعلام النبلاء (۲۹۳/۲۴)

۳۔ الدر الثمین فی اسماء المصنفین (ص ۱۵۹)

۴۔ البدایة والنهایة (۴۶۵/۹)

۵۔ مناقب الائمۃ الاربعۃ (ص ۶۰)

زبیر علی زئی غیر مقلد ایک راوی کے متعلق حافظ ذہبیؒ سے ''الامام الفقیہ'' کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس کا مقام صدوق کا مقام ہے۔[1]

اب جس راوی کے متعلق صرف ''الامام'' اور ''الفقیہ'' کہا جائے، اس کا مقام بقول علی زئی صدوق ہے، تو پھر امام محمدؒ کا مقام صدوق سے بھی بڑھ کر (یعنی آپ کو ثقہ) ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کو امام ابن عبدالہادیؒ نے ''الامام'' اور ''فقیہ العراق'' کہنے کے ساتھ ساتھ العلامہ بھی کہا ہے۔

۱۵۔ امام جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ (م ۷۶۲ھ)

امام زیلعیؒ ایک متبحر اور بالاتفاق ثقہ محدث ہیں۔ انہوں نے کتاب الآثار بروایت امام محمد بن حسنؒ کے ایک اثر کے بارے میں لکھا ہے:

اثر جید۔[2] کہ اس اثر کی سند جید ہے۔

جب کہ خود علی زئی کے نزدیک جس راوی کی سند کو جید کہا جائے وہ اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔[3]

۱۶۔ امام ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ)

امام ابن حزمؒ فقہ ظاہریہ کے امام اور مشہور عالم ہیں۔ غیر مقلدین کے ہاں یہ بڑے مستند سمجھے جاتے ہیں۔ موصوف احناف کے خلاف انتہائی متعصبانہ رویہ رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ امام محمدؒ کی امام ابوحنیفہؒ سے روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مسئلہ کی تحقیق میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

والمحفوظ عن ابی حنیفة هو ما ذكره محمد بن الحسن فی الجامع الصغير.[4]

---

۱. الحدیث (ش ۷، ص ۱۳)

۲۔ نصب الرایۃ (۲۴۰/۳)

۳۔ الحدیث (۱۹/۴۷)

۴۔ المحلی (۱۲۴/۸)

امام ابوحنیفہؒ سے محفوظ روایت وہ ہے جو امام محمدؒ نے ''الجامع الصغیر'' میں آپ سے نقل کی ہے۔

اور خود زبیر علی زئی نے تصریح کی ہے کہ محدثین کا کسی راوی کی روایت کو محفوظ قرار دینا ان کی طرف سے اس راوی کی توثیق پر دلیل ہے۔[1]

۱۷۔ امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ)

امام ذہبیؒ تمام علوم حدیث خصوصاً فن جرح وتعدیل کے بلند مرتبت سپوت ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (م: ۱۳۵۲ھ) غیر مقلد نے امام موصوف کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ

حافظ ذہبیؒ جن کی نسبت حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

هو من استقراء التام في نقد الرجال.

یعنی حافظ ذہبی ان لوگوں میں سے ہیں جو رجال (راویانِ حدیث) کے پرکھنے میں کامل استقراء والے ہیں۔[2]

امام موصوف نے اپنی کتب رجال میں مختلف الفاظ میں امام محمدؒ کے فقہی اور محدثانہ مقام کی زبردست تعریف کی ہے، چنانچہ ماقبل گزر چکا ہے کہ امام ذہبیؒ نے آپ کو فقیہ العصر، فقیہ العراق، رأس فی الفقہ (فقہ میں سردار)، اور امام ابو یوسفؒ کے بعد عراق کے سب سے بڑے فقیہ قرار دیا ہے، نیز یہ بھی گزرا ہے کہ انہوں نے آپ کو دنیا کے ذہین ترین لوگوں میں شمار کیا ہے، اور آپ کا محدث ہونا تسلیم کرتے ہوئے آپ کو محدثین کے طبقات پر مشتمل اپنی کتاب ''المعین فی طبقات المحدثین'' میں ذکر کیا ہے، اور دوسری جگہ آپ کے بارے میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ آپ نے بکثرت احادیث سن رکھی تھیں۔ اسی طرح امام ذہبیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں جہاں ان کے تلامذہ میں امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام علی بن الجعدؒ وغیرہ جیسے یگانہ روزگار محدثین کو شمار کیا ہے، وہاں آپ کو بھی ان کے تلامذہ میں شمار کرتے ہوئے آپ کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں کہ

۱۔ القول المتین (ص ۲۶)

۲۔ تحقیق الکلام (۲/۱۴۳)

واجل اصحابه محمد بن الحسن.

امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر امام محمد بن حسنؒ ہیں۔

یہ سب امام ذہبیؒ کی وہ تصریحات ہیں جن کو ہم مختلف عنوانات کے ذیل میں ذکر کر آئے ہیں، ان تصریحات کے علاوہ بھی امام ذہبیؒ نے اپنے متعدد الفاظ میں امام محمدؒ کی توثیق وتوصیف کی ہے۔

مثلاً لکھتے ہیں:

محمد بن الحسن بن فرقد، العلامة، فقيه العراق.[1]

اسی طرح انہوں نے آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ

وكان مع تبحره في الفقه يضرب بذكائه المثل.[2]

آپ فقہ میں تبحر رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذکاوت (ذہانت) میں بھی ضرب المثل تھے۔

نیز لکھتے ہیں:

ويحكى عن محمد بن الحسن ذكاء مفرط وعقل تام وسودد وكثرة تلاوة.[3]

امام محمد حسنؒ کے متعلق منقول ہے کہ آپ انتہائی ذہانت، اعلیٰ درجہ کی عقلمندی، بزرگی، اور کثرت تلاوت کے ساتھ موصوف تھے۔

نیز ذہبیؒ ارقام فرماتے ہیں:

ونال من الجاه والحشمة مالا مزيد عليه.[4]

امام محمدؒ نے وہ عزت اور شان وشوکت پائی ہے کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے۔

ذہبیؒ نے آپ کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ آپ: الفقیہ، العلامہ، مفتی العراقین

---

۱. سیر اعلام النبلاء (۹/ ۱۳۴)

۲. ایضاً

۳. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۹)

۴. ایضاً (ص ۵۰)

اور احد الاعلام تھے۔[1]

اسی طرح انہوں نے آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ: امام اور مجتہد تھے اور آپ کا شمار انتہائی ذہین اور فصیح لوگوں میں ہوتا ہے۔[2] اور وہ آپ کے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

و کان رحمة الله آية فی الذکاء، ذاعقل تام، و سؤدد و کثرة تلاوة القرآن.[3]

امام محمدؒ، دانائی میں ایک نشانی تھے، اور آپ انتہائی عقل مند، بزرگ اور قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرنے والے تھے۔

امام موصوف نے آپ کے بارے میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ

یروی عن مالک بن انس وغیره، و کان من بجورا لعلم والفقه قویا فی مالک.[4]

امام محمدؒ نے امام مالک بن انسؒ اور دیگر محدثین سے روایت حدیث کی ہے، اور آپ علم (حدیث وغیرہ) اور فقہ کے سمندر تھے، اور امام مالکؒ سے روایت کرنے میں قوی (مضبوط) تھے۔

امام ذہبیؒ اپنے اس بیان میں امام محمدؒ کو علم (جس میں علم حدیث بھی شامل ہے) اور فقہ (یعنی فقاہت حدیث) کے سمندر قرار دے رہے ہیں جو کہ آپ کی ایک بہت بڑی توثیق ہے، اس کے ساتھ امام موصوف نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ آپ نے امام مالکؒ سے جو احادیث روایت کی ہیں اس میں آپ قوی ہیں۔ اب جب کہ امام محمدؒ امام مالکؒ سے روایت کرنے میں قوی ہیں کہ جن کے ساتھ آپ کا تعلق صرف تلمذ کا ہی رہا ہے، تو اس سے آپ کا امام اعظم ابوحنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت کرنے میں قوی ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا کیونکہ ان

۱۔ تاریخ الاسلام (۹۵۵،۹۵۴/۴)

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا

۴۔ لسان المیزان (۱۲۸،۱۲۷/۵)

دونوں سے آپ کا تعلق صرف تلمذ کا ہی نہیں تھا بلکہ آپ نے ان دونوں کے علوم کی نشر واشاعت میں اپنی پوری زندگی صرف کی ہے۔[۱]

۱۔ **حافظ ذہبیؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی امام ذہبیؒ کے مذکورہ بالا بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حافظ ذہبی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ (امام محمد بن حسنؒ) شیبانی مذکور اگر امام مالکؒ کے علاوہ دوسرے لوگوں (مثلاً امام ابوحنیفہ) سے روایت کرے تو وہ (ذہبی کے نزدیک بھی) غیر قوی یعنی ضعیف ہے۔ (الحدیث ش ۷، ص ۱۱)

لیکن علی زئی صاحب کا یہ تبصرہ محض ان کے تعصب کا شاخسانہ ہے، اور امام ذہبیؒ کے کلام کی ایک غلط اور غیر منصفانہ تعبیر ہے، کیونکہ اگر اس کلام وہ مطلب ہوتا جو علی زئی کشید کر رہے ہیں تو امام ذہبی امام محمدؒ کے متعلق صاف یہ کہہ دیتے: لیس بالقوی الافی مالک (آپ صرف امام مالکؒ سے روایت کرنے میں قوی ہیں)، یا یوں فرماتے: قویا فی مالک، وضعیفا فی غیرہ (آپ امام مالکؒ سے روایت کرنے میں قوی ہیں، اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں سے روایت کرتے میں ضعیف ہیں) لیکن انہوں نے اس طرح کے کوئی الفاظ نہیں کہے۔ بلکہ امام ذہبیؒ نے ان مذکورہ الفاظ سے قبل چونکہ امام محمدؒ کا امام مالکؒ سے روایت کرنا ذکر کیا ہے اس لیے ساتھ انہوں نے یہ بھی وضاحت کردی کہ آپ نے امام مالکؒ سے جو مؤطا وغیرہ کی احادیث روایت کی ہیں ان میں آپ قوی ہیں، لیکن ان کی کلام کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ امام مالکؒ کے علاوہ سے روایت کرنے میں غیر قوی ہیں۔ اور اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ پہلے امام حاکمؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کے جواب میں گزر چکا ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے "تلخیص المستدرک" میں امام محمدؒ کی ایک روایت جو امام مالکؒ کے بجائے ابومخنف سے ہے، پر سکوت کیا ہے، جو کہ باقرار غیر مقلدین اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت امام ذہبیؒ کے نزدیک صحیح ہے۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حافظ ذہبیؒ کے ہاں امام محمدؒ غیر مالک میں بھی ثقہ ہیں۔

اور پھر علی زئی کا دہرا معیار ملاحظہ کریں کہ وہ یہاں تو امام محمدؒ کے خلاف اس کلام کا یہ مطلب بیان کر رہے ہیں لیکن دوسری جگہ اپنے ایک پسندیدہ راوی کے بارے میں انہوں نے اس طرح کے کلام کا مطلب اس کے برعکس بیان کیا ہے، چنانچہ ایک راوی یحییٰ بن سلیم کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

ماحدث الحمیدی عن یحییٰ بن سلیم فهو صحیح.

اس کلام کا مطلب علی زئی کے اصول (جو انہوں نے امام محمدؒ کے خلاف اختراع کیا ہے) یہی بنتا ہے کہ

علاوہ ازیں حافظ ذہبیؒ نے آپ کے مناقب وفضائل میں مستقل ایک جزء لکھا ہے، اس میں انہوں نے بسط کے ساتھ آپ کے فضائل ومناقب بیان کیے ہیں۔ اسی طرح ذہبیؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے مناقب میں بھی علیحدہ علیحدہ جزء لکھے ہیں، اور یہ تینوں اجزاء

(گذشتہ سے پیوستہ) اگر یحییٰ بن سلیم سے امام حمیدیؒ کے علاوہ کوئی اور شخص روایت کرے تو پھر اس کی حدیث ضعیف ہے۔ شیخ البانی غیر مقلد نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے، لیکن علی زئی اس پر ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب وہ استنباط ہے جو شیخ البانی رحمہ اللہ نے امام بخاریؒ کے قول: ماحدث الحمیدی عن یحییٰ بن سلیم فھو صحیح" سے نکالا ہے کہ اگر غیر حمیدی اس (یحییٰ بن سلیم) سے روایت کرے تو وہ (امام بخاری کے نزدیک) ضعیف ہے۔ اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں۔ دلیل صریح کے مقابلے میں مفہوم مخالف ومبہم وغیر واضح دلائل سب مردود ہوتے ہیں۔ (الحدیث: ش ۱۶، ص ۲۳)

اب امام ذہبیؒ کا امام محمدؒ کے بارے میں کلام اور امام بخاریؒ کا یحییٰ بن سلیم کے بارے میں کلام کے الفاظ اور ان دونوں کے مفہوم تقریباً ایک جیسے ہیں لیکن علی زئی کے دوغلا پن کی انتہا ہے کہ یحییٰ بن سلیم کے حق میں جس اصول کو وہ مفہوم مخالف اور مبہم کہہ کر رد کر رہے ہیں، اسی اصول کے بل بوتے وہ امام محمدؒ کو (غیر مالک میں) ضعیف ثابت کر رہے ہیں۔

تیری زلف میں ٹھری تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

نیز علی زئی نے اپنے مسلک کی تائید میں ایک حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس کے راویوں کی توثیق بیان کرتے ہوئے عبدالصمد بن عبدالوارث (جس نے یہ حدیث حماد بن سلمہ سے بیان کی ہے) کی توثیق میں بحوالہ حافظ ابن حجرؒ لکھا ہے: حماد کا شاگرد عبدالوارث بن عبدالصمد صحاح ستہ کا راوی، صدوق، ثبت فی شعبہ تھا۔ (تقریب، ص ۲۱۳)... (القول المتین، ص ۴۵) اب یہاں بھی علی زئی کے اصول (جو انہوں نے امام محمدؒ کے خلاف بیان کیا ہے) کی روشنی میں اس عبارت کا مطلب یہی بنتا ہے کہ اگر عبدالصمد بن عبدالوارث امام شعبہ سے روایت کرے تو وہ ثبت (پختہ) ہے، ورنہ نہیں۔ جب کہ علی زئی اس عبارت سے عبدالصمد کا حماد بن سلمہ سے روایت کرنے میں بھی ثبت ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ یہ ہے علی زئی کی اصول پسندی!

"مناقب ابی حنیفة و صاحبیه ابی یوسف و محمد بن الحسن" کے نام سے مستقل ایک رسالہ کی صورت میں یکجا ہیں۔ یہ رسالہ حضرت مولانا ابوالوفاء افغانیؒ کے زیر اہتمام اور محقق العصر امام محمد زاہد الکوثریؒ کے تحقیقی حاشیے کے ساتھ مطبوعہ ہے اور قابل دید ہے۔[1]

۱۔ **امام ذہبی کی تصنیف مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ پر علی زئی کی بے چینی:** حافظ ذہبیؒ نے امام محمدؒ کے مناقب میں جو مستقل ایک جزء لکھا ہے اس سے چونکہ آپ کی بڑی فضیلت اور منقبت ظاہر ہو رہی ہے جو کہ حافظ زبیر علی زئی جیسے متعصب غیر مقلد کے لیے انتہائی تکلیف کا باعث ہے اس لیے انہوں نے اس جزء پر طعن زنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

حافظ ذہبیؒ نے (محمد بن الحسن) الشیبانی پر ایک جزء لکھا ہے مگر "تذکرة الحفاظ" میں اس (محمد بن الحسن) کا بطور ترجمہ ذکر نہیں کیا جب کہ دیوان الضعفاء (۳۶۵۲) اور المغنی فی الضعفاء (۵۴۰۶) میں اس کا ذکر ضرور کیا ہے (الحدیث: ش ۷، ص ۱۶، حاشیہ ۱)

لیکن علی زئی سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ثقہ ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ حافظ ذہبیؒ اس کو "تذکرۃ الحفاظ" میں بطور ترجمہ ذکر کریں تو حافظ موصوف نے جب امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ذکر "تذکرۃ الحفاظ" میں بطور ترجمہ کیا ہے (دیکھئے کتاب مذکور ج ۱ ص ۲۶، ج ۱ ص ۲۱۴) تو پھر آپ ان دونوں کو ثقہ ماننے کے لیے کیوں تیار نہیں ہیں؟

اسی طرح علی زئی نے امام محمدؒ پر جو یہ طنز کیا ہے کہ ان کو حافظ ذہبیؒ نے "دیوان الضعفاء" اور "المغنی فی الضعفاء" میں ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے تو کئی اور ائمہ کبار مثلاً امام بخاریؒ صاحب الصحیح، اور مجتہد کبیر امام مکحول شامیؒ وغیرہ کو بھی ان دونوں مذکورہ کتب میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے الضعفاء والمتروکین: ۲/۲۸۳، ۲/۳۷۷)، المغنی فی الضعفاء: ۲/۲۶۸، ۲/۴۲۸)

اسی طرح انہوں نے امام شافعیؒ، اور امام ابن حبانؒ صاحب الصحیح وغیرہ جیسے ائمہ فقہ وحدیث کو بھی "المغنی فی الضعفاء" میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے ۲/۲۶۱، ۲/۲۷۸)

اب علی زئی ان ائمہ کبار کے بارے میں کیا فیصلہ صادر کریں گے؟ فما هو جوابکم فهو جوابنا.

نیز کئی ایسے رُوات بھی ہیں کہ جن کے مناقب میں حافظ ذہبیؒ نے ایک صفحہ کا جزء بھی نہیں لکھا، اور نہ ان کا ذکر "تذکرة الحفاظ" میں بطور ترجمہ کیا ہے، البتہ ان کو "دیوان الضعفاء والمتروکین" اور

۱۸۔ امام جمال الدین ابن تغری بردیؒ (م ۸۷۴ھ)

امام موصوف ایک جلیل المرتبت مؤرخ اور ''النجوم الزاهرة'' وغیرہ بلند پایہ کتب کے مصنف ہیں۔[۱] انہوں نے بھی امام محمدؒ کی بڑے عمدہ الفاظ میں توثیق کی ہے۔ چنانچہ موصوف نے آپ کے بارے میں: الفقیہ، العلّامۃ، شیخ الاسلام، احد العلماء الاعلام اور مفتی العراقین کہہ کر آپ کے ترجمے کا آغاز کیا ہے۔ نیز انہوں نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

و كان اماما فقيها محدثا مجتهدا ذكيا، انتهت اليه رياسة العلم فی زمانه بعد موت ابی یوسف.[۲]

امام محمدؒ، امام فقیہ، محدث، مجتہد اور ذکی تھے۔ امام ابو یوسف کی وفات کے بعد اس زمانے میں علم کی ریاست امام محمدؒ پر ختم تھی۔

۱۹۔ امام نور الدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ)

امام ہیثمیؒ ایک بلند پایہ محدث اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ جیسے نامور حفاظ حدیث کے استاذ ہیں۔

امام موصوف ایک روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(گذشتہ سے پیوستہ) ''المغنی فی الضعفاء'' میں ضرور ذکر کیا ہے۔ مثلاً رباح بن ابی معروف، عیسیٰ بن جاریہ، محمدبن سلیم الرابسی، وغیرهم.

(دیکھئے بالترتیب: دیوان الضعفاء ۱/۲۷۵، ۲/۲۱۹، ۲/۳۰۳، المغنی ۱/۲۷۵، ۲/۱۶۴، ۲/۳۱۴)

لیکن اس کے باوجود علی زئی بڑے طمطراق سے ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے بالترتیب: الحدیث ش ۱۵، ص ۵۵، تعداد رکعات قیام رمضان ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، حاشیہ جزء رفع الیدین ص ۵۵)۔

آپ اپنے جور و جفا پہ خود ہی ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی!

[۱] ان کے حالات کے لیے دیکھئے: شذرات الذهب (۷/۳۱۷)

[۲] النجوم الزاهرة فی ملوک مصر والقاهرة (۲/۱۶۴)

رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر، واسناد الکبیر حسن۔[1]

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' اور ''المعجم الکبیر'' میں روایت کیا ہے،
اور ''المعجم الکبیر'' کی سند حسن ہے۔

امام ہیثمیؒ ''المعجم الکبیر'' کی جس حدیث کی سند کو حسن قرار دے رہے ہیں۔اس سند کے
ایک راوی امام محمد بن حسنؒ بھی ہیں۔[2]

معلوم ہوا کہ امام ہیثمیؒ کے نزدیک امام محمدؒ حسن الحدیث اور ثقہ ہیں۔[3]

۱۔ مجمع الزوائد (۱۴۲/۶)

۲۔ المعجم الکبیر (۱۰۱/۷)

۳۔ **امام ہیثمیؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی سے جب امام ہیثمیؒ کا امام محمدؒ کی توثیق کرنا برداشت نہ ہوسکا تو انہوں نے امام موصوف کی توثیق کے خلاف یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ عرض ہے کہ اسی صفحے پر ہیثمیؒ نے محمد بن اسحاق کی روایت بیان کر کے ''ورجالہ ثقات'' کہہ کر انہیں ثقہ قرار دیا ہے، آپ لوگوں کو اس سے کیوں چڑ ہے؟

دوم یہ کہ حافظ ہیثمی متاخرین میں سے ہیں اور ان کی یہ تحسین جمہور محدثین واکابر علماء کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔(الحدیث:۵۵/۳۶)

جواب: علی زئی کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باطل اور ان کی جہالت اور عصبیت پر دال ہیں۔

(۱) حافظ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (۱۴۲/۶) میں محمد بن اسحاقؒ کی جس روایت کے راویوں کو ثقہ کہا ہے، وہ تاریخ اور مغازی سے متعلق ہے۔اور تاریخ اور مغازی میں تو محمد بن اسحاق ثقہ اور حجت بلکہ امام ہے، لیکن احکام اور حلال وحرام کی احادیث میں وہ ضعیف ہے۔چنانچہ خود علی زئی نے امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے کہ محمد بن اسحاق کی مغازی وغیرہ سے متعلق تو احادیث لکھنی چاہئیں، لیکن حلال وحرام کا مسئلہ ہو تو پھر نہیں۔ (دیکھئے الحدیث:۴/۵، حاشیہ)

لہٰذا علی زئی کا یہاں امام محمدؒ کی توثیق کے ساتھ محمد بن اسحاق کی توثیق کا موازنہ کرنا خود ان کے اپنے طے شدہ اصول کی روشنی میں بھی باطل ہے۔

نیز خود علی زئی کے ایک ممدوح شیخ عمرو بن عبدالمنعم نے محمد بن اسحاق کی ایک روایت کو اس کے تفرد کی وجہ سے منکر کہا ہے۔

۲۰۔ امام صلاح الدین صفدیؒ (م ۷۶۴ھ)

امام صفدیؒ ایک نامور محدث ہیں۔ حافظ ذہبیؒ جو اُن کے استاذ ہیں، وہ بھی ان کے محدثانہ مقام کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔[1]

امام موصوف نے اپنی تاریخ میں امام محمدؒ کا بڑا شاندار ترجمہ لکھا ہے جس میں انہوں نے آپ کے علمی مقام اور آپ کی کتب کی بڑی تعریف کی ہے۔ مثلاً وہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

(گذشتہ سے پیوستہ) علی زئی نے شیخ موصوف سے اس پر کوئی اختلاف نہیں کیا، بلکہ شیخ کی اس عبارت پر حاشیہ میں ان کے مؤقف کی تائید کی ہے۔ (حاشیہ عبادات میں بدعات، ص ۱۳۶)

اب علی زئی کو کیا چڑ ہے کہ وہ محمد بن اسحاق کی حدیث کو منکر قرار دے رہے ہیں؟

اور پھر علی زئی کا احناف پر یہ طنز کرنا بھی غلط ہے کہ وہ امام ہیثمیؒ کی توثیق کو امام محمدؒ کے حق میں تو تسلیم کرتے ہیں، اور ابن اسحاق کے حق میں نہیں۔ اس لیے کہ خود علی زئی نے اپنے اسی مضمون میں یہ لکھا ہے کہ: یہ کوئی قاعدہ وکلیہ نہیں کہ ہر محدث کی ہر بات ضرور بالضرور واجب القبول ہوتی ہے۔ (الحدیث: ۵۵/۲۵)

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

(۲) علی زئی کا امام ہیثمیؒ کو متاخرین میں سے قرار دے کر ان کی توثیق کو رد کرنا بھی خود ان کی اپنی تصریح سے متصادم ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اسی مضمون میں یہ تصریح کی ہے کہ: جارح (جرح کرنے والے) یا معدل (تعدیل کرنے والے) اور مجروح یا مؤثق کے درمیان اتحاد زمانہ یا معاصرت ضروری نہیں بلکہ کوئی بھی ثقہ وعارف الاسباب امام جرح وتعدیل کرسکتا ہے، اگرچہ وہ مجروح وموثق کی وفات سے بہت بعد پیدا ہوا ہو۔ اس جرح وتعدیل کی بنیاد راوی کی روایات اور محدثین کرام کی گواہیاں ہوتی ہیں، نہ یہ کہ اس سے ملاقات ضروری ہے۔ (الحدیث: ۵۵/۲۷)

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

اور پھر علی زئی کا امام ہیثمیؒ کی توثیق کو جمہور محدثین کے بالمقابل قرار دینا بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے امام محمدؒ کے خلاف دس علماء سے جرح (جس کی حقیقت ہم آگے واضح کررہے ہیں) نقل کی ہے۔ جب کہ ہم نے الحمدللہ! امام محمدؒ کے حق میں چھبیس (۲۶) محدثین سے توثیق نقل کی ہے، اب دس جمہور ہوتے ہیں یا چھبیس (۲۶)؟

[1] دیکھئے: معجم محدثی الذھبی (ص ۶۷)

و كان امام مجتهدا من الاذكياء الفصحاء.[1]

امام محمدؒ، امام اور مجتہد تھے اور آپ کا شمار ذہین اور فصیح لوگوں میں ہوتا ہے۔

۲۱۔ امام محی الدین عبد القادر القرشیؒ (م:۷۷۵ھ)

امام قرشیؒ ایک پختہ کار حافظ الحدیث اور نامور حنفی فقیہ ہیں۔ ان کے علمی فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ زین الدین عراقیؒ (استاذ کبیر حافظ ابن حجرؒ) وغیرہ جیسے کبار حفاظ حدیث ان کے تلامذہ حدیث میں سے ہیں۔

حافظ ابو الفضل مکیؒ ان کو حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ان کا تعارف: الامام، العلامہ، اور الحافظ کے القاب سے شروع کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

وسمع منه الحفاظ والفضلاء.[2]

امام قرشیؒ سے حفاظ حدیث اور فضلاء محدثین نے سماع حدیث کیا ہے۔

امام موصوف نے "طبقات حنفیہ" میں امام محمدؒ کا مبسوط و شاندار ترجمہ لکھا ہے جس کا آغاز ان لفظوں سے کیا ہے: الامام صاحب الامام......

پھر اس کے ذیل میں متعدد ائمہ اَجِلّہ سے آپ کی توثیق و توصیف نقل کی ہے، اور خود بھی آپ کے علم کی بڑی تعریف کی ہے۔[3]

۲۲۔ امام شمس الدین محمد بن عبد الرحیم مصری المعروف بہ "ابن الفراتؒ" (م:۸۰۷ھ)

امام ابن الفراتؒ ایک بلند پایہ محدث اور جلیل القدر مؤرخ ہیں، علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م:۱۰۸۹ھ) نے ان کی بڑی تعریف کی ہے، اور ان کی تصنیف کردہ تاریخ کو کثیر الفائدہ قرار دیا ہے۔[4]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اپنی تاریخ "انباء الغمر" میں زیادہ تر مواد امام ابن الفرات کی تاریخ سے ہی لیا ہے، اور حافظ موصوف نے تصریح کی ہے کہ یہ ایک بہت بڑی تاریخ

۱۔ الوافی بالوفیات (۲/۲۴۷)

۲۔ ذیول تذکرة الحفاظ (۱۰۵/۵)

۳۔ دیکھئے الجواہر المضیة (۲/ص ۴۲ تا ۴۴)

۴۔ شذرات الذہب (۷۲/۷)

ہے۔[1]

یہ عظیم الصفات بزرگ بھی امام محمد بن حسنؒ کی زبردست توثیق کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی تاریخ میں امام عالی شان کا مبسوط اور شاندار ترجمہ لکھا ہے جس کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی الامام الربانی صاحب ابی حنیفة ......

اور آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ

وطلب الحدیث وسمع سماعا کثیراً وجالس ابا حنیفة وسمع منه ونظر فی الرأی وغلب علیه وعرف به......

آپ نے حدیث حاصل کی، اور کثرت سے اس کا سماع کیا، نیز آپ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس علمی میں بیٹھے اور ان سے حدیث کی سماعت کی اور رائے (فقہ) میں مہارت حاصل کی، اور یہ فقاہت آپ پر غالب آئی اور آپ اسی کے ساتھ مشہور ہوئے۔

پھر انہوں نے تفصیل کے ساتھ امام شافعیؒ، اور امام ابو عبیدؒ وغیرہ ائمہ سے آپ کی توثیق و توصیف نقل کی ہے جس کا خلاصہ علامہ ابن العمادؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔[2]

۲۳۔ امام محمد بن ابوبکر المعروف بہ ابن ناصر الدینؒ (م: ۸۴۰ھ)

امام ابن ناصر الدینؒ دمشق کے ایک جلیل القدر محدث اور بلند مرتبت حافظ الحدیث ہیں۔ علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م: ۱۰۸۹ھ) نے ان کو "حافظ الشام بلامنازع" قرار دیا ہے۔[3]

موصوف کثیر التصانیف ہیں، اور ان کی ایک مشہور کتاب "اتحاف السالک برواۃ الموطا عن الامام مالک" ہے جس میں انہوں نے مؤطا کے مشہور راویوں کے حالات لکھے ہیں۔

اس کتاب میں انہوں نے امام محمد بن حسنؒ (جو کہ مؤطا کے ایک راوی ہیں) کا بھی ترجمہ

---

۱. کشف الظنون (۱/ ۲۷۹)

۲. شذرات الذهب (۱/ ۳۲۲، ۳۲۳)

۳. شذرات الذهب (۷/ ۲۴۴)

لکھا ہے جس میں انہوں نے آپ کے علم، آپ کی فقاہت اور ذکاوت و ذہانت، اور آپ کی تصانیف کی بڑی تعریف کی ہے، اور آپ کی تعریف میں دیگر اہل علم کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔[1]

۲۴۔ امام ابن حجر العسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ)

امام ابن حجرؒ جو علم حدیث اور فن اسماء الرجال کی انتہائی مشہور شخصیت ہیں، حافظ سیوطیؒ نے ان کا تذکرہ: شیخ الاسلام، امام الحفاظ فی زمانہ، حافظ الدیار المصریہ، اور حافظ الدنیا کے القاب سے شروع کیا ہے۔[2]

امام موصوف کے ہاں امام محمدؒ کے محدثانہ مقام کی عظمت اور رفعت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ انہوں نے امام محمدؒ کے روایت کردہ نسخہ ''کتاب الآثار'' (تصنیف امام اعظم ابوحنیفہؒ) کے رُوات پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''الایثار بمعرفۃ رُواۃ الآثار'' ہے۔ یہ کتاب علیحدہ بھی دستیاب ہے اور کتاب الآثار کے ساتھ بھی چھپ چکی ہے۔

امام موصوف اپنی اس کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان بعض الاخوان التمس منی الکلام علیٰ رواۃ "کتاب الآثار" للامام ابی عبدالله محمد بن الحسن الشیبانی، التی رواها عن الامام ابی حنیفة.......[3]

بعض بھائیوں نے مجھ سے التماس کی کہ میں ''کتاب الآثار'' جس کو امام ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے، کے رُوات پر کلام کروں......

اسی طرح انہوں نے اپنی دوسری کتاب "تعجیل المنفعة بزوائد رجال ائمة الاربعة" میں بھی اس نسخہ کے رواۃ پر بحث کی ہے جیسا کہ خود انہوں نے اس کی تصریح کی ہے۔[4]

---

۱. اتحاف السالک (ص ۱۷۶ تا ۱۸۰)

۲. طبقات الحفاظ (ص ۵۵۲)

۳. الایثار مع کتاب الآثار (ص ۲۱۷)

۴. تعجیل المنفعة (ص ۲۰)

نیز امام موصوف نے ''الایثار'' میں امام محمدؒ کا شاندار ترجمہ لکھا ہے جس میں وہ آپ کے ذاتی اور طلب علمی کے حالات بیان کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

وقال ابن المنذر: سمعت المزنی یقول: سمعت الشافعی یقول: مارأیت سمینا اخف روحا من محمد بن الحسن، ومارأیت افصح منه، وقال غیره عن الشافعی: حملت عن محمد بن الحسن حمل جمل العلم قال عبدالله بن علی بن المدینی عن ابیه صدوق. وقال الدارقطنی: لایترک، وتکلم فیه یحیی بن معین فیما حکاه معاویة بن صالح، وعظمه احمد والشافعی قبله، وکان من افراد الدهر فی الزکاء، وعظمت منزلته عندالرشید جدا، ولمامات وهو معه وکذلک، الکسائی بالری قال: دفنت الفقه والعربیة بالری.[1]

امام ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مزنی سے سنا ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے کوئی جسیم شخص امام محمد بن حسنؒ سے زیادہ ہلکی چال چلنے والا نہیں دیکھا، اور نہ میں نے آپ سے زیادہ کوئی فصیح شخص دیکھا ہے۔ امام مزنیؒ کے علاوہ امام شافعیؒ کے دیگر تلامذہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام محمد بن حسنؒ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا ہے۔ عبداللہ بن علی بن مدینیؒ اپنے والد (امام علی بن مدینیؒ) سے نقل کرتے ہیں کہ امام محمدؒ (روایت حدیث میں) صدوق (نہایت راست باز) ہیں۔ امام دارقطنیؒ نے فرمایا کہ: آپ متروک نہیں ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ نے اگرچہ آپ میں کلام کیا ہے، جیسا کہ معاویہ بن صالحؒ نے ان سے روایت کیا ہے، لیکن امام احمد بن حنبلؒ، اور امام شافعیؒ، امام ابن معینؒ سے پہلے امام محمدؒ کی عظمت کو تسلیم کر چکے ہیں (لہٰذا ابن معینؒ کی جرح مردود ہے)۔ اور آپ ذکاوت میں زمانے کے چند گنے چنے افراد میں سے تھے، اور (خلیفہ) ہارون الرشیدؒ کے ہاں آپ کی بہت زیادہ

[1] الایثار مع کتاب الآثار (ص ۲۳۳، ۲۳۴)

قدر و منزلت تھی، جب آپ کی وفات ہوئی اس وقت خلیفہ آپ کے ساتھ تھے، اسی طرح کسائی نحویؒ بھی آپ کے ساتھ تھے (اور انہوں نے بھی اس دن انتقال فرمایا) تو خلیفہ نے کہا: میں نے فقہ اور لغت عربیہ کو ''رے'' میں دفن کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں امام ابن حجرؒ نے آپ کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے ''کتاب الآثار'' (جس کو امام اعظم ابوحنیفہؒ سے روایت کرنے والوں میں آپ بھی ہیں) کو بالجزم امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام موصوف لکھتے ہیں:

والموجود من حديث ابى حنيفة مفردا انما هو كتاب الآثار التى رواها محمد بن الحسن عنه.[1]

امام ابوحنیفہؒ کی حدیث میں مستقل تصنیف ''کتاب الآثار'' ہے جس کو امام محمد بن حسنؒ نے ان سے روایت کیا ہے۔

اور حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ محدثین کا کسی کتاب کو بالجزم اس کے مصنف کی تصنیف قرار دینا اس کتاب کے ہر راوی کی توثیق کو مستلزم ہے، چنانچہ علی زئی محمود بن اسحاق الخزاعی (جس نے امام بخاریؒ سے ''جزء رفع اليدين'' اور ''جزء قراءة خلف الامام'' روایت کرنے کا دعویٰ کیا ہے، اور خود اس کی توثیق کسی محدث سے صراحتاً ثابت نہیں ہے) کے بارے میں لکھتے ہیں:

ائمہ کا جزء رفع الیدین کو بطور جزم بخاری کی تصنیف قرار دینا اس کی توثیق ہے۔[2]

علی زئی کے اس اصول کے پیش نظر بھی امام محمدؒ کا امام ابن حجرؒ کے نزدیک ثقہ ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ آپ کے روایت کردہ نسخہ کتاب الآثار کو امام ابن حجرؒ نے بالجزم امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ والحمدلله علىٰ ذلک۔

علاوہ ازیں صاحب ہدایہ علامہ مرغیانیؒ کے قول: وقد صح ان النبى صلى الله عليه وسلم عاد يهوديا بجواره (یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک پڑوسی

۱۔ تعجيل المنفعة (ص ۱۹)

۲۔ نور العينين (ص ۵۳، حاشیہ)

یہودی کی عیادت فرمائی تھی) کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ نے بطور دلیل امام محمدؒ کی "کتاب الآثار" سے یہ حدیث بہ سند نقل کی ہے۔[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ موصوف کے نزدیک امام محمدؒ کی روایت صحیح ہے۔اسی طرح حافظ موصوف نے آپ کی ایک روایت کو "محفوظ" اور ایک روایت کو صواب (درست) قرار دیا ہے۔[۲]

نیز حافظ ابن حجرؒ نے اپنی شرح بخاری "فتح الباری" میں امام محمدؒ کی کتب (کتاب الآثار اور مؤطا وغیرہ) سے متعدد احادیث نقل کی ہیں، اور ان پر کوئی جرح نہیں کی۔ جیسا کہ امام محمدؒ کی تصانیف کے تعارف میں آرہا ہے۔اور خود زبیر علی زئی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" میں جس حدیث کو نقل کر کے اس پر سکوت کریں اور جرح نہ کریں وہ ان کے نزدیک کم از کم حسن ضرور ہوتی ہے۔[۳]

لہٰذا حافظ ابن حجرؒ کا "فتح الباری" میں امام محمدؒ کی احادیث پر سکوت کرنا بھی ایک دلیل ہے کہ آپ ان کے نزدیک ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔

۲۵۔ امام محمد بن یوسف صالحی دمشقیؒ (م:۹۴۲ھ)

امام صالحیؒ جو کہ امام سیوطیؒ کے مایہ ناز شاگرد، جلیل القدر محدث، بلند پایہ مؤرخ، اور "سیرت الشامیہ" وغیرہ کتب نافعہ کے مصنف ہیں۔قطب ربانی امام شعرانیؒ (م:۹۷۳ھ) ان کا تعارف درج ذیل القاب سے کراتے ہیں:

الاخ الصالح، العالم الزاھد، الشیخ، المتمسک السنة المحمدیه، مفنن فی العلوم۔[۴]

انہوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مناقب میں ایک بڑی محققانہ کتاب بنام "**عقود الجمان فی سیرة الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان**" لکھی ہے، اس کتاب میں وہ ایک مسئلہ کی تحقیق میں ارقام فرماتے ہیں:

۱۔ الدرایہ (۲/۲۳۸)

۲۔ ایضاً (۲/۲۰۰، ۲۳۶)

۳۔ نور العینین (ص ۱۷۱)

۴۔ شذرات الذهب (۸/۲۵۰)

ان الثقاة الائمة من اصحاب الامام ابی حنیفة لم ینقلوا عنه شیئا من ذلک کالامام ابی یوسف والامام محمد بن الحسن فیما جمعاه من حدیثه۔[1]

بے شک امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ثقہ ائمہ، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ، اور امام محمد بن حسنؒ ہیں، انہوں نے آپ کی احادیث کے جو مجموعے تیار کیے ہیں ان میں انہوں نے آپ سے ایسی کوئی بات نقل نہیں کی۔

اس بیان میں خاتمۃ الحفاظ امام صالحیؒ نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو صراحتاً ائمہ ثقات میں شمار کیا ہے جو کہ امام موصوف کی طرف سے ان دونوں حضرات کی زبردست توثیق ہے۔

۲۶۔ امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمان ابن الغزی شافعیؒ (م ۱۱۶۷ھ)

امام ابن الغزیؒ ایک بلند مرتبت محدث ہیں۔ امام محمد بن خلیل مرادیؒ (م ۱۲۰۶ھ) نے ان کے علم اور محدثانہ مقام کی بہت تعریف کی ہے۔[2]

امام موصوف کے نزدیک بھی امام محمدؒ ثقہ ہیں، چنانچہ وہ آپ کے ترجمے کا آغاز: الامام، الحبر، البحر، المجتهد... الحنفی، صاحب المؤلفات الکثیرة وغیرہ جیسے عظیم القاب سے کرتے ہیں۔[3]

علمائے غیر مقلدین سے امام محمدؒ کی توثیق

ائمہ حدیث اور ارباب جرح وتعدیل کے جم غفیر کے علاوہ خود غیر مقلدین کے اکابرین نے بھی امام محمد بن حسنؒ کے محدثانہ مقام کی توثیق وتعریف کی ہے۔

ذیل میں ان میں سے چند نامور اہل علم کے اقوال ملاحظہ کریں:

شیخ عبدالرحمٰن الیمانی المعلمیؒ (م:۱۳۸۶ھ) جن کو علی زئی نے ''ذہبی عصر حقا'' قرار دیا

۱۔ عقود الجمان (ص ۲۲)

۲۔ دیکھئے سلک الدرر (۴/۵۴)

۳۔ دیوان الاسلام (۴/۱۳۶)

ہے۔[1] رقام فرماتے ہیں:

وان محمدا کان مع مکانته من الفقه والسنن والمنزلة من الدولة وکثرة الاتباع علیٰ غایة من الانصاف فی البحث والنظر.[2]

امام محمدؒ کو فقہ اور سنت (حدیث) میں ایک مقام حاصل تھا، نیز آپ حکومت کے ہاں قدر و منزلت اور بکثرت اپنے پیروکار بھی رکھتے تھے لیکن اس سب کے باوجود بحث و نظر میں آپ انتہائی درجہ کے انصاف پسند تھے۔

نیز لکھتے ہیں:

فاما محمد بن الحسن فهو اجل وافضل مما یتراء ی هنا.[3]

امام محمد بن حسنؒ کا انتہائی جلیل القدر اور افضل ہونا شک وشبہ سے بالا ہے۔

علامہ جمال الدین القاسمی الدمشقیؒ (م:۱۳۳۲ھ) امام ابو یوسفؒ اور آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں

فقد لینهما اهل الحدیث، کما تری فی "میزان الاعتدال" ولعمری لم ینصفوهما، وهما البحران الزاخران، وآثارهما تشهد بسعة علمهما وتبحرهما، بل بتقدمهما علیٰ کثیر من الحفاظ، وناهیک "کتاب الخراج" لابی یوسف ومؤطا الامام محمد.[4]

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو (بعض) محدثین نے کمزور قرار دیا ہے جیسا کہ آپ نے "میزان الاعتدال" میں دیکھا ہے، میری عمر (عطا کرنے والے) کی قسم! ان محدثین نے ان دونوں اماموں کے ساتھ انصاف نہیں کیا حالانکہ یہ دونوں علم کے موجزن سمندر ہیں، اور ان کے آثار (روایات) ان کی وسعت علم اور ان کے تبحر علمی پر گواہ ہیں، بلکہ اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ دونوں حضرات اکثر حفاظ حدیث پر

---

۱. نور العینین (ص ۱۱۹)

۲. التنکیل (۴۲۳/۱)

۳. ایضاً (۴۹۲/۱)

۴. الجرح والتعدیل (ص ۳۱) طبع مؤسسة الرسالة، بیروت

فوقیت رکھتے ہیں، آپ کو (ان دونوں کے علمی مرتبے کو پہنچاننے کے لیے) امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' اور امام محمدؒ کی ''مؤطا'' ہی کافی ہیں۔[1]

عصر حاضر کے مشہور غیر مقلد عالم شیخ ناصر الدین البانیؒ (جو بقول علی زئی: محدث العصر اور امام المحدثین تھے) بھی امام محمدؒ کو ثقہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موصوف نے امام محمدؒ کی روایت کردہ ایک حدیث کے متعلق لکھا ہے:

فھذا سند حسن انشاء اللّٰہ.[2] اس حدیث کی سند انشاء اللہ حسن ہے۔

نامور غیر مقلد نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی اپنی کتاب ''التاج المکلل'' میں امام محمدؒ کے علمی مقام اور آپ کی تصانیف کی بڑی تعریف کی ہے۔[3] واضح رہے کہ نواب صاحبؒ کی یہ کتاب علم حدیث میں مہارت رکھنے والے اہل علم کے تذکرے پر مشتمل ہے، جیسا کہ خود انہوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں تصریح کی ہے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م: ۱۳۷۵ھ) اپنی کتاب ''علمائے اسلام'' میں امام ابو حنیفہؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

آپ سے بہت لوگوں نے فیض علم حاصل کیا اور آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں تک پہنچے۔ چنانچہ ان میں سے امام ابو یوسفؒ قاضی القضات، اور امام محمدؒ، اور امام عبداللہ بن مبارکؒ اور زفرؒ وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے تھے۔[4]

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ (م: ۱۳۸۷ھ) سابق امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان نے امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ کو امام بخاریؒ وغیرہ کبار ائمہ حدیث کے ساتھ شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابو عبدالرحمان

۱۔ عبادات میں بدعات (ص ۱۲۸)

۲۔ ارواء الغلیل (۳۳۶/۷)

۳۔ دیکھیے: التاج المکلل من جواھر مآثر الطراز الآخر والاول (ص ۸۰)

۴۔ دوماہی مجلۃ ''زمزم'' غازیپور (ج ۸، ش ۳، ص ۱۵)

اوزاعی، ابو یوسف، محمد، یہ سب اہلحدیث کے مجتہد ہیں۔[1]

نیز مولانا موصوف لکھتے ہیں:

امام محمد تو اکابر ائمہ سنت (میں سے) ہیں۔[2]

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد (م......) امام ابو یوسفؒ اور آپ کو ائمہ سلف میں شمار کرتے ہیں، اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ

یہ دونوں امام ابو حنیفہؒ کے قابل شاگرد تھے۔[3]

زبیر علی زئی کی غیر مقلدانہ ضد اور ہٹ دھرمی:

قارئین: آپ نے تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کر لیا کہ محدثین اور ارباب جرح وتعدیل کے ایک جم غفیر نے امام محمدؒ کے عظیم محدثانہ مقام کو سراہا ہے، اور ان حضرات نے بڑے پرزور الفاظ میں آپ کی ثقاہت اور آپ کے ''صدوق فی الحدیث'' ہونے پر گواہی دی ہے، اسی طرح خود غیر مقلدین کے اپنے اکابرین بھی علم حدیث میں آپ کی عظمت شان کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد اپنی غیر مقلدانہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں کہ

کسی امام سے محمد بن الحسن مذکور کی توثیق صراحتاً ثابت نہیں ہے۔ امام ابن المدینی، امام شافعی اور دیگر علماء سے مروی ایک ایسی روایت بھی ثابت نہیں ہے، جس میں محمد بن الحسن کو ثقہ یا صدوق لکھا گیا ہو۔[4] سچ ہے

اگر آنکھیں ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا!!

---

۱. تحریک آزادی فکر (ص ۴۹۰)

۲. ایضاً (ص ۸۶)

۳. حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۲۸)

۴. الحدیث (ش ۷، ص ۱۹)

امام محمدؒ پر جرح کا جواب

امام موصوف کی ائمہ محدثین اور خود علمائے غیر مقلدین سے توثیق کے بعد اب آپ کے خلاف حافظ زبیر علی زئی کے ذکر کردہ اقوال جرح کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ زبیر علی زئی نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی ''لسان المیزان'' میں امام محمدؒ کے خلاف جو اقوال امام یحییٰ بن معینؒ (بروایت محمد بن سعد الصوفی، معاویہ بن صالح، اور اسد بن عمرو)، ابن الفضل الغلابیؒ، امام شریک نخعیؒ، امام ابو یوسفؒ، امام ساجیؒ، امام ابوداؤد، اور منصور بن خالد سے منقول ہیں وہ سب باعتبار سند ضعیف ہیں۔[1] لہٰذا ہمیں ان پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ انہوں نے ''لسان المیزان'' کے جن اقوال کو صحیح قرار دیا ہے، یا جن اقوال کو دیگر کتب سے نقل کیا ہے ذیل میں ان کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

امام یحییٰ بن معینؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی غیر مقلد نے امام موصوف سے امام محمدؒ کے خلاف تین اقوال نقل کیے ہیں جو کہ خود علی زئی کے حوالے سے یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) عباس الدوری کی تاریخ میں ہے: قال یحییٰ بن معین: محمد بن الحسن الشیبانی لیس بشی. (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰) یعنی محمد بن الحسن کچھ چیز نہیں ہے۔[2]

(۲) ابن ابی مریم نے ابن معین سے نقل کیا کہ وہ کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ تاریخ بغداد (۲/۱۸۰، ۱۸۱) یہ سند حسن ہے، محمد بن المظفر پر جرح مردود ہے اور باقی سند صحیح ہے......[3]

---

۱. الحدیث (ش ۷، ص ۱۵، ۱۷)

۲. ایضاً (۱۲۴، حاشیہ ۱) ۳. ایضاً (ص ۱۶ مع حاشیہ ۳)

(۳) اور اسے (امام) عقیلی نے (کتاب) الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا: ہمیں محمد بن صدقہ نے روایت بیان کی: میں نے عباس الدوری کو فرماتے سنا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے سنا کہ: (محمد بن الحسن) جہمی (اور) کذاب ہے۔ کتاب الضعفاء للعقیلی (ج۴ص ۵۲) وسندہ صحیح، عباس بن محمد الدوری کا شاگرد احمد بن محمد بن صدقہ ثقہ ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۵/۴۰، ۴۱، ت ۲۳۹۵)۔[1]

امام ابن معینؒ سے منقول تین اقوال جرح کی حقیقت:

ذیل میں ان تینوں اقوال کی حقیقت ترتیب وار ملاحظہ کریں:

پہلے قول کی حقیقت:

امام ابن معینؒ سے امام محمدؒ کے بارے میں جو "لیس بشئی" نقل کیا گیا ہے وہ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اقوال جرح میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی زیادہ احادیث بیان نہیں کرتا، چنانچہ علی زئی کے "ذہبی عصر" شیخ عبدالرحمٰن المعلمیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

ان ابن معين قد يطلق كلمة "ليس بشئي" لايريدبها التضعيف وانما يريد قلة الحديث.[2]

بے شک امام یحییٰ بن معین بسا اوقات جو "لیس بشئی" کا کلمہ بولتے ہیں اس سے ان کی مراد راوی کا ضعف بیان کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ راوی کم احادیث روایت کرتا ہے۔

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد ارقام فرماتے ہیں:

ابن قطانؒ نے کہا ہے کہ امام ابن معینؒ نے جو یہ کہا ہے: لیس بشئی (یہ راوی کچھ نہیں) اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ راوی بہت روایتیں بیان نہیں کرتا۔[3]

---

۱. ایضاً (ص ۱۷ مع حاشیہ ۱)

۲. التنکیل (۱/۲۱۴)

۳. خیر الکلام (ص ۴۵)

مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

جب یحییٰ بن معینؒ کسی راوی کے بارے "لیس بشئی" کہیں تو اس لفظ سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ راوی ضعیف ہے۔ بلکہ اس لفظ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی حدیثیں تھوڑی ہیں۔ یعنی اس نے زیادہ حدیثیں روایت نہیں کی ہیں۔ پس عبداللہ بن عمار (وغیرہ) کے بارے میں جوانہوں نے "لیسو بشئی" کہا ہے سو اس لفظ سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں۔ لیکن اس لفظ سے ان لوگوں کا ضعف ہر گز ثابت نہیں ہوتا۔ پھر مبارکپوری صاحب نے حافظ ابن حجرؒ، امام ابن القطان الفارسیؒ اور حافظ سخاویؒ سے نقل کیا ہے کہ امام ابن معین کا قول "لیس بشئی" موجب ضعف نہیں ہے۔[1]

لہٰذا خود علمائے غیر مقلدین سے ثابت ہوگیا کہ "لیس بشئی" کا مطلب راوی پر جرح نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب راوی کا قلیل الروایت ہونا ہے، اور یہ چیز کچھ عیب نہیں ہے کیونکہ خود امام ابن معینؒ باوجود بہت زیادہ کثیر الحدیث ہونے کے انتہائی قلیل الروایت تھے۔

چنانچہ امام محمد بن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقد كان اكثر من كتابة الحديث وعرف به، وكان لايكاد يحدث.[2]

امام ابن معینؒ سب سے زیادہ احادیث لکھنے والے تھے، اور وہ کثرتِ حدیث کے ساتھ مشہور تھے، لیکن ان کا احادیث بیان کرنا نہ ہونے کے برابر تھا۔

ثانیاً: اگر اس کلمہ کو اقوالِ جرح میں سے ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی باقرار غیر مقلدین یہ غیر مفسر جرح ہے، اور امام ابن معین جرح میں متشدد و متعنت ہیں، چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد ایک راوی پر وارد امام ابن معینؒ کے مذکورہ الفاظ کے جواب میں لکھتے ہیں:

مزید برآں سوال یہ ہے کہ "لیس بشئی" یا "لیس حديثه بشیءٍ" کو جرح مفسر کس نے قرار دیا ہے اور اس میں سبب جرح کون سا ہے؟ اور یہ مت بھولیے کہ امام ابن معینؒ

۱۔ مقالات مبارکپوریؒ (ص ۲۲۷، ۲۲۸)

۲۔ الطبقات الکبریٰ (۷/۲۵۳)

جرح میں متعنت و متشدد ہیں۔[1]

نیز دیگر علمائے غیر مقلدین مثلاً مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ، مولانا محمد گوندلویؒ، مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ، اور مولانا نذیر احمد رحمانیؒ وغیرہ نے بھی امام ابن معینؒ کے جرح میں تشدد اور تعنت کا گلہ کیا ہے۔[2]

اور مولانا محمد گوندلویؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

جرح کرنے والا اگر متعنت اور متشدد ہو تو اس کی توثیق تو معتبر ہے مگر جرح معتبر نہیں۔[3]

لہٰذا امام ابن معینؒ کی توثیق (جو انہوں نے امام محمدؒ سے "الجامع الصغیر" لکھ کر اور ان سے روایتِ حدیث کر کے کی ہے) کے مقابلے ان کی جرح اگر ثابت بھی ہے تو کالعدم ہے۔

دوسرے قول کی حقیقت:

امام ابن معینؒ سے اس قول کا ناقل ابن ابی مریم بھی احناف کے خلاف ایک متعصب اور مشکوک شخص ہے جس کی تفصیل امام احمد سے منسوب جرح کے جواب میں آ رہی ہے۔ نیز اس قول کی سند میں علامہ خطیب بغدادیؒ کا استاذ احمد بن عبداللہ الانماطی ہے جو کہ رافضی ہے، جیسا کہ خود علامہ خطیبؒ نے تصریح کی ہے:

وذکر لی انه کان یترفض.[4]

انماطی نے مجھ سے خود ذکر کیا ہے کہ وہ رافضی ہے۔

اور زبیر علی زئی نے رفض کو بدعت مکفرہ میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ

اگر بدعت مکفرہ ہو تو ایسے شخص کی روایت مردود ہوتی ہے۔[5]

---

۱. توضیح الکلام (۱/۴۹۷)

۲. مقالات مبارکپوری (ص ۲۲۰)، خیر الکلام (ص ۴۶)، تاریخ اہلحدیث (ص ۸۰)، انوار المصابیح (ص ۱۱۳)

۳. خیر الکلام (ص ۴۶)

۴. تاریخ بغداد (۴/۴۶۲)

۵. بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (ص ۸)

لیکن اس کے باوجود علی زئی کا اس رافضی اور مردود الروایت شخص کی روایت کو امام محمدؒ جیسے امام اہل سنت کے خلاف پیش کرنا اور اس کو صحیح قرار دینا ان کے لیے انتہائی باعث شرم ہے۔ لیکن

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

نیز احمد بن عبداللہ الانماطی رافضی کے استاذ محمد بن مظفرؒ پر خود غیر مقلدین نے جرح کی ہے، چنانچہ مولانا عبدالقادر سندھیؒ غیر مقلد نے اس محمد بن مظفرؒ کو نا قابل اعتماد قرار دیتے ہوئے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ

یہ اپنے اصول (روایات) کو رطلوں (سونے کے سکوں) کے ساتھ بیچ دیتے تھے اور کسی ثقہ راوی کو اس کی روایت کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے حالانکہ قدیم یا جدید کسی بھی محدث کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ وراق (کاتب) کو اپنے اصول (مرویات) بیچ دے خواہ وراق ثقہ و عادل ہو یا نہ ہو اور اگر ثقہ ہو بھی تو وہ اس لیے حجت نہیں ہے کہ اس نے اسے خریدا ہے۔[۱]

اسی طرح محمد بن مظفر کے استاذ علی بن احمد بن سلیمان المصری العلان کو اگرچہ امام ابن یونسؒ نے ثقہ قرار دیا ہے، لیکن ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ

وفی خلقه زعارة.[۲]

اس کی طبیعت میں بدخوئی تھی۔

لہٰذا ایسے بدخو اور بدخصلت شخص کی روایت سے امام محمدؒ جیسے عالی شان امام کو کیسے مجروح ثابت کیا جاسکتا ہے؟

اب جس قول کی سند اس طرح "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا مصداق ہو اس کو صحیح کہنا علی زئی جیسے لوگوں کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

ثانیاً: امام ابن معینؒ سے منقول یہ کلام دو جملوں پر مشتمل ہے۔ (۱) لیس بشیء (۲) فلا تکتب حدیثه.[۳]

اور یہ دونوں جملے غیر مقلدین کے اصول میں بھی موجب جرح نہیں ہیں، چنانچہ پہلے جملے

۱. مسئلہ رفع الیدین مترجم (ص ۱۰۲)

۲. سیر اعلام النبلاء (۱۴/۴۹۶)

۳. تاریخ بغداد (۲/۱۷۷)

"لیس بشیءٍ" کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے۔

اسی طرح دوسرا جملہ "لاتکتب حدیثہ" بھی باقرار غیر مقلدین جرح میں صریح نہیں ہے، چنانچہ شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ غیر مقلد امام محمدؒ کے خلاف امام ابن معینؒ سے منسوب اس کلام کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کلمة "لاتکتب حدیثه" لسیت بصریحة فی الجرح.[1]

"لاتکتب حدیثہ" کا کلمہ جرح میں صریح نہیں ہے۔

پس جب یہ کلمہ جرح میں صریح ہی نہیں تو پھر علی زئی کا اس کو امام محمدؒ کے خلاف بطور جرح پیش کرنا ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟

تیسرے قول کی حقیقت:

علی زئی نے امام ابن معینؒ کا تیسرا قول امام عقیلیؒ کی "کتاب الضعفاء" سے پیش کیا ہے، اور ساتھ "تاریخ بغداد" سے امام عقیلیؒ کے استاذ اور عباس بن محمد الدوریؒ کے شاگرد احمد بن محمد بن صدقہ کا ثقہ ہونا نقل کیا ہے، لیکن ہمارے پاس تاریخ بغداد کا جو مطبوعہ نسخہ (طبع دارالکتب العلمیة بیروت) ہے اس میں ہمیں احمد بن محمد بن صدقہ کا ترجمہ نہیں ملا، البتہ اس میں امام عقیلیؒ کے ایک استاذ احمد بن محمد بن صعصقہ کا ترجمہ ہے،

ممکن ہے کہ صدقہ صعصقہ کی، یا صعصقہ صدقہ کی تصحیف ہو۔ بہر حال جو بھی ہو علامہ خطیبؒ نے اس کی توثیق نہیں کی اور نہ ہی اس کے متعلق کسی اور محدث سے توثیق نقل کی ہے۔[2]

اسماء الرجال کی دیگر متداول کتب میں بھی ہمیں اس کی توثیق نہیں ملی۔ لہٰذا جب تک اس کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو علی زئی کا اس کی روایت کو صحیح کہنا فضول ہے۔

ثانیاً: کتاب مذکور میں امام ابن معینؒ سے صرف اتنا منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: محمد جہمی کذاب۔ اب اس قول میں یہ تصریح نہیں ہے کہ جس محمد کو امام ابن معینؒ نے کذاب قرار دیا ہے اس سے مراد امام محمد بن حسن شیبانیؒ ہیں یا کوئی اور محمد بن حسن ہیں، ہوسکتا ہے کہ امام موصوف کی مراد محمد بن حسن بن زبالة المخزومی المدنی (شاگرد امام مالکؒ) ہو، کیونکہ یہ

---

[1] التنکیل (۱/۱۰۹)

[2] تاریخ بغداد (۵/۲۳۹)

ایک کذاب راوی ہے، چنانچہ حافظ ابن ناصر الدینؒ (م: ۸۴۰ھ) اس کی ایک روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

محمد بن الحسن هذا ليس الشيباني فقيه العراق انما هو محمد بن الحسن بن زبالة المخزومي المدني. وقدروى عن مالك واضرابه لكنه كذاب فيما قاله ابو داؤد.[1]

اس سند میں محمد بن الحسن سے مراد محمد بن الحسن شیبانیؒ جو عراق کے فقیہ ہیں، مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ محمد بن الحسن المخزومی المدنی ہے۔ اس نے امام مالکؒ اور ان کے معاصرین سے روایت کی ہے لیکن یہ کذاب ہے جیسا کہ امام ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ کذاب نہیں ہیں، بلکہ محمد بن حسن المخزومی کذاب ہے، اور قرین قیاس یہی ہے کہ یہاں بھی (بشرط صحتِ روایت) امام ابن معینؒ نے اس کو کذاب کہا ہے نہ کہ امام شیبانیؒ کو، کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام ابن معینؒ جس شخص سے خود "الجامع الصغیر" لکھیں، اور اس سے حدیث کی روایت بھی کریں (جیسا کہ ماقبل بحوالہ گزرا ہے) اور پھر اسی کو کذاب بھی قرار دیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ابن معینؒ خود اپنے بارے میں ایک کذاب راوی سے اخذ علم اور حدیث روایت کرنے کا اقرار کر رہے ہیں حالانکہ ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کی تصریح گزر چکی ہے کہ امام ابن معینؒ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت کرتے ہیں۔

نیز امام ابن معینؒ نے خود تصریح کی ہے کہ بعض محدثین امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں بے جا جرح کر کے زیادتیوں کے مرتکب ہوئے ہیں، چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ (م: ۴۶۳ھ) نے ان سے نقل کیا ہے کہ

اصحابنا يفرطون في ابي حنيفة واصحابه.[2]

ہمارے اصحاب امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے بارے میں زیادتیاں کرتے

---

۱. اتحاف السالک (ص ۱۸۰)

۲. جامع بيان العلم وفضله (۱۴۸/۲)

ہیں۔

لہٰذا امام ابن معینؒ جس چیز کو اپنے ساتھیوں کی زیادتی قرار دے رہے ہیں خود اس کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟

ان حقائق کی موجودگی میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے امام محمدؒ کو کذاب قرار دیا ہے؟

باقی امام عقیلیؒ کا اس قول کو امام محمدؒ کے ترجمہ میں ذکر کر کے اس کو آپ پر منطبق کرنا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ امام عقیلی ان محدثین میں سے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب سے انتہائی بغض اور عداوت رکھتے ہیں۔[1] اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔

لہٰذا ان کا امام ابن معینؒ کے اس قول کو بلا دلیل امام محمدؒ پر منطبق کرنا سرے سے ہی مردود ہے۔

ثالثاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امام ابن معینؒ نے امام محمدؒ کو ہی کذاب کہا ہے، لیکن ان کی یہ جرح ان کی توثیق سے متصادم ہے جو انہوں نے امام محمدؒ سے ''الجامع الصغیر'' کی سماعت اور حدیث کی روایت کر کے کی ہے۔ جیسا کہ امام محمدؒ کی توثیق میں گزرا ہے۔

اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے لکھا ہے کہ

جب ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو (کہ اس سے کسی کے بارے میں توثیق اور جرح دونوں منقول ہوں۔ ناقل) تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے۔[2]

بنا بریں اگر امام ابن معینؒ نے امام محمدؒ پر جرح کی بھی ہے تو وہ ان کی توثیق کے مقابلے میں کالعدم ہے۔

خود زبیر علی زئی نے امام بخاریؒ پر امام ابوزرعہ رازیؒ اور امام ابوحاتم رازیؒ کی جرح کہ ان دونوں نے آخر عمر میں امام بخاریؒ سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا، کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

تہذیب الکمال وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحاتم الرازی اور امام ابوزرعہ

۱۔ دیکھئے تانیب الخطیب (ص ......) للامام زاهد الکوثریؒ

۲۔ توضیح الکلام (۱/۵۳۴)

تنبیہ: تاریخ بغداد میں غلطی سے "مضعفا" کے بجائے "منصفا" چھپ گیا ہے۔[1]

(۳) امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: لیس بشئی ولا یکتب حدیثه. (محمد بن الحسن الشیبانی) کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی: ج ۶ ص ۲۱۸۳ وسنده صحیح)

اس قول کی سند صحیح ہے، دیکھئے الاسانید الصحیحة ص ۳۰۱، وکتب الرجال۔[2]

(۴) امام احمد نے مزید فرمایا: لا اروی عنه شیئاً. میں اس سے کوئی چیز روایت نہیں کرتا۔ کتاب العلل ومعرفة الرجال للامام احمد: ج ۲ ص ۲۵۸ ت ۱۸۶۲).[3]

۱۔ علی زئی نے "لسان المیزان" سے: کان ابو یوسف مضعفا فی الحدیث" کے الفاظ نقل کیے ہیں، لیکن ہمارے پاس "لسان المیزان" کے جو دو مطبوعہ نسخے (طبع دار الکتب العلمیة بیروت، اور طبع مکتب المطبوعات الاسلامیه، حلب) ہیں ان میں "مضعفا" کی بجائے "منصفاً" (یعنی امام ابو یوسف حدیث میں انصاف پسند تھے) کے الفاظ ہیں، اور یہی الفاظ "لسان المیزان" کے اصل ماخذ تاریخ بغداد (۲۶۱/۱۴)، اور دیگر کتب مثلاً تذکرہ الحفاظ (۲۱۴/۱) للذہبیؒ، طبقات الحفاظ (ص ۱۲۷) للسیوطی اور طبقات علماء الحدیث (۴۲۳) لابن عبدالهادیؒ وغیرہ میں بھی مذکور ہیں۔

علی زئی کی بددیانتی کی انتہاء ہے کہ وہ ان سب حوالوں کو غلط قرار دے کر "لسان المیزان" کے ایک غلط نسخے کو صحیح قرار دے رہے ہیں، حالانکہ دوسری جگہ انہوں نے خود یہ اصول بیان کیا ہے کہ اصل مستند (ماخذ) کتابوں کے مقابلے میں دیگر کتب کا حوالہ مردود ہوتا ہے۔ (دیکھئے الحدیث: ش ۱۷، ص ۱۹)

علی زئی کا اپنا یہ قول خود ان پر اور ان جیسے دیگر غیر مقلدین پر پوری طرح صادق آتا ہے کہ: قوم شعیب علیہ السلام کی طرح ان لوگوں کے لینے اور دینے کے پیمانے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ (نصر الباری ص ۲۷۶)

ع
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

۲. الحدیث (ش ۷ ص ۱۸)

۳. ایضاً

کرنا۔

ع نگاہ کرم کے امیدوار ہم بھی ہیں

خامساً: امام محمدؒ کی توثیق میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا حوالہ ہم ذکر کر چکے ہیں جس میں انہوں نے امام ابن معینؒ سے منقول جرح کا ایک جواب یہ بھی دیا تھا کہ

امام ابن معینؒ سے پہلے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ دونوں بڑے امام امام محمدؒ کی توثیق کر چکے ہیں۔ (لہذا ان کی توثیق کے مقابلے میں امام ابن معینؒ کی جرح کالعدم ہے۔)

الغرض ان تمام صورتوں میں امام ابن معینؒ کی جرح بفرض ثبوت بھی باطل ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی نے امام محمدؒ کے خلاف امام احمدؒ سے درج ذیل چار اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) ابو اسماعیل الترمذی نے کہا: میں نے احمد بن حنبل کو فرماتے سنا کہ شروع میں محمد بن الحسن جہم کے مذہب پر چلتا تھا۔ تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۹) وسندہ حسن، اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔[۱]

(۲) حنبل بن اسحاق نے (امام) احمد (بن حنبل) سے نقل کیا کہ ابو یوسف تو حدیث میں ضعیف تھا مگر محمد بن الحسن اور اس کا استاد حدیث و آثار کے مخالف تھے۔ (تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۹) اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے الاسانید الصحیحۃ[۲] فی اخبار ابی حنیفۃ قلمی: ص ۱۱۸)۔[۳]

۱۔ الحدیث (ش ۷، ۱۵ مع الحاشیہ ۱)

۲۔ یہ خود علی زئی کی غیر مطبوعہ کتاب ہے، علی زئی صاحب ایک عجیب و غریب قسم کے جنون میں مبتلا ہیں، جب ان کی یہ کتاب مطبوعہ ہی نہیں تو پھر قارئین کو اس کے مطالعے کی دعوت کیوں دے رہے ہیں؟
اسی طرح علی زئی نے ایک اور مقام پر لکھا ہے: راقم الحروف کی کتاب (''اکاذیب علمائے دیوبند'' تحت التکمیل) کا مطالعہ فرمائیں۔ (تعداد رکعات قیام رمضان، ص ۴۰) اب جو کتاب مکمل ہی نہیں ہوئی اُس کا مطالعہ کیسے فرمایا جائے۔ اندازہ کریں ایسے مخبوط الحواس لوگ بھی ائمہ مجتہدین پر اعتراضات کرنے کا شوق پورا کر رہے ہیں۔

۳۔ الحدیث (ش ۷، ص ۱۵ مع الحاشیہ ۲)

تنبیہ: تاریخ بغداد میں غلطی سے "مضعفا" کے بجائے "منصفا" چھپ گیا ہے۔[1]

(۳) امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: ليس بشئى ولا يكتب حديثه. (محمد بن الحسن الشیبانی) کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی: ج ۶ ص ۲۱۸۳ وسنده صحيح)

اس قول کی سند صحیح ہے، دیکھئے الاسانید الصحیحۃ ص ۳۰۱، وکتب الرجال۔[2]

(۴) امام احمد نے مزید فرمایا: لا اروى عنه شيئاً. میں اس سے کوئی چیز روایت نہیں کرتا۔ کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد: ج ۲ ص ۲۵۸ ت ۱۸۶۲)۔[3]

۱۔ علی زئی نے "لسان المیزان" سے: کان ابو یوسف مضعفا فی الحدیث" کے الفاظ نقل کیے ہیں، لیکن ہمارے پاس "لسان المیزان" کے جو دو مطبوعہ نسخے (طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، اور طبع مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب) ہیں ان میں "مضعفا" کی بجائے "منصفًا" (یعنی امام ابو یوسف حدیث میں انصاف پسند تھے) کے الفاظ ہیں، اور یہی الفاظ "لسان المیزان" کے اصل ماخذ تاریخ بغداد (۲۶۱/۱۴)، اور دیگر کتب مثلاً تذکرہ الحفاظ (۲۱۴/۱) للذہبیؒ، طبقات الحفاظ (ص ۱۲۷) للسیوطی اور طبقات علماء الحدیث (۴۲۳) لابن عبدالہادیؒ وغیرہ میں بھی مذکور ہیں۔

علی زئی کی بددیانتی کی انتہاء ہے کہ وہ ان سب حوالوں کو غلط قرار دے کر "لسان المیزان" کے ایک غلط نسخے کو صحیح قرار دے رہے ہیں، حالانکہ دوسری جگہ انہوں نے خود یہ اصول بیان کیا ہے کہ اصل مستند (ماخذ) کتابوں کے مقابلے میں دیگر کتب کا حوالہ مردود ہوتا ہے۔ (دیکھئے الحدیث: ش ۱۷، ص ۱۹)

علی زئی کا اپنا یہ قول خود ان پر اور ان جیسے دیگر غیر مقلدین پر پوری طرح صادق آتا ہے کہ: قوم شعیب علیہ السلام کی طرح ان لوگوں کے لینے اور دینے کے پیمانے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ (نصر الباری ص ۲۷۶)

ع

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

۲. الحدیث (ش ۷ ص ۱۸)

۳. ایضاً

علی زئی کے امام احمدؒ سے نقل کردہ چار اقوال جرح کی حقیقت:

ذیل میں ترتیب واران چاروں اقوال کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

پہلے قول کی حقیقت:

اس قول کی سند کے ابتدائی حصہ سے قطع نظر امام احمدؒ سے اس قول کے ناقل ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل خود متکلم فیہ ہے، چنانچہ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازیؒ (م ۳۲۷ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

سمعت منه بمكة وتكلموا فيه.[1]

میں نے اس سے مکہ مکرمہ میں سماع کیا تھا، اور وہاں کے محدثین اس میں کلام کرتے تھے۔

لہٰذا ایسے متکلم فیہ راوی کی روایت کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین کو کیسے مجروح ثابت کیا جا سکتا ہے؟ خود زبیر علی زئی نے امام مالکؒ سے ان کے شاگرد امام عبدالرحمان بن القاسمؒ کے نقل کردہ مسائل کو محض اس لیے ناقابلِ اعتماد قرار دے دیا کہ امام ابوزرعہؒ نے ان کے بارے میں اسی طرح کا کلام کیا ہے۔ چنانچہ علی زئی لکھتے ہیں:

لیکن اس (ابن القاسمؒ) نے امام مالکؒ سے جو مسائل نقل کیے ہیں ان میں نظر ہے۔ امام ابوزرعہؒ اپنی ''کتاب الضعفاء''، ص ۵۳۴ میں فرماتے ہیں: فناس يتكلمون في هذه المسائل. پس لوگ (ابن القاسم کے) ان مسائل میں کلام کرتے ہیں۔[2]

کیا ہم یہاں بھی زبیر علی زئی سے ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟

ثانیاً: اس قول کو اگر ثابت بھی مان لیا جائے تو بھی یہ امام محمدؒ کے ضعف کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہے کہ: ''آپ شروع میں جہم کے مذہب پر تھے۔''

---

[1] الجرح والتعدیل (۱۹۱/۷)

[2] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۶۷)

معلوم ہوا کہ بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا، اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ

کسی مسئلہ پر کسی شخص کو مطعون کرنا بری بات ہے، جس سے وہ رجوع اور توبہ کر چکے ہیں۔[۱]

نیز لکھتے ہیں:

رجوع کرنے والے کے خلاف پروپیگنڈہ جاری رکھنا اہل الرائے کی کس عدالت کا انصاف ہے؟۔[۲]

لیکن علی زئی جس چیز سے پرہیز کی دوسروں کو نصیحت کر رہے ہیں خود اس بری حرکت میں بری طرح مبتلا ہیں۔

ع دیگر را نصیحت خود رافضیحت

ثالثاً: اس قول کا تعلق روایت حدیث سے نہیں ہے بلکہ عقیدے سے ہے، اور خود زبیر علی زئی یہ اقرار کر چکے ہیں کہ

روایت حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجئ، شیعی، قدری وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے، اور جس راوی کی عدالت ثابت ہو جائے اس کی روایت مقبول ہے اگرچہ اس کی بدعت کو اس سے بظاہر تقویت ہی پہنچتی ہو۔[۳]

اسی طرح انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

مسلکی تفاوت صحت حدیث کے خلاف نہیں مثلاً جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے، اس کا قدری، خارجی، شیعی، معتزلی، جہمی، مرجی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں ہے۔[۴]

نیز لکھتے ہیں:

اہل بدعت کی روایات صحیحین (صحیح بخاری، وصحیح مسلم) میں موجود ہیں۔[۵]

---

۱. نور العینین (ص ۲۴۰)

۲. ایضاً (ص ۳۹)

۳. الحدیث (ش ۲، ص ۹)

۴. نور العینین (ص ۵۹)

۵. الحدیث (ش ۳۳: ۱۰)

بنابریں جب امام محمدؒ کی توثیق محدثین (امام شافعیؒ وغیرہ) اور خود امام احمدؒ نے کی ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، تو پھر اگر بالفرض آپ جہمی تھے بھی تو اس سے آپ کی ثقاہت اور عدالت پر کیا فرق پڑتا ہے؟

دوسرے قول کی حقیقت:

امام احمدؒ سے نقل کردہ دوسرے قول کہ "واما محمد بن الحسن وشيخه فكانا مخالفين للأثر" (امام محمد بن حسنؒ اور آپ کے استاذ امام ابوحنیفہؒ حدیث کے مخالف تھے) کی سند سے قطع نظر بھی اس مجمل قول سے استدلال باطل ہے کیونکہ اس میں کوئی وضاحت نہیں کہ ان دونوں حضرات نے کون سی اور کس قسم کی حدیث کی مخالفت کی ہے؟ آیا وہ حدیث ان تک پہنچی بھی تھی یا نہیں؟ یا وہ حدیث ان کے نزدیک ثابت بھی تھی یا نہیں؟

اور اگر وہ حدیث ان کے نزدیک ثابت بھی ہو تو ممکن ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہو؟ یا دوسری احادیث کے مقابلے میں وہ مرجوح ہو؟ یا اس کے ترک کرنے کا کوئی اور شرعی عذر ہو؟ غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م: ۷۲۸ھ) نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب بنام "رَفْعُ الْمَلَامِ عَنْ اَئِمَّةِ الْاَعْلَامِ" لکھی ہے، جس میں انہوں نے ائمہ متبوعین کے کسی حدیث کو ترک کرنے کے کئی شرعی عذر بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب علیحدہ بھی اور حافظ موصوف کے فتاویٰ کے ضمن میں بھی مطبوع ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ائمہ اعلام کے بارے میں بدگمانیاں دور ہو جاتی ہیں۔

نیز حافظ موصوف نے اپنے "فتاویٰ" میں تصریح کی ہے کہ

ومن ظن بابی حنيفة اوغيره من ائمه المسلمين انهم يعتمدون مخالفة الحديث الصحيح لقياس اوغيره فقدا خطأ عليهم، وتكلم اما بظن واما بهوى۔[1]

جس شخص کا امام ابوحنیفہؒ یا ائمہ مسلمین میں سے کسی اور امام کے بارے میں یہ گمان ہو کہ یہ حضرات کسی صحیح حدیث کی مخالفت قیاس یا کسی اور (غیر شرعی عذر) کی وجہ سے کرتے ہیں، تو یقیناً وہ شخص خطا کار ہے، اور اس کا یہ قول بدگمانی یا خواہش

[1] مجموع الفتاویٰ (۱۹/۱۳۸)

نفسانی کا شاخسانہ ہے۔

ثانیاً: امام احمدؒ سے منسوب اس قول کا تعلق روایت حدیث سے نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے امام محمدؒ اور آپ کے استاذ مکرم کی ثقاہت پر کوئی زد پڑتی ہو، بلکہ اس قول کا تعلق نظریہ حدیث سے ہے۔اور اس طرح کے اقوال ائمہ اعلام سے بکثرت منقول ہیں، کیونکہ بعض احادیث کی فہم اور سمجھ میں ائمہ کے نظریات مختلف ہو جاتے ہیں، اور بسا اوقات ان کا یہ اختلاف اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اس حدیث کا مخالف گردانتا ہے۔

اب اگر ان کے آپس کے ان ریمارکس کو ان کی عدالت وثقاہت کے خلاف پیش کیا جائے گا تو پھر ان میں سے کسی کی عدالت وثقاہت محفوظ نہیں رہے گی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے خلاف دیگر ائمہ نے مخالفت حدیث کے ریمارکس دیئے ہیں۔ مثلاً امام احمد بن حنبلؒ نے ہی امام مالکؒ جیسے ثقہ امام پر بھی مخالفتِ حدیث کا الزام لگایا ہے، چنانچہ امام احمدؒ کے شاگرد امام اثرمؒ نے ان سے کہا کہ امام مالکؒ فرماتے تھے کہ آدمی کو جمعے کی نماز کے لیے جلدی جانا مناسب نہیں ہے، اس پر امام احمدؒ نے فرمایا:

هذا خلاف حديث النبى صلّى الله عليه وسلّم فانكره. کہ امام مالکؒ کا یہ قول رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث کے مخالف ہے، اور پھر امام احمدؒ نے امام مالک کا رد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد امام احمدؒ نے امام مالکؒ کے مذہب پر اظہار تعجب کرتے ہوئے ان کے اس مذہب کے خلاف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ذکر کی۔[1]

امام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم (م: ۲۶۸ھ) جو مصر کے ایک مشہور مالکی فقیہ اور امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں، انہوں نے امام شافعیؒ کے رد میں مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: "الرد على الشافعى فيما خالف فيه الكتاب والسنة" (امام شافعی پر ان مسائل میں رد کہ جن میں انہوں نے قرآن اور سنت کی مخالفت کی ہے)۔[2]

خود امام شافعیؒ نے بھی اپنے استاذ حدیث امام مالکؒ کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ امام مالکؒ کے بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں۔

۱۔ التمہید (۱۲۹/۸)

۲۔ الطبقات الکبریٰ (۲۲۴/۱) للسبکیؒ

امام رازیؒ نے "مناقب الشافعی" میں اس کتاب کا دیباچہ نقل کیا ہے۔[1]

نیز امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) نے ایک حدیث کی تحقیق میں تصریح کی ہے کہ:

وقد كان الشافعي وابن عليه يقولون: ان مالكا ترک في هذا الباب ما رواه الى رأيه.[2]

امام شافعیؒ اور امام ابن علیہؒ (مشہور محدث) فرماتے تھے کہ امام مالکؒ نے اس باب میں خود جو حدیث روایت کی ہے، اس کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد شاہجہان پوریؒ نے لکھا ہے کہ

امام شافعی نے نہ صرف امام ابوحنیفہ کے کتنے مسائل کا خلافِ حدیث ہونا ثابت کیا بلکہ انہوں نے امام مالک کے بھی کتنے مسائل حدیث کے خلاف ثابت کیے اور دونوں ہی کے رد میں کتاب تحریر کی (دیکھئے توالی التأسیس)۔[3]

خود امام احمد بن حنبلؒ بھی مخالفتِ حدیث کے الزام سے محفوظ نہیں رہ سکے۔

چنانچہ مولانا شاہجہانپوری غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ

امام احمد بن حنبلؒ بھی کثیر الحدیث ہونے کے باوجود بھی ان کے جملہ مسائل مخالفت حدیث سے نہیں بچ سکے۔[4]

امام لیث بن سعد المصریؒ (م: ۱۷۵ھ) جو بقول امام شافعیؒ: امام مالکؒ سے بھی زیادہ فقیہ اور ان سے بڑے عالم تھے،[5] نے تو امام مالکؒ کے بارے میں یہاں تک فرمایا ہے کہ

احصيتُ على مالک بن انس سبعين مسئلة كلها مخالفة لسنة النبي صلى الله عليه وسلم مما قال مالک برأيه. قال ولقد كتبت اليه في ذلک.[6]

۱۔ ابن ماجہ اور علم حدیث (ص ۴۷) ۲۔ التمہید (۳/۲۹۵)

۳۔ الارشاد الیٰ سبیل الرشاد (ص ۱۴۲، ۱۴۳)

۴۔ ایضاً (ص ۱۹۳)

۵۔ طبقات المحدثین باصبهان (۱/۴۰۶)، تذکرة الحفاظ (۱/۱۶۴)

۶۔ جامع بیان العلم وفضله (۲/۱۴۸)

میں نے امام مالک بن انسؒ کے ستر ایسے مسائل شمار کیے ہیں جو سب کے سب نبی ﷺ کی سنت کے مخالف ہیں اور امام مالکؒ نے ان کو محض اپنی رائے سے بیان کیا ہے، چنانچہ میں نے اس کے متعلق ان کو لکھ کر بھیج دیا ہے۔

شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ غیر مقلد (م:۱۳۸۶ھ) جن کے متعلق علی زئی کا حوالہ گزر چکا ہے کہ یہ اپنے زمانے کے امام ذہبیؒ تھے، انہوں نے امام مالکؒ کی طرف سے امام لیثؒ کے مذکورہ قول کا عذر یہ پیش کیا ہے کہ

فاما ماحکی عن اللیث فالافہام فی السنۃ تختلف، یختلف العالمان فی فہم الحدیث اوفی ترجیح احد الحدیثین علی الآخر، فیری کل منہما ان قول صاحبہ مخالف لسنۃ[1]

امام لیثؒ سے (امام مالکؒ کے متعلق) جو منقول ہے (اس کا جواب یہ ہے کہ) سنت کو سمجھنے میں اختلاف ہوجاتا ہے، اور دو اہل علم فہم حدیث یا ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے میں باہم مختلف ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو سنت کا مخالف خیال کرتا ہے۔

اب اگر یہ تاویل امام مالکؒ وغیرہ کے بارے میں چل سکتی ہے تو پھر امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، اور دیگر ائمہ احناف کے حق میں کیوں معتبر نہیں ہے؟

اہل گلشن کے لیے بھی باب گلشن بند ہے
اس قدر کم ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں

تیسرے قول کی حقیقت:

اس قول کی سند میں امام ابن عدیؒ کا استاذ علی بن احمد بن سلیمان ہے جس کے بارے میں امام ابن یونسؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ ایک بدخواہ اور بدخصلت شخص ہے۔ جیسا کہ امام ابن معینؒ کی طرف منسوب جرح میں بحوالہ گزرا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کی روایت سے ایک جلیل القدر امام کو مجروح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

نیز اس کا استاذ احمد بن ابی مریم بھی احناف کے خلاف ایک متعصب اور مشکوک شخص معلوم

۱۔ التنکیل (۱/۳۸۴)

ہوتا ہے کیونکہ اس کا وتیرہ ہے کہ یہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ وغیرہ ائمہ احناف کے خلاف امام ابن معینؒ، اور امام احمدؒ وغیرہ سے ایک ہی قسم کے الفاظ: لیس بشئی، لایکتب حدیثه (لاتکتب حدیثه) وغیرہ نقل کرتا ہے جوان سے دیگر تلامذہ روایت نہیں کرتے، یہاں تک کہ علامہ خطیب بغدادی (م: ۴۶۳ھ) نے بھی امام ابو یوسفؒ کے خلاف اس کے امام ابن معینؒ سے نقل کردہ الفاظ: "لایکتب حدیثه" کو امام ابن معینؒ کے دیگر تلامذہ کی روایات کے مخالف اور متصادم قرار دیا ہے۔[1]

اسی طرح اس نے امام ابو حنیفہؒ کے ایک اور شاگرد اور حنفی فقیہ امام اسد بن عمرو البجلیؒ کے خلاف بھی امام ابن معینؒ سے اسی طرح کے الفاظ نقل کیے ہیں جس پر علامہ خطیبؒ نے اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابن معینؒ کے دیگر شاگردوں نے احمد بن ابی مریم کے برخلاف امام معینؒ سے امام اسدؒ کی توثیق نقل کی ہے۔[2]

اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سے اس قسم کے الفاظ زیادہ تر علی بن احمد بن سلیمان ہی روایت کرتا ہے جو کہ بقول امام ابن یونسؒ ایک بدخصلت شخص ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں استاد و شاگرد مل کر ائمہ احناف کے خلاف یہ کارستانی کرتے ہیں۔

اور پھر علی بن احمدؒ کے تلامذہ حافظ ابن عدیؒ اور حافظ عقیلیؒ کا احناف کے متعلق تعصب بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔

ان سب خرابیوں کے ہوتے ہوئے اس قول کو صحیح کیسے باور کیا جا سکتا ہے؟

ثانیاً: امام احمد کی طرف منسوب یہ مذکورہ قول دو جملوں: "لیس بشئی"، اور "لایکتب حدیثه" پر مشتمل ہے، اور یہ دونوں جملے خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی غیر معتبر ہیں، چنانچہ امام ابن معین کی طرف منسوب جرح میں بحوالہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد گزرا ہے کہ یہ غیر مفسر (مبہم) ہے، اور ایسی جرح ہے جو بیان سبب سے خالی ہے۔

اسی طرح وہاں شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ غیر مقلد کے حوالے سے دوسرے جملے "لاتکتب

---

[1] تاریخ بغداد (۲۶۰/۱۴)

[2] ایضاً (۱۹/۷)

حدیثه" (جو کہ خود علی زئی کے نزدیک بھی "لایکتب حدیثه" کے ہم معنی اور ہم مثل ہے)[1] کے متعلق گزر چکا ہے کہ یہ جملہ بھی جرح میں صریح نہیں ہے۔

پس جب یہ دونوں جملے خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی غیر معتبر ہیں تو پھر ان پر مشتمل اس قول کو علی زئی کا امام محمدؒ کے خلاف بطور جرح پیش کرنا خود اپنے اصولوں کی روشنی میں بھی باطل ہو گیا۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ثالثاً: اگر ان الفاظ کو معتبر جرح مان بھی لیں تو پھر بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ امام احمدؒ نے امام محمدؒ کی توثیق بھی کی ہے جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔

اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کا ہم یہ حوالہ ما قبل نقل کر آئے ہیں کہ

جب ایک ہی امام سے جرح اور توثیق دونوں منقول ہوں تو پھر ترجیح توثیق کو ہوگی۔ لہٰذا یہاں بھی امام احمدؒ کی توثیق ان کی جرح (بشرط ثبوت) پر راجح ہے۔

چوتھے قول کی حقیقت:

امام احمدؒ کی طرف منسوب اس قول کہ "لا اروی عنه شیئا" (میں نے امام محمدؒ سے کچھ بھی چیز روایت نہیں کی) کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ امام محمدؒ کی توثیق میں گزر چکا ہے کہ امام احمدؒ نے امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ سے علم کے تین قماطیر (صندوق) لکھے تھے اور بسا اوقات ان کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔

اگر اس کو روایت کرنا نہیں کہتے تو پھر روایت کرنا کس چیز کا نام ہے؟

ثانیاً: اس مذکورہ قول میں امام احمدؒ کے امام محمدؒ سے روایت کرنے کی نفی مذکور ہے، جب کہ دوسرے قول (جس میں ان کا امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ سے علم لکھنے کا ذکر ہے) میں ان کے روایت کرنے کا اثبات ہے، اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ

یہ بات عام طلباء کو بھی معلوم ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔[2]

لیکن اس کے باوجود علی زئی یہاں نفی کو اثبات پر مقدم کر کے اپنے آپ کو عام طلباء کی صف

1. الحدیث (ش ۷، ص ۱۶، حاشیہ ۳)
2. نور العینین (ص ۱۲۵)

سے بھی خارج ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ثالثاً: اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ امام احمدؒ نے امام محمدؒ سے کچھ چیز بھی روایت نہیں کی ہے لیکن خود علی زئی غیر مقلد کے انتہائی ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری (جن کو علی زئی: محقق جلیل القدر اور نامور اہلحدیث عالم قرار دے چکے ہیں) نے تصریح کی ہے کہ

کسی بھی محدث کا کسی راوی سے حدیث نہ لینا اس کے ضعف کا موجب نہیں۔[1]

الحاصل علی زئی کے امام احمدؒ سے نقل کردہ چاروں اقوال میں سے ایک قول بھی امام محمدؒ کے ضعف کو مستلزم نہیں ہے۔

امام نسائیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: سنن النسائی کے مصنف اور اسماء الرجال کے امام ابو عبدالرحمٰن النسائیؒ، امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

اور اس کے شاگردوں میں سے...... محمد بن الحسن الشیبانی ضعیف تھا۔ (جزء فی آخر کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی: ص ۲۶۶).[2]

جواب: امام نسائیؒ کی اس جرح پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائیؒ کا جرح میں جو تشدد اور تعنت ہے وہ خود غیر مقلدین کے حوالے سے پیش کیا جائے۔

امام نسائیؒ کا جرح میں تعنت غیر مقلدین کی نظر میں:

غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحبؒ، امام نسائیؒ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

انه متعنت، وتعنته مشهور.[3]

امام نسائی متعنت ہیں، اور ان کا تعنت (تشدد) مشہور ہے۔

نیز مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں:

---

[1] توضیح الکلام (۱/۵۴۸)

[2] الحدیث (ش ۷، ص ۱۱)

[3] ابکار المنن (ص ۸۰)

ابوحاتم، نسائی اور ابن معین رحمۃ اللہ علیہم یہ تینوں متعنتین فی الرجال و متشددین فی الجرح ہیں۔[۱]

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ ارقام فرماتے ہیں:

متشددین میں ابوحاتم، نسائی، ابن معین، ابن قطان کو بھی شمار کرتے ہیں۔[۲]

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

چار حضرات (ابن معینؒ، نسائیؒ، عقیلیؒ، ابن عدیؒ) کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے۔[۳]

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام نسائیؒ جرح میں متشدد اور متعنت ہیں، اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ

اور یہ طے شدہ بات ہے کہ متعنت کی جرح قابل قبول نہیں۔[۴]

اسی طرح مولانا گوندلویؒ غیر مقلد کا بیان گزر چکا ہے کہ

متعنت کی توثیق تو معتبر ہے لیکن اس کی جرح غیر معتبر ہے۔ لہٰذا امام نسائیؒ کی امام محمدؒ کے خلاف یہ جرح کالعدم ہے۔

امام نسائیؒ کی جرح باقرار علی زئی غیر مفسر ہے:

امام نسائیؒ کے جرح میں متعنت ہونے کے علاوہ انہوں نے امام محمدؒ کے بارے میں جو "ضعیف" کہا ہے یہ قول خود معترض علی زئی کے نزدیک بھی مبہم اور غیر مفسر جرح ہے، چنانچہ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔[۵]

جب کہ مولانا مبارکپوریؒ، مولانا گوندلویؒ، اور مولانا نذیر رحمانیؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین

۱۔ مقالات مبارکپوری (ص ۲۲۰)

۲۔ خیر الکلام (ص ۴۶)

۳۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۳)

۴۔ توضیح الکلام (۱/۳۱۲)

۵۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۶۵)

نے تصریح کی ہے کہ مبہم اور غیر مفسر جرح قابل اعتبار نہیں ہے۔[1]

اندازہ لگائیں کہ جو جرح خود علی زئی اور اس کے ہم مسلک علماء کے نزدیک بھی غیر مفسر ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے، اور اس جرح کے جارح (امام نسائیؒ) کو علمائے غیر مقلدین جرح میں متعنت اور متشدد قرار دے کر ان کی جرح کو نا قابل اعتماد ٹھہرا رہے ہیں، لیکن علی زئی یہاں امام محمدؒ کے خلاف ان کی اس جرح کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں کہ گویا یہ کوئی بڑی سخت جرح ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

امام نسائی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ "کتاب الحجة علیٰ اهل المدینة" کا مصنف محمد بن الحسن مطلقاً ضعیف ہے چاہے وہ امام مالک سے روایت کرے یا دوسرے راویوں (مثلاً امام ابو حنیفہ) سے روایت کرے، لہٰذا اس کی روایت عدم متابعت کی صورت میں مردود ہوتی ہے۔[2]

اس کے جواب میں ہم علی زئی صاحب کو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ:

آپ اپنے جور و جفا پہ خود ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی!

امام ابوزرعہ الرازیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں: سعید بن عمر البرزعی نے کہا: میں نے ابوزرعہ الرازی کو فرماتے سنا کہ محمد بن الحسن اور اس کا استاد دونوں جہمی (مذہب والے) تھے۔ اور ابو یوسف جہمیت سے دور تھے۔

بحوالہ کتاب الضعفاء لابی زرعہ الرازی (ص ۵۷۰) یہ قول صحیح و ثابت ہے۔[3]

جواب: اگر اس کتاب کی نسبت امام موصوف کی طرف صحیح بھی ہو تو پھر بھی اس قول کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اس کا تعلق روایت حدیث سے نہیں ہے بلکہ عقیدے اور مسلکی تفاوت سے ہے۔

اور ماقبل امام احمدؒ سے منسوب جرح کے جواب میں ہم خود زبیر علی زئی کے متعدد حوالے نقل

---

[1] ابکار المنن (ص ۸۰)، خیر الکلام (ص ۱۵۸)، انوار المصابیح (ص ۱۳۸)

[2] الحدیث (ش ۷، ص ۱۱)

[3] ایضاً (ص ۱۵ مع الحاشیہ ۳)

کر چکے ہیں جن میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ مسلکی تفاوت اور کسی راوی کے جہمی وغیرہ ہونے سے اس کی روایتِ حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لہٰذا بالفرض اگر امام محمدؒ اور آپ کے استاذ مکرم جہمی مسلک پر تھے بھی تو اس سے ان کی عدالت اور روایت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

کیا امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ جہمی تھے؟

امام حنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے مسلک کی وضاحت سے پہلے مناسب ہے کہ "جہمیت" کی تعریف پیش کی جائے، چنانچہ خود معترض حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے امام عبدالرحمان بن ابی حاتمؒ (م: ۳۲۷ھ) کے حوالے سے امام ابوزرعہؒ اور ان کے خالہ زاد بھائی امام ابوحاتمؒ سے جہمی کی یہ تعریف نقل کی ہے کہ

ومن قال لفظی بالقرآن مخلوق، او القرآن بلفظی مخلوق فهو جهمی.

جو شخص لفظی بالقرآن (میرے الفاظ جن سے میں قرآن پڑھتا ہوں) یا القرآن بلفظی (قرآن میرے الفاظ کے ساتھ) مخلوق کہے وہ جہمی (گمراہ) ہے۔[۱]

اس تعریف کے بعد عرض ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے مشہور تلامذہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ باقرار غیر مقلدین نہ صرف یہ کہ قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے بلکہ خلقِ قرآن کے قائلین کو کافر تک قرار دیتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی غیر مقلد (جن کو علی زئی اپنے شیخ اور استاذ قرار دیتے ہیں[۲]) لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ امام (ابوحنیفہ) صاحبؒ صراحۃً قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے جیسا کہ "کتاب الاسماء" (بیہقی) اور "شرح فقہ اکبر" ص ۳۱ میں ہے۔[۳]

---

۱. الحدیث (ش ۲، ص ۴۴)

۲. نصر الباری (ص ۴۰)

۳. حاشیہ سیرت حضرت امام ابو حنیفۃ (ص ۳۲۷، ۳۲۸)

نیز لکھتے ہیں:

سارے ائمہ سلف عقیدہ خلق قرآن کو گمراہی سمجھتے تھے، خود حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں قابل شاگرد (امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) خلق قرآن کے عقیدہ کو کفر سمجھتے تھے۔ کتاب الاسماء والصفات (از امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ) میں امام ابو یوسفؒ سے بروایت ثقات مذکور ہے: کلمت اباحنیفة فی ان القرآن مخلوق ام لا فاتفق رائیه، برائیی علیٰ ان من قال القرآن مخلوق فهو کافر. رواة هذا کلهم ثقات (ص ۸۸ طبع هند)

(میں نے امام ابو حنیفہؒ سے قرآن کے مخلوق ہونے کے متعلق گفتگو کی تو آپ کی رائے اور میری رائے اس بارے میں یہ قرار پائی کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں۔)

اور امام محمدؒ سے منقول ہے: من قال القرآن مخلوق فلا تصل خلفه (ایضاً)

(جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ قرآن مخلوق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔)

اور یہی رائے سب ہی ائمہ سنت کی ہے۔[1]

بنابریں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ مسئلہ خلق قرآن میں اس قدر واضح مؤقف رکھنے کے باوجود اگر جہمی تھے تو پھر دنیا میں اہل سنت کون تھا؟

باقی جہاں تک تلفظِ قرآن کو مخلوق کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں مولانا عطاء اللہ حنیفؒ لکھتے ہیں:

امر محقق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا اور نہ ہی ان کے زمانے میں اس مسئلے نے ایسی شہرت پائی تھی۔[2]

غیر مقلدین کے مُسَلَّمَہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سمیت تمام ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ سلف سے یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ وہ قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے۔[3]

۱۔ ایضاً

۲۔ حاشیہ حیات امام احمد بن حنبلؒ (ص ۲۴۱)

۳۔ مجموعۃ الرسائل والمسائل (۳۵۲/۱)، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام صاحبؒ یا امام محمدؒ تلفظ قرآن کو مخلوق کہتے تھے کہ جس کی وجہ سے امام ابوزرعہؒ نے ان دونوں پر جہمی ہونے کا فتویٰ لگایا ہے تو پھر بھی یہ غلط ہے کیونکہ اگر تلفظ قرآن کو مخلوق کہنے کی وجہ سے کسی کو جہمی قرار دیا جائے گا تو پھر ایسے ظالمانہ فتویٰ کی زد میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ وغیرہ جیسے ائمہ حدیث بھی آئیں گے کیونکہ امام بخاریؒ کا یہ مؤقف تھا کہ قرآن کے جو الفاظ ہماری زبان سے نکلتے ہیں وہ مخلوق ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے امام ابوزرعہؒ اور امام ابوحاتمؒ نے اپنے استاذ امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ (جو امام بخاریؒ کے بھی استاذ ہیں) کے کہنے پر امام بخاری سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔

امام ابن ابی حاتمؒ امام بخاریؒ کے تذکرے میں ارقام فرماتے ہیں:

سمع منه ابی وابوزرعة ثم تركا حديثه عند ما كتب اليهما محمد بن يحيى النيسابوری انه اظهر عندهم ان لفظه بالقرآن مخلوق.[1]

امام بخاریؒ سے میرے والد (امام ابوحاتمؒ) اور امام ابوزرعہؒ نے حدیث سنی تھی لیکن پھر ان کی حدیث کو انہوں نے ترک کر دیا تھا جب ان کی طرف امام محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپوریؒ نے یہ خط لکھا کہ امام بخاریؒ نے ان کے ہاں اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ جو الفاظ ان کے منہ سے نکلتے ہیں وہ مخلوق ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے بھی امام بخاریؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

فما سلم من الكلام لاجل مسألة اللفظ، تركه لاجلها ابوزرعة وابوحاتم، وهجره الذهلی.[2]

امام بخاریؒ مسئلہ لفظ (تلفظ قرآن کو مخلوق کہنے) کی وجہ سے تنقید سے محفوظ نہ رہ سکے، چنانچہ اسی وجہ سے امام ابوزرعہؒ، اور امام ابوحاتمؒ نے ان کو ترک کر دیا، اور امام ذہلیؒ نے ان کو (اپنی مجلس درس سے) نکال دیا۔

مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ غیر مقلد اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اتفاقات سے امام (بخاری) صاحب بھی اس فتنہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور امتحان میں مبتلا

---

۱. الجرح والتعدیل (۱۹۱/۷)

۲. دیوان الضعفاء والمتروکین (۲۸۳/۲)

ہو گئے (اگرچہ سلطنت کی طرف سے نہ سہی)۔[1]

امام بخاریؒ کی طرح امام مسلمؒ بھی اس مسئلہ لفظ قرآن (جو ابوزرعہؒ وغیرہ کے نزدیک جہمیت کی دلیل ہے) کی طرف منسوب ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے امام ابوالولید حسان بن محمد نیساپوریؒ کے ترجمہ میں امام حاکمؒ سے نقل کیا ہے کہ

سمعت ابا الولید یقول قال ابی: ای کتاب تجمع؟ قلت: اخرج علیٰ کتاب البخاری، قال: علیک بکتاب مسلم فانہ اکثر برکۃ فان البخاری کان ینسب الی اللفظ. قال ابن الذھبی: و مسلم ایضا منسوب الیٰ للفظ والمسئلۃ مشکلۃ.[2]

میں نے امام ابوالولیدؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے والد نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون سی کتاب لکھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ میں امام بخاریؒ کی کتاب (صحیح) پر تخریج لکھ رہا ہوں، اس پر میرے والد نے مجھ سے کہا: تمہیں امام مسلمؒ کی کتاب (صحیح) پر تخریج لکھنی چاہیے کہ یہ زیادہ بابرکت ہے کیونکہ امام بخاریؒ مسئلہ لفظ کی طرف منسوب ہیں۔ ابن الذہبیؒ (یعنی امام ذہبیؒ) کہتا ہے کہ امام مسلمؒ بھی مسئلہ لفظ کی طرف منسوب ہیں اور یہ مسئلہ مشکل ہے۔

لہٰذا اگر امام ابوزرعہؒ وغیرہ محدثین کے اقوال سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کو جہمی قرار دیا جائے گا تو پھر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ جیسے ائمہ حدیث کو بھی جہمی ماننا پڑے گا۔ دیدہ باید:

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

علاوہ ازیں امام ابوزرعہؒ سے منقول اس قول کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کو اس لیے بھی جہمی نہیں قرار دیا جا سکتا، کیونکہ یہ قول خود زبیر علی زئی کے اپنے اصول کی روشنی میں منقطع ہے۔ چنانچہ علی زئی نے اپنے ایک پسندیدہ راوی عبداللہ بن سالم اشعری پر امام ابوداؤدؒ سے منقول جرح

1. سیرۃ البخاری (ص ۲۴۹)
2. تذکرۃ الحفاظ (۲/۷۵)

کہ وہ ناصبی تھا، اور وہ کہتا تھا کہ علیؓ نے ابوبکرؓ وعمرؓ کے قتل پر اعانت کی ہے، کا دِفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

بقول آجری ابوداؤد ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے (تہذیب: ۱۵۱/۴) اور بقول آجری عن ابی داؤد: عبداللہ بن سالم: ۱۷۹ھ کو فوت ہوا (تہذیب: ۲۰۰/۵) یعنی اس کی وفات کے تیئس سال بعد ابوداؤد پیدا ہوئے۔ لہٰذا انہیں یہ قول کس طرح معلوم ہوا؟ سند کے انقطاع کی وجہ سے اس قول کی نقل مردود ہے۔[1]

بنابریں امام ابوزرعہؒ سے منقول یہ قول بھی منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے، کیونکہ امام موصوف، امام ابوحنیفہؒ کی وفات (۱۵۰ھ) کے پچاس سال بعد، اور امام محمدؒ کی وفات (۱۸۹ھ) کے گیارہ سال بعد، ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ (تہذیب التہذیب: ۲۴/۴) لہٰذا ان دونوں حضرات کی وفات کے اتنے سالوں بعد امام ابوزرعہؒ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات جہمی تھے، اور وہ لفظِ قرآن کو مخلوق کہتے تھے۔

اور پھر امام ابوحنیفہؒ کے مخالفین کا آپ کو اور آپ کے اصحاب کو جہمی قرار دینا بھی ان کی ایک عجیب وغریب منطق ہے۔ اس لیے کہ امام صاحبؒ تو اس فرقہ (جہمیہ) اور اس کے بانی جہم بن صفوان کے سخت مخالف تھے، اور آپ سے اس کی مذمت میں کئی اقوال منقول ہیں۔ مثلاً حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) جہم کے ایک نظریہ کا رَدّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وثبت عن ابی حنیفة انه قال بالغ جهم فی نفی التشبیه حتی قال ان اللّٰه لیس بشئی.[2]

امام ابوحنیفہؒ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہم بن صفوان نے (اللہ کی صفات کو بندوں کی صفات کے ساتھ) تشبیہ دینے والوں کے نظریہ کے رَدّ میں مبالغہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اب جب کہ امام ابوحنیفہؒ کی نظر میں جہم کا یہ مقام ہے تو پھر آپ کو اس کا پیروکار قرار دینا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟

۱۔ القول المبین (ص ۲۰)

۲۔ فتح الباری (۴۲۷/۱۳)

اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ خود علی زئی، حضرت امام ابوحنیفہؒ کو صحیح العقیدہ امام برحق تسلیم کر چکے ہیں۔[1] لیکن اس کے باوجود ان کا آپ کے خلاف امام ابوزرعہؒ سے منسوب یہ باطل قول پیش کرنا علی زئی کے لیے انتہائی باعثِ شرم ہے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

امام عمرو بن علی الفلاسؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں: عمرو بن علی (الفلاس) نے کہا: ضعیف ہے۔
تاریخ بغداد (۲/۱۸۱) یہ سند صحیح ہے۔[2]

جواب: اس قول کی سند میں ایک راوی عثمان بن احمد بن السماک الدقاق متکلم فیہ ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اس نے بڑی جھوٹی حدیثیں روایت کی ہیں، اور حافظ ذہبیؒ نے اس کی روایت کردہ ایک موضوع حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

وینبغی ان یغمز ابن السماک بروایۃ لھذہ الفضائح.[3]

یہ مناسب ہے کہ ابن السماک کو مذکورہ عیوب روایت کرنے کی وجہ سے کمزور قرار دیا جائے۔

نیز حافظ موصوف اس کو ''ضعفاء'' (ضعیف راویوں) میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

موثق، لکنہ راویۃ للموضوعات عن طیور.[4]

اس کی اگرچہ توثیق کی گئی ہے لیکن اس نے طیور (نامعلوم لوگوں) سے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے یہاں اس پر موضوع احادیث روایت کرنے کا الزام لگانے کے ساتھ اس کے بارے میں ''موثق'' (اس کی توثیق کی گئی ہے) کہہ کر صیغہ تمریض استعمال کیا ہے۔ اور خود علی زئی ایک راوی کے متعلق امام ہیثمیؒ کے اسی طرح کے قول: وقد وُثِّقَ'' (اور اس کی توثیق کی گئی

1. الحدیث (۱۵/۶۴)
2. الحدیث (۷:۱۶ مع الحاشیہ نمبر ۴)
3. میزان الاعتدال (۳/۳۱)
4. المغنی فی الضعفاء (۲/۴۱)

ہے) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی یہ توثیق مردود ہے۔ اس لیے حافظ ہیثمی نے اس کے لیے صیغہ تمریض (کمزور) استعمال کیا ہے۔[1]

بنابریں عثمان الدقاق کے متعلق بھی امام ہیثمیؒ کے استاذ امام ذہبیؒ نے صیغہ تمریض لاکر اس بات کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ اس کی توثیق بھی مردود ہے۔

نیز اس کے استاذ سہل بن احمد الوسطیؒ کا ترجمہ ہمیں اسماء الرجال کی متداول کتابوں میں نہیں ملا۔

لہٰذا اس قول کی سند کو صحیح قرار دینا غلط ہے۔

علاوہ ازیں خود امام فلاسؒ کہ جن کی طرف یہ جرح منسوب ہے، وہ جرح میں نہایت متشدد ہیں یہاں تک کہ ''صحیح بخاری'' کے کئی راوی بھی ان کے ہاتھوں مجروح ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانیؒ ''صحیح بخاری'' کے ایک راوی ''محمد بن بشار بندار'' پر ان کی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تکلم فیه الفلاس فلم یلتفت الیه.[2]

اس میں امام فلاس کا کلام کرنا ناقابل التفات ہے۔

لہٰذا امام محمدؒ جو محمد بن بشار بندارؒ سے بدرجہا افضل ہیں، ان کے بارے میں بھی امام فلاسؒ کی جرح (بشرط ثبوت) بھی ناقابلِ التفات ہے۔

ثانیاً: امام فلاسؒ نے اگر بالفرض امام محمدؒ کو ضعیف کہا بھی ہے، تو بھی اس کا اعتبار نہیں کیونکہ امام نسائیؒ کی جرح کے جواب میں خود علی زئی کا بیان گزرا ہے کہ کسی کو ضعیف وغیرہ کہنا غیر مفسر جرح ہے۔ اور وہاں بحوالہ علمائے غیر مقلدین یہ بھی گزرا ہے کہ جرح غیر مفسر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

امام ابن عدیؒ کے کلام کی وضاحت:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

---

۱. نور العینین (ص ۱۳۹)

۲. ھدی الساری مقدمة فتح الباری (ص ۶۴۶)

ابن عدی نے کہا: محمد (بن الحسن) کی توجہ حدیث پر نہیں تھی (یعنی اسے صرف رائے وقیاس کا دفاع ہی محبوب تھا)[1] اہل حدیث اس کی بیان کردہ حدیثوں سے بے نیاز ہیں۔

الکامل لابن عدی (ج ۶ ص ۲۱۸۴) وابن عدی امام "معتدل" کما قال الذهبی فی "ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل" (ص ۱۵۹).[2]

جواب: امام ابن عدیؒ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی جرح میں متعنت اور متشدد ہیں، چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانیؒ غیر مقلد (جن کو علی زئی اپنا "امام" قرار دیتے ہیں،[3] اور ان کے بارے میں: "مولانا المحقق الفقیہ" کے القاب استعمال کرتے ہیں)[4] رقام فرماتے ہیں:

چار حضرات (ابن معینؒ، نسائیؒ، عقیلیؒ، ابن عدیؒ) کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے۔[5]

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد (جن کو علی زئی محقق جلیل القدر قرار دے چکے ہیں) لکھتے ہیں:

امام ابن عدیؒ نے "الکامل" میں ایسے ثقات کو بھی ذکر کیا ہے جن پر مطلقاً کلام نہیں۔ اور علامہ ذہبیؒ نے جابجا ان پر تعاقب کیا ہے۔[6]

لہٰذا علی زئی کا حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے امام ابن عدیؒ کو "معتدل" ثابت کرنا باطل ہو گیا۔

اور پھر امام ابن عدیؒ کی ذکر کردہ دونوں باتیں: "(۱) امام محمدؒ کی حدیث پر عدم توجہ، اور

۱۔ یہ بریکٹ کے درمیان الفاظ علی زئی نے اپنی طرف سے بڑھا کر امام محمدؒ کے خلاف اپنی عصبیت اور دشمنی کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے دشمنانِ اولیاء اللہ سے ضرور انتقام لے گا۔ انشاء اللہ

۲۔ الحدیث (ش ۷، ص ۱۴ مع الحاشیہ نمبر ۵)

۳۔ الحدیث (۶/۱۸)

۴۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۷)

۵۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۲)

۶۔ توضیح الکلام (۱/۳۷۱)

(۲) اہل حدیث کی آپ کی احادیث سے بے پروائی'' غلط ہیں۔
اول اس لیے کہ ماقبل تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امام محمدؒ نے باقاعدہ تحصیل حدیث کی تھی، اور آپ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے علاوہ امام سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام ابن جریج مکیؒ، اور امام اوزاعی شامیؒ وغیرہ جیسے کثیر الحدیث محدثین سے بکثرت احادیث کا سماع کیا تھا، اور اسی وجہ سے امام ابن سعدؒ، امام ابن عبدالبرؒ، امام ذہبیؒ اور امام ابن الفراتؒ وغیرہ محدثین نے آپ کو کثیر السماع محدث قرار دیا ہے جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔

نیز آپ کی کتب احادیث سے مالا مال ہیں خصوصاً ''کتاب الآثار'' (جس کو آپ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے) اور ''موطا'' (جس کو آپ نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے) ہی امام ابن عدی کے اس قول کے باطل ہونے کے لیے کافی ہیں۔ جیسا کہ غیر مقلد عالم علامہ جمال الدین قاسمیؒ (م ۱۳۳۲ھ) کا بیان امام محمدؒ کی توثیق میں گزر چکا ہے، جس میں انہوں نے قسم اٹھا کر کہا ہے کہ (ابن عدی وغیرہ جیسے) محدثین نے امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے ساتھ انصاف نہیں کیا، حالانکہ یہ دونوں علم کے موجزن سمندر تھے، اور اکثر حفاظِ حدیث پر فوقیت رکھتے تھے، ان دونوں کے علمی مرتبے کو جاننے کے لیے امام ابویوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' اور امام محمدؒ کی ''موطا'' ہی کافی ہیں۔

اسی طرح امام ابن عدیؒ کی دوسری بات کہ اہل حدیث نے امام محمدؒ کی احادیث سے بے پروائی برتی ہے، بھی غلط ہے کیونکہ آپ سے متعدد بلند پایہ محدثین نے روایت حدیث کی ہے خصوصاً امام شافعیؒ نے، جنہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ سے روایت حدیث کی ہے بلکہ آپ کی احادیث سے احتجاج بھی کیا ہے، اور آپ سے اپنی کتب خصوصاً اپنی ''مسند'' میں متعدد احادیث بھی روایت کی ہیں۔

امام ابن عدیؒ جو شافعی المسلک ہیں، اگر صرف اپنے امام کی کتابیں بھی پڑھ لیتے تو یہ بات ہرگز زبان پر نہ لاتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ان کی اس لغزش کو معاف فرمائے اور ان کی خدمات حدیث کو قبول فرمائے، اور جو لوگ (علی زئی وغیرہ غیر مقلدین) ایسے غلط حوالوں سے ائمہ مسلمین کو بدنام کرتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

امام عقیلیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں:

امام عقیلیؒ نے محمد الحسن کو اپنی ''کتاب الضعفاء الکبیر'' میں ذکر کیا ہے (۵۲/۴۔۵۵) اور کسی قسم کی توثیق نہیں کی۔[۱]

جواب: اگر امام عقیلیؒ نے امام محمدؒ کی توثیق نہیں کی تو انہوں نے (احناف کے خلاف تعصب وعناد رکھنے کے باوجود) آپ پر اپنی طرف سے کوئی جرح بھی تو نہیں کی، پھر علی زئی ان کے حوالے کو یہ اتنی وقعت کیوں دے رہے ہیں؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

نیز باقرار غیر مقلدین امام عقیلیؒ کا متعنتین میں سے ہونا بالکل واضح ہے جیسا کہ مولانا نذیر احمد رحمانیؒ غیر مقلد کے حوالے سے گزرا ہے۔

مولانا رحمانیؒ نے حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام عقیلیؒ نے تو امام بخاریؒ کے استاذ اور حدیث واسماء الرجال کے عظیم سپوت امام علی بن المدینیؒ تک کو اپنی ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کر دیا ہے۔[۲]

اب جیسے امام عقیلیؒ کا امام ابن المدینیؒ کو ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کرنا غیر معتبر ہے، ایسی ہی ان کا امام محمدؒ (جن کا علمی مقام امام ابن المدینیؒ سے بھی بڑھ کر ہے) کو بھی اس کتاب میں ذکر کرنا ناقابلِ اعتبار ہے۔

زبیر علی زئی کے ''ذہبی عصر'' شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ نے بھی امام عقیلیؒ کو متشدد قرار دیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

فقد كان في العقيلي تشدد ما فينبغي التثبت فيما يقول من عند نفسه في مظان تشدده.[۳]

بلاشبہ امام عقیلیؒ میں قدرے تشدد تھا لہٰذا جب وہ تشدد میں آ کر اپنی طرف سے کوئی

---

۱ الحدیث (ش ۷، ص ۱۸)

۲ انوار المصابیح (ص ۱۱۱)

۳ التنکیل (۴۶۵/۱)

جرح کریں تو اس کو (قبول کرنے میں) احتیاط برتی جائے۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے امام عقیلیؒ کا امام محمدؒ کو ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

امام ابن حبانؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حبان نے کہا: محمد بن الحسن صاحب الرائی اور مرجئی تھا اور اس کی طرف دعوت دیتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اہل مدینہ پر رد کیا اور اپنے ساتھی یعنی نعمان (امام ابوحنیفہؒ۔ ناقل) کی حمایت کی، وہ عقل مند تھا (لیکن) حدیث میں کچھ چیز نہیں جانتا تھا، وہ ثقہ راویوں سے روایتیں بیان کرتا تھا اور ان میں اسے وہم ہوتا تھا۔ جب یہ اوہام زیادہ ہو گئے تو کثرت خطا کی وجہ سے وہ متروک قرار دیئے جانے کا مستحق ہو گیا کیونکہ وہ اپنے مذہب کا داعی تھا۔[1]

جواب: امام ابن حبان کی اس جرح کا جائزہ لینے سے پہلے ہم امام موصوف کی جرح میں جو حیثیت ہے وہ بحوالہ غیر مقلدین پیش کرتے ہیں۔

امام ابن حبان کی جرح غیر مقلدین کی نظر میں:

غیر مقلدین کے محققِ اعظم مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب ایک راوی پر امام موصوف کی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما قول ابن حبان المذکور فغیر قادح فانہ متعنت ومسرف بالجرح.[2]

امام ابن حبان کا مذکورہ قول قابل قدح (مُضِر) نہیں ہے کیونکہ وہ متعنت (متشدد) ہیں، اور جرح میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

وہ متشدد ہیں۔[3]

---

۱. الحدیث (ش ۷، ص ۱۸) بحوالہ کتاب المجروحین (۲۷۶/۳)

۲. ابکار المنن (ص ۲۳۶)   ۳. خیر الکلام (ص ۱۷۳)

نیز مولانا گوندلویؒ بحوالہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

ابن حبان ربما جرح الثقة حتی کان لایدری مایخرج من راسه.[۱]

امام ابن حبان بسا اوقات ثقہ راوی پر جرح کر جاتے ہیں یہاں تک کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں کہ اس (ثقہ راوی) کے سر سے کیا نکالنا چاہتے ہیں؟

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد رقمطراز ہیں:

امام ابن حبان جرح میں متشدد ہیں۔[۲]

نیز لکھتے ہیں:

امام ابن حبان کا تشدد معروف ہے۔[۳]

مولانا نذیر رحمانیؒ نے بھی امام موصوف کو متشدد قرار دیا ہے۔[۴]

خود زبیر علی زئی نے بھی تصریح کی ہے کہ علماء نے ابن حبان کو متشدد قرار دیا ہے۔[۵]

بلکہ علی زئی نے تو ان کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

حافظ محمد بن حبان ابو حاتم البستی رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۴ھ) کے بارے میں محدثین کرام کے درمیان اختلاف تھا۔ ابو الفضل احمد بن علی بن عمرو السلیمانی، یحییٰ بن عمار، ابو اسماعیل الہروی، ابو علی النیسابوری، محمد بن طاہر المقدسی اور عبدالصمد بن محمد بن صالح نے ان پر جرح کی، بلکہ سلیمانی نے انہیں کذابین میں شمار کر کے ابو حاتم سہل بن السری الحافظ سے نقل کیا:

لا تکتب عنه فانه کذاب. اس سے حدیث نہ لکھو کہ وہ کذاب ہے۔ (معجم البلدان: ۱/۴۱۹)[۶]

---

۱. التحقیق الراسخ (ص ۷۹)
۲. توضیح الکلام (۱/۴۷۴)
۳. ایضاً (۱/۴۸۰)
۴. انوار المصابیح (ص ۱۱۴)
۵. ماہنامہ الحدیث (ش ۵۹/ص ۲۰)
۶. ماھنامہ الحدیث (ش ۵۹/ ص ۱۷)

علمائے غیر مقلدین اور خود زبیر علی زئی کے ان اقتباسات کے بعد امام ابن حبانؒ کی مذکورہ جرح خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابن حبانؒ کی جرح کا جائزہ:

امام موصوف کا جرح میں جو مقام ہے وہ آپ نے بحوالہ علمائے غیر مقلدین ملاحظہ کر لیا ہے، اب انہوں نے امام محمدؒ پر جن الفاظ سے جرح کی ہے ان کی حقیقت ملاحظہ کریں:

موصوف کی امام محمدؒ پر یہ جرح چار شقوں پر مشتمل ہے:

(۱) آپ صاحب الرائے اور مرجیٔ تھے، اور اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے والے تھے۔

(۲) آپ نے سب سے پہلے اہل مدینہ (یعنی امام مالکؒ اور ان کے ہم فکر اہل علم) پر رد کیا، اور اپنے استاذ مکرم امام ابوحنیفہؒ کی حمایت کی۔

(۳) آپ عقل مند تھے لیکن حدیث میں کچھ بھی نہیں تھے۔

(۴) آپ ثقہ راویوں سے احادیث بیان کرتے تھے، اور ان کو بیان کرتے وقت بکثرت وہم کا شکار ہو جاتے تھے لہٰذا آپ کثیر الخطاء ہونے کی وجہ سے متروک قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

ذیل میں ان میں سے ہر ایک شق کی حقیقت ترتیب وار پیش خدمت ہے۔

۱۔ صاحب الرائے ہونا کوئی عیب نہیں بلکہ یہ ایک خوبی و کمال ہے کیونکہ جو لوگ فقہ (قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کرنے) میں مہارت رکھتے ہیں ان کو ''اہل الرائے'' یا ''اصحاب الرائے'' کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام ربیعۃ بن عبدالرحمانؒ م:۱۳۶ھ (جو کہ امام مالکؒ کے استاذ کبیر ہیں، حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) نے تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ نے ''موطا'' کا ایک بڑا حصہ ان ہی سے حاصل کیا ہے)[۱] کو بھی فقہ میں مہارت رکھنے کی وجہ سے ہی ''ربیعۃ الرائی'' کہا جاتا ہے۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

فقہ میں مہارت رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کو ربیعۃ الرائی کہتے تھے۔[۲]

---

۱. مجموع الفتاوی (۱۴۲/۲۰)

۲. تاریخ اہل حدیث (ص ۱۲۶)

لہٰذا امام محمدؒ کا صاحب الرائے ہونا بھی آپ کے لیے ایک بہت بڑا کمال ہے۔

رہا آپ پر عقیدہ ارجاء رکھنے کا الزام تو وہ قطعاً بے بنیاد ہے۔ چنانچہ مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

بے شک بعض مصنفین (ابن حبانؒ وغیرہ۔ ناقل) نے (خدا ان پر رحم کرے) امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفر اور امام حسن بن زیاد (رحمہم اللہ) کو رجال مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب ممدوح کی طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں (علی زئی وغیرہ جیسے غیر مقلدین) نے اسے خوب اچھالا ہے۔ لیکن حقیقت رَس علماء نے اس کا جواب کئی طریق سے دیا ہے۔

اس کے بعد مولانا سیالکوٹیؒ نے تفصیل اور بڑے عمدہ دلائل کے ساتھ ان حضرات پر ارجاء کے الزام کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔[1]

یہ بحث انتہائی دل نشین اور قابل دید ہے (جزاء اللہ احسن الجزا) اور علی زئی جیسے لوگوں کے لیے قابل عبرت ہے۔

اور بالفرض اگر امام محمدؒ پر ارجاء کا الزام درست بھی ہو تو پھر بھی اس کا تعلق روایت حدیث سے نہیں ہے کیونکہ خود علی زئی ایک راوی پر ''ارجاء'' کے الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس پر ارجاء کے الزام کا روایت حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[2]

لہٰذا امام ابن حبانؒ کی جرح کی شق اول کا باطل ہونا غیر مقلدین اور خود علی زئی سے بھی ثابت ہو گیا۔ والحمدللہ علی ذلك۔

۲۔ امام ابن حبانؒ کی جرح کا دوسرا حصہ کہ امام محمدؒ نے سب سے پہلے اہل مدینہ پر رد لکھا ہے، یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ امام محمدؒ سے پہلے امام لیث بن سعدؒ (م: ۱۷۵ھ) وغیرہ بھی امام اہل مدینہ امام مالکؒ پر ردّ لکھتے رہے ہیں جیسا کہ امام احمدؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزرا ہے۔

اور یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اہلِ مدینہ پر ردّ لکھنے کا مطلب نَعُوْذُ بِاللّٰہ! رسول اللہ

---

[1] ایضاً (ص ۷۷ تا ۹۶)

[2] نصر الباری (ص ۱۰۱)

صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا رڈ لکھنا نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین باور کراتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد مدینہ کے بعض اہلِ علم (امام مالک اور ان کے ہمنوا) کی بعض آراء کا علمی رڈ ہے جو کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ خود مدینہ منورہ کے اہل علم جو امام مالکؒ کے معاصرین تھے جیسے امام محمد بن عبدالرحمان بن ابی ذئبؒ (م:۱۵۹ھ) وغیرہ، انہوں نے بھی امام مالکؒ پر رد کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) نے امام ابن ابی ذئبؒ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ

نظیر مالک بن انس فی الفقه، وربما انکر علیٰ مالک اشیاء ترک الاخذ فیها ببعض الاحادیث، کما یراها مالک من اجماع اهل المدینة وغیر ذلک من المسائل۔[1]

یہ فقہ میں امام مالکؒ کے ہم مثل تھے، اور یہ بسا اوقات امام مالکؒ پر ان مسائل میں انکار (رد) بھی کرتے تھے کہ جن مسائل میں امام مالکؒ نے بعض احادیث کو ترک کر دیا تھا، جیسا کہ اہل مدینہ کے اجماع اور دیگر بعض مسائل میں امام مالکؒ کی رائے تھی۔

اسی طرح مشہور مالکی فقیہ و محدث امام ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

وقد کان ابن ابی ذئب وهو من فقهاء اهل المدینة فی عصر مالک ینکر علیٰ مالک اختیاره ترک العمل به۔[2]

امام ابن ابی ذئبؒ جو کہ امام مالکؒ کے زمانے میں فقہائے اہل مدینہ میں سے ہیں، وہ امام مالکؒ پر ان کے اس حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ تنقید کرتے تھے۔

امام محمدؒ کے بعد بھی اہل علم جیسے امام شافعیؒ (جو امام مالکؒ کے مشہور شاگرد ہیں)، اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ، امام مالکؒ اور اہل مدینہ پر علمی انداز میں رد لکھتے رہے ہیں جیسا کہ ان کے حوالے امام احمدؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزر چکے ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) جن کو غیر مقلدین اپنا مقتدا قرار دیتے ہیں،

۱۔ البدایة والنهایة (۱۱۳/۷)

۲۔ التمهید (۲۳۱/۵)

نے بھی امام مالکؒ کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام مالکؒ نے کئی ایسی احادیث پر بھی عمل نہیں کیا جو خود انہوں نے "موطا" میں روایت کی ہیں۔ علامہ ابراہیم بن حسن توشی مالکیؒ (م ۳۴۷ھ) نے اس کے جواب میں "الرد علی ابن حزم" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔[1]

لہٰذا دلائل و براہین کے ساتھ کسی سے اختلاف کرنا اور اس کا رد کرنا خواہ وہ اہل مدینہ میں سے ہو یا کسی اور مقام سے تعلق رکھتا ہو، اگر یہ عیب ہے تو پھر اس عیب میں امام محمدؒ کے ساتھ امام ابن ابی ذئبؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ وغیرہ بھی برابر کے شریک ہیں:

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

جنید و شبلی و عطار شدمست

اور یہاں تک امام محمدؒ کا امام ابوحنیفہؒ کی حمایت کرنے کا تعلق ہے تو یہ بھی کوئی قابل جرح چیز نہیں ہے کیونکہ امام صاحبؒ بقول مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد: دیانت و ادب ہر دو لحاظ سے اہل سنت اور اہل حدیث (محدثین) دونوں کے پیشوا تھے۔[2]

اور ہر دور میں امت مسلمہ کی اکثریت اس جلیل القدر امام کی پیروی میں اپنی عبادات بجا لاتی رہی ہے اور لا رہی ہے۔

اور پھر کئی بلند مرتبت محدثین کہ جن پر پورے ذخیرہ حدیث کی منزل کھڑی ہے مثلاً امام وکیع بن جراحؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام محمد بن نصر الجارودیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام ابوجعفر طحاویؒ، امام ابویعلی الموصلیؒ صاحب المسند الکبیر، امام ابوبشر الدولابیؒ صاحب الکنی والاسماء، اور ان جیسے دیگر بے شمار ائمہ حدیث جو امام ابن حبانؒ سے بدرجہا زیادہ بڑے محدث تھے، یہ سب امام اعظمؒ کی فقہ کے خوشہ چین، آپ کی فقہ کے حمایتی اور اس پر کاربند رہے ہیں۔[3]

امام محمد بن طاہر مقدسیؒ المعروف بہ "ابن القیسرانیؒ" (م ۵۰۷ھ) نے حنفیوں کے بارے

---

[1] الدیباج المذہب (ص ۱۴۵)

[2] تاریخ اہل حدیث (ص ۳۱۰)

[3] دیکھئے بالترتیب سیر اعلام النبلاء (رقم الترجمۃ ۱۳۶۲، ۱۳۶۷، ۲۴۹۱، ۱۲۳۵، ۲۸۶۲، ۲۶۲۱، ۲۷۲۲) اور دیگر کتب اسماء الرجال

میں لکھا ہے کہ:

و فیھم کثرة من الفقھاء والمحدثین وائمة الدین۔[1]

حنفیوں میں فقہاء، محدثین اور ائمہ دین بکثرت ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م: ۷۲۸ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وھؤلاء کلھم یعظمون السنة والحدیث ومنھم من یمیل الیٰ مذھب العراقین کابی حنیفة والثوری ونحوھما کوکیع ویحییٰ بن سعید ومنھم من یمیل الیٰ مذھب المدنیین مالک و نحوه کعبدالرحمن بن مھدی۔[2]

یہ ائمہ سب کے سب سنت اور حدیث کی عظمت کرتے تھے، پھر ان میں سے بعض اہل عراق جیسے امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ ہیں، کے مذہب کی طرف رجحان رکھتے تھے جیسا کہ امام وکیعؒ اور امام یحییٰ بن سعید قطانؒ ہیں، اور ان میں سے بعض کا رجحان اہل مدینہ جیسے امام مالکؒ وغیرہ ہیں، کے مذہب کی طرف تھا جیسا کہ امام عبدالرحمان بن مہدی ہیں۔

لہٰذا اگر امام محمدؒ کا رجحان امام مالکؒ کی بجائے امام ابوحنیفہؒ کی طرف تھا تو اس میں کون سی بات موجب جرح ہے؟

ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

۳۔ امام ابن حبانؒ نے اپنی جرح کی شق ثالث میں باوجود مخالفت کے یہ تسلیم کیا ہے کہ امام محمدؒ عقل مند تھے۔

ع

وَالْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاء

رہا ان کا یہ کہنا کہ آپ عقل مند ہونے کے باوجود علم حدیث میں کچھ بھی نہیں تھے تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ ماقبل تفصیل سے قارئین امام محمدؒ کا محدثانہ مقام ملاحظہ کر چکے ہیں لہٰذا ان حقائق کی موجودگی میں امام ابن حبانؒ جیسے متعصب کا دعویٰ بلا دلیل کو کون سنتا ہے؟

۱۔ المؤتلف والمختلف (ص ۵۷) لابن القیسرانی

۲ مجموع الفتاویٰ (۲۰/۴۱)

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ صاحب لکھتے ہیں:

باقی رہی یہ بات کہ ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث معلول ہے۔ سو یہ دوسرے علماء صحیح اور حسن کہنے والوں کے مقابلہ میں معتبر نہیں کیونکہ ابن حبان نے حدیث کے معلل ہونے کی وجہ بیان نہیں کی، اور وہ متشدد ہے۔[1]

بنا بریں جن ائمہ نے امام محمدؒ کے محدثانہ مقام کی تعریف و توثیق کی ہے، ان کے مقابلے میں امام ابن حبانؒ جیسے متعصب اور متشدد کے دعویٰ بلا دلیل کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۴۔ امام موصوف نے اپنے اعتراض کی چوتھی شق میں یہ تسلیم کیا ہے کہ امام محمدؒ ثقہ راویوں سے روایت بیان کرتے تھے۔

اب آپ امام محمدؒ کے اساتذہ حدیث کی فہرست ملاحظہ کریں تو آپ کو اس میں سر فہرست امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اسمائے گرامیہ نظر آئیں گے۔

لہٰذا علی زئی وغیرہ غیر مقلدین جو امام ابن حبانؒ کی جرح کو امام محمدؒ کے خلاف بڑے شدومد سے پیش کرتے ہیں ان کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ ثقہ تھے۔

دیدہ باید۔

باقی ابن حبانؒ نے تشدد میں آکر یہ تو کہہ دیا کہ امام محمدؒ روایت حدیث میں کثیر الاوہام و کثیر الخطاء تھے لیکن وہ آپ کی روایات میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں پیش کر سکے کہ جس کو روایت کرنے میں امام محمدؒ وہم یا خطاء کا شکار ہوئے ہوں۔ امام ابن حبانؒ تو اللہ کے پاس جا چکے ہیں، لیکن کیا موجودہ غیر مقلدین میں اتنی ہمت ہے کہ وہ امام محمدؒ کے کل ذخیرہ حدیث میں سے ایک ایسی روایت ثابت کر دیں جس میں آپ کو وہم لگا ہو؟ دیدہ باید۔

ثانیاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام محمدؒ امام ابن حبانؒ کے نزدیک روایت حدیث میں کثیر الخطاء تھے تو پھر بھی امام ابن حبانؒ کے نزدیک آپ کا متروک ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ باقرار علی زئی، امام ابن حبانؒ بعض راویوں کو کثیر الخطاء کہنے کے باوجود ثقہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ ایک راوی سماک بن حرب کو امام ابن حبانؒ نے کثیر الخطاء قرار دینے کے باوجود اس کو "الثقات" (ثقہ راویوں) میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] خیر الکلام (ص ۱۷۳)

اس پر علی زئی ان سے احتجاج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر "یُخطئی کثیراً" ہے۔ تو ثقہ نہیں ہے، لہٰذا اسے کتاب الثقات میں ذکر کیوں کیا؟ اور اگر ثقہ ہے تو "یُخطئی کثیراً" نہیں ہے۔[1]

جب خود علی زئی کو یہ تسلیم ہے کہ ابن حبانؒ جرح وتعدیل میں دوغلی پالیسی رکھتے ہیں تو پھر علی زئی نے ان کی جرح کو امام محمدؒ کے خلاف پیش کیوں کیا؟

ع   آپ اپنے جور و جفا پہ خود ذرا غور کریں

الحاصل امام ابن حبانؒ کی مذکورہ جرح بھی محض ان کے تشدد و تعنت کی آئینہ دار اور بلا دلیل دعوؤں پر مشتمل ہے۔

حافظ ابراہیم الجوزجانیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

جوزجانی (ناصبی صدوق) نے کہا:

اسد بن عمرو و ابو یوسف و محمد بن الحسن واللؤلؤی قد فرغ الله منهم.[2]

جواب: جوزجانی موصوف خود علی زئی کے نزدیک ناصبی (دشمن اہل بیت رسول اللہ ﷺ)، بدعتی، اور جرح میں متعنت و متشدد ہے، اور اس کی جرح غیر معتبر ہے۔

چنانچہ علی زئی نے مذکورہ بالا بیان میں قوسین (بریکٹ) میں ان کے ناصبی ہونے کا اقرار کیا ہے۔

نیز دوسری جگہ علی زئی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

ابراهيم بن يعقوب الجوزجانی المبتدع (بدعتی)......[3]

نیز ایک راوی پر اس کی جرح کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابراهيم بن يعقوب الجوزجانی السعدی "فی نفسه" ثقہ وصدوق امام ہونے

---

1. الحدیث (ش ۲۲، ص ۱۸)
2. الحدیث (ش ۷، ص ۱۸) بحوالہ احوال الرجال: ص ۷۶، ۷۷)
3. ایضاً (ش ۲، ص ۹)

کے باوصف متعنت (متشدد) تھے، اوران پر ناصبی ہونے کا الزام تھا۔[1]

اب جب کہ خود علی زئی کے نزدیک جوز جانی ایک بدعتی، دشمن اہل بیت، اور جرح میں متشدد و متعنت تھے تو پھر ان کی جرح کو امام محمدؒ جیسے امام اہل سنت کے خلاف پیش کرنا علی زئی کی سوائے بددیانتی اور عصبیت کے اور کیا ہے؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

علاوہ ازیں جوز جانی کا یہ کلام روایت حدیث سے بھی متعلق نہیں بلکہ یہ ایک فضول کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ امام اسد بن عمروؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ سے فارغ ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے خود اس جوز جانی (جو بقول علی زئی) بدعتی، اور دشمن اہل بیت ہیں، کو موت دے کر فارغ نہیں ہو گئے؟ یا علی زئی پر موت نہیں آئے گی جو اس فضول حوالے کو ائمہ اہلِ سنت کے خلاف پیش کر رہے ہیں؟

امام ابن شاہینؒ سے منسوب جرح کا جواب:

علی زئی لکھتے ہیں:

ابن شاہین نے اسے (یعنی امام محمدؒ کو۔ ناقل) اپنی کتاب "تاریخ اسماء الضعفاء والمتروکین" میں ذکر کیا ہے۔ (ص:۱۶۳ ات ۵۳۶)۔[2]

جواب: امام ابن شاہینؒ نے اپنی اس کتاب میں امام محمدؒ کے متعلق صرف "لیس بشیء" کہا ہے، جو کہ باقرار غیر مقلدین جرح غیر مفسر ہونے کی وجہ سے مردود ہے، جیسا کہ امام یحییٰ بن معینؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزرا ہے۔

لہٰذا یہ جرح بھی کالعدم ہے۔

امام محمدؒ کے خلاف علی زئی کے ذکر کردہ تین اقوال کی حقیقت

زبیر علی زئی غیر مقلد نے اپنے ایک مضمون "تائید ربانی اور ابن فرقد شیبانی" میں امام محمدؒ کے خلاف تین مزید اقوال ذکر کیے ہیں۔ ذیل میں ان تین اقوال کی حقیقت بھی ملاحظہ کرتے

---

1. القول المتین (ص ۴۳)
2. الحدیث (ش ۷، ص ۱۸)

جائیں۔

(۱) نعیم بن حماد سے منسوب قول کی حقیقت

زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

امام نعیم بن حماد الصدوق المظلوم نے فرمایا: مدینہ میں ایک لڑکے نے محمد بن الحسن سے کہا: دو کھجوروں کے بدلے میں ایک کھجور کے بارے میں آپ کا خیال ہے، اس نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لڑکے نے کہا: اے چچا! آپ حدیث وسنت سے جاہل ہیں اور مشکل مسائل میں کلام کرتے ہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ، ۳/۹۱ وسندہ حسن)۔[۱]

جواب: اس قول کے مأخذ ''کتاب المعرفۃ والتاریخ'' کا بنیادی راوی عبداللہ بن جعفر بن درستویہ خود مجروح اور متکلم فیہ ہے۔[۲]

لہٰذا ایسے شخص کی نقل پر امام محمدؒ جیسے عظیم المرتبت امام کو مجروح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

ثانیاً: نعیم بن حماد ایک ضعیف، کذاب اور ظالم شخص ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے انتہائی ممدوح علامہ ابن حزم ظاہریؒ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔[۳]

شیخ ناصر الدین البانیؒ غیر مقلد نے اس کو ''متہم بالکذب'' (جھوٹ کے ساتھ متہم) قرار دیا ہے۔[۴]

اور یہ بھی لکھا ہے:

نعیم بن حماد ضعیف متهم.[۵]

نعیم بن حماد ضعیف اور (جھوٹ کے ساتھ) متہم ہے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد نے بھی اس کو ایک دروغ گو اور ناقابل اعتماد کہا ہے،

۱۔ الحدیث (۲۸/۵۵)

۲۔ تاریخ بغداد (۴۳۵/۹)

۳۔ المحلی (۲۳۴/۱۲، مسئلہ: ۲۱۵۸)

۴۔ سلسلۃ احادیث الضعیفۃ والموضوعۃ (۳۵۰/۴)

۵۔ ایضاً (۳۵۸/۴)

اور اس کے بارے میں محدثین سے نقل کیا ہے کہ نعیم بن حماد جھوٹی احادیث بناتا تھا، اور امام ابوحنیفہؒ کی عیب گوئی میں جھوٹی حکایات گھڑتا تھا۔[1]

لہٰذا ایسے کذاب اور ظالم شخص کو علی زئی کا صدوق اور مظلوم کہنا، اور اس کی روایت کو امام محمدؒ جیسے عظیم امام کے خلاف پیش کرنا علی زئی کی یہ انتہائی ضلالت اور بے حیائی ہے۔

اور پھر نعیم نے امام محمدؒ اور ایک نامعلوم لڑکے کا جو مکالمہ نقل کیا ہے، اس میں اس نے یہ کوئی وضاحت نہیں کی کہ اس مکالمہ کے وقت وہ خود وہاں موجود تھا، یا یہ مکالمہ اس کو کس (ثقہ یا غیر ثقہ) نے بتلایا ہے؟ لہٰذا یہ روایت سرے سے ہی بے بنیاد اور جھوٹی ہے۔

(۲) امام شافعیؒ سے منسوب قول کی حقیقت

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا: میں نے محمد بن الحسن سے مناظرہ کیا، اس نے باریک پتلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ پھر اس کی رگیں پھولنے لگیں اور وہ چیخنے لگا۔ الخ (تاریخ بغداد: ۲/ ۱۷۷ و سندہ صحیح)[2]

جواب: اس قول کی سند میں ایک راوی احمد بن علی الابار ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبیؒ نے تصریح کی ہے کہ اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی ہے۔[3]

لہٰذا اس کی روایت ناقابلِ اعتماد ہے۔

اس کے بالمقابل امام شافعیؒ سے بالتواتر امام محمدؒ کی تعریف وتوثیق کرنا ثابت ہے۔

اور پھر اس کا تعلق روایت حدیث سے بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس مناظرے کو یہاں ذکر کرنا فضول ہے۔

(۳) امام ابو یوسفؒ سے منسوب ایک قول کی حقیقت

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم تلمیذ امام ابوحنیفہ نے محمد بن الحسن الشیبانی کے

۱۔ تاریخ اہلحدیث (ص ۸۳-۸۶)

۲۔ الحدیث (۵۵/ ۲۹)

۳۔ المغنی فی الضعفاء (۱/ ۸۲)

بارے میں کہا: قولوا لهذا الكذاب يعنى محمد بن الحسن. هذالذى يرويه عنى سمعه منى. اس کذاب یعنی محمد بن الحسن سے کہو۔ یہ جو مجھ سے روایتیں بیان کرتا ہے کیا اس نے سنی ہیں؟ (تاریخ بغداد ۲/۱۸۰، وسندہ حسن)۔[1]

جواب: اس قول کی سند میں ایک راوی احمد بن کامل القاضیؒ نے جب امام ابو یوسفؒ کی توثیق کی تو جواب میں علی زئی نے ان کو ضعیف قرار دے دیا، اور ان کے بارے میں دعویٰ کیا کہ ان کی کسی قابلِ اعتماد محدث سے توثیق ثابت نہیں ہے۔[2]

لیکن علی زئی کی بد دیانتی ملاحظہ کریں کہ یہاں جب ان کو احمد بن کاملؒ کی روایت امام محمدؒ کے خلاف مل گئی تو انہوں نے فوراً پینترا بدل لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ عند الجمہور ثقہ ہیں، اور ان کے بارے میں جرح منسوخ ہے۔[3] یہ ہے علی زئی کا انصاف!

اور پھر علی زئی کے دوغلا پن کی انتہا ہے کہ یہاں وہ یہ تو کہہ رہے ہیں کہ احمد بن کاملؒ کے بارے میں انہوں نے جو جرح کی تھی وہ منسوخ ہے، لیکن انہوں نے یہ اقرار کرنا گوارا نہیں کیا کہ اس جرح کے بل بوتے انہوں نے امام ابو یوسفؒ کے حق میں احمد بن کامل کی توثیق کو جو رد کیا تھا وہ بھی اب منسوخ ہے اور امام ابو یوسفؒ ثقہ ہیں۔

ثانیاً: خود امام ابو یوسفؒ کے خلاف زبیر علی زئی ایک تنقیدی مضمون لکھ چکے ہیں، جس میں انہوں نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> قارئین کی خدمت میں انصاف و دیانت کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر جانب دار تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ: قاضی ابو یوسف روایت حدیث میں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، لہٰذا ان کی روایت و گواہی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔[4]

اس سب کے باوجود علی زئی امام محمدؒ کے خلاف امام ابو یوسفؒ کی گواہی پیش کر کے اپنے ہی تھوکے ہوئے کو چاٹ رہے ہیں۔

۱۔ الحدیث (۵۵/۲۹)

۲۔ ایضاً (۱۹/۴۶)

۳۔ ایضاً (۵۵/۳۰)

۴۔ الحدیث (۱۹/۵۵)

ثالثاً: امام ابو یوسفؒ سے منسوب اس قول کو ان سے نقل کرنے والے بشر بن ولیدؒ اگر چہ ثقہ محدث ہیں، لیکن بدقسمتی سے امام محمدؒ سے ذاتی رنجش اور مخاصمت رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ خطیبؒ کے استاذ حافظ صمیریؒ اور حافظ عراقیؒ کے استاذ حافظ عبدالقادر قرشیؒ، یہ دونوں یہ جبال علم، بشر بن ولیدؒ کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ:

وکان متحاملا علی محمد بن الحسن منحرفا عنه، وکان الحسن بن ابی مالک ینهاه عن ذلک، ویقول قد عمل محمد هذه الکتب فاعمل انت مسألة واحدة.[1]

بشر بن ولیدؒ، امام محمد بن حسنؒ پر زیادتی کرتے تھے اور ان سے مخالفت رکھتے تھے۔ امام حسن بن ابی مالکؒ اس پر ان کو منع کرتے رہتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ امام محمدؒ نے اتنی اعلیٰ درجہ کی جو کتب لکھی ہیں، تم ان کی طرح ایک مسئلہ تو لکھ کر دکھادو۔

اب ظاہر ہے کہ بشر بن ولیدؒ کی امام محمدؒ سے اس قدر مخاصمت کے ہوتے ہوئے امام محمدؒ کے خلاف ان کی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

محدث ناقد حافظ ذہبیؒ، ابن ابی داؤد کے خلاف ان کے ایک مخالف کی بیان کردہ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

لایسمع قول العدو فی عدوه.[2]

ایک مخالف کی دوسرے مخالف کے خلاف کوئی بھی بات ناقابلِ سماعت ہے۔

اور پھر بشر بن ولیدؒ نے اس قول کو امام ابو یوسفؒ سے "قَالَ" (انہوں نے کہا) کے صیغے سے نقل کیا ہے، اور ان سے سماع کی تصریح نہیں کی۔ اور ایسی روایت کے متعلق غیر مقلدین کے انتہائی ممدوح علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے تصریح کی ہے کہ: قَالَ سے بیان کردہ راویت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے۔[3]

خود زبیر علی زئی نے بھی تصریح کی ہے کہ:

۱۔ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (ص ۱۶۲)، الجواھر المضیۃ (۱/۱۶۶)

۲۔ سیر اعلام النبلاء (۱۳/۲۲۱)

۳۔ المحلی (۸/۱۶۸، مسئلۃ ۱۱۶۸)

اور یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ "قَالَ" اور "سَمِعْتُ" میں بڑا فرق ہے۔ قَالَ (اس نے کہا) کا لفظ سماع کی لازمی دلیل نہیں ہوتا۔[1]

لہٰذا یہ روایت خود علی زئی کے اصول کی روشنی میں بھی ضعیف ہے۔

قارئین: یہ ہے علی زئی کی امام محمدؒ کے خلاف نقل کردہ جروح کی کل کائنات، آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ ان میں سے ہر ایک جرح خود علی زئی اور ان کے اہل مسلک کے اصولوں کی روشنی میں بھی باطل اور کالعدم ہے۔ اس کے بالمقابل امام محمدؒ کی کئی اجلہ محدثین مثلاً امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام علی بن مدینیؒ، امام حاکمؒ، امام بیہقیؒ، امام شہرستانیؒ، امام احمد بن کامل القاضیؒ، امام سمعانیؒ، امام ابن عبدالہادیؒ، امام ابن عبدالبرؒ، امام ذہبیؒ، امام ابن ناصرالدینؒ، امام عبدالقادر قرشیؒ، امام ہیثمیؒ، امام ابن حجر العسقلانیؒ، امام ابن الفراتؒ، اور امام صالحیؒ وغیرہ نے بڑے عمدہ اور زبردست الفاظ میں توثیق کی ہے۔

لیکن اس کے باوجود علی زئی امام اہلسنت کو کذاب، متروک اور ضعیف جیسے برے الفاظ سے کوس کر اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب کرے۔ آمین

۱۔ نصرالباری (ص ۸۹)

امام محمدؒ کی تصانیف

امام محمدؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مضبوط علم، فقہی بصیرت، زہد وتقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ سلیقہ بخشا تھا۔ آپ نے اپنی صلاحیتوں اور حیات مستعار کے تمام اوقات کو علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور تصنیف وتالیف کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے بکثرت اور بڑی عمدہ کتابیں لکھی ہیں جو رہتی دنیا تک آپ کی علمی یادگار رہیں۔

علامہ ابن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وصنف الکتب الکثیرة النادرة.[۱]

امام محمدؒ نے بکثرت اور نادر (عمدہ) کتابیں تصنیف کی ہیں۔

نیز لکھتے ہیں:

ولهٗ فی مصنفاته المسائل المشکلة خصوصاً المتعلقة بالعربیة.[۲]

آپ کی تصانیف میں مشکل مسائل ہیں خاص کر وہ مسائل جو لغت عربیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حافظ ابن ناصر الدینؒ (م: ۸۴۰ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وصنف کتباً کثیرا.[۳]

امام محمدؒ نے کثرت سے کتابیں لکھی ہیں۔

عصر حاضر کے محقق اعظم امام محمد زاہد الکوثریؒ (م: ۱۳۷۱ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وانت تری انه لم یصل الینا من ای فقیه فی طبقته او فی طبقة تقارب طبقته، کتب فی الفقه قد ما وصل الینا من مؤلفاته. وذلک

---

۱. وفیات الاعیان (۳۲۱/۲)

۲. ایضاً

۳. اتحاف السالک (ص ۱۷۸)

فضل الله یؤتیه من یشاء.[1]

تم دیکھتے ہو کہ ہم تک فقہ میں امام محمدؒ کی جتنی کتابیں پہنچی ہیں اتنی کتابیں کسی فقیہ کی ہم تک نہیں پہنچیں خواہ وہ فقیہ آپ کے زمانے کا ہو یا آپ کے قریب زمانے سے تعلق رکھتا ہو۔ اور یہ اللہ کا (آپ پر) فضل ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

مولانا نواب صدیق حسن خانؒ غیر مقلد (م ۱۳۰۷ھ) نے بھی امام محمدؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

و صنف الكتب الكثيرة النادرة منها الجامع الكبير و الجامع الصغير و غير هما وله فى مصنفاته المسائل المشكلة خصوصًا المتعلقة بالعربيّة و نشر علم ابى حنيفة.[2]

امام محمدؒ نے بکثرت اور نادر کتب تصنیف کی ہیں، جن میں سے ''الجامع الکبیر'' اور ''الجامع الصغیر'' وغیرہ بھی ہیں۔ آپ کی کتب میں مشکل مسائل ہیں، خصوصاً وہ مسائل جو عربی زبان سے متعلق ہیں۔ آپ نے ہی (اپنی تصانیف کے ذریعے) امام ابوحنیفہؒ کا علم دنیا میں پھیلایا ہے۔

علامہ سلماسیؒ (م ۵۵۰ھ) اور علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ

فقہ حنفی دنیا میں آپ کی کتب کی بدولت پھیلا ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) نے حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ

انفقتُ علىٰ كتب محمد بن الحسن ستين دينارا، ثم تدبرتها فوضعتُ الىٰ جنب كل مسئلة حديثا.[3]

میں نے امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کیے، اور پھر ان میں غور وفکر کیا اور ہر مسئلہ کے ذیل میں ایک حدیث (بطور دلیل) لکھ دی۔

۱۔ بلوغ الامانی (ص ۳) ۲۔ التاج المکلل (ص ۸۰)

۳۔ مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۵۱)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی کتب کا ہر ہر مسئلہ حدیث سے مؤید ہے۔

حافظ ابوسعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) نے آپ کے تذکرے میں آپ کے شاگرد امام عیسیٰ بن ابانؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ

ولما مات عيسى بن ابان بيعت كتبهٔ اوراقا، كل ورقة بدرهم، لانه كان درس على محمد بن الحسن وعلق العلل والزكاة على الحواشي.[1]

جب امام عیسیٰ بن ابانؒ کی وفات ہوئی تو ان کی کتب (جو انہوں نے امام محمدؒ سے پڑھی تھیں) اوراق کر کے بیچی گئیں کہ ہر ورقہ ایک درہم کے بدلے فروخت ہوا کیونکہ انہوں نے امام محمدؒ سے دوران درس ان کتب کے حواشی پر مسائل کے دلائل اور نکات لکھے تھے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد نے آپ کو ان متقدمین ائمہ حدیث میں شمار کیا ہے، جنہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے حفاظتِ حدیث کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ چنانچہ مولانا سلفیؒ لکھتے ہیں:

اواخر صدی میں جب کہ صحابہؓ رخصت ہو رہے تھے، یہ مرئی (دیکھے ہوئے) واقعات ان دیکھنے والوں کی زبان سے حفظ اور تحریر دونوں طریقوں سے منضبط ہو گئے۔ کتابیں مدوّن ہو گئیں۔ مالک، سفیان ثوری، محمد بن الحسن، امام شافعی، سفیان بن عیینہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم، اہل علم تصنیف و تدوین کے میدان میں آ گئے، اس لیے قرآن عزیز کے بعد جو حفاظت ممکن تھی وہ حدیث کو حاصل ہو گئی۔[2]

مؤرخ شہیر علامہ ابن الندیمؒ (م:۳۷۵ھ) نے آپ کی کتب کثیرہ میں سے تقریباً پچاس کتب کی نشان دہی فرمائی ہے۔[3]

---

۱. کتاب الانساب (۳/۱۶۷)

۲. مقالات حدیث (ص ۴۲۸)

۳. کتاب الفہرست (ص ۲۵۷، ۲۵۸)

امام علی بن انجب المعروف بہ ''ابن الساعی''(م۶۷۴ھ) نے بھی آپ کی چھپن کتب کو نام بنام گنایا ہے۔[1]

امام محمدؒ کی کتب فقہائے احناف کے علاوہ دیگر مذاہب کے فقہاء کے زیرِ نظر بھی رہی ہیں، مثلاً فقہ مالکی کے مشہور فقیہ، شیخ الاسلام امام ابن عبدالبرؒ (م۴۶۳ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

لااعلم احدًا قال هذا القول من الفقهاء غير محمد بن الحسن في هذه الرواية، والمشهور عنه في كتبه غير ذلك كسائر العلماء.[2]

میں نہیں جانتا کہ فقہاء میں سے امام محمد بن حسنؒ کے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہو جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ جبکہ امام محمدؒ کا مشہور قول وہی ہے جو ان کی کتب میں مذکور ہے، جیسا کہ دیگر علماء کا قول ہے۔

نیز امام ابوبکر بن عربی مالکیؒ (م۵۴۳ھ) نے شرح مؤطا میں ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھا ہے:

وفي كتاب محمد النصف كثير.[3]

کہ امام محمدؒ کی کتاب میں ہے کہ نصف زیادہ ہے۔

اسی طرح مشہور شافعی فقیہ امام ابن سریجؒ (م۳۰۶ھ) کے زیرِ نظر بھی امام محمدؒ کی کتب رہی ہیں۔ بلکہ انہوں نے امام محمدؒ کی کتب میں فقہ حنفی کی درج شدہ جزئیات کو ہی سامنے رکھ کر فقہ شافعی کی جزئیات کو لکھا ہے۔ چنانچہ ان کے حالات میں امام ابن خلکانؒ (م۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

وفرّع على كتب محمد بن الحسن الحنفي.[4]

انہوں نے امام محمد بن حسن حنفیؒ کی کتب (کے طرز) پر (فقہ شافعی کی) تفریعات (جزئیات مسائل) لکھی ہیں۔

۱۔ الدُّر الثمین فی اسماء المصنفین (ص۱۶۰، ۱۶۱)

۲۔ الاستذکار شرح المؤطا (۱/۴۵)

۳۔ القبس فی شرح مؤطا ابن انس (۲/۳۸۲)؛ نیز دیکھئے کتاب مذکور (۲/۸۰، ۳/۴۸۵)

۴۔ وفیات الاعیان (۱/۴۲)

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ وہ بھی دقیق مسائل امام محمدؒ کی کتب سے لیتے تھے۔ اسی طرح پہلے یہ بھی بحوالہ محدثین گزرا ہے کہ فقہ مالکی کی تدوین بھی امام محمدؒ کے ان مسائل کو سامنے رکھ کر کی گئی جو آپ نے اپنے شاگرد امام اسد بن فراتؒ (م ۲۱۳ھ) کو لکھوائے تھے۔ نیز امام محمدؒ کی تصانیف کئی ظاہری (امام داؤد ظاہریؒ کے پیروکار) علماء کے زیر مطالعہ بھی رہ چکی ہیں۔ مثلاً ابوالحسن حیدرہ بن عمر صغانیؒ، جو فقہ ظاہری کے بہت بڑے امام اور مصنف ہیں، ان کے حالات میں حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م ۷۷۵ھ) نے لکھا ہے کہ:

وعنه اخذ الفقهاء الداوودية وله مختصر فی مذهب داؤد ثم ولع بكتب محمد بن الحسن و بكلامه.[1]

ان سے فقہائے داؤدیہ (ظاہریہ) نے فقہ حاصل کیا، اور ان کی مذہب داؤد میں ایک مختصر کتاب بھی ہے، پھر یہ امام محمد بن حسنؒ کی کتب اور کلام کے دلدادہ ہو گئے۔

امام محمد کی کتب ظاهر الرواية: آپ کی کتب میں جو چھ سب سے زیادہ مشہور کتابیں ہیں ان کو "کتب ظاهر الرواية" کہا جاتا ہے۔ ان کو "ظاهر الرواية" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چھ کتب آپ سے بطریق متواتر یا بطریق مشہور ثابت ہیں۔[2]

ذیل میں ان چھ کتب کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کتاب المبسوط: اس کو کتاب الاصل بھی کہتے ہیں۔ امام ابن الساعیؒ (م ۶۷۴ھ) نے اس کتاب کے بارے میں تصریح کی ہے کہ:

يشتمل علىٰ عشر مجلدات.[3]

کتاب المبسوط دس جلدوں پر مشتمل ہے۔

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد ارقام فرماتے ہیں:

مبسوط کو "اصل" اس لیے کہا گیا کہ امام محمدؒ نے اس کو سب سے پہلے تالیف کیا، اس کے بعد جامع

۱۔ الجواہر المضیئۃ (۱/۲۲۸)

۲۔ مجموعة رسائل ابن عابدين (۱/۱۶)

۳۔ الدر الثمین فی اسماء المؤلفین (ص ۱۶۱)

صغیر، پھر جامع کبیر، بعدہٗ (اس کے بعد) زیادات۔[1]

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) ایک مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

وفی الاصل انها لاتجوز.[2]

کتاب الاصل میں ہے کہ یہ چیز جائز نہیں ہے۔

حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے امام محمدؒ کی ''کتاب الاصل'' سے کئی احادیث نقل کی ہیں۔[3]

حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) ایک حدیث کے متعلق رقمطراز ہیں:

وروی محمد بن الحسن صاحب ابی حنیفة فی الاصل عن یعقوب عن الحسن بن عمارة عن الحکم عن عمر بن الخطاب، وعلی بن ابی طالب، وعبدالله بن مسعود، وابی بن کعب، وزید بن ثابت، وابی مسعود الانصاری واسامة بن زید رضوان الله علیهم انهم قالوا: الولاء للکبیر. وروی عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم مثله.[4]

امام محمد بن حسنؒ صاحب ابی حنیفہؒ نے ''کتاب الاصل'' میں یعقوب (امام ابویوسفؒ) سے، انہوں نے حسن بن عمارہؒ سے، انہوں نے حکمؒ سے، انہوں نے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید، حضرت ابومسعود اور حضرت اسامہ بن زید رضوان اللہ علیہم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: وِلاء بڑھے کے لیے ہے۔ نیز امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے،

۱۔ حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۷۴)، بحوالہ مجموعہ رسائل خمسہ (ص ۱۲۴) از مولانا عبدالحیؒ

۲۔ المحلی (۱۰/۶۱، مسئلہ ۱۶۳۲)

۳۔ منیۃ الالمعی مشمولہ مقدمہ نصب الرایۃ (ص ۳۹۲، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۰۸-۴۰۸)

۴۔ الحاوی للفتاوی (۱/۱۷۶)

انہوں نے حمادؒ سے اور انہوں نے ابراہیم نخعیؒ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

حافظ سیوطیؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

وفی الاصل لمحمد بن الحسن صاحب ابی حنیفة مانصه......[1]

امام محمد بن حسنؒ صاحب ابی حنیفہؒ نے ''کتاب الاصل'' میں تصریح کی ہے کہ......

(۲) الجامع الصغیر: یہ کتاب امام ابوحنیفہؒ کے ان مسائل پر مشتمل ہے جو امام محمدؒ نے آپ سے امام ابویوسفؒ کے واسطے سے روایت کیے ہیں۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلکانؒ (م ۶۸۱ھ) نے امام محمدؒ کے ترجمہ میں ''الجامع الصغیر'' کو آپ کی نادر (عجیب وغریب) کتب میں سے قرار دیا ہے۔[2]

امام محمدؒ کی توثیق میں گزر چکا ہے کہ علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے امام محمدؒ کی امام ابوحنیفہؒ سے ''الجامع الصغیر'' میں نقل کردہ روایت کو محفوظ قرار دیا ہے۔

نیز علامہ ابن حزمؒ ایک اور مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

فروی عنه فی الهبة فی ''الجامع الصغیر'' انها تجوز للفقیرین.[3]

''الجامع الصغیر'' میں امام ابوحنیفہؒ سے ہبہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ ہبہ دو فقیروں کو دینا بھی جائز ہے۔

نیز ایک اور مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مؤقف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ذکر ذلک محمد بن الحسن فی الجامع الصغیر.[4]

اس قول کو امام محمد بن حسنؒ نے (امام ابوحنیفہ سے) ''الجامع الصغیر'' میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح امام عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وقال ابوحنیفة فی الجامع الصغیر، یقسم الخمس علیٰ ثلاثه

---

[1] ایضاً: ۱/۱۷۷

[2] وفیات الاعیان (۲/۳۲۱)

[3] المحلی (۱۰/۶۱)

[4] ایضاً (۶/۱۶۹، مسئلہ ۷۶۲)

اسهم.[۱]

امام ابوحنیفہؒ ''الجامع الصغیر'' میں فرماتے ہیں کہ خمس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

وقال ابو حنیفة فی الجامع الصغیر......[۲]

امام ابوحنیفہؒ ''الجامع الصغیر'' میں فرماتے ہیں......

اسی طرح شارح بخاری امام احمد بن محمد قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

کما ذکرہ الامام ابو حنیفة رضی اللّٰہ عنه فی الجامع الصغیر......[۳]

جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ''الجامع الصغیر'' میں فرمایا ہے......

محدثین کی ان تصریحات سے یہ ثابت ہو گیا کہ امام محمدؒ نے اپنی اس کتاب میں امام ابوحنیفہؒ سے جو مسائل نقل کیے ہیں، ان کی نسبت آپ تک درست ہے۔

نیز اس کتاب کے ثبوت پر اس سے بڑھ کر اور شہادت کیا ہو سکتی ہے کہ امام الجرح والتعدیل حافظ یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے بھی اس مبارک کتاب کو خود امام محمدؒ سے نقل کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

نیز امام ابن معینؒ نے اس کتاب کا امام ابو یوسفؒ سے بھی سماع کیا تھا۔[۴]

اس کتاب کی بڑے پیمانے پر شروحات لکھی گئی ہیں، چنانچہ اس کی شرح لکھنے والوں میں محدث کبیر امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) بھی ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے ان کے ترجمہ میں تصریح کی ہے۔[۵]

۱۔ التمہید (۲۲۹/۷)

۲۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری (۸۱۱/۹)

۳۔ مسالک الحنفا (ص ۲۲۳)

۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ (۱۴۹/۲) لابن عبدالبرؒ

۵۔ لسان المیزان (۳۸۲/۱)

مؤرخ خلیفہ چلپیؒ (م ۱۰۶۷ھ) نے "الجامع الصغیر" کے تعارف میں لکھا ہے کہ اس کی بکثرت شروحات ہیں، اور پھر انہوں نے بیس سے زائد اس کی شروحات کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔[1]

علامہ عبدالحی لکھنویؒ (م ۱۳۰۴ھ) نے بھی اس کا حاشیہ لکھا ہے۔ چنانچہ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد اس کے تعارف میں لکھتے ہیں:

مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے اس کا ایک عمدہ حاشیہ اور اس کا علمی و تحقیقی مقدمہ "اَلنَّافِعُ الْكَبِيْر لِمَنْ يُّطَالِعُ الْجَامِعَ الصَّغِيْر" نام کا لکھ کر شائع کیا۔[2]

(۳) الجامع الکبیر: یہ کتاب بھی فقہی مسائل پر مشتمل ہے، اور اس کتاب میں درج شدہ مسائل امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کے بجائے خود امام ابو حنیفہؒ سے سن کر درج کیے ہیں۔

یہ کتاب فقہ کے موضوع پر اس قدر بلند مرتبت ہے کہ حافظ ابن ناصر الدین شافعیؒ (م ۸۴۰ھ) نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:

الجامع الكبير الذى قال احمد بن ابى عمران سمعت محمد بن شجاع يقول علىٰ انحرافه عن محمد بن الحسن ما وضع فى الاسلام كتاب فى الفقه مثل جامع محمد بن الحسن الكبير.[3]

"الجامع الکبیر" وہ کتاب ہے کہ امام احمد بن ابی عمرانؒ (استاذ امام طحاویؒ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن شجاع ثلجیؒ سے سنا کہ وہ باوجود امام محمد بن حسنؒ سے مخالفت رکھنے کے یہ فرماتے تھے کہ اسلام میں فقہ سے متعلق کوئی بھی کتاب امام محمد بن حسنؒ کی "الجامع الکبیر" جیسی نہیں لکھی گئی۔

امام ابن خلکانؒ (م ۶۸۱ھ) نے اس کتاب کو بھی امام محمدؒ کی نادر (عجیب وغریب) کتب میں سے قرار دیا ہے۔[4]

۱۔ کشف الظنون (۱/۵۶۱-۵۶۴)

۲۔ حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۷۴)

۳۔ اتحاف السالک (ص ۱۷۸)

۴۔ وفیات الاعیان (۲/۳۲۱)

نیز انہوں نے امام کمال الدین ابن یونس شافعیؒ (م ۶۳۹ھ) کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ یہ "الجامع الکبیر" کو سمجھنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اور فقہائے احناف کی ایک جماعت ان سے اس کتاب کے مشکل مسائل کو سمجھنے کے لیے رجوع کیا کرتی تھی۔[1]

امام صلاح الدین صفدیؒ (م ۷۶۴ھ) نے امام محمدؒ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ:

وفی مصنفاته المسائل المشكلة خصوصًا مايتعلق بالعربية، من ذلک، قال فی الجامع الکبیر......[2]

امام محمدؒ کی تصانیف میں مشکل مسائل ہیں خصوصا وہ مسائل جو لغت عربیہ سے تعلق رکھتے ہیں، جیسا کہ امام محمدؒ "الجامع الکبیر" میں ایک جگہ فرماتے ہیں......

امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے اس کتاب کی بھی شرح لکھی ہے۔[3]

اسی طرح اس کتاب کی اور بھی بکثرت شروحات لکھی گئی ہیں چنانچہ صاحب کشف الظنون نے اُس کی تقریباً پچاس شروحات کی تصریح کی ہے۔[4]

(۴) السیر الصغیر: یہ کتاب جہاد اور اس سے متعلقہ مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے بیان کردہ جو مسائل درج کیے ہیں، ان کو آپ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں ارقام فرماتے ہیں:

وقد روى محمد بن الحسن في السير عن ابى يوسف عَنْ ابى حنيفة ان المرتد يعرض عليه الاسلام فان اسلم و الاقتل مكانه.[5]

امام محمد بن حسنؒ نے "السیر الصغیر" میں امام ابو یوسفؒ سے اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ مُرتد کو اسلام قبول کرنے کے لیے کہا جائے گا، اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کو وہیں قتل کر دیا جائے گا۔

(۵) السیر الکبیر: یہ کتاب بھی جہاد اور اس سے متعلقہ مسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں درج شدہ

۱۔ ایضاً (۱۵۶/۳)

۲۔ الوافی بالوفیات: ۲۴۷/۲)

۳۔ لسان المیزان (۳۸۲/۱)

۴۔ کشف الظنون (۶۷۰-۶۶۷/۱)

۵۔ التمھید (۴۳۵/۲)، الاستذکار (۱۵۶/۷)

مسائل امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کے بجائے خود امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیے ہیں۔ یہ کتاب محدث حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کی مرویات میں سے ہے، اور انہوں نے ''المعجم المفہرس'' میں اپنے سے لے کر امام محمدؒ تک اس کی سند بھی لکھ دی ہے۔[1]

اسی طرح یہ کتاب نامور محدث حافظ ابو سعد سمعانیؒ (م ۵۶۳ھ) کی مرویات میں سے بھی ہے، اور انہوں نے بھی اپنی ''معجم شیوخ'' میں اپنے سے لے کر امام محمدؒ تک اس کتاب کا سلسلہ سند ذکر کر دیا ہے۔[2]

امام المحدثین ابو جعفر طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) ایک مسئلہ کی تحقیق میں امام محمدؒ کی اس کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذهب محمد بن الحسن بآخره فی سیره الکبیر...[3]

امام محمد بن حسن کا آخری قول جوان کی کتاب ''السیر الکبیر'' میں ہے...

شیخ ابو زہرہ مصریؒ لکھتے ہیں:

''السیر الصغیر'' اور ''السیر الکبیر'' میں احکام اور آثار واخبار سے ان کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔[4]

(۶) الزیادات: یہ کتاب امام محمدؒ نے کتاب الاصل، الجامع الصغیر اور الجامع الکبیر کے بعد لکھی ہے، اور اس میں انہوں نے وہ مسائل درج کیے ہیں جو ان تین کتب میں درج نہیں ہیں اس لیے اس کو کتاب الزیادات کہا جاتا ہے۔

امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندیؒ (م ۳۷۵ھ) نے اس کتاب سے کئی مسائل نقل کیے ہیں، مثلاً وہ ایک مسئلہ کی تحقیق میں رقمطراز ہیں:

وقال محمد فی الزیادات......[5]

امام محمدؒ ''کتاب الزیادات'' میں فرماتے ہیں......

۱۔ بلوغ الامانی (ص ۶۹)
۲۔ المنتخب معجم شیوخ السمعانی (۱۲۰/۱)
۳۔ مشکل الآثار (۲۵۳/۲)
۴۔ حیات امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۸۰)
۵۔ عیون المسائل فی فروع الحنفیۃ (ص ۱۵۹)

امام محمدؒ کی دیگر بعض مشہور کتب

ان چھ "ظاهر الرواية كتب" کے علاوہ بھی آپ کی کئی اور مشہور کتابیں ہیں جن میں سے تین یہ بھی ہیں:

اَلْحُجَّة عَلٰی اَهْلِ الْمَدِيْنَة: اس کتاب میں امام محمدؒ نے امام مالکؒ اور ان کے ہم فکر علمائے مدینہ کے مسلک کا بڑے علمی اور مدلل انداز میں رد لکھا ہے، یہ کتاب فقہ حنفی کے دلائل کا ایک بہترین ماٴخذ ہے۔

آپ سے اس کتب کو آپ کے متعدد تلامذہ نے روایت کیا ہے جن میں سے ایک حضرت امام شافعیؒ بھی ہیں۔ امام شافعیؒ نے اس کو اپنی مشہور کتاب "الام" میں بھی نقل کیا ہے اور اس کے ساتھ اس کے بعض مسائل سے اختلاف کرتے ہوئے ان کا محاکمہ بھی لکھا ہے۔[1]

مصر کے مشہور ادیب و محقق شیخ ابوزہرہؒ نے اس کتاب کے بارے میں یہ بجا لکھا ہے کہ اس کے مستند ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ امام شافعیؒ نے "کتاب الام" میں اسے روایت کیا ہے اور اسکی تدوین فرمائی۔ دوسرا یہ کتاب مدلل ہے اور اس میں قیاس، سنت اور آثار پر مشتمل دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔[2]

کتاب الآثار: یہ کتاب دراصل امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف ہے اور اس کے کئی نسخے ہیں جن کو آپ سے آپ کے متعدد تلامذہ نے روایت کیا۔ ان نسخوں میں سب سے مشہور و متداول امام محمدؒ کا روایت کردہ نسخہ ہے۔

شیخ ابوزہرہ مصریؒ اس نسخہ کے تعارف میں رقمطراز ہیں:

ایسی ہی ایک دوسری کتاب "کتاب الآثار" ہے۔ اس میں انہوں نے وہ احادیث اور آثار جمع کردیئے ہیں جو عراقی فقہاء میں عام طور سے متداول تھے

---

۱. کتاب الام (۷/۲۷۷ تا ۳۰۳) بحوالہ حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ (ص ۳۷۱) از: مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد

۲. حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ مترجم (ص ۳۸۰، ۳۸۱)

اور امام ابوحنیفہؒ نے انہیں روایت کیا تھا، اس کی اکثر روایات امام ابو یوسفؒ کی "کتاب الآثار" سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہؒ کی مسند سمجھی جاتی ہیں۔ یہ ہر دو کتب اس نقطہ نظر سے بڑی قدر و قیمت رکھتی ہیں کہ ان سے امام ابو حنیفہؒ کی حدیث، آثار صحابہ و تابعین سے متعلق مقدار علم کا پتہ چلتا ہے اور معلوم کیا جاسکتا ہے کہ استدلال و احتجاج کرتے وقت آپ احادیث و آثار پر کہاں تک اعتبار کرتے تھے...... الخ۔[1]

شیخ موصوف نے اس کتاب کو بھی استناد میں "کتب ظاھر الروایۃ" کے ہم پایہ قرار دیا ہے۔[2]

اس کتاب کی عظمتِ شان کا اندازہ اس سے لگائیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں حضرت ابراہیم نخعیؒ سے ایک معلق (بلاسند) روایت نقل کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اس روایت کے متعلق انکشاف کیا ہے کہ:

وصله محمد بن الحسن فی کتاب الآثار عن ابی حنیفة عن حماد عنه بلفظ...[3]

اس حدیث کو امام محمد بن حسنؒ نے "کتاب الآثار" میں امام ابوحنیفہؒ سے، انہوں نے امام حمادؒ سے، اور انہوں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح حافظ موصوف ایک اور حدیث کی تحقیق میں ارقام فرماتے ہیں:

واخرج محمد بن الحسن فی الآثار عن ابی حنیفة بسند له عن ابن عباس نحو ذلک۔[4]

امام محمد بن حسنؒ نے "کتاب الآثار" میں امام ابوحنیفہؒ کی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۱۔ ایضاً (ص ۳۸۱)

۲۔ ایضاً (ص ۳۷۱)

۳۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری (۴۰۲/۱۲، باب یمین الرجل لصاحبہ...)

۴۔ فتح الباری (۸۱۱/۹)

نیز حافظ ابن حجرؒ ایک صحابی کے حالات میں لکھتے ہیں:

ذکر محمد بن الحسن الشیبانی فی کتاب الآثار عن ابی حنیفة عن محمد بن قیس ان رجلا یکنی اباعمر...[1]

امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے "کتاب الآثار" میں امام ابوحنیفہؒ سے، اور انہوں نے محمد بن قیسؒ سے ذکر کیا ہے کہ...

حافظ موصوف نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں مندرجہ احادیث کی تخریج میں بھی اس کتاب سے بیسوں روایات نقل کی ہیں۔[2]

اسی طرح وہ اپنی کتب رجال میں بھی جا بجا اس کتاب سے استدلال کرتے ہیں۔[3]

حافظ جمال الدین زیلعیؒ (م ۷۶۲ھ) نے بھی احادیث ہدایہ کی تخریج میں کتاب الآثار سے بکثرت احادیث بہ سند نقل کی ہیں۔[4]

علاوہ ازیں امام محمدؒ کی توثیق میں گزر چکا ہے کہ حافظ زیلعیؒ نے کتاب الآثار کی ایک حدیث کو جید اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کتاب کی ایک روایت کو محفوظ، ایک روایت کو صواب اور ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ "کتاب الآثار" کے اس نسخہ کو امام محمدؒ سے روایت کرنے والے کئی حضرات ہیں جن میں سے امام محمدؒ کے یہ تین خصوصی تلامذہ بھی ہیں۔

۱۔ الاصابۃ (۷/ ۲۱)

۲۔ مثلاً دیکھئے الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ (۱/ ۳۷، ۱۲۴، ۱۳۱، ۱۶۱، ۱۹۶، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۵۵، ۲۸۴؛ ۲/ ۱۴، ۴۵، ۷۴، ۷۷، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۱۲، ۱۳۶، ۱۵۹، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۶، ۲۰۰، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۷۳، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۳)

۳۔ مثلاً دیکھئے تہذیب التہذیب (۶/ ۲۲۴)، تعجیل المنفعۃ (ص ۲۷۸، ۳۲۶، ۳۳۱)

۴۔ دیکھئے نصب الرایۃ (۱/ ۵۲، ۳۰۱، ۳۲۵؛ ۲/ ۳، ۳۱، ۵۸، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۲۳، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۸، ۲۸۶، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۳۴، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۷۹، ۴۵۸، ۴۶۹؛ ۳/ ۳۱، ۴۶، ۱۱۱، ۱۲۰، ۲۰۲، ۲۴۰، ۲۴۵، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۵۴، ۳۷۴، ۴۵۸؛ ۴/ ۱۹، ۴۶، ۶۸، ۸۸، ۱۳۱، ۱۴۱، ۱۶۸، ۲۶۶، ۲۷۴، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۸۸)

(۱) امام ابو سلیمان جوز جانیؒ (۲۱۱ھ)، (۲) امام ابو حفص کبیرؒ (م ۲۱۷ھ)، (۳) امام اسماعیل بن توبہ قزوینیؒ (م ۲۴۷ھ)

ان میں سے اوّل الذکر شاگرد امام جوز جانیؒ کا روایت کردہ نسخہ متعدد محدثین کی مرویات میں سے ہے، جن میں سے ایک حافظ محمد بن محمود خوارزمیؒ (م ۶۶۵ھ) بھی ہیں، اور انہوں نے اس نسخہ کو تین طرق سے روایت کیا ہے جو ان کی تصریح کے مطابق یوں ہیں:

پہلا طریق: (۱) یوسف بن عبدالرحمان بن علی بن جوزیؒ، ابراہیم بن محمود بن سالمؒ، محمد بن علی بن بقاؒ، یوسف بن علی بن حسن۔ (۲) عبدالمنعم بن عبدالوہاب، ذاکر بن کاملؒ، یحییٰ بن اسعدؒ، نصر اللہ بن عبدالرحمان القزازؒ۔ (۳) احمد بن عبدالجبار صیرفیؒ۔ (۴) علی بن محسن تنوخیؒ۔ (۵) ابراہیم بن احمد طبریؒ۔ (۶) محمد بن احمد رازیؒ۔ (۷) ابو عامر عمر بن تمیمؒ۔ (۸) ابو سلیمان جوز جانیؒ۔ (۹) امام محمد بن حسن شیبانیؒ۔

دوسرا طریق: (۱) محی الدین ابن الجوزیؒ۔ (۲) ابو الفرج عبدالرحمان بن علی ابن الجوزیؒ۔ (۳) محمد بن عبدالباقی المعروف بہ "ابن البطی"۔ (۴) احمد بن حسن بن خیرونؒ۔ (۵) حسین بن علی صمیریؒ۔ (۶) ابراہیم بن احمد طبریؒ۔ (۷) محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازیؒ، (۸) ابو عامر بن تمیم۔ (۹) ابو سلیمان جوز جانیؒ۔ (۱۰) امام محمد بن حسنؒ۔

تیسرا طریق: (۱) ضیاء الدین صفرؒ، عبدالرحمان بن عبدالرحیم، احمد بن مفرجؒ، ابراہیم بن محمود بن سالمؒ۔ (۲) محمد بن عبدالباقیؒ، اور پھر آگے سلسلہ سند وہی ہے جو دوسرے طریق میں محمد بن عبدالباقیؒ کے بعد مذکور ہے۔[1]

یہ نسخہ مسند الشام حافظ محمد بن یوسف صالحیؒ (م ۹۴۲ھ) کی مرویات میں سے بھی ہے، اور ان کا امام محمدؒ تک اس کتاب کا جو سلسلہ سند ہے وہ ان کی تصریح کے مطابق اس طرح ہے:

(۱) قاضی ابو حفص عمر بن حسن نوویؒ۔ (۲) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔ (۳) تقی الدین عبداللہ بن محمد بن احمد مقدسیؒ۔ (۴) ابو العباس احمد بن ابو طالب صالحیؒ۔ (۵) محمد بن محمد بن عمر قطیؒ۔ (۶) محمد بن عبدالباقی۔ (۷) ابو الفضل بن خیرونؒ۔ (۸) حسین بن علی صمیریؒ۔ (۹) ابراہیم بن احمد طبریؒ۔ (۱۰) محمد بن احمد رازیؒ۔ (۱۱) ابو عامر بن تمیم۔ (۱۲) ابو سلیمان

---

[1] جامع المسانید (۱/۷۶، ۷۷)

جوز جانی۔ (۱۳) امام محمد بن حسنؒ۔[1]

ثانی الذکر امام محمدؒ کے شاگرد امام ابوحفص الکبیرؒ (م ۲۱۷ھ) کا روایت کردہ نسخہ "کتاب الآثار" بھی کئی محدثین کی مسموعات میں سے ہے جن میں سے ایک شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) بھی ہیں۔ اور حافظ موصوف نے امام محمدؒ تک اس کتاب کی اپنی سند بھی ذکر کردی ہے جو یہ ہے: (۱) ابوعبداللہ حریریؒ، (۲) قوام الدین اتقانیؒ، (۳) احمد بن اسعد بخاریؒ، حسین بن علی سغناقیؒ، (۴) حافظ الدین محمد بن نصر بخاریؒ، (۵) محمد بن عبدالستار کردریؒ، (۶) عمر بن عبدالکریم ورسکیؒ، (۷) عبدالرحمان بن محمد کرمانیؒ، (۸) نجم الدین حسین بن محمدؒ، ابوعبداللہ زوزنی، (۹) ابوزید دبوسیؒ، (۱۰) ابوحفص استروشنی، (۱۱) حسین بن محمد نسفیؒ، (۱۲) عبداللہ بن محمد حارثیؒ، (۱۳) ابوعبداللہ بن ابوحفص کبیر، (۱۴) ابوحفص کبیرؒ، (۱۵) امام محمدؒ، (۱۶) امام ابوحنیفہؒ[2]

حافظ محمد بن یوسف صالحیؒ (م ۹۴۲ھ) نے بھی اپنے شیخ عمر بن حسن نوویؒ کے واسطے سے حافظ ابن حجرؒ سے اس نسخہ کو روایت کیا ہے۔[3]

ثالث الذکر امام اسماعیل بن توبہ قزوینیؒ (م ۲۴۷ھ) نے امام محمدؒ سے "کتاب الآثار" کا جو نسخہ روایت کیا ہے وہ دیگر کئی محدثین کے علاوہ امام محمد بن اسماعیل سنبل مکی شافعیؒ (م ۱۱۷۵ھ) کی مسموعات میں سے بھی ہے، اور وہ اس نسخہ کو ان کئی طرق سے روایت کرتے ہیں جن میں سے ایک طریق یہ بھی ہے۔

(۱) محمد بن ابو طاہر کورانیؒ۔ (۲) ملا ابراہیم بن حسن کورانیؒ۔ (۳) صفی احمد قشاشیؒ۔ (۴) ابوالمواھب احمد بن علی شناویؒ۔ (۵) علی شناویؒ۔ (۶) عبدالوہاب بن محمد شعرانیؒ۔ (۷) شیخ الاسلام زکریا انصاری۔ (۸) عزالدین عبدالرحیم بن فراتؒ۔ (۹) عزالدین ابومحمد عبدالعزیز بن محمد کنانیؒ۔ (۱۰) ابوالقاسم احمد بن ہبت اللہ بن عساکر دمشقیؒ۔ (۱۱) عبدالرحیم بن عبدالکریم سمعانیؒ۔ (۱۲) ابوسعد عبدالکریم سمعانیؒ۔ (۱۳) سعید بن ابورجاء۔ (۱۴) ابوالحسین اسکافؒ۔ (۱۵) ابوعبداللہ بن مندہؒ۔ (۱۶) ابومحمد حارثی حافظؒ۔ (۱۷) عبدالرحیم بن داؤد سمنانیؒ۔ (۱۸)

۱۔ عقود الجمان (ص ۳۳۱-۳۳۳)

۲۔ المعجم المفہرس (ص ۳۸، ۳۹)، المجمع المؤسس للمعجم المفہرس (۳۹۰)

۳۔ عقود الجمان (ص ۳۳۱، ۳۳۲)

اسماعیل بن توبہ قزوینیؒ۔ (۱۹) امام محمد بن حسنؒ۔[1]

یہ سب کچھ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ محدثین کا اس کتاب کے ساتھ خصوصی اعتناء رہا ہے، اور وہ اس کتاب کو امام محمدؒ سے ثابت تسلیم کرتے ہیں۔

اور پھر اس کتاب کے مستند ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) جیسے محدث نے اس کے کتاب کے رُوات پر مستقل ایک کتاب "الایثار بمعرفة رُواة الآثار" کے نام سے لکھی ہے جیسا کہ اس کا تعارف ماقبل خود حافظ موصوف کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ اسی طرح حافظ موصوف کے شاگرد رشید اور مایہ ناز حافظ الحدیث امام قاسم بن قطلو بغاؒ (م:۸۷۹ھ) نے بھی اس کے رُوات پر ایک کتاب لکھی ہے۔[2]

نیز اس نسخہ کتاب الآثار کی کئی ائمہ حدیث نے شروحات بھی لکھی ہے جن میں سے ایک امام ابو جعفر الطحاویؒ (م:۳۲۱ھ)، جن کو امام ابن عبد البرؒ: امام اہل زمانہ" قرار دیتے ہیں[3] جیسے امام المحدثین بھی ہیں۔[4]

امام طحاویؒ کی یہ شرح "کتاب الآثار" مشہور محدث امام ابو سعد سمعانیؒ (م۵۶۳ھ) کی مرویات میں سے ہے، اور انہوں نے امام طحاویؒ تک اس کتاب کی اسناد بھی ذکر کردی ہے۔[5]

اسی طرح امام علی بن مراد موصلی شافعیؒ (م ۱۱۴۷ھ) نے بھی اس کتاب کی شرح لکھی ہے۔[6]

کتاب المؤطا: آپ نے یہ کتاب امام مالکؒ سے روایت کی ہے، اور اس میں بعض احادیث اور دیگر مفید اشیاء کا اضافہ بھی کیا ہے۔ جیسا کہ امام محمدؒ کے حالات میں امام حاکمؒ وغیرہ محدثین کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

۱۔ الاوائل السنبلیة وذیلھا (ص۱۲۰، ۱۳۷)

۲۔ اعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (ص ۱۱۷) للامام السخاویؒ.

۳۔ التمهید (۱/۱۹۱)

۴۔ کشف الظنون (۳/۱۳۸۴)

۵۔ منتخب من معجم شیوخ السمعانی (۲/۷۲)

۶۔ سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر (۳/۲۳۱)

علامہ محمد بن جعفر کتانیؒ (م ۱۳۴۵ھ) رقم طراز ہیں:

و من جملتها رواية محمد بن الحسن الشيباني صاحب ابي حنيفة، و في مؤطئه احاديث يسيرة يرويها عن غير مالك، و اخرى زائدة على الروايات المشهورة.[1]

''مؤطا'' کے نسخوں میں سے ایک نسخہ بروایت امام محمد بن حسن شیبانیؒ، صاحب ابی حنیفہ بھی ہے۔ ان کے روایت کردہ مؤطا میں کچھ احادیث امام مالکؒ کے علاوہ دیگر محدثین (امام ابوحنیفہؒ وغیرہ) سے بھی مروی ہیں، اسی طرح اس میں کچھ احادیث وہ بھی ہیں جو مؤطا کے دیگر مشہور نسخوں میں نہیں ہیں۔

حافظ ابن ناصر الدینؒ (م: ۸۴۰ھ) مؤطا کے اس نسخہ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

انبأنا به جماعة.[2]

ہم سے محدثین کی ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور پھر امام موصوف نے امام محمدؒ تک اس کتاب کی سند دو طریق سے ذکر کی ہے، جو ان کی تصریح کے مطابق یوں ہے:

(۱) عمر بن محمد بن الملقن، (۲) احمد بن علی الکردی، (۳) عیسیٰ بن سلامہ الخیاط، (۴) ابوالفتح محمد بن عبدالباقی، (۵) احمد بن حسین بن خیرون، و علی بن حسین البزار، (۶) عبدالغفار بن مؤدب، (۷) محمد بن احمد الصواف، (۸) بشر بن موسیٰ، (۹) احمد بن محمد بن مہران، (۱۰) امام محمد بن حسن۔

دوسرا طریق: یہ طریق احمد بن حسین بن خیرون تک وہی ہے، آگے یوں ہے: (۱) ابوالحسن علی بن عمر الحافظ، (۲) محمد بن احمد بن حسن، (۳) بشر بن موسیٰ، (۴) احمد بن محمد مہران، (۵) امام محمد بن حسن۔

امام تقی الدین محمد بن احمس الفاسی المالکیؒ (م: ۸۳۲ھ) نے محمد بن علی الکنانی الواسطیؒ (م: ۵۸۹ھ) کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ

۱۔ الرسالۃ المستطرفۃ (ص ۱۹)

۲۔ اتحاف السالک (ص ۱۷۹)

حدث عن ابی طاهر احمد بن حسن الباقلانی، وعلی بن الحسین بن ایوب "بموطا مالک روایة محمد بن الحسن "عنه الاجازة منهما. سمعه منه المرجی بن علی بن هبة الله بن شقیرة.[1]

انہوں نے ابوطاہر احمد بن حسن الباقلانیؒ، اور علی بن حسین بن ایوبؒ سے بطریق اجازت "مؤطا امام مالکؒ بروایت امام محمد بن حسنؒ" کو روایت کیا ہے، اور ان سے مرجی بن علی بن ہبت اللہؒ نے اس کا سماع کیا تھا۔

نیز امام موصوفؒ، المرجی بن الحسن بن علی بن هبة اللهؒ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

سمع علیٰ ابی طالب محمد بن علی بن احمد الکنانی الواسطی المؤدب "موطا مالک، روایة محمد بن الحسن الشیبانی عنه بقراء ة ابی بکر الحافظ ابی بکر الحازمی فی رجب سنة ثمان و سبعین و خمسمائة.

وحدث به، سمعه منه ابوالوفاء عبدالملک بن النتاج عبدالوهاب بن حسن بن عساکر، والحافظ صدر الدین ابو علی الحسن بن محمد البکری.[2]

انہوں نے رجب ۵۷۸ھ میں ابو طالب محمد بن علی بن احمد الکنانی الواسطی المؤدبؒ سے "مؤطا امام مالکؒ بروایت امام محمد بن حسن شیبانیؒ" کا سماع حافظ ابوبکر الحازمیؒ کی قرأت کے ساتھ کیا تھا، اور یہ اس "مؤطا" کو آگے روایت بھی کیا کرتے تھے، چنانچہ ان سے ابوالوفاء عبدالملک بن تاج عبدالوہاب بن عساکر، اور حافظ صدرالدین ابوعلی حسن بن محمد البکریؒ نے اس کا سماع کیا تھا۔

امام نجم الدین ابوحفص عمر النسفیؒ (م ۵۳۷ھ) نے اپنی "معجم الشیوخ" میں لکھا ہے کہ:

احمد بن محمد بن منصور الحارثی الامام من مسموعاته کتاب الموطا روایة محمد بن الحسن عن مالک یرویه عن ابی الفضل

---

[1] ذیل التقیید (۱/۱۷۶)

[2] ایضاً (۲/۲۷۸)

احمد بن خيرون عن ابى طاهر عبدالغفار المؤدب عن ابى علی الصواف عن ابی علی بشربن موسى عن ابى جعفر احمد بن محمد بن مهران عن محمد بن الحسن۔[1]

امام احمد بن محمد بن منصور الحارثیؒ کی مسموعات میں سے ایک کتاب ''المؤطا'' بھی تھی جس کو امام محمد بن حسنؒ نے امام مالکؒ سے روایت کیا تھا، امام حارثیؒ اس کتاب کو ابوالفضل احمد بن خیرونؒ سے، وہ ابوطاہر عبدالغفار المؤدبؒ سے، وہ ابو علی الصواف سے، وہ ابوعلی بشر بن موسیٰؒ سے، وہ ابوجعفر احمد بن محمد بن مہرانؒ سے، اور وہ امام محمد بن حسنؒ سے روایت کرتے تھے۔

مؤطا کا یہ نسخہ امام سلیمان بن خلف الباجیؒ (م ۴۷۴ھ) شارح مؤطا کی مرویات میں سے بھی ہے، اور وہ اس کو ابوذر اھروی سے، وہ ابوعلی محمد بن احمد الصواف سے، وہ بشر بن موسیٰ اسدیؒ سے، وہ احمد بن محمد بن مہرانؒ سے، اور وہ امام محمدؒ سے روایت کرتے تھے۔[2]

اسی طرح یہ نسخہ حافظ ابن حجرؒ کی مرویات میں سے بھی ہے، اور انہوں نے اپنے سے لے کر امام محمدؒ تک اس کتاب کی سند دو طریق سے ذکر کی ہے جو ان کی تصریح کے مطابق اس طرح ہے:

طریق اوّل: (۱) محمد بن علی بن صلاحؒ، (۲) امیر کاتب بن عمرؒ، (۳) احمد بن محمد بخاریؒ، حسین بن علی سغناقی، ابراہیم بن احمد عقیلیؒ، (۴) محمد بن نصر بخاریؒ، (۵) محمد بن عبدالستار کردریؒ، (۶) ابو المکارم مطرزیؒ، (۷) خطیب مؤفق مکیؒ، (۸) محمود زمخشریؒ، (۹) حسین بن محمد بن خسرو، (۱۰) ابوالفضل بن خیرون، ابوالحسن بن ایوب، (۱۱) عبدالغفار بن محمد المؤدبؒ، (۱۲) محمد بن احمد بن الحسن الصواف، (۱۳) بشر بن موسیٰ بن صالح الاسدی، (۱۴) احمد بن محمد بن مہرانؒ، (۱۵) امام محمد بن حسنؒ۔

طریق ثانی: (۱) عبداللہ بن محمد قطعیؒ، (۲) احمد بن عبدالباقیؒ، (۳) احمد بن حسن بن خیرون، علی بن حسین بن ایوبؒ، (۴) عبدالغفار بن محمد المؤدب، (۵) محمد بن احمد صوافؒ، (۶) بشر بن موسیٰ اسدیؒ، (۷) احمد بن محمد بن مہران نسائیؒ، (۸) امام محمد بن حسنؒ، (۹) امام مالکؒ۔[3]

۱۔ الجواهر المضية (۱/۱۱۷)
۲۔ بلوغ الامانی (ص ۶۹)
۳۔ المعجم المفہرس (ص ۳۸)

اسی طرح حافظ موصوف نے اپنے استاذ محمد بن علی بن صلاحؒ (م ۷۹۷ھ) کے تذکرہ میں تصریح کی ہے کہ ان کی مرویات میں سے مؤطا مالکؒ بروایت امام محمدؒ بھی ہے، اور پھر انہوں نے ان کی سند بھی دو طرح سے ذکر کی ہے، پہلی تو وہی ہے جو خود حافظ ابن حجرؒ کی سند کے طریق اوّل کی ہے، جب کہ دوسری سند بھی محمد بن عبد الستار کردیؒ تک وہی ہے، اس سے آگے یوں ہے، عمر بن عبد الکریمؒ، عبد الرحمان بن محمد کرمانیؒ، حسین بن محمد ارسابندیؒ، ابو عبد اللہ زوزنیؒ، ابو زید دبوسیؒ، ابو حفص اسروشنیؒ، ابو علی نسفیؒ، محمد بن یعقوب حارثی، ابو عبد اللہؒ، ابو حفص کبیرؒ، امام محمدؒ۔[۱]

نیز حافظ موصوف نے امام امیر کاتب بن امیر اتقانی حنفیؒ (م ۷۵۷ھ) کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ:

وحدث بالمؤطا رواية محمد بن الحسن باسناد.[۲]

انہوں نے مؤطا بروایت امام محمد بن حسنؒ کو بہ سند نقل کیا ہے۔

امام ابوذر عبد بن احمد الہرویؒ (م ۴۳۵ھ) جو کہ ثقہ حافظ الحدیث ہیں، اور جن پر پوری دنیا میں صحیح البخاری کی سند کا مدار ہے، نے اپنی معجم میں مؤطا بہ روایت امام محمدؒ کی سند یوں ذکر کی ہے:

(۱) ابو علی الصوافؒ، (۲) احمد بن محمد بن مہرانؒ، (۳) امام محمد بن حسنؒ۔

مشہور صاحب التصانیف محدث حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) بھی ان کے شاگرد ہیں، اور وہ بھی ان سے مؤطا بہ روایت امام محمدؒ کو روایت کرنے والوں میں سے ہیں۔[۳]

اسی طرح یہ کتاب دیگر کئی محدثین کی مسموعات میں سے بھی ہے۔[۴]

امام حافظ قاسم بن قطلوبغا (م ۸۷۹ھ) نے اس کتاب کے رُوات پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے۔ جیسا کہ ان کے شاگرد رشید حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) نے تصریح کی ہے۔[۵]

۱۔ المجمع المؤسس للمعجم المفہرس (ص ۳۹۰)

۲۔ الدرر الکامنۃ (۱/۴۴۳)

۳۔ فہرس الفہارس والاثبات (۲/۶۱۱)

۴۔ مثلاً دیکھیے سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر (۴/ ۱۹۱) للمرادیؒ، فہرس الفہارس والاثبات (۲/ ۸۸۰) للکتانیؒ

۵۔ اعلان بالتوبیخ (ص ۱۱۷)

نیز کبار محدثین نے اپنی تحقیقات میں اس کتاب سے جا بجا استدلال کیا ہے، اور اس سے روایات نقل کی ہیں۔ مثلاً امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ)، جنہوں نے مؤطا کی اسناد اور اس کے متون پر مستقل دو شروحات لکھی ہیں، انہوں نے اپنی ان شروحات میں کئی جگہوں پر "مؤطا امام محمدؒ" سے استدلال اور استشہاد کیا ہے۔[1]

حافظ جمال الدین زیلعیؒ (م ۷۶۲ھ) نے بھی "مؤطا امام محمدؒ" سے متعدد احادیث بہ سند نقل کی ہیں۔[2]

حافظ عبد القادر قرشی (م ۷۷۵ھ) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

رواه محمد بن الحسن فی موطاه عن مالک...[3]

امام محمد بن حسنؒ نے اپنی مؤطا میں اس حدیث کو امام مالکؒ سے روایت کیا ہے۔

محدث جلیل وفقیہ نبیل حافظ بدر الدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ) ایک حدیث کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ:

رواه محمد بن الحسن فی مؤطاه.[4]

اس حدیث کو امام محمد بن حسنؒ نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے۔

حافظ الدنیا امام ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) بھی "شرح بخاری" میں بکثرت اس سے استدلال کرتے ہیں۔[5]

حافظ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

روایة محمد بن الحسن صاحب ابی حنیفة و فیها احادیث یسیرة زیارة علی سائر المؤطات منها حدیث انما الاعمال بالنیات.

۱۔ مثلاً دیکھئے: التمہید (۱/ ۲۲۹، ۴/ ۴۷، ۵۷، ۱۴۰، ۲۰۸، ۵/ ۴۸، ۵۳۹، ۷/ ۲۵۷، ۸/ ۳۶۲)، الاستذکار (۵/ ۲۹۹، ۷/ ۳۷۸)

۲۔ دیکھئے نصب الرایہ (۱/ ۱۹۳، ۲/ ۱۲، ۱۳، ۱۲۰، ۱۴۲، ۲۰۲، ۳/ ۲۴۸، ۴/ ۱۲۲، ۳۵۳)

۳۔ الحاوی فی بیان آثار الطحاوی (۱/ ۲۱۱)

۴۔ البنایہ فی شرح الھدایہ

۵۔ مثلاً دیکھئے فتح الباری (۱/ ۳۷۵، ۶۱، ۵/ ۱۱۲، ۹/ ۶۲۴، ۷۸۹، ۱۰/ ۵۹۴، ۱۱/ ۷۳، ۱۲/ ۲۰۴)

الحدیث. وبذلک یتبین صحۃ قول من عزا روایتہ الی المؤطا.[۱]

امام محمد بن حسنؒ صاحب ابی حنیفہؒ کی روایت والے نسخہ میں چند احادیث ایسی ہیں جو مؤطا کے دیگر نسخوں میں موجود نہیں ہیں، جیسا کہ حدیث: ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' ہے۔ اس سے ان لوگوں کا قول صحیح ثابت ہو جاتا ہے جنہوں نے اس حدیث کی نسبت مؤطا کی طرف کی ہے۔[۲]

آپ کی کتب کے بعض رُوات:

آپ کی کتب کو آپ سے متعدد ائمہ نے روایت کیا ہے جن میں سے بعض (امام شافعیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام محمد بن مہرانؒ وغیرہ) کا تذکرہ ہو چکا ہے، جب کہ دیگر بعض کے متعلق محدثین کی تصریحات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) آپ کی کتب کو روایت کرنے والوں میں محدث کبیر امام محمد بن سماعہؒ (م: ۲۳۳ھ) بھی

۱۔ تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک (ص ۱۵)

۲۔ ان سب تصریحات کے بالمقابل علی زئی یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ

شیبانی (یعنی امام محمدؒ) سے منسوب المؤطا اور کتاب الآثار دونوں غیر ثابت کتابیں ہیں جنہیں کذابین اور معتزلیوں وغیرہم نے گھڑ لیا ہے۔

(الحدیث ش ۷، ص ۲۰)

گویا علی زئی کی نظر میں یہ سب جلیل القدر محدثین کذاب اور معتزلی ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

اور پھر علی زئی کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ وہ مؤطا اور کتاب الآثار کی مذکورہ بالا تمام اسانید کو چھوڑ کر ان دونوں کی صرف ایک ایک سند کو ذکر کر کے ان کے رواۃ پر کلام کر رہے ہیں جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں کی صرف یہی ایک ایک سند ہے، حالانکہ ان دونوں کتابوں کی متعدد اسانید ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ علی زئی یا تو ان اسانید سے جاہل ہیں یا پھر تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

نیز علی زئی یہاں تو ان دونوں کتب کو غیر ثابت قرار دے رہے ہیں لیکن دیگر کئی مقامات پر انہوں نے ان کتب سے بڑے طمطراق سے استدلال بھی کیا ہے جس کی تفصیل آگے انشاء اللہ آ رہی ہے۔

ہیں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) بحوالہ امام ابوعبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) لکھتے ہیں:

ومن اصحاب ابی یوسف ومحمد جمیعا ابو عبدالله محمد بن سماعة وهو من الحفاظ الثقات، کتب النوادر عن ابی یوسف و محمد جمیعا، وروی الکتب والامالی.[1]

امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے مشترکہ تلامذہ میں سے ابوعبداللہ محمد بن سماعہ بھی ہیں جو کہ حفاظ حدیث اور ثقہ محدثین میں سے ہیں، انہوں نے امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں سے "کتب النوادر" لکھی تھیں، اور ان سے ان کی دیگر کتب اور امالی کو روایت کیا ہے۔

(۲) اسی طرح آپ سے آپ کی کتب کو روایت کرنے والوں میں امام ابوسلیمان الجوزجانیؒ (م:۲۱۱ھ) بھی ہیں، اور پھر امام جوزجانیؒ سے کئی حضرات نے امام محمدؒ کی کتب کو روایت کیا۔ مثلاً حافظ ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمیؒ (م۴۲۷ھ) نے علی بن شہریار استرآباذیؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

انه من اصحاب الرأی ثقة فی الحدیث، اخذ کتب محمد بن الحسن عن ابی سلیمان الجوزجانی عن محمد وسمعوا منه کتب محمد بن الحسن.[2]

یہ اصحاب رائے (فقہائے احناف) میں سے تھے اور حدیث میں ثقہ تھے، انہوں نے امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں کو امام ابوسلیمان الجوزجانیؒ سے، اور انہوں نے امام محمدؒ سے حاصل کیا تھا، جب کہ محدثین نے امام علی بن شہریار سے امام محمد بن حسن رحمہما اللہ تعالیٰ کی کتب کا سماع کیا ہے۔

اسی طرح امام احمد بن عیسیٰ برتیؒ (م۲۸۰ھ) جو کہ ایک ثقہ حافظ الحدیث اور حدیث میں

---

۱. تاریخ بغداد (۲/۴۰۳)؛ نیز دیکھئے اخبار ابی حنیفة و اصحابه (ص ۱۶۱) للصمیریؒ

۲۔ تاریخ جرجان (ص ۲۵۵)

ایک مسند کے مصنف ہیں، انہوں نے بھی امام جوز جانیؒ سے امام محمدؒ کی کتب کو روایت کیا ہے، چنانچہ امام محمد بن خلف المعروف بہ وکیعؒ (م ۳۰۶ھ) اور علامہ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) نے ان کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ:

و کان یروی کتب محمد بن الحسن عن ابی سلیمان الجوزجانی۔[1]

یہ امام محمد بن حسنؒ کی کتب کو ابو سلیمان جوز جانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ عبد القادر القرشیؒ (م:۷۷۵ھ) کی تصریح کے مطابق امام اسعد بن عبد اللہ بن حمزہ الفقیہؒ، اور امام زیاد بن عبد الرحمانؒ نے بھی امام ابو سلیمان الجوز جانیؒ سے امام محمدؒ کی کتب کو روایت کیا ہے۔[2]

(۳) امام جوز جانیؒ جو امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں کی کتب کے بڑے راوی ہیں، ان کے ساتھ ان کتب کو امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت کرنے میں امام معلی بن منصور الرازیؒ (م:۲۱۱ھ) بھی شریک تھے، چنانچہ حافظ قرشیؒ اور حافظ صمیریؒ (م ۴۳۶ھ) امام معلیؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی عن ابی یوسف و محمد الکتب والامالی والنوادر، وشارکهٗ فی ذلک ابو سلیمان الجوزجانی، وهما من الورع والدین و حفظ الفقه والحدیث بالمنزلة الرفیعة۔[3]

امام معلیؒ نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے ان ہر دو کی کتب، امالی اور نوادر کو روایت کیا ہے، اور ان کے ساتھ ان کتب کو روایت کرنے میں امام ابو سلیمان الجوز جانی بھی شریک تھے، اور یہ دونوں حضرات پرہیز گاری، دین داری، اور فقہ و حدیث کے حفظ میں بلند مرتبت تھے۔

واضح رہے کہ امام معلی بن منصورؒ کا شمار امام بخاریؒ کے کبار شیوخ میں ہوتا ہے، چنانچہ حافظ

---

[1] اخبار القضاۃ (ص ۶۶۷)، تاریخ بغداد (۲۶۶/۵)

[2] الجواہر المضیۃ (۱۸۳،۱۴۳/۱)

[3] الجواهر المضیة (۱۷۸/۲)؛ اخبار ابی حنیفة و اصحابه (ص ۱۶۱)

ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے ''صحیح البخاری'' کی ایک حدیث جس کے راوی امام معلیٰ ہیں، کے متعلق لکھا ہے:

معلی بن منصور ہو من کبار شیوخ البخاری.[۱]

معلیٰ بن منصورؒ، امام بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں۔

(۴) امام فرات بن نصر ابو جعفر الفقیہؒ (م: ۲۳۶ھ) نے بھی امام محمدؒ سے آپ کی کتب کا سماع کیا تھا، چنانچہ حافظ قرشیؒ ان کے ترجمہ میں بحوالہ ''تاریخ ہرات'' لکھتے ہیں:

من اصحاب الرائی وکان عندہ عامة کتب محمد بن الحسن سمعها منه.[۲]

یہ اصحاب رائے (فقہائے احناف) میں سے تھے اور ان کے پاس امام محمد بن حسنؒ کی اکثر کتب تھیں جن کو انہوں نے آپ سے براہ راست سنا تھا۔

(۵) امام علی بن معبدؒ (جو کہ بقول حافظ ذہبیؒ: الامام، الحافظ، الفقیہ اور ائمہ کبار میں سے تھے۔[۳]) بھی امام محمدؒ سے آپ کی بعض کتب کو روایت کرتے ہیں۔

امام محمد بن یونس المصریؒ (م: ۳۴۸ھ) ''تاریخ مصر'' میں ان کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

وکان یذهب فی الفقه مذهب ابی حنیفة، وروی عن محمد بن الحسن "الجامع الکبیر" و "الصغیر" توفی بمصر لعشر بقین من رمضان سنة ثمان عشرة ومئتین.[۴]

یہ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر تھے، اور انہوں نے امام محمد بن حسنؒ سے ''الجامع الکبیر'' اور ''الجامع الصغیر'' کو روایت کیا ہے، ان کی وفات رمضان المبارک ۲۱۸ھ میں مصر میں ہوئی۔

(۶) امام ابو حفص الکبیرؒ (م: ۲۱۷ھ) جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، اور ان کا ترجمہ امام محمدؒ کے

۱. فتح الباری (۴/ ۵۰۰)
۲. ایضاً (۱/ ۴۰۵)
۳. سیئر اعلام النبلاء (۱۰/ ۶۳۱)
۴. ایضاً

تلامذہ میں گزر چکا ہے، یہ بھی امام محمدؒ کی کتب کے بڑے راوی ہیں۔

علامہ ملا علی القاریؒ (م:۱۰۱۴ھ) ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

فانه تفقه علیٰ ابی یوسف ثم علیٰ محمد حتی کتب کتبه وروی عنه خلق کثیر لایحصون.[1]

انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے فقہ کی تعلیم پائی اور پھر یہ امام محمدؒ سے فقہ حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آپ سے آپ کی کتب کو لکھا، اور پھر ان سے اتنے زیادہ لوگوں نے روایت کی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔

(۷) امام اسماعیل بن توبہ قزوینیؒ (م ۲۴۷ھ) جو کہ ایک ثقہ وصدوق محدث اور امام ابو حاتم رازیؒ اور امام ابن ماجہؒ وغیرہ محدثین کے استاذ ہیں۔ انہوں نے بھی امام محمدؒ سے ان کی کئی کتب مثلاً "مؤطا" اور "السیر الکبیر" وغیرہ کو روایت کیا ہے۔[2]

(۸) امام سلیمان بن شعیب الکیسانیؒ (م:۲۷۸ھ) جو کہ امام محمدؒ کے شاگرد اور امام طحاویؒ کے اساتذہ میں سے ہیں، انہوں نے آپ سے آپ کی کتب نوادر (جو ظاہر الراویہ کے علاوہ آپ کی کتب ہیں) روایت کی ہیں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ کے استاذ امام ابو عبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) ان کو امام محمدؒ کے تلامذہ میں شمار کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وله النوادر عنه.[3]

انہوں نے امام محمدؒ سے نوادر کو روایت کیا ہے۔

اسی طرح دیگر کئی ائمہ بھی آپ سے کتب نوادر کو روایت کرتے ہیں۔

حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م:۸۷۹ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وروی عنه النوادر جماعة منهم ابن سماعة وابن رستم وهشام.[4]

---

[1] ذیل الجواهر المضية (۲/۵۵۴)

[2] دیکھئے الجرح والتعدیل (۲/۱۶۲)؛ الارشاد فی معرفة علماء الحدیث (ص ۲۹۵، ۲۹۶)؛ التدوین فی اخبار قزوین (۲/۲۹۰)؛ الجواہر المضیۃ (۱/۱۴۷)

[3] اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۶۴)

[4] تاج التراجم (ص ۱۵۹)

آپ سے کتب نوادر کو ائمہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں سے محمد بن سماعہؒ، ابن رستمؒ، اور ہشام بن عبیداللہ الرازیؒ بھی ہیں۔

قارئین: آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام محمدؒ کی کتب سے محدثین نے کس قدر اعتناء کیا ہے؟ اور کس کثرت سے لوگوں نے آپ سے ان کتب کو روایت کیا ہے؟ اور ان کتب کے یہ رُوات کتنے اعلیٰ علمی مقام کے حامل ہیں؟ اور پھر آج تک اہل علم آپ کی ان کتب سے استدلال کرتے رہے ہیں اور کسی نے ان کو غیر ثابت نہیں قرار دیا۔ لیکن اس دور میں حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد ایک نئے محقق پیدا ہوئے ہیں جو ان سب حقائق سے قطع نظر لوگوں کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ امام محمدؒ کی کتب آپ سے باسند ثابت نہیں ہیں، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

محمد بن الحسن الشیبانی کذاب، ضعیف اور مردود الراویۃ ہے، اس سے منسوب کتابیں باسند صحیح و حسن ثابت نہیں ہیں۔[1]

یہ ہے علی زئی جیسے محقق بے توفیق کی تحقیق انیق کہ جس سے آج تک امت مسلمہ کے اہل علم لاعلم رہے ہیں۔ انا للہ......

خامہ انگشت بدندان ہے کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے

اور پھر علی زئی کا دوغلاپن ملاحظہ کریں کہ ایک طرف وہ امام محمدؒ کو کذاب، ضعیف اور مردود الروایہ اور آپ کی کتب کو غیر ثابت کہہ کر اپنی حسد کی بھڑاس نکال رہے ہیں، اور دوسری طرف اپنے مفاد کی خاطر آپ کو محدثین اور ائمہ حدیث میں شمار کرتے ہیں، اور بڑے طمطراق سے آپ کی کتب سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ تہجد سے متعلق حضرت عائشہؓ کی حدیث کو تراویح سے متعلق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس پر ائمہ محدثین نے قیام رمضان اور تراویح کے ابواب باندھے ہیں، پھر اس کے ذیل میں امام محمدؒ کی ''موطا'' کا حوالہ بھی دیا ہے۔[2]

---

۱. الحدیث (ش ۷، ص ۲۰)

۲. تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۳)

اسی طرح رفع یدین کی ایک حدیث کے اثبات میں انہوں نے جن کتب سے استدلال کیا ہے ان میں ایک مؤطا امام محمدؒ بھی ہے۔[۱]

اسی طرح آپ کی کتاب ''الحجه علیٰ اهل المدینة'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

محدثین (امام نسائی، امام نووی، امام ابوداؤد، محمد بن الحسن الشیبانی رحمہم اللہ (فی الحجة علیٰ اهل المدینة) وغیرہم نے اس پر سلام کے باب باندھے ہیں۔[۲]

نیز دوسری جگہ اسی کتاب کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بطور حوالہ لکھتے ہیں:

محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب الحجہ (۱/ ۹۷) وصرح الثوری بالسماع عنده (امام ثوریؒ نے ان کے ہاں سماع کی تصریح کی ہے)۔[۳]

امام مکحول شامیؒ کو امام ابوحنیفہؒ کا استاذ ثابت کرنے کے لیے امام محمدؒ کی روایت کردہ ''کتاب الآثار'' سے استدلال کرتے ہوئے علی زئی لکھتے ہیں:

حضرت مکحولؒ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ بھی ہیں۔ (کتاب الآثار: ص ۳۵۰ وغیرہ)۔[۴]

امام محمدؒ کی تصنیف ''کتاب الاصل'' (۱/ ۳۷۴، ۳۷۵) سے استدلال کرتے ہوئے علی زئی لکھتے ہیں:

محمد بن الحسن الشیبانی نے لکھا ہے کہ ولا یرفع یدیه. اور عیدین کی تکبیرات میں رفع یدین نہ کیا جائے۔[۵]

اب اس بے شرم انسان سے کوئی پوچھے کہ اگر امام محمدؒ آپ کے نزدیک کذاب اور مردود الروایہ ہیں، اور ان کی کتب ان سے صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں تو پھر آپ اپنے مطلب برآری کے لیے ان کو محدثین اور ائمہ محدثین میں کیوں شمار کر رہے ہیں اور ان کی کتب سے

---

۱. نور العینین (ص ۶۳)
۲. ایضاً (ص ۲۱۲)
۳. ایضاً (ص ۱۵۹)
۴. الکواکب الدریه (ص ۳۹)
۵. مقالات (۱/ ۳۹)

استدلال کس لیے کر رہے ہیں؟ سچ ہے:

ع بے حیا باش وہر آنچہ خواہی کن

الحاصل: زبیر علی زئی کے امام محمدؒ پر تمام اعتراضات باطل ہیں اور ان کے آپ کے خلاف سارے الزامات محض امام عالی شان کے خلاف ان کے تعصب اور عناد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان دشمنانِ ائمہ مجتہدین کو ہدایت نصیب فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین
برحمتک یا ارحم الراحمین

ظہور احمد الحسینی

۴ ذیعقدہ ۱۴۲۸ھ مطابق
۱۴ نومبر ۲۰۰۷ء

بمقام **جیلنگھم برطانیہ**

تذکرہ امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ

ولادت: ۱۱۶ھ، وفات: ۲۰۴ھ

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ اٰله واصحابه واتباعه اجمعین. امابعد

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے بعد جو سب سے زیادہ مشہور ہوئے وہ امام ابوعلی حسن بن زیاد اللؤلؤیؒ ہیں۔

مختصر سوانحی تذکرہ امام لؤلؤیؒ

آپ عراقی الاصل ہیں، اور عرب کے مشہور قبیلہ "النبطی" سے تعلق رکھتے ہیں، نیز آپ کا خاندان مدینہ منورہ کے "انصار" سے عقد موالات رکھنے کی وجہ سے انصاری بھی کہلاتا ہے۔ اور چونکہ آپ کے آباؤ اجداد "الؤلؤ" (موتیوں) کا کاروبار کرتے تھے اس لیے آپ کو اَللُّؤلُؤِیْ بھی کہا جاتا ہے۔

آپ تقریباً ۱۱۶ ہجری میں معدن العلم والفقہ "کوفہ" میں پیدا ہوئے، اور یہیں سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور زیادہ تر تعلیم یہیں کوفہ میں حاصل کی، اس کے بعد آپ دارالاسلام "بغداد" تشریف لے گئے اور وہاں مستقل اقامت اختیار کرلی۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وهو كوفي نزل بغداد.[1]

آپ کوفی ہیں اور بغداد میں آکر فروکش ہوئے۔

آپ ۱۹۴ھ میں مختصر عرصہ کے لیے کوفہ کے قاضی بھی رہے، چنانچہ مؤرخ اسلام امام خلیفہ

۱. تاریخ بغداد (۷/۳۲۵)

بن خیاطؒ (م: ۲۴۰ھ) ''قضات کوفہ'' کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

الکوفة: أقر علیها القاسم بن معن، ثم عزله وولی نوح بن دراج مولی النخ، ثم عزله وولی شریکا، ثم عزله وولی حفص بن غیاث، ثم الحسن بن زیاد اللؤلؤی.[1]

خلیفہ نے کوفہ کا قاضی قاسم بن معنؒ کو مقرر کیا، پھر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ نوح بن دراجؒ مولیٰ نخع کو قاضی بنا دیا، پھر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ شریک نخعیؒ کو، پھر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ حفص بن غیاثؒ کو، اور پھر ان کی جگہ امام حسن بن زیاد اللؤلوئیؒ کو قاضی مقرر کیا۔

علامہ خطیبؒ (م ۴۶۳ھ) نے بھی نقل کیا ہے کہ

توفی حفص بن غیاث فی سنة اربع وتسعین ومائة، فجعل مکانه. یعنی علی القضاء. الحسن بن زیاد اللؤلؤی.[2]

امام حفص بن غیاثؒ نے ۱۹۴ھ میں وفات پائی، اور ان کی جگہ عہدہ قضاء پر امام حسن بن زیاد اللؤلوئیؒ مقرر ہوئے۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وولی القضاء بعد حفص بن غیاث، ثم عزل نفسه.[3]

آپ امام حفص بن غیاثؒ کے بعد قاضی مقرر ہوئے، اور پھر خود ہی اس سے مستعفی ہو گئے۔

آپ کے عہدہ قضاء سے استعفاء دینے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا کہ آپ علمی مشغلہ کے مقابلے میں عہدہ قضاء کی مصروفیات میں مشغول ہو جائیں۔ چنانچہ آپ کے عہدہ قضاء چھوڑنے کا سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہوا کہ جب آپ مسند قضاء پر بیٹھتے تو قضاء کے متعلق تمام احکام بھول جاتے یہاں تک کہ اپنے تلامذہ سے پوچھ کر فیصلہ کرتے، اور جب مسند

۱. تاریخ خلیفة بن خیاط (ص ۳۰۷)
۲. تاریخ بغداد (۳۲۵/۷)
۳. سیر اعلام النبلاء (۵۴۳/۹)

قضاء سے اٹھتے تو آپ کا علم آپ کو دوبارہ مستحضر ہو جاتا۔ اس پر بکائی (والیِ کوفہ) نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے لگتا ہے کہ عہدہ قضاء کا آپ کے موافق نہ آنا اس میں آپ کے لیے بہتری رکھی گئی ہے لہٰذا آپ اس عہدہ کو چھوڑ دیں، چنانچہ آپ نے عہدہ قضاء سے استعفیٰ دے کر اس میں راحت پائی۔[1]

آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں بغداد میں ہوئی، اور اسی سال امام حسن بن ابی مالکؒ (جو ایک جلیل القدر حنفی فقیہ و محدث تھے) اور حضرت امام شافعیؒ نے انتقال فرمایا۔[2]

آپ کی تعلیم و تربیت:

آپ کوفہ جیسے علمی شہر میں پروان چڑھے لہٰذا آپ کا اس علمی ماحول سے متاثر ہونا ایک فطرتی بات تھی، اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی استعداد اور تحصیل علم کے شوق و جذبہ سے بھی بہت نوازا ہوا تھا اس لیے آپ نے ان سب خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علم میں خوب کمال حاصل کیا، اور اس کی تحصیل میں یگانہ روزگار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ سے شرف تلمذ:

آپ کی خوش قسمتی تھی کہ جب آپ نے تحصیل علم کا آغاز کیا اس وقت کوفہ کی مسند درس پر مجتہد اعظم، محدث افخم، اور حضرت علیؓ و حضرت ابن مسعودؓ کے علوم کے ترجمان حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) جلوہ فگن تھے، چنانچہ آپ باقاعدگی سے امام صاحبؒ کے درس میں شریک ہونے لگے، اور اس قدر ان سے تعلق اور اختصاص پیدا کیا کہ "صاحب ابی حنیفۃ" کہلائے، اور آپ کا شمار امام صاحبؒ کے نامور تلامذہ میں ہونے لگا۔

مشہور مؤرخ و ادیب علامہ ابن الندیمؒ (م: ۳۸۵ھ) آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> وهو الحسن بن زياد اللؤلؤى. ويكنى ابا على، من اصحاب ابى حنيفة، ممن اخذ عنه وسمع منه.[3]

امام حسن بن زیاد اللؤلؤیؒ کہ جن کی کنیت ابو علی ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ کے ان اصحاب میں

---

[1] كتاب الانساب (۴/۱۹۶)

[2] اخبار ابى حنيفة واصحابه (ص ۱۳۷)، الفوائد البهية (ص ۶۱)

[3] الفهرست (ص ۲۵۸)

سے ہیں جنہوں نے آپ سے اخذ علم کیا اور حدیث کا سماع کیا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

احد اصحاب ابی حنیفة الفقیه، حدث عن ابی حنیفة۔[1]

آپ امام ابوحنیفہ الفقیہؒ کے اصحاب میں سے ایک ہیں، اور آپ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ)، حافظ سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ)، حافظ ابن الاثیرؒ (م:۶۳۰ھ)، حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۴۸ھ) اور دیگر محدثین بھی آپ کو "صاحب الامام ابی حنیفۃ" کہتے ہیں۔[2]

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) آپ کے ترجمہ میں تصریح کرتے ہیں:

وتفقه علیٰ ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ۔[3]

آپ نے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

نیز ذہبیؒ امام ابوحنیفہؒ کے مناقب میں ارقام فرماتے ہیں:

تفقه به جماعة من الکبار۔

آپ سے کبار اہل علم کی ایک جماعت نے فقہ سیکھا ہے۔

اور پھر اس کے ذیل میں انہوں نے ان کبار اہل علم میں آپ کو بھی شمار کیا ہے۔[4]

علاوہ ازیں آپ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، اور امام زفرؒ کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے سب سے بڑے راوی، اور ان کی آراء کے ترجمان ہیں، اور فقہ حنفی کی کتب آپ کی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

نیز آپ نے امام صاحبؒ سے فقہی اقوال نقل کرنے کے علاوہ ان سے احادیث بھی بکثرت روایت کی ہیں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) آپ کے ترجمہ میں تصریح

---

۱. تاریخ بغداد (۳۲۵/۷)

۲. العبر (۲۷۰/۱)، کتاب الانساب (۱۹۶/۴)، اللباب (۲۷۹/۲)، الجواهر المضیة (۱۹۳/۱)

۳. لسان المیزان (۲۴۹/۲)

۴. مناقب ابی حنیفة وصاحبیه (ص ۱۱)

کرتے ہیں:

لمحمد بن شجاع الثلجی عن الحسن بن زیاد اللؤلؤی عن ابی حنیفة روایات کثیرة۔[1]

امام محمد بن شجاع ثلجیؒ نے امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ سے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔[2]

۱۔ تاریخ بغداد (۳۲۸/۷)

۲۔ **امام لؤلؤیؒ کے خلاف علی زئی کا تعصب:** ان سب حقائق اور محدثین کی مذکورہ تصریحات کے باوجود ایک انتہائی متعصب غیر مقلد زبیر علی زئی پیردادی، امام حسن بن زیادؒ کے امام ابوحنیفہؒ سے تلمذ کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حسن بن زیاد نے ابوحنیفہؒ سے فقہ سیکھی، اس کی صحیح متصل دلیل معلوم نہیں ہے۔ (الحدیث: ش ۱۶، ص ۳۱، حاشیہ نمبر ۱)

گویا علی زئی کی نظر میں امام حسن بن زیادؒ نے امام صاحبؒ سے جو مسائل خود سن کر ان سے روایت کیے ہیں کہ جن سے فقہ حنفی (جو ہر دور میں امت کی اکثریت کا دستور عمل رہا ہے) کی کتب مالا مال ہیں، یہ سب مسائل امام صاحبؒ سے غیر متصل ہیں، اور امت کی اکثریت ہمیشہ غلط مسائل پر عمل کرتی آئی ہے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

نیز تمام اجلہ محدثین بھی امام صاحبؒ سے امام حسن بن زیادؒ کے تلمذ پر پُرزور گواہی دے رہے ہیں اور یہ متعصب غیر مقلد اپنے دعوئ اہلحدیث کے باوجود ان کی گواہیوں کو رد کر رہا ہے، اور پھر یہ عورتوں کی طرح علامہ زاہد الکوثریؒ وغیرہ جیسے محققین کو طعنے دیتا ہے کہ یہ لوگ محدثین کی گواہیوں کو تسلیم نہیں کرتے، چنانچہ موصوف نے علامہ کوثریؒ وغیرہ پر الزام تراشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

کوثری پارٹی (محمد زاہد کوثری اور ذریت کوثری) دن کو رات، جھوٹ کو سچ اور سیاہ کو سفید ثابت کرنے کی کوشش میں مگن ہے۔ جلیل القدر محدثین کی گواہیوں کے مقابلے میں ان لوگوں کا حسن بن زیاد مذکور کو ثقہ و موثق ثابت کرنے کی کوشش باطل ہے۔ (الحدیث: ش ۱۶ ص ۳۰) حالانکہ امام حسن بن زیادؒ کی کئی محدثین نے توثیق کی ہے جیسا کہ تفصیل سے ہم آگے ذکر کر رہے ہیں، اس کے بالمقابل تمام مشہور و اجلہ محدثین نے امام صاحبؒ سے آپ کے تلمذ پر گواہی دی ہے، اور کسی ایک محدث نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

اب علی زئی خود فیصلہ کرلیں کہ علامہ زاہد کوثری صاحبؒ محدثین کی گواہیوں کو رد کر کے دن کو رات، اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا آپ جناب؟

ع وہ الزام اوروں کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

دیگر مشائخ سے اخذ علم:

امام لؤلؤیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ دیگر کئی اہل علم خصوصاً امام صاحبؒ کے کبار تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ وغیرہ سے بھی اخذ علم کیا ہے۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) اور حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م:۸۷۹ھ) آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

وکان یختلف الیٰ زفر وابی یوسف فی الفقه، قال الحسن: وکان ابو یوسف اوسع صدرا الی التعلیم من زفر.[1]

آپ فقہ کی تعلیم کے لیے امام زفرؒ اور امام ابو یوسفؒ کے پاس آمدورفت رکھتے تھے، اور امام حسن بن زیادؒ فرماتے تھے کہ امام ابو یوسفؒ علم سکھانے میں امام زفرؒ سے زیادہ وسیع الصدر تھے۔

نیز آپ نے ان دونوں حضرات سمیت امام صاحبؒ کے کئی تلامذہ سے روایت حدیث بھی کی ہے، اور ساتھ دیگر کئی نامور محدثین سے بھی آپ تحصیل حدیث کرتے رہے، جن میں سرفہرست بلند پایہ محدث اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی امام ابن جریجؒ (م:۱۵۰) ہیں۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) ارقام فرماتے ہیں:

الحسن بن زیاد اللؤلؤی الکوفی عن ابن جریج وغیرہ.[2]

امام حسن بن زیاد اللؤلؤی الکوفیؒ نے امام ابن جریجؒ اور دیگر محدثین سے روایت حدیث کی ہے۔

آپ نے امام ابن جریجؒ سے بڑی کثرت سے احادیث لکھی تھیں، چنانچہ حافظ عبدالقادر القرشیؒ (م:۷۷۵ھ) لکھتے ہیں:

والحسن بن زیاد کتب عن ابن جریج اثناعشر الف حدیث.[3]

امام حسن بن زیادؒ نے امام ابن جریجؒ سے بارہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔

---

۱. الجواهر المضية (۱/۱۹۳)، تاج التراجم (ص ۲۲)

۲. لسان المیزان (۲/۲۴۹)

۳. الحاوی فی بیان آثار الطحاوی (۲/۲۱۰)

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے بہ سند متصل خود آپ کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ

كتبتُ عن ابن جريج اثنتى عشر الف حديث كلها يحتاج اليها الفقهاء.[1]

میں نے امام ابن جریج سے بارہ ہزار ایسی حدیثیں لکھی ہیں جن کی طرف فقہاء محتاج رہتے ہیں۔یعنی ان احادیث کا تعلق احکام فقہ سے ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ (م:۳۲۷ھ) آپ کے بعض اساتذہ حدیث کے اسماء گناتے ہوئے لکھتے ہیں:

روى عن سعيد بن عبيد الطائى وابن جريج و مالك بن مغول وايوب بن عتبة والحسن بن عمارة.[2]

امام حسن بن زیادؒ نے سعید بن عبید الطائیؒ، ابن جریجؒ، مالک بن مغولؒ، ایوب بن عتبہؒ اور حسن بن عمارہؒ سے روایت حدیث کی ہے۔

امام محمد بن زاہد الکوثریؒ (م:۱۳۷۱ھ) کی تصریح کے مطابق آپ امام داؤد بن نصیر الطائیؒ، امام وکیع بن جراحؒ وغیرہ سے بھی احادیث کی روایت کرتے ہیں۔[3]

علاوہ ازیں آپ ایک بہت بڑے قاری قرآن بھی تھے، اور آپ نے قرآن مجید کی قرأت کو زکریا بن سیاءؒ سے روایت کیا ہے جو کہ قراء سبعہ میں سے مشہور قاری امام عاصم بن ابی النجودؒ (یہ قرأت میں امام ابو حنیفہؒ کے بھی استاذ ہیں)[4] کے شاگرد ہیں، چنانچہ امام ابن خلفونؒ (م:......) ان کو "الثقات" (ثقہ راویوں) میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

1. تاریخ بغداد (۳۲۵/۷)
2. الجرح والتعديل (۱۵/۳)
3. الامتاع بسيرة الامين الحسن بن زياد و صاحبه محمد ابن شجاع (ص ۲۰)
4. خاتمۃ الحفاظ امام محمد بن یوسف صالحی الشافعیؒ (م:۹۴۲ھ) مؤلف "سيرة الشامية" ارقام فرماتے ہیں: وقد ورد من عدة طرق ان الامام ابا حنيفة اخذ القراءة عن الامام عاصم بن ابى النجود احد القراء السبعة. (عقود الجمان ص ۳۱۸) متعدد روایات میں وارد ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے قرآن مجید کی قرأت کو امام عاصم بن ابی النجودؒ جو قراء سبعہ میں سے ایک ہیں، سے سیکھا تھا۔

روی القرأ آت عن عاصم ورواھا عنہ الحسن بن زیاد اللؤلؤی.[1]

زکریا بن سیاءؒ نے قرآن مجید کی قرأ آت کو امام عاصمؒ سے روایت کیا ہے، اور ان سے ان قرأ آت کو امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح آپ نے امام عیسیٰ بن عمر الہمدانیؒ (م:۱۵۶ھ) جو کہ کوفہ میں امام حمزہؒ کے بعد سب سے بڑے قاری تھے، سے بھی قرأت کی سند لی تھی۔[2]

مسند درس وتدریس:

امام لؤلؤیؒ تحصیلِ علم کے بعد تدریس علم کی طرف متوجہ ہوئے، اور دار السلام "بغداد" میں اپنا حلقہ درس قائم کیا، چنانچہ حافظ ذہبیؒ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

نزل بغداد، وصنف، وتصدر للفقہ.[3]

آپ بغداد میں فروکش ہوئے اور کتابیں تصنیف کیں، اور فقہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔

آپ کے علمی سرچشمہ سے ایک خلق کثیر نے فیض پایا ہے، اور آپ کے تلامذہ میں فقہاء، محدثین اور قراء وغیرہ تمام طبقوں کے لوگ شامل ہیں۔

امام لؤلؤیؒ کے بعض مشہور تلامذہ کا تعارف:

امام لؤلؤیؒ سے شرق وغرب کے اہلِ علم نے استفادہ کیا۔ ذیل میں آپ کے بعض مشہور اور مخصوص تلامذہ کا تعارف پیش خدمت ہے:

۱۔ امام اسماعیلؒ بن حمادؒ بن امام اعظمؒ (م:۲۱۲ھ)

یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پوتے اور امام حمادؒ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ حدیث وفقہ وغیرہ علوم میں انتہائی جلیل القدر اور بلند مرتبت ہیں۔ حافظ عبدالقادر قرشی (م:۷۷۵ھ) ان کے

---

۱. تعجیل المنفعۃ (ص ۱۶۹) للحافظ ابن حجرؒ

۲. تاریخ الاسلام للذہبی (ترجمہ امام لؤلؤیؒ)

۳. سیر اعلام النبلاء (۹/ ۵۴۳)

بارے میں لکھتے ہیں:

الامام بلا مدافعة ذو الفضائل الشريفة والخصال المنيفة.[1]

یہ بلا اختلاف امام، عمدہ فضائل اور اچھی عادات کے مالک تھے۔

حافظ ابن قطلو بغاؒ (م: ۸۷۹ھ) ان کو: امام، عالم، **عارف، بصیر بالقضاء، محمود السیرت، فقیہ،** احکام اور وقائع (جدید مسائل) کے عالم، دین دار، صالح اور عابد قرار دیتے ہیں۔[2]

حافظ ذہبیؒ ان کو فقیہ اور زہد، عبادت اور احکام میں عدل کے ساتھ موصوف قرار دیتے ہیں۔[3]

علامہ خطیب بغدادیؒ نے امام محمد بن عبداللہ انصاریؒ (: ۲۱۵) سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے سے لے کر اب تک کوئی قاضی اسماعیل بن حماد سے بڑا عالم نہیں گزرا، پوچھا گیا کہ کیا حضرت حسن بصریؒ بھی نہیں؟ فرمایا: وہ بھی نہیں۔[4]

امام محمد بن خلف المعروف بالوکیعؒ (م ۳۰۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

قالو: وكان اسماعيل بن حماد بن ابی حنيفة سلفيا صحيحا.[5]

محدثین فرماتے ہیں کہ: امام اسماعیل بن حماد بن ابوحنیفہؒ سلفی اور صحیح العقیدہ تھے۔

امام موصوف نے اپنے جدامجد کی فقہ اپنے والد امام حمادؒ اور امام لؤلؤیؒ سے حاصل کی تھی، چنانچہ حافظ قرشیؒ اور حافظ ابن قطلو بغاؒ امام موصوف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تفقه علىٰ ابيه حماد والحسن بن زياد.[6]

انہوں نے فقہ کی تعلیم اپنے والد امام حمادؒ اور امام حسن بن زیادؒ سے حاصل کی۔

---

۱. الجواهر المضية (۱۴۸/۱)

۲. تاج التراجم (ص ۸)

۳. العبر (۳۸۴/۱)

۴. تاريخ بغداد (۲۴۲/۶)

۵. اخبار القضاۃ لوکیع (ص ۳۴۲)

۶. الجواهر المضية (۱۴۸/۱)، تاج التراجم (ص ۱۷)

۲۔ امام محمد بن شجاع ثلجیؒ (م:۲۶۶ھ)

ان کو بلخی بھی کہا جاتا ہے، اور یہ امام حسن بن زیادؒ کے خصوصی شاگرد اور حدیث، فقہ، اور قرأتِ قرآن وغیرہ علوم میں انتہائی بلند مرتبت تھے۔

امام ابوعبداللہ الصیمریؒ (م:۴۳۶ھ) اور امام عبدالقادر القرشیؒ (م:۷۷۵ھ) ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

ومن اصحاب الحسن بن زیاد محمد بن شجاع الثلجی، وھو المقدم فی الفقه والحدیث وقراۃ القرآن، مع ورع و عبادۃ.[۱]

امام حسن بن زیادؒ کے تلامذہ میں سے امام محمد بن شجاع ثلجیؒ بھی ہیں جو کہ پرہیزگاری اور عبادت کے ساتھ ساتھ فقہ، حدیث اور قرأت قرآن میں بھی فوقیت رکھتے ہیں۔

مؤرخ شہیر علامہ ابن الندیمؒ (م:۳۸۵ھ) ان کے تعارف میں رقمطراز ہیں:

مبرد علیٰ نظرائه من اھل زمانه. وکان فقیھا ورعاثباتاً علیٰ رأیه، وھوالذی فتق فقه ابی حنیفة، واحتج له واظھر علله وقواہ بالحدیث وحلاہ فی الصدور.[۲]

امام ثلجیؒ اپنے زمانے میں اپنے تمام ہم مثل اہل علم پر فوقیت رکھتے تھے، اور وہ فقیہ، پرہیزگار، اور اپنی رائے میں پختہ کار تھے، انہوں نے ہی امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو مضبوط اور مدلل کیا، اور اس کے دلائل کو ظاہر کیا، اور حدیث سے ان کو طاقت بخشی، اور لوگوں کے دلوں میں اس کی حلاوت پیدا کی۔

امام صلاح الدین صفدیؒ (م۷۶۴ھ) نے امام ثلجیؒ کے ترجمے کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

محمد بن شجاع: الفقیه، الحافظ، الحنفی، احد الاعلام الکبار.[۳]

---

۱. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۶۴)، الجواھر المضیة (۲/۶۰)

۲. کتاب الفھرست (ص ۲۵۹)

۳۔ الوافی بالوفیات (۱۱۰۳)

محدث کبیر امام حاکم نیشاپوریؒ (م: ۴۰۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

واما ابو عبدالله محمد بن شجاع الثلجی فانه کثیر الحدیث کثیر التصانیف، رایت عندابی عبدالله محمد بن احمد بن موسی القمی خازن السلطان عن ابیه عن محمد شجاع کتاب المناسک فی نیف و ستین جزءًا کبارًا دقاقًا۔[1]

امام ابو عبداللہ محمد بن شجاع الثلجیؒ کثیر الحدیث اور کثیر التصانیف تھے، میں نے خازن السلطان (بادشاہ کے خزانچی) ابو عبداللہ محمد بن احمد بن موسیٰ القمیؒ کے پاس حج کے مسائل پر ایک کتاب دیکھی تھی جس کو وہ اپنے والد (احمد بن موسیٰؒ) سے، اور وہ (اس کتاب کے مصنف) امام محمد بن شجاعؒ سے روایت کرتے تھے، یہ کتاب بڑے سائز کے ساٹھ اجزاء (جلدوں) پر مشتمل تھی اور اس کی کتابت انتہائی باریک تھی۔

امام حاکمؒ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کے صرف ایک عنوان ''حج'' پر امام ثلجیؒ کی یہ کتاب باریک قلم سے ساٹھ اجزاء پر مشتمل تھی، اور اگر یہ قدرے جلی قلم سے لکھی جاتی تو اس کتاب کی ضخامت ساٹھ اجزاء سے کہیں زیادہ ہوتی۔ فقط ایک عنوان پر اتنی معلومات سے آپ کے علم وفضل کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں امام حاکمؒ نے اپنی مشہور کتاب ''المستدرک'' میں امام ثلجیؒ سے حجت پکڑی ہے، اور آپ کی ایک روایت کو نقل کر کے صراحتًا اس کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ اور پھر حافظ ذہبیؒ جیسے محدث ناقد نے بھی امام حاکمؒ کے اس فیصلے سے موافقت کی ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں جبال علم کے نزدیک امام ثلجیؒ ثقہ اور صحیح الاسناد ہیں۔

نیز حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) نے ان کو محدثین کے طبقہ میں شمار کیا ہے، اور ان کے نام کے ساتھ حافظ الحدیث ہونے کی بھی تصریح کی ہے۔[3]

---

۱. معرفت علوم الحدیث (ص ۲۰۵)

۲. المستدرک (۴/۱۲۹، ح ۷۱۱۷)

۳. المعین فی طبقات المحدثین (ص ۱۰۲)

اور ذہبیؒ، ابراھیم بن اورمہ الحافظ کے ترجمہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

العلامة محمد بن شجاع الثلجی البغدادی صاحب التصانیف.[1]

نیز ذہبیؒ نے ان کو "احدالاعلام" اور "مِنْ بحور العلم" (علم کے سمندر) قرار دیا ہے، اوران کے بارے میں لکھا ہے:

وکان صاحب تعبدو تهجد و تلاوة، مات ساجدا.[2]

یہ عبادت گزار، تہجد گزار، اور صاحب تلاوتِ قرآن تھے، اوران کا انتقال سجدے کی حالت میں ہوا۔

اسی طرح حافظ موصوف نے امام ثلجیؒ کے ایک شاگرد علی بن موسیٰ القمیؒ (م: ۳۰۵ھ) کو ان کے تلامذہ فقہ میں شمار کرنے کے بعد ان کو "شیخ الحنفیة" اور "عالم اهل الرأی" قرار دیا ہے۔

اور پھر لکھا ہے کہ

وکان اهل الرأی بصراء بالحدیث، قدر حلوا فی طلبه، وتقدموا فی معرفته.[3]

اہل رائے حدیث میں بصیرت رکھتے تھے، اور حدیث کی طلب میں وہ رحلِ سفر باندھتے تھے اوراس کی معرفت میں فوقیت رکھتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ جیسے عظیم محدث ناقد کے اس اقتباس سے واضح ہوگیا کہ امام ثلجیؒ اوران کے تلامذہ اوراساتذہ (امام حسن بن زیادؒ وغیرہ) اہل رائے اور فقہاء میں شمار ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث میں بھی بصیرت اور فوقیت رکھتے تھے۔

افسوس! امام ثلجیؒ جیسے جلیل القدر امام بھی دیگر ائمہ احناف کی طرح بعض متعصب محدثین کے ظلم وستم کا نشانہ بننے سے محفوظ نہ رہ سکے، یہاں تک کہ حافظ ابن عدیؒ (جن کو احناف پر بے جا الزامات لگانے میں خصوصی دلچسپی تھی) نے امام موصوف پر یہ بے بنیاد بہتان باندھ دیا کہ یہ عقیدہ

---

۱. تذکرة الحفاظ (۲/ ۱۵۱)

۲. سیئر اعلام النبلاء (۱۲/ ۳۷۹)

۳. ایضاً (۱۴/ ۲۳۶)

تشبیہ (اللہ تعالیٰ کے لیے بندوں جیسی صفات ثابت کرنے) کی تائید میں احادیث وضع کیا کرتے تھے۔

محدث جلیل وفقیہ نبیل حافظ بدر الدین عینیؒ (م:۸۵۵ھ) حافظ ابن عدی کے اس الزام کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

من جملة تصانيفه كتاب الرد علَى المشبهة، فكيف يصح هذا عنه، وكان دينا صالحا عابدا.[۱]

امام ثلجیؒ کی تصانیف میں سے ایک کتاب "الرد علی المشبهة" (فرقہ مشبہہ کے رد میں) بھی ہے، لہٰذا ان کے متعلق یہ بات (کہ یہ عقیدہ تشبیہ کی تائید میں حدیثیں وضع کیا کرتے تھے) کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اور امام موصوف دین دار، صالح اور عبادت گزار تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

واضح رہے کہ امام ثلجیؒ، مشہور مؤرخ وعلامۃ المغازی محمد بن عمر واقدیؒ (م ۲۰۷ھ) کی تصنیف "کتاب المغازی" کے بنیادی راوی بھی ہیں، اور انہوں نے اس کتاب کو علامہ واقدیؒ سے براہ راست نقل کیا ہے۔ جیسا کہ امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے اپنے ثبت میں تصریح کی ہے، اور امام مقدسیؒ نے امام ثلجیؒ تک اس کتاب کا سلسلہ سند بھی ذکر کر دیا ہے۔[۲]

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) بھی امام ثلجیؒ کے واسطے سے ہی اس کتاب کو روایت کرتے ہیں، اور انہوں نے ان تک اپنی سند بھی ذکر کر دی ہے۔[۳]

۲۔ امام اسحاق بن بہلول التنوخیؒ (م:۲۵۲ھ)

یہ بھی ایک پختہ کار حافظ الحدیث اور بلند پایہ فقیہ ہیں۔

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ان کے ترجمے کا آغاز: "الحافظ، الناقد اور الامام" کے القاب سے کیا ہے۔[۴]

۱۔ البنایة فی شرح الهدایة (۲۲۶/۱)

۲۔ ثبت مسموعات (ص ۲۰۵)

۳۔ المعجم المفہرس (ص ۷۶)

۴۔ تذکرۃ الحفاظ (۷۵/۲)

نیز ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

الحافظ، الثقة، العلامة.[1]

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) وغیرہ محدثین نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔[2]

ان کی کثرتِ حدیث کا یہ حال تھا کہ علامہ خطیبؒ نے نقل کیا ہے کہ

فحدث ببغداد من حفظه بخمسين الف حديث، لم يخطئ في شئي منها.[3]

انہوں نے بغداد میں اپنے حافظہ سے پچاس ہزار حدیثیں بیان کی ہیں، اور ایک حدیث میں بھی غلطی نہیں کی۔

یہ سب علمی کمالات رکھنے کے باوجود انہوں نے فقہ کی تعلیم امام حسن بن زیادؒ سے حاصل کی، چنانچہ علامہ خطیب لکھتے ہیں:

وذكر اهله انه كان فقيها حمل الفقه عن الحسن بن زياد اللؤلؤى.[4]

امام اسحاق بن بہلولؒ کے گھر والوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ فقیہ تھے، اور انہوں نے فقہ امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ سے سیکھا تھا۔

۴۔ **امام محمد بن سماعہؒ (م:۲۳۶ھ)**

امام ابن سماعہ بھی کبار و اَجلّہ اہل علم میں سے ہیں۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثقة كبير.[5]

کہ یہ بہت بڑے ثقہ ہیں۔

---

۱. سیر اعلام النبلاء (۱۲/ ۴۸۹)

۲. تاریخ بغداد (۶/۳۶۳ تا ۳۶۵)

۳. ایضاً

۴. ایضاً

۵. الحاوی فی بیان آثار الطحاوی (۲/۲۰۷)

علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے اپنے استاذ امام ابو عبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) سے ان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

هو من الحفاظ الثقات.[1]

یہ ثقہ حفاظ حدیث میں سے ہیں۔

امام الجرح والتعدیل حافظ یحیٰ بن معینؒ (م:۲۳۲ھ) فرمایا کرتے تھے:

اگر محدثین حدیث بیان کرنے میں اس طرح راست باز ہو جائیں جس طرح امام محمد بن سماعہؒ رائے (فقہ) میں راست باز ہیں تو وہ بلند پایہ مقام حاصل کر لیں۔[2]

نیز امام ابن معینؒ ان کو "ریحانة العلم" (علم کے پھول) قرار دیتے تھے۔[3]

یہ بلند پایہ جبل علم بھی امام حسن بن زیادؒ کے علمی خوشہ چینوں میں سے ہے۔[4]

۵۔ امام ولید بن حماد بن زیاد اللؤلؤیؒ

یہ امام حسن بن زیادؒ کے بھتیجے ہیں، انہوں نے اپنے چچا محترم سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ روایت حدیث بھی کی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) نے تصریح کی ہے۔[5]

امام موصوف نے امام حسنؒ سے قرأت کی روایت بھی کی ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) امام حسنؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

فقدروى القراءة عن عيسىٰ بن عمر، وزكريا بن سياه، وروى عنه الحروف وليد بن حماد اللؤلؤى.[6]

امام حسن بن زیادؒ نے امام عیسیٰ بن عمرؒ اور امام زکریا بن سیاہؒ سے قرأت کی روایت

۱۔ تاریخ بغداد (۲/۴۰۳)

۲۔ ایضاً

۳۔ الجواهر المضيعة (۲/۵۹)

۴۔ الفوائد البهية (ص ۷۰)

۵۔ لسان الميزان (۶/۲۹۵)

۶۔ تاريخ الاسلام (ترجمه امام حسن بن زيادؒ)

کی ہے، جب کہ آپ سے امام ولید بن حماد لؤلؤیؒ حروف (قرأت) روایت کرتے ہیں۔

نیز امام ولیدؒ نے امام ابو یوسفؒ سے بھی روایت حدیث کی ہے، چنانچہ امام ابن حبانؒ (م:۳۵۴ھ) ان کو "الثقات" (ثقہ راویوں) میں شمار کرتے ہوئے ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں:

روی عن ابی یوسف. وعنه محمد بن عثمان البھی.[1]

انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے، اور ان سے محمد بن عثمان البھیؒ روایت کرتے ہیں۔

امام موصوف سے محمد بن عثمان البھیؒ کے علاوہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہؒ، امام احمد بن ابی عمرانؒ (استاذ امام طحاویؒ) اور ان کے صاحبزادے ابراہیم بن ولید وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔[2]

امام احمد بن ابی عمرانؒ (م:۲۸۰ھ) نے ان سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے چچا امام حسن بن زیادؒ سے پوچھا کہ آپ امام زفر بن ہذیلؒ اور امام ابو یوسفؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی مجلس درس میں کیسے پاتے تھے؟

آپ نے جواب میں فرمایا: کعصفورین قد انقض علیھما بازی.[3]

کہ جیسے دو چڑیا باز کے مقابلے میں ہوں۔

امام لؤلؤی کے دیگر بعض تلامذہ:

ان مذکورہ بالا ائمہ فقہ وحدیث کے علاوہ بھی دیگر کئی اہل علم نے امام حسن بن زیادؒ سے حدیث وفقہ وغیرہ علوم میں تلمذ کا شرف حاصل کیا ہے۔ مثلاً الفتح بن عمرو الکشیؒ، ابو ہشام الرفاعیؒ، نصیر بن یحییٰ البلخیؒ، شعیب بن ایوب الصریفینیؒ، ابراہیم بن اسماعیل الطلحیؒ، طاہر بن ابواحمدؒ، خلف بن ایوب البلخیؒ، نمر بن جدارؒ، علی بن ہاشم بن مرزوقؒ، اسماعیل الفزاریؒ، محمد بن مقاتل الرازیؒ، عمرو بن

۱. لسان المیزان (۲۹۵/۶)

۲. ایضاً، الجواہر المضیة (۲۰۹/۲) الامتاع (ص ۵۲)

۳. الجواہر المضیة (۲۰۹/۲)

مہیرؒ والد الخصافؒ، احمد بن سلیمان الرہاویؒ، احمد بن عبدالحمید الحارثیؒ، ابراہیم بن عبداللہ النیساپوریؒ، خلیفہ ہارون الرشیدؒ، اور خلیفہ مامون الرشید وغیرہم۔[1]

امام لؤلؤیؒ کے اخلاق وعادات:

امام لؤلؤیؒ علمی برتری رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق اور عادات میں بھی انتہائی باکمال تھے۔

امام عزالدین ابن الاثیر الجزریؒ (م: ۶۳۰ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان حسن الخلق.[2]

آپ بڑے عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔

حافظ قاسم بن قطلوبغا (م: ۸۷۹ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وکان یکسو مما لیکه کما یکسو نفسه.[3]

امام حسن بن زیادؒ اپنے غلاموں کو بھی وہی کپڑے پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے۔

امام ابن کاس النخعیؒ (م: ۳۲۴ھ) نے امام موصوف کے صاحبزادے احمد بن حسن بن زیادؒ سے نقل کیا ہے کہ

امام حسن بن زیادؒ سے ایک دفعہ کوئی مسئلہ پوچھا گیا اور آپ نے وہ مسئلہ بیان کرنے میں غلطی کھائی لیکن آپ اس غلطی پر مطلع اس وقت ہوئے جب وہ سائل چلا گیا، اور آپ اس سائل کو پہچانتے بھی نہیں تھے، چنانچہ آپ نے یہ منادی کرائی کہ حسن بن زیاد نے فلاں مسئلہ بیان کرنے میں غلطی کی ہے لہٰذا اس سے جس نے یہ مسئلہ پوچھا ہے وہ اس کے پاس آکر اس مسئلہ کی تصحیح کرا لے، یہ منادی کئی روز تک ہوتی رہی یہاں تک کہ اس سائل کا پتہ چل گیا اور آپ نے اس کو صحیح مسئلہ بتادیا۔[4]

---

۱. الامتاع (ص ۲۰)

۲. اللباب فی تهذیب الانساب (۲/۷۹)

۳. تاج التراجم (ص ۲۲)

۴. تاریخ الاسلام (ت ۸۳) للذہبیؒ

مُجدِّدِینِ اُمت میں آپ کا شمار:

آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ۔

((ان الله يبعث لهذا الامة على رأس كل مئة سنةٍ من يُجَدِّدُلها دينها))[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ اس امت (مسلمہ) کے لیے ہر صدی کے سرے میں ایسے لوگوں کو مبعوث کرے گا جو ان کے لیے ان کے دین کی تجدید کریں گے۔"

حضرت امام حسن بن زیادؒ بھی ان مبارک ہستیوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تجدید کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ امام ملا علی القاریؒ (م:۱۰۱۴ھ) نے اپنی کتاب "طبقات الحنفیۃ" میں امام مجدالدین ابن الاثیرؒ (م:٦٠٦ھ) کی "مختصر غریب احادیث الستۃ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ

امام حسن بن زیادؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو دوسری صدی کے اواخر میں امت محمدیہ کے مُجدِّدِین میں سے ہوئے ہیں۔[2]

آپ کا علمی شوق وشغف:

آپ علم کے ساتھ انتہائی شوق اور شغف رکھتے تھے یہاں تک کہ پوری پوری رات علمی مطالعے میں بسر کردیتے تھے۔

امام ابوعبداللہ الصیمریؒ (م:۴۳٦ھ) نے بہ سند متصل آپ کے شاگرد امام محمد بن شجاع ثلجیؒ (م:۲٦٦ھ) سے نقل کیا ہے کہ

سمعت ابن زياد يقول: مكثت اربعين سنة لا ابيت الا والسراج بين يدى.[3]

میں نے امام حسن بن زیادؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے چالیس سال تک رات اس طرح گزاری کہ پوری پوری رات (میں مطالعہ کرتا رہا اور) چراغ

---

۱. سنن ابی داؤد (اول كتاب الملاحم، رقم الحديث ۴۲۹۱)
۲. الفوائد البهية (ص ٦١)، حدائق الحنفيه (ص ۱٦۳)
۳. اخبار ابی حنيفة واصحابه (ص ۱۳۷)

میرے سامنے موجود رہا۔

امام ملا علی القاریؒ (م:۱۰۱۴ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وکان لا یفتر من النظر فی العلم. وکان لہ جاریۃ اذا اشتغل بالطعام او الوضوء او بغیر ذلک تقرأ علیہ المسائل حتی یفرغ من حاجتہ۔[1]

آپ علم سے کبھی بھی پہلو تہی نہیں کرتے تھے، آپ کی ایک باندی تھی جب آپ کھانے، یا وضو یا کسی اور کام میں مشغول ہوتے تو وہ باندی آپ کو مسائل سناتی رہتی یہاں تک کہ آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہو جاتے۔

امام لؤلؤیؒ کی تصانیف

امام موصوف دیگر علمی کمالات رکھنے کے ساتھ ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے، اور آپ نے کئی یادگار کتابیں تصنیف کی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ امام حسن بن زیادؒ نے ''بغداد'' میں اپنے قیام کے دوران کتب تصنیف کی تھیں۔

علامہ ابن الندیمؒ (م ۳۸۵ھ) اور علامہ ابن الساعیؒ (م ۶۷۴ھ) نے آپ کی یہ کتب ذکر کی ہیں۔

(۱) کتاب آداب القاضی، (۲) کتاب الخصال، (۳) کتاب معانی الایمان، (۴) کتاب النفقات، (۵) کتاب الخراج، (۶) کتاب الفرائض، (۷) کتاب الوصایا، (۸) کتاب المجرد، جس کو آپ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔[2]

امام ابن رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) نے آپ کی ''کتاب الخراج'' سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔[3]

۱۔ ذیل الجواہر المضیۃ (۲/ ۵۴۲، ۵۴۳)

۲۔ کتاب الفہرست (ص ۲۵۸)؛ الدر الثمین فی اسماء المصنفین (ص ۳۵۰)

۳۔ الاستخراج لاحکام الخراج (ص ۱۹۴)

اسی طرح محدثِ جلیل حافظ بدرالدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے ''صلوۃ الخوف'' کے بارے میں آپ کی کتاب ''المجرد'' سے آپ کا مؤقف نقل کیا ہے۔[۱]

شمس الائمہ سرخسیؒ (م: ۴۹۰ھ تقریباً) نے ''کتاب المبسوط'' میں آپ کی تصانیف میں سے ''المقالات'' کی بھی تصریح کی ہے۔[۲]

اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنویؒ (م: ۱۳۰۴ھ) کی تصریح کے مطابق آپ کی ایک کتاب ''الامالی'' بھی ہے۔[۳]

علاوہ ازیں آپ نے اپنے استاذِ مکرم امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ان کی تصنیف ''کتاب الآثار'' کو بھی روایت کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ) نے محمد بن ابراہیم بغویؒ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے۔[۴]

عصر حاضر کے عظیم محقق علامہ عبدالرشید نعمانی صاحبؒ امام حسن بن زیادؒ کے روایت کردہ اس نسخہ کتاب الآثار کے تعارف میں ارقام فرماتے ہیں:

کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں یہ نسخہ غالباً سب سے بڑا ہے کیونکہ امام حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری اپنی اسناد کے ساتھ امام لؤلؤی سے ناقل ہیں کہ

کان ابو حنیفة یروی اربعة آلاف حدیث الفین لحماد والفین

۱۔ البنایة فی شرح الھدایة (۳/۴۲۹)

۲۔ تارج التراجم (ص ۲۲) للحافظ ابن قطلوبغاؒ

۳۔ الفوائد البھیة (ص ۶۰)

۴۔ لسان المیزان (۵/۴۰) واضح رہے کہ لسان المیزان کے مطبوعہ نسخوں میں یہ مذکورہ عبارت نقل ہونے میں تصحیف ہوگئی ہے، چنانچہ اس میں ''عن الحسن بن زیاد اللؤلؤی'' اور ''عن ابی حنیفة'' کے درمیان غلطی سے ''عن محمد بن الحسن'' کا اضافہ ہوگیا، اور ''محمد بن ابراہیم بن جیش البغوی'' کی بجائے ''محمد بن ابراہیم بن حسن البغوی'' غلط چھپا ہوا ہے، اسی طرح بعض نسخوں میں ''محمد بن شجاع'' کی جگہ ''محمد بن نجیح'' طبع ہوگیا ہے، صحیح عبارت یوں ہے: **محمد بن ابراهيم البغوی عن محمد بن شجاع البلخی عن الحسن بن زیاد اللؤلؤی عن ابی حنیفة کتاب الآثار.**

لسائر المشیخة[1]

امام ابوحنیفہؒ چار ہزار احادیث روایت فرماتے تھے، دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے۔

اس بنا پر قرین قیاس یہی ہے کہ امام لؤلویؒ نے امام اعظمؒ سے یہ سب حدیثیں سنی ہوں گی اور ان کو اپنے نسخہ میں روایت کیا ہوگا۔ محدث علی بن عبدالحسن دوالیبی حنبلیؒ نے اپنے ''ثبت'' میں اس نسخہ سے ساٹھ حدیثیں نقل کی ہیں جن کو محدث کوثری نے "الامتاع بسیرة الامامین الحسن بن زیاد وصاحبه محمد بن شجاع" میں نقل کر دیا ہے۔

محدث خوارزمیؒ نے ''جامع مسانید'' میں اس نسخہ کو "مسند ابی حنیفة للحسن بن زیاد" سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لؤلوی تک نقل کر دی ہے، خوارزمیؒ کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو ''مسند ابی حنیفہ'' ہی کے نام سے روایت کرتے ہیں، خود حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی مرویات میں بھی یہ نسخہ موجود تھا۔ اس نسخہ کی اسانید و اجازت کو محدث علی بن عبدالحسن الدوالیبی الحنبلیؒ نے اپنے ''ثبت'' میں اور حافظ ابن طولونؒ نے ''الفہرست الاوسط'' میں، اور محمد بن یوسف دمشقیؒ مصنف ''سیرت شامیہ'' نے ''عقود الجمان'' میں، اور محدث ایوب خلوتیؒ نے اپنے ''ثبت'' میں اور خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندیؒ نے ''حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد'' میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور علامہ محدث محمد زاہد کوثریؒ نے ان سب کو ''الامتاع'' میں جمع کر دیا ہے۔[2]

امام لؤلویؒ کا فقہی و مجتہدانہ مقام

آپ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ان عظیم تلامذہ میں سے ہیں جو بڑے بیدار مغز و دانش مند فقہاء تھے، اور جن کو فقہ میں درجہ اجتہاد حاصل تھا۔

مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) کا بیان گزر چکا ہے کہ امام حسن بن زیادؒ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔

---

1. مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ (۹۶/۱)
2. ابن ماجہ اور علم حدیث (ص ۱۷۵) نیز دیکھئے الامتاع (ص ۲۴ تا ۴۰) طبع دار الکتب العلمیة بیروت

نیز ذہبیؒ نے آپ کو ''فقیہ العراق'' قرار دیا ہے۔[1]

اور آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ

وکان راسا فی الفقه.[2]

امام لولوئیؒ فقہ میں سرخیل تھے۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م:۴۵۶ھ) اور حافظ ابن القیمؒ (م:۷۵۱ھ) آپ کو ''کوفہ'' کے مشہور فقہاء اور اہل علم میں شمار کرتے ہیں۔[3]

مجتہد عظیم امام محمد جریر طبریؒ (م:۳۱۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''اختلاف الفقہاء'' میں آپ کی فقہی آراء کو دیگر ائمہ فقہاء کی آراء کے زمرے میں ذکر کیا ہے حالانکہ انہوں نے کتاب مذکور میں امام احمد بن حنبلؒ جیسے شخص کی آراء کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔[4]

اس سے آپ امام موصوف کے فقہی و مجتہدانہ مقام کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ اور بعض اہل علم نے تو آپ کو فقہ میں امام محمد بن حسن شیبانیؒ پر بھی فوقیت دی ہے۔[5]

مصر کے مشہور محقق و ادیب شیخ ابوزہرہؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولقد اثنی علیٰ فقهه کثیرون، حتی قال یحیی بن آدم: مارایت افقه من الحسن بن زیاد.[6]

آپ کے فقہی مقام کی بہت سے اہل علم نے تعریف کی ہے یہاں تک کہ امام یحییٰ بن آدمؒ (جو کہ: الحافظ، العلامۃ اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ جیسے محدثین وفقہاء کے بھی

---

۱. سیر اعلام النبلاء (۹/ ۵۴۳)
۲. العبر (۱/ ۲۷۰)، لسان المیزان (۲/ ۲۵۰)
۳. احکام الاحکام (۲/ ۹۵، ۹۶)، اعلام الموقعین (ص ۳۴)
۴. تانیب الخطیب (ص ۱۸۷)
۵. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۳۶)
۶. ابو حنیفة حیاته وعصره، آراؤه وفقهه (ص ۱۹۳)

استاذ ہیں۔[1] ناقل) فرماتے ہیں: میں نے امام حسن بن زیادؒ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔[2]

۱۔ تذكرة الحفاظ (۱/ ۲۶۳)

۲۔ **امام لؤلؤیؒ کے فقہی مقام سے متعلق امام ابن آدمؒ کے قول پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** امام یحییٰ بن آدمؒ (م:۲۰۳ھ) کے مذکورہ بالا قول کو امام علی بن محمد بن الحسن النخعیؒ المعروف بابن کاسؒ جو کہ بقول حافظ ذہبیؒ "امام الفقہ" اور "کبیر القدر" تھے۔ (تاج التراجم ص ۴۵)، اور حافظ محمد بن یوسف صالحیؒ نے ان کو "ائمہ حدیث، ثقات، اثبات اور نقاد" میں شمار کیا ہے (عقود الجمان: ص ۴۹) نے "مناقب النعمان" میں احمد بن عبد الحمید الحارثیؒ (جو کہ ثقہ ہیں جیسا کہ امام حسن بن زیادؒ کی توثیق میں آ رہا ہے) سے، اور انہوں نے محمد بن عبید الہمدانیؒ (جو کہ بقول حافظ ذہبیؒ: "الامام، المحدث، اور العبد الصالح تھے" (سیر اعلام النبلاء: ت ۱۱/ ۵۴۶، نیز ان کی توثیق کے لیے دیکھئے تہذیب التہذیب وغیرہ) سے، اور انہوں نے امام یحییٰ بن آدمؒ سے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبیؒ، ترجمہ امام حسن بن زیادؒ)

اسی طرح یہ قول علامہ خطیب بغدادیؒ کے استاذ اور ثقہ محدث امام ابو عبد اللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ نے اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ" (ص ۱۳۵) میں اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے: اخبرنا احمد بن محمد الصيرفي، قال ثنا علي بن عمرو الحريري، قال ثنا علي بن محمد النخعي، قال ثنا محمد بن منصور، قال محمد بن عبيد الله الهمذاني، قال سمعت يحيى بن آدم يقول......

زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس قول کو "اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ" سے نقل کر کے اس کی مذکورہ سند پر یہ اعتراض کر دیا کہ اس میں دو راوی محمد بن منصور اور محمد بن عبید اللہ الہمذانی نا معلوم التوثیق ہیں۔ اور الصمیری کا استاذ احمد بن محمد الصیرفی مجروح ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۵/ ۶۹ ت ۲۴۴۷) لہٰذا یہ قول ثابت ہی نہیں ہے۔ (الحدیث ش ۱۶، ص ۳۷)

جواب: امام صمیریؒ کے استاذ احمد بن محمد الصیرفی سے مراد احمد بن محمد بن احمد صیرفی المعروف بہ ابن النرسی نہیں جو کہ رافضی ہے، بلکہ اس سے مراد احمد بن محمد بن علی صیرفی المعروف بہ ابن الابنوسی ہے، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: حدث عنه ابوبكر البرقاني، والقاضي ابو عبدالله الصيمري. (تاریخ بغداد: ۵/ ۲۷۴) ابو بکر برقانیؒ نے اگرچہ اس پر تنقید کی ہے، لیکن علامہ خطیبؒ کے استاذ حمزہ بن محمد دقاقؒ (جو کہ نہایت ثقہ ہیں اور برقانیؒ کے بھی استاذ ہیں (تاریخ بغداد: ۸/ ۱۸۰) نے اس کی توثیق کی ہے، اور اس پر برقانیؒ کے الزام کو کالعدم قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۵/ ۲۷۴) واضح رہے کہ تاریخ بغداد میں احمد بن محمد صیرفی نام کے کئی راویوں کے حالات مذکور ہیں، زبیر علی زئی نے ان میں سے احمد بن محمد صیرفی رافضی کا انتخاب اس لیے کیا تا کہ وہ امام حسن بن زیادؒ کے بارے میں امام یحییٰ

شمس الائمۃ امام سرخسیؒ (م: ۴۹۰ھ) ''المبسوط'' میں ارقام فرماتے ہیں:

(گذشتہ سے پیوستہ) بن آدمؒ کے قول کو ضعیف ثابت کر سکے، حالانکہ یہ احمد صیرفی رافضی، علی بن عمرو الحریری کہ جس سے احمد الصیرفی روایت کر رہا ہے، کی وفات (۳۸۰ھ) کے وقت نو سال سے بھی کم عمر کا تھا کیونکہ اس کی ولادت ۳۷۱ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد: ۵/۱۴۳) اور اس سے امام صمیریؒ کا روایت کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔ اور بالفرض اگر احمد الصیرفی سے مراد یہ رافضی ہی ہے تو یہ بھی علامہ خطیبؒ کے نزدیک ثقہ ہے، چنانچہ علامہ خطیبؒ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

کتبتُ عنه وکان سماعه صحیحا، وکان رافضیا. (تاریخ بغداد: ۵/۴۳)

میں نے اس سے حدیث لکھی ہے، اور اس کا سماع صحیح ہے، اور یہ رافضی تھا۔

اب علامہ خطیبؒ نے اس کو صحیح السماع کہہ کر اس کی توثیق کر دی ہے رہا اس کا رافضی ہونا تو خود علی زئی نے لکھا ہے کہ جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے، اس کا قدری، خارجی، شیعی، معتزلی، جہمی مرجی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں ہے (نور العینین ص ۵۹) نیز لکھتے ہیں: اہل بدعت کی روایات صحیحین میں بھی موجود ہیں۔ پھر اس کی مثال میں عباد بن یعقوب جیسے راویوں کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں علی زئی نے نقل کیا ہے کہ یہ رافضی تھا اور رفض کی طرف دعوت دیتا تھا۔ (الحدیث ش ۳۳، ص ۱۲)

پس جب خود علی زئی کے نزدیک رافضی (اگرچہ وہ داعی الی الرفض کیوں نہ ہو) کی روایات مقبول ہیں بشرطیکہ وہ ثقہ ہو تو پھر احمد بن محمد الصیرفی جس کو خطیبؒ نے ثقہ قرار دیا ہے، کو علی زئی کیوں مجروح قرار دے رہے ہیں؟ علی زئی کا اس روایت پر دوسرا اعتراض کہ اس میں دو راوی محمد بن منصور اور محمد بن عبید اللہ نامعلوم التوثیق ہیں، تو عرض ہے کہ ان دونوں میں سے محمد بن عبید اللہ (اصل میں یہ محمد بن عبید ہے جیسا کہ تاریخ الاسلام للذہبی کی روایت میں ہے) الہمذانی کا ثقہ ہونا ہم نقل کر چکے ہیں۔ جب کہ ان کے شاگرد محمد بن منصور سے مراد غالباً محمد بن منصور طوسی ہیں، کیونکہ وہ محمد بن عبید ہمذانیؒ کے معاصر اور ان سے پانچ سال چھوٹے ہیں۔ اور یہ انتہائی ثقہ راوی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۲۱۲)

اور بالفرض اگر یہ کوئی دوسرا نامعلوم التوثیق محمد بن منصور ہے تو بھی مضر نہیں کیونکہ مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ کسی راوی کی توثیق کے عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہے۔ (محصلہ خیر الکلام ص ۲۴۸) خصوصاً جب کہ اس روایت کی تائید امام ابن کاسؒ کی روایت سے بھی ہو رہی ہے اور امام ابن کاسؒ کی روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح اس کی تائید امام یحییٰ بن معین کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے امام ابن آدم سے امام لؤلؤیؒ کے علم کی بڑی تعریف نقل کی ہے، جیسا کہ امام لؤلؤی کی توثیق میں آ رہا ہے۔ لہٰذا علی زئی کا اس قول پر اعتراض باطل ہے۔

الحسن بن زیاد المقدم فی السوال والتفریع.[۱]

امام حسن بن زیادؒ فقہی سوالات اور تفریعات (جزئیات مسائل) بیان کرنے میں فوقیت رکھتے تھے۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) حضرت امام اعظمؒ کے تلامذہ کے تعارف میں رقمطراز ہیں:

والحسن بن زیاد اکثرهم تفریعا.[۲]

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں امام حسن بن زیادؒ مسائل فقہ کی جزئیات بیان کرنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔

امام لؤلؤیؒ کا محدثانہ مقام

آپ جیسے فقہ میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے ایسے ہی آپ حدیث میں بھی عظیم المرتبت تھے، اور آپ نے محدثین سے بکثرت احادیث سن رکھی تھیں۔ جیسا کہ دیگر محدثین اور خود آپ کے اپنے حوالے سے گزر چکا ہے کہ آپ نے امام ابن جریجؒ محدث سے بارہ ہزار ایسی احادیث لکھی تھیں کہ جن کی طرف فقہا محتاج رہتے ہیں۔

اسی طرح آپ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی بڑی کثرت سے احادیث روایت کی تھیں جیسا کہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) کے حوالے سے گزرا ہے۔

نیز آپ بلند پایہ حافظ الحدیث بھی تھے اور آپ کو امام ابوحنیفہؒ کی ساری احادیث حفظ تھیں۔

امام ابوسعد السمعانیؒ (م:۵۶۲ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وکان حافظا لروایات ابی حنیفة.[۳]

امام حسن بن زیادؒ امام ابوحنیفہؒ سے مروی احادیث کے حافظ تھے۔

امام ابن الاثیرؒ (م:۶۳۰ھ) ارقام فرماتے ہیں:

---

۱. الجواهر المضیة (۱/۱۹۳)

۲. مجموع الفتاوی (۲۰/۱۴۱)

۳. کتاب الانساب (۴/۱۹۶)

وکان عالما بروایات ابی حنیفة.[1]

آپ امام ابو حنیفہؒ کی احادیث کے عالم تھے۔

امام محمد بن خلف بن حیانؒ (م ۳۰۶ھ) نے قاضی المدائن محمد بن یحییٰ الجبرۃؒ سے نقل کیا ہے کہ:

کان الحسن بن زیاد قد حفظ.[2]

امام حسن بن زیادؒ حافظ الحدیث تھے۔

خود امام موصوف کا اپنا بیان نقل ہو چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے ذخیرہ حدیث میں سے چار ہزار احادیث کو روایت بھی کیا کرتے تھے کہ جن میں سے دو ہزار احادیث امام حمادؒ سے اور دیگر دو ہزار باقی مشائخ سے تھیں۔

امام سمعانیؒ، امام ابن اثیرؒ اور علامہ خطیب بغدادیؒ کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو امام ابو حنیفہؒ کی یہ چار ہزار احادیث ساری کی ساری زبانی یاد تھیں۔

علاوہ ازیں آپ نے دیگر مشائخ امام ابو یوسفؒ، امام مالک بن مغولؒ، اور امام وکیع بن جراحؒ وغیرہ جیسے کثیر الحدیث محدثین سے بھی احادیث کا سماع کیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ شارح بخاری امام بدر الدین عینیؒ (م: ۸۵۵ھ) ان ہی وجوہ کی بنا پر آپ کو کثیر الفقہ والحدیث قرار دیتے ہیں۔[3]

---

۱. اللباب (۲/۲۷۹)

۲. اخبار القضاۃ (ص ۲۰۹)

۳. مغانی الاخیار (۲/ ۲۶۰)

محدثین اور ائمہ رجال سے امام لؤلؤیؒ کی توثیق

محدثین اور ائمہ رجال میں سے کئی حضرات نے آپ کی توثیق کی ہے، اور آپ کو روایت حدیث میں قابل اعتماد ٹھہرایا ہے۔ ذیل میں ان میں سے بعض حضرات کے آپ کے متعلق توثیقی اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام یحییٰ بن آدمؒ (م:۲۰۳ھ)

امام یحییٰ بن آدمؒ کا تعارف پہلے گزر چکا ہے کہ یہ ایک بلند پایہ ونامور محدث ہیں، اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ جیسے کبار ائمہ ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے امام حسن بن زیادؒ کو اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ قرار دیا ہے، جیسا کہ امام موصوف کے فقہی ومجتہدانہ مقام کے تعارف میں گزرا ہے۔ نیز امام یحییٰ بن معینؒ (جو خود بھی امام ابن آدمؒ کے تلامذہ میں سے ہیں) نے ان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مارأيت رجلا قط اعلم من اللؤلؤي.[1]

میں نے کوئی بھی شخص امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

اب امام یحییٰ بن آدمؒ جیسے محدث امام لؤلؤیؒ کو اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ اور سب سے بڑے عالم قرار دے رہے ہیں تو اب اس سے بڑی وزنی توثیق امام لؤلؤیؒ کی اور کیا ہو سکتی ہے؟

۲۔ امام احمد بن عبد الحمید الحارثیؒ (م:۲۶۹ھ)

امام حارثیؒ ایک جلیل القدر محدث ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کو "المحدث الصدوق" قرار دیتے ہیں۔[2]

علامہ خطیب بغدادیؒ اور امام ابن کاسؒ وغیرہ محدثین نے بہ سند متصل ان سے نقل کیا ہے

۱۔ معرفۃ الرجال (۹۲۷،۹۶۰) لیحیٰ بن معینؒ بروایۃ ابی العباس ابن محرز البغدادیؒ

۲۔ سیر اعلام النبلاء (۱۲/ ۵۰۸)

کہ انہوں نے فرمایا:

ما رأیت احسن خلقا من الحسن بن زیاد، ولا اقرب مأخذا، ولا اسھل جانبا. مع توفر فقھه وعلمه و زھده وورعه وکان یکسو ممالیکه کسوة نفسه.[1]

میں نے امام حسن بن زیادؒ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی شخص نہیں دیکھا، اور نہ ہی میں نے آپ سے زیادہ قریب المأخذ (کہ جس سے علم (حدیث وغیرہ) اخذ کیا جائے) اور نرم رَو کوئی شخص دیکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ فقہ، علم، زہد، اور ورع بھی بلند پایہ مقام رکھتے تھے، اور آپ اپنے غلاموں کو ویسے ہی کپڑے پہناتے تھے جیسے کپڑے خود پہنتے تھے۔

اس بیان میں امام حارثیؒ نے آپ کی بڑی عمدہ توثیق کی ہے اور آپ کی علمی وعملی خوبیوں، خوش اخلاقی، عمدہ عادات، نرم روی، فقہ، علم، زہد، اور ورع وغیرہ میں سے کسی خوبی کو بھی چھوڑ کر نہیں رکھا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

۳۔ امام ابن حبانؒ (م: ۳۵۴ھ)

امام موصوف مشہور اور جلیل المرتبت محدث ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کو ''الحافظ، الامام، اور العلامۃ'' کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔[2]

امام موصوف نے امام حسن بن زیادؒ کو اپنی کتاب ''الثقات'' (ثقہ راویوں) میں شمار کیا ہے، اور آپ کے ترجمہ میں آپ کی ایک حدیث جو آپ نے امام ابن جریجؒ سے روایت کی ہے، کو بھی نقل کیا ہے، اور تصریح کی ہے کہ آپ سے اسماعیل بن موسیٰ الفزاریؒ روایت کرتے ہیں۔[3] اس سے بھی آپ کی صراحتاً توثیق ثابت ہو رہی ہے۔[4]

۱۔ تاریخ بغداد (۳۲۶/۷)، اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۳۵)، تاریخ الاسلام للذہبیؒ (ترجمہ امام حسن بن زیادؒ)

۲۔ تذکرة الحفاظ (۸۹/۳)

۳۔ کتاب الثقات (۱۶۸/۸)

۴۔ امام ابن حبانؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت: امام ابن حبانؒ کا امام حسن بن زیادؒ کو

۴۔ امام مسلمہ بن قاسم القرطبیؒ (م: ۳۵۳ھ)

موصوف ایک نامور محدث ناقد ہیں، حافظ ذہبیؒ نے اگر چہ ان کو ضعیف کہا ہے، اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ مُشَبِّہ (اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والے) فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس پر حافظ ذہبیؒ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(گذشتہ سے پیوستہ) ''کتاب الثقات'' میں ذکر کرنا زبیر علی زئی جیسے متعصب غیر مقلد سے کیسے برداشت ہوسکتا تھا، اس لیے انہوں نے اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ: کتاب الثقات لابن حبان (۱۶۸/۸) میں ایک حسن بن زیاد کا ذکر موجود ہے جس کا شاگرد اسماعیل بن موسی الفرازی ہے۔ اس حسن بن زیاد سے لولوئی مراد لینے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ کوئی دوسرا حسن بن زیاد ہے۔ (الحدیث ش ۱۶، ص ۳۷)

جواب: امام ابن حبانؒ نے جس حسن بن زیاد کو ''کتاب الثقات'' میں ذکر کیا ہے اس کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اس نے امام ابن جریجؒ سے حدیث روایت کی ہے، جب کہ خود اس سے اسماعیل بن موسیٰ الفزاری روایت کرتا ہے، اور ماقبل ہم بحوالہ محدثین ذکر کر آئے ہیں کہ امام ابن جریجؒ امام حسن بن زیاد لولوئیؒ کے استاذ حدیث ہیں اور اسماعیل بن موسیٰ الفزاریؒ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور یہ دونوں (امام لولوئی، وامام فزاریؒ) کوفی ہیں۔

نیز کتاب الثقات والے حسن بن زیادؒ سے امام لولوئیؒ مراد ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام ابن حبانؒ نے آپ کو اپنی ''کتاب المجروحین'' میں شمار نہیں کیا۔

نیز حسن بن زیاد نامی اشخاص میں آپ ہی زیادہ مشہور ہیں۔

لہٰذا حسن بن زیاد سے مراد امام لولوئیؒ ہی ہیں کیونکہ خود علی زئی نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ راوی کا تعین اس کے شیوخ وتلامیذ سے ہوتا ہے اور دیگر قرائن سے بھی۔ (امین اوکاڑوی کا تعاقب ص ۵۷)

لیکن اس کے باوجود علی زئی کا حسن بن زیاد سے امام لولوئی مراد لینے کو بلا دلیل قرار دینا ''خوے بدرا بہانہائے بسیار'' کا مصداق ہے۔

اور پھر علی زئی کے پاس کیا دلیل ہے کہ حسن بن زیاد سے مراد امام لولوئیؒ کے علاوہ دوسرا کوئی راوی ہے؟

نیز علی زئی نے امام حسن بن زیادؒ کے خلاف محدثین سے جو جرح نقل کی ہے اس پر ان کے پاس کیا دلیل ہے کہ حسن بن زیاد سے مراد امام لولوئیؒ ہی ہیں۔ دیدہ باید۔

هذا رجل كبير القدر، مانسبه الى التشبيه الامن عاداه[1]

یہ شخص بڑے مرتبے والے ہیں، اوران کو صرف ان کے دشمنوں نے ہی تشبیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م:۴۵۴ھ) نے ان کو کثیر الحدیث، کثیر الروایت، کثیر السماع اور علم کے بہت زیادہ جامع قرار دیا ہے۔[2]

شیخ عبدالرحمان المعلمی "غیر مقلد (جن کو زبیر علی زئی غیر مقلد "ذہبی عصر" قرار دیتے ہیں)[3] نے بھی ان کو ائمہ جرح وتعدیل میں شمار کیا ہے،[4] اوران کی توثیق کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔[5]

یہ جلیل القدر امام بھی امام حسن بن زیادؒ کی توثیق کرتے ہیں، چنانچہ "کتاب الصلۃ" میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وكان ثقة.[6]

امام حسن بن زیادؒ ثقہ تھے۔[7]

۱۔ لسان المیزان (۴۳/۲)

۲۔ ایضاً

۳۔ نورالعینین (ص۱۱۹)

۴۔ التنکیل (۲۲۹/۱)

۵۔ ایضاً (۳۵۵/۱)

۶۔ لسان المیزان (۲۵۰/۲)

۷۔ **امام مسلمہؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی جیسے متعصب غیر مقلد سے یہ کیسے برداشت ہوسکتا تھا کہ کسی محدث سے امام لولوئیؒ جیسے حنفی امام کی توثیق ثابت ہو جائے، اس لیے انہوں نے امام مسلمہ بن قاسمؒ کی توثیق ماننے کی بجائے الٹا امام موصوف پر یہ اعتراض کر دیا کہ مسلمہ بن قاسم بذات خود ضعیف ہے۔ (الحدیث: ش ۱۶، ص ۳۵، حاشیہ نمبر ۸ بحوالہ میزان الاعتدال ولسان المیزان)

جواب: علی زئی نے امام مسلمہؒ کے ضعیف ہونے پر بطور دلیل "لسان المیزان" کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن ان کے تعصب کی انتہاء ہے کہ وہاں ان کو حافظ ذہبیؒ کا امام مسلمہؒ کو ضعیف کہنا تو نظر آ گیا لیکن ان کو حافظ ابن

۵۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق نیساپوریؒ (م:۳۱۶):

امام ابوعوانہؒ ایک بلند پایہ اور پختہ کار حافظ الحدیث ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کو: الحافظ الثقۃ الکبیر صاحب المسند الصحیح المسند علی صحیح مسلم" کہہ کر ان کے ترجمے کا آغاز کرتے ہیں۔[1]

امام موصوف نے اپنی صحیح (مستخرج علی صحیح مسلم) میں امام حسن بن زیاد کی احادیث پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی تخریج کی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اخرج لہ ابو عوانۃ فی مستخرجہ.[2]

امام ابوعوانہؒ نے اپنی "مستخرج" میں آپ سے تخریج حدیث کی ہے۔

واضح رہے کہ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام ابوعوانہؒ نے اپنی مستخرج میں صرف صحیح احادیث ذکر کرنے کا التزام کیا ہے، چنانچہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں:

حافظ ابوعوانہؒ کی سند کا صحیح ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں صحت کا التزام کیا ہے۔[3]

اسی طرح مولانا عبداللہ روپڑیؒ، مولانا ابویحییٰ شاہجہان پوریؒ، اور مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی تصریح کی ہے کہ امام ابوعوانہؒ نے اپنی صحیح میں صحت کا

(گذشتہ سے پیوستہ) حجر کا حافظ ذہبیؒ کی تردید کرنا اور امام مسلمہؒ کی توثیق کرنا نظر نہیں آیا، اسی طرح علامہ ابن حزمؒ نے امام مسلمہؒ کی جو تعریف کی ہے وہ بھی علی زئی کی نظروں سے اوجھل ہوگئی ــــ اور پھر علی زئی کا دوغلا پن ملاحظہ کریں کہ وہ یہاں تو امام لولوئیؒ کی دشمنی میں امام مسلمہؒ کو ضعیف کہہ کر ان کی توثیق کو رد کر رہے ہیں، لیکن دوسری جگہ اپنے ایک پسندیدہ راوی کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے ان کی توثیق سے استدلال بھی کرتے ہیں، چنانچہ اپنے ایک پسندیدہ راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: مسلمہ (بن قاسم) نے کہا: ثقۃ (القول المتین: ۲۲) یہ ہے ان کا انصاف!

تیری زلف میں ٹھری تو حسن کہلائی
وہی تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

[1] تذکرۃ الحفاظ (۳/۳)

[2] لسان المیزان (۲/۲۵۱)

[3] تحقیق الکلام (۲/۱۲۲)

التزام کیا ہے اور ان کی "صحیح" میں تمام احادیث صحیح ہیں۔[1]

اور خود زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی متعدد راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے ان کی توثیق پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ

امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں ان سے اخراج حدیث کیا ہے۔[2]

نیز موصوف نے صراحتاً یہ بھی لکھا ہے کہ

اصحاب صحیح (امام ابوعوانہؒ وغیرہ) کا کسی راوی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے۔[3]

بنابریں امام ابوعوانہؒ کا اپنی "صحیح" میں امام لؤلؤیؒ کی احادیث کا اخراج کرنا بھی ان کے نزدیک آپ کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔[4]

۱۔ رسالہ رفع یدین اور آمین (ص ۲۲) بحوالہ نور الصباح (ص ۵۴)، الارشاد الیٰ سبیل الرشاد (ص ۲۴۹)، سیرۃ البخاریؒ (ص ۱۴)

۲۔ مثلاً دیکھئے الحدیث (ش ۷، ص ۸)، (ش ۱۸، ص ۱۷، ۱۸) وغیرہ

۳۔ تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۷)

۴۔ **امام ابوعوانہ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی، امام لؤلؤیؒ کی دشمنی میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ آپ کی مخالفت میں اپنے اکابرین کی تحقیقات اور اپنے طے شدہ اصولوں کو بھی روندتے چلے جا رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے جب دیکھا کہ امام ابوعوانہ کا اپنی صحیح میں آپ سے اخراج آپ کی توثیق کی دلیل بنتی ہے تو اس کے خلاف یہ اصول اختراع کر لیا کہ: اگر مستخرج ابوعوانہ میں جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی کی روایت ہو تو اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے۔ حافظ ذہبی ایک راوی عبداللہ بن محمد البلوی کے بارے میں لکھتے ہیں: روی عنه ابو عوانه فی صحیحه فی الاستسقاء خبرا موضوعا. (میزان الاعتدال ۴۹۱/۲ ولسان المیزان ۳۳۸/۳) کہ ابوعوانہ نے اپنی صحیح کے باب الاستسقاء میں اس سے موضوع حدیث روایت کی ہے۔ (الحدیث: ش ۱۶، ص ۳۵، حاشیہ نمبر ۶) لیکن اگر علی زئی اس کے بجائے یہ کہہ دیتے کہ "اگر مستخرج ابوعوانہ میں کسی حنفی امام کی روایت ہو تو وہ اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے" تو یہ ان کے لیے زیادہ مناسب ہوتا۔

ہمارا زبیر علی زئی غیر مقلد سے سوال یہ ہے کہ اگر "صحیح ابی عوانہ" میں بقول آپ کے جمہور محدثین کے

۶۔ امام ابوالفرج ابن الندیمؒ (م:۳۸۵ھ):

علامہ بن الندیمؒ جو کہ مشہور مؤرخ و ادیب ہیں، اور ان کی کتاب ''الفہرست'' تصانیف اور مصنفین کے تعارف کی بنیادی کتاب ہے۔

امام علی بن انجب المعروف بہ ابن الساعیؒ (م۶۷۴ھ) نے ان کے علمی مقام اور ان کی کتاب ''الفہرست'' کی بڑی تعریف کی ہے۔[1]

مشہور غیر مقلد لکھاری مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ان کو ''وسیع النظر'' اور ''بے انتہا معلومات'' کا حامل قرار دیتے ہیں، اور ان کی کتاب ''الفہرست'' کو رجال اور مصنفات کے باب میں اولین ماٰخذ کہتے ہیں۔[2]

امام ابن الندیمؒ نے امام لؤلؤیؒ کے تعارف میں لکھا ہے:

وکان فاضلا عالما بمذاهب ابی حنیفة فی الرأی.[3]

(گذشتہ سے پیوستہ) ضعیف قرار دیئے ہوئے راویوں کی روایات اور موضوع احادیث بھی موجود ہیں تو پھر آپ کے اکابرین نے یہ جھوٹ کیوں بولا ہے کہ ''صحیح ابی عوانہ'' کی ساری احادیث صحیح ہیں اور اس میں صحت کا التزام کیا گیا ہے؟ اور پھر آپ نے اپنے پسندیدہ راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے اس کتاب کے اخراج کو بطور دلیل کیوں پیش کیا ہے؟

نیز آپ نے یہ خود لکھا ہے کہ: متقدمین کے مقابلے میں متاخرین کی بات کب ٹھہر سکتی ہے۔ (نور العینین ص ۱۲۱)

اب امام ابو عوانہؒ جو کہ متقدمین میں سے ہیں، انہوں نے عبداللہ بن محمد بن البلوی کی حدیث کو اپنی صحیح میں لا کر (بقول آپ کے اور آپ کے اکابرین کے) اس کی حدیث کی تصحیح کر دی ہے تو پھر ان کے مقابلے میں آپ حافظ ذہبیؒ جیسے متاخر شخص کی بات کو اتنی فوقیت کیوں دے رہے ہیں؟

آپ اپنے جور و جفا پہ خود ہی غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی!

[1] الدر الثمین فی اسماء المصنفین (ص ۱۹۳)
[2] الفہرست مترجم (ص ۵)
[3] کتاب الفہرست (ص ۲۵۸)

آپ صاحب فضیلت شخص تھے، اور امام ابوحنیفہؒ کے فقہی مذہب کے عالم تھے۔

۷۔ امام ابوعبداللہ الحاکم نیسا پوریؒ (م: ۴۰۵ھ):

امام حاکمؒ مشہور و معروف محدث اور کئی کتب نافعہ کے مصنف ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کو: الحافظ الکبیر، امام المحدثین اور صاحب التصانیف کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔[1]

امام موصوف نے اپنی مشہور کتاب "المستدرک علی الصحیحین" (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں امام حسن بن زیادؒ سے تخریج حدیث کی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے۔[2]

اور حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام حاکمؒ کا کسی راوی سے "المستدرک" میں اخراج ان کی طرف سے اس راوی کی توثیق پر دلیل ہے۔ چنانچہ موصوف نے نجدۃ بن عامر کے ترجمہ میں تصریح کی ہے:

وقد اخرج حدیث المذکور الحاکم فی المستدرک ومقتضاه انه عنده ثقة.[3]

امام حاکمؒ نے مذکورہ راوی سے "مستدرک" میں تخریج حدیث کی ہے جو اس کو مقتضی ہے کہ یہ امام حاکمؒ کے نزدیک ثقہ ہے۔

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا سلطان محمود صاحبؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ جلال پور اس "المستدرک" کے تعارف میں لکھتے ہیں:

جس کتاب میں کسی مصنف کی ملحوظ شرائط کے مطابق ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں جو اس مصنف نے اپنی کتاب میں درج نہ کی ہوں جیسے مستدرک حاکم۔[4]

خود زبیر علی زئی نے بھی "المستدرک" کے بارے میں لکھا ہے کہ:

اور اگر یہ مراد لی جائے کہ اس کے راوی بخاری ومسلم کے راویوں کی طرح ثقہ

---

۱. تذکرۃ الحفاظ (۱۶۲/۳)

۲. لسان المیزان (۲۵۱/۲)

۳۔ لسان المیزان (۲۵۳/۸)

۴. اصطلاحات المحدثین (ص ۲۹)

ہیں، سند متصل ہے اور شاذ یا معلول نہیں تو یہ بات بالکل صحیح ہے۔[1]

لہٰذا امام حاکمؒ کا امام لولوئیؒ سے اخراج حدیث کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان کے نزدیک صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راویوں کی طرح ثقہ ہیں۔[2]

۱۔ الحدیث (ش ۲، ص ۶، حاشیہ نمبر)

۲۔ **امام حاکمؒ کی توثیق پر علی زئی کے اعتراض کی حقیقت:** زبیر علی زئی غیر مقلد نے امام حاکمؒ کی اس توثیق سے جان چھڑانے کے لیے بھی وہی تدبیر اختیار کی جو با قبل وہ امام ابوعوانؒ کی توثیق کے ساتھ کر چکے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

اگر مستدرک میں جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی کی روایت ہو تو یہ اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے۔

عاصم بن سلیمان الکوزی کی روایت مستدرک (۵۸۹/۳، ح ۶۴۹۲) میں ہے حافظ ذہبی فرماتے ہیں: عاصم کذاب۔ نیز دیکھئے لسان المیزان (۲۱۸/۳، ۲۱۹۔ (الحدیث ش ۱۶، ص ۳۵، حاشیہ نمبر ۷)

جواب: امام حاکمؒ نے "المستدرک (۲۷۳/۳، ح ۵۰۷۰) میں امام لولوئیؒ کی روایت نقل کی ہے اور اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی۔ حافظ ذہبیؒ نے بھی "تلخیص المستدرک" میں آپ کی اس حدیث پر سکوت کیا ہے اور اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی (حاشیہ المستدرک (۲۷۳/۳)

اور غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ فرماتے ہیں:

جس حدیث پر ذہبی مختصر (یعنی تلخیص المستدرک) میں سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے (فتاویٰ اهلحدیث (۶۳۵/۱)

اب اگر حافظ ذہبیؒ کے نزدیک امام لولوئیؒ بھی عاصم بن سلیمان الکوزی کی طرح کذاب یا ضعیف ہوتے تو پھر وہ آپ کی حدیث پر سکوت کیوں کرتے؟ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک امام حاکمؒ کا آپ سے تخریج حدیث کرنے کا فیصلہ درست ہے لہٰذا علی زئی نے حافظ ذہبیؒ کا جو حوالہ دیا ہے وہ فضول ہے۔

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

رہا زبیر علی زئی کا یہ کہنا کہ امام لولوئیؒ جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہیں تو ہم عنقریب ان شاء اللہ علی زئی کے اس دعویٰ جمہوریت کی حقیقت واضح کر دیں گے۔ اور بالفرض اگر امام موصوف جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہوں بھی تو اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ آپ امام حاکمؒ کے نزدیک بھی ثقہ نہیں ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

۸۔ امام ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ):

موصوف اندلس کے ایک بے مثل حافظ الحدیث گزرے ہیں، حافظ ذہبیؒ نے ان کے ترجمے کا آغاز: الامام، شیخ الاسلام اور حافظ المغرب کے القاب سے کیا ہے۔[۱]

امام موصوف کے نزدیک بھی امام حسن بن زیادؒ ثقہ ہیں، چنانچہ وہ حضرت حسنؓ بن علیؓ کے ترجمہ میں امام حسن بن زیادؒ کی سند سے مروی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

وهذا اصح ما قيل فى تاريخ عام الجماعة.[۲]

یہ روایت عام الجماعت (حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح والے سال) کی تاریخ میں وارد سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے۔

اب امام ابن عبدالبرؒ جیسے محدث کبیر بھی امام حسنؒ کی روایت کو صحیح ترین کہہ رہے ہیں جس کا مطلب ہے کہ آپ ان کے نزدیک نہایت ثقہ راوی ہیں۔

۹۔ امام علی بن انجب المعروف بہ ابن الساعیؒ (م ۶۷۴ھ)

امام ابن الساعیؒ جو کہ بتصریح حافظ ذہبیؒ: الشیخ، الامام، العلامۃ، الاخباری اور مؤرخ الزمان تھے،[۳] نے بھی امام لؤلؤیؒ کے علمی مقام کو بڑا سراہا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے ترجمے کا آغاز: کان فاضلا عالما (امام لؤلؤیؒ، عالم اور صاحب فضیلت تھے) جیسے القاب سے کرتے ہیں۔[۴]

۱۰۔ امام عبدالقادر القرشیؒ (م: ۷۷۵ھ):

امام قرشیؒ مؤلف ''الجواہر المضیۃ'' وغیرہ ایک عظیم المرتبت محدث وفقیہ، اور حافظ زین الدین عراقیؒ (استاذ کبیر حافظ ابن حجرؒ) وغیرہ نامور حفاظ کے استاذ ہیں۔

حافظ تقی الدین الفاسی المکیؒ نے ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ یہ ''مؤطا'' کا درس دیتے تھے اور ان سے ہمارے شیخ حافظ زین الدین عراقیؒ نے مؤطا کا سماع کیا تھا۔

نیز موصوف ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۔ تذکرۃ الحفاظ (۳/ ۲۱۷)

۲۔ الاستیعاب (۵۷۲)

۳۔ سیر اعلام النبلاء (۲۴/ ۲۹۲)

۴۔ الدر الثمین فی اسماء المصنفین (ص ۳۵۰)

وكان ذاعناية بالفقه والحديث وغير ذلك، ولديه فضل.[1]

یہ فقہ، حدیث اور دیگر علوم کے ماہر اور صاحب فضیلت شخص تھے۔

حافظ محمد بن یوسف صالحیؒ نے ان کو ثقہ، پختہ کار اور نقاد ائمہ حدیث میں شمار کیا ہے۔[2]

یہ عظیم المرتبت امام بھی امام لؤلؤیؒ کی زبردست توثیق کرتے ہیں، چنانچہ آپ کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

وكان محبا للسنة واتباعها حتى لقد كان يكسو مما ليكه كما كان يكسو لنفسه اتباعا لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم البسوهم مما تلبسون.[3]

آپ سنت رسول ﷺ کے محب اور متبع تھے یہاں تک کہ آپ اپنے غلاموں کو بھی ویسے ہی کپڑے پہناتے تھے جیسے کپڑے خود پہنتے تھے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ تم اپنے غلاموں کو وہی کپڑے پہناؤ جو کپڑے خود پہنتے ہو۔

نیز امام قرشیؒ آپ کو ''علماء اخیار'' (باکمال اہل علم) میں شمار کرتے ہیں، اور آپ کی روایت کردہ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: اسناد صحيح[4] کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

کسی سند کو صحیح کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس سند کا ہر ہر راوی صحیح کہنے والے کے نزدیک ثقہ یا صدوق ہے۔[5]

نیز لکھتے ہیں:

محدثین کا حدیث کو حسن یا صحیح قرار دینا، ان کی طرف سے اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔[6]

لہٰذا امام قرشیؒ جیسے محدث کبیر کا امام لؤلؤیؒ کی حدیث کی سند کو صحیح قرار دینا ان کے نزدیک

---

1. ذيل التقييد (۲/۱۴۰)   ۲. عقود الجمان (ص ۴۹)
3. الجواهر المضية (۱/۱۹۲)
4. الحاوى فى بيان آثار الطحاوى (۲/۲۰۹)
5. القول المتين (ص ۲۱)   ۶. نصر البارى (ص ۱۸)

آپ کے ثقہ اور صدوق ہونے کی دلیل ہے۔

۱۱۔ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ):

امام ابن تیمیہؒ کی علمی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، غیر مقلدین امام موصوف کے حنبلی المسلک ہونے کے باوجود ان کو شیخ الاسلام قرار دیتے ہیں، چنانچہ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

حافظ ابن تیمیہؒ مشہور عالم بلکہ شیخ الاسلام تھے۔[1]

غیر مقلدین (خصوصاً زبیر علی زئی غیر مقلد) کے یہ انتہائی ممدوح امام بھی امام لؤلؤیؒ کی توثیق کرتے ہیں، اور انہوں نے آپ کے فقہ، اجتہاد اور علم وفضل کی بڑی تعریف کی ہے۔

چنانچہ امام لؤلؤیؒ کے فقہی مقام کے تعارف میں امام ابن تیمیہؒ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں امام لؤلؤیؒ فقہی جزئیات بیان کرنے میں سب سے زیادہ فائق تھے۔

نیز امام موصوف آپ کو نامور ائمہ حدیث اور اَجلّہ مجتہدین میں شمار کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

ولایشک عاقل ان رجوع مثل مالک وابن ابی ذئب وابن الماجشون واللیث بن سعد والاوزاعی والثوری وابن ابی لیلیٰ وشریک وابی حنیفة وابی یوسف و محمد بن الحسن وزفر والحسن بن زیاد اللؤلؤی والشافعی والبطویطی والمزنی واحمد بن حنبل وابی داؤد السجستانی والاثرم وابراهیم الحربی والبخاری...... وغیر هؤلاء الیٰ اجتهاد هم واعتبارهم مثل ان یعلموا سنة النبی صلی الله علیه وسلم الثابتة عنه ویجتهدوا فی تحقیق مناط الاحکام و تنقیحا وتخریجها خیر لهم من ان یتمسکو بنقل الروافض.[2]

---

۱. الحدیث (ش ۳۳، ص ۲۶)

۲. منهاج السنة (۱/ ۳۲۱، ۳۲۲)

کوئی عقل منداس میں شک نہیں کرسکتا کہ مالکؒ، ابن ابی ذئبؒ، الماجشونؒ، لیث بن سعد، اوزاعیؒ، ثوریؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، شریکؒ، امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن حسنؒ، زفرؒ، حسن بن زیاد لؤلؤیؒ، شافعیؒ، بویطیؒ، مزنیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابوداؤد بجستانیؒ، اثرمؒ، ابراہیم حربیؒ، امام بخاریؒ اور ان جیسے دیگر ائمہ کے اجتہادات کی طرف رجوع کرنا اور ان کو معتبر سمجھنا کہ یہ ائمہ نبی ﷺ کی ثابت شدہ سنتوں کو معلوم کرتے ہیں، اور احکام شرعیہ کی تحقیق، تنقیح اور تخریج میں اجتہاد کرتے ہیں، یہ لوگوں کے لیے بہترین ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ رافضیوں کی نقل پر اعتماد کریں۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد امام ابن تیمیہؒ کی طرف سے امام اعظمؒ اور آپ کے تلامذہ (امام لؤلؤیؒ وغیرہ) کی توثیق کا اعتراف کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بالا حوالہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

> حافظ ابن تیمیہؒ: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام ابوداؤدؒ وغیرہ ائمہ اہل سنت کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، اور امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ کا ذکر بھی ان کے ساتھ ہی کر کے سب کے علم و فضل اور اجتہاد کی تعریف کرتے ہیں۔[1]

۱۲۔ امام شمس الدین ابن القیمؒ (م: ۷۵۱ھ):

یہ حافظ ابن تیمیہؒ کے قابل فخر شاگرد اور مشہور حافظ الحدیث ہیں۔ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے۔[2]

ماقبل ان کا حوالہ گزر چکا ہے جس میں انہوں نے امام حسن بن زیادؒ کو کوفہ کے مشہور اور کبار فقہاء میں شمار کیا ہے۔

نیز یہ آپ کو علم حدیث میں بھی قابل اعتبار سمجھتے ہیں، اور آپ کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔

۱۔ تاریخ اہل حدیث (ص ۷۸)

۲۔ دیکھئے نور العینین (ص ۷۳، ۷۴)

چنانچہ اپنی مشہور کتاب "اَعْلَامُ الْمُوَقِّعِیْنَ عَنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ" میں متعدد مقامات پر آپ کی روایت کردہ احادیث کو بطور استدلال ذکر کیا ہے، اور آپ پر کسی قسم کی جرح نہیں کی۔

مثلاً ایک مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

وقال الحسن بن زياد اللؤلؤی: ثنا ابو حنيفة قال: كنا عند محارب بن دثار، فتقدم اليه رجلان...... وكان محارب متكئا فاستوى جالسا ثم قال: يا ذالرجل سمعت ابن عمر يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم......

پھر اس کے بعد پوری حدیث نقل فرمائی۔[1]

اسی طرح امام موصوف نے کئی اور مقامات پر بھی آپ کی روایات کو معرض استدلال میں پیش کیا ہے۔[2]

غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

محدثین کا ایک روایت کو نقل کر کے استدلال کرنا اور اس پر جرح نہ کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔[3]

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

امام بیہقیؒ نے صراحت کی ہے کہ اس سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت حسن صحیح ہے۔[4]

بنا بریں امام ابن القیمؒ جیسے نامور محدث کا امام لؤلؤیؒ کی روایات کو معرض احتجاج میں لا کر ان پر تنقید نہ کرنا بھی ان کے نزدیک آپ کے صحیح الروایت ہونے کی دلیل ہے۔

۱۳۔ امام شمس الدین الذہبیؒ (م:۷۴۸ھ):

امام ذہبیؒ کو حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال وغیرہ فنون میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی

۱۔ اعلام الموقعین (ص ۸۹)

۲۔ مثلاً دیکھئے کتاب مذکور (ص ۶۳)

۳۔ التحقیق الراسخ (ص ۵۵)

۴۔ توضیح الکلام (۲۰۶/۱)

طالب علم پر مخفی نہیں ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

علامہ ذہبیؒ کا مقام مسلم (ہے) ہمیں اعتراف ہے کہ متاخرین سبھی ان کے خوشہ چین ہیں۔[1]

زبیر علی زئی غیر مقلد نے بحوالہ مولانا گوندلوی غیر مقلد حافظ ذہبیؒ کو جرح وتعدیل کے ایک بہت بڑے امام قرار دیا ہے۔[2]

یہ کثیر الصفات محدث بھی مختلف الفاظ میں امام لؤلؤیؒ کی توثیق وتعریف کرتے ہیں۔

چنانچہ پہلے بحوالہ گزر چکا ہے کہ امام ذہبیؒ نے آپ کو "فقیه العراق" اور "رأس فی الفقه" (فقہ کے سرخیل) قرار دیا ہے۔

نیز وہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وکان احد الاذکیاء البارعین فی الرأی.[3]

امام لؤلؤیؒ ذکی ترین لوگوں میں سے ایک تھے، اور آپ کا شمار رائے (فقہ) کے ماہر ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔

اسی طرح امام ذہبیؒ آپ کو "الامام"،[4] اور "العلامۃ" قرار دیتے ہیں۔[5]

اور خود زبیر علی زئی نے لکھا ہے کہ جس شخص کو "الامام الفقیہ" قرار دیا جائے اس کا مقام صدوق ہے۔[6]

اور غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ تصریح کرتے ہیں کہ محدثین نے توثیق کے چار (یا) پانچ مراتب بیان کیے ہیں۔ صدوق کو دوسرے یا تیسرے

---

1. توضیح الکلام (۱/۳۶۲)
2. نور العینین (ص ۱۵۵)
3. سیئر اعلام النبلاء (۹/ ۵۳۴)
4. العبر (۱/۲۷۰)
5. سیئر اعلام النبلاء (۹/ ۵۳۴)
6. الحدیث (ش ۷، ص ۱۳)

مرتبہ میں لیا ہے۔[1]

اب جب کہ امام ذہبیؒ نے امام لؤلؤیؒ کو ''الامام'' اور ''الفقیہ'' قرار دینے کے ساتھ ساتھ ''رأس فی الفقہ''، ''البارع فی الفقہ''، ''العلامۃ'' اور ''ذکی ترین'' بھی کہا ہے تو پھر آپ کا مقام تو صدوق سے بھی اوپر ہے، اور توثیق کے چار یا پانچ مراتب میں سے پہلے یا دوسرے مقام میں آتا ہے۔

مزید برآں علامہ خطیب بغدادیؒ نے امام لؤلؤیؒ کے ترجمہ میں آپ کے خلاف جو اقوال جرح نقل کیے ہیں، امام ذہبیؒ ان کا رد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

قد ساق فی ترجمۃ ھذا ابو بکر الخطیب اشیاء لاینبغی ذکرھا.[2]

ابو بکر الخطیبؒ نے امام لؤلؤیؒ کے ترجمہ میں جو چیزیں (جروحات) ذکر کی ہیں ان کا ذکر کرنا غیر مناسب ہے۔

زبیر غیر مقلد نے امام بیہقیؒ کو عبدالحمید بن جعفر کے مؤثقین میں محض اس لیے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے عبدالحمید بن جعفر پر امام طحاویؒ کی جرح کا رد کیا ہے۔[3]

بنا بریں امام ذہبیؒ کا علامہ خطیبؒ کے ذکر کردہ اقوال جرح کا رد کرنا بھی ان کی طرف سے امام لؤلؤیؒ کی مستقل توثیق ہے۔

نیز امام حاکم نیساپوریؒ کی توثیق کے ذیل میں بحوالہ گزر چکا ہے کہ

حافظ ذہبیؒ نے ''تلخیص المستدرک'' میں امام لؤلؤیؒ کی حدیث پر سکوت کیا ہے، اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔

اور وہاں غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑی صاحب کا یہ حوالہ بھی ہم نقل کر چکے ہیں کہ

تلخیص المستدرک میں حافظ ذہبیؒ جس حدیث پر سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔

---

۱. خیر الکلام (ص ۱۵۹)

۲. تاریخ الاسلام ترجمہ امام لؤلؤی)

۳. نور العینین (ص ۹۴)

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبیؒ کے نزدیک آپ صحیح الحدیث ہیں۔

۱۴۔ امام بدر الدین العینیؒ (م: ۸۵۵ھ)

امام عینیؒ حدیث، فقہ، تاریخ اور اسماء الرجال وغیرہ علوم کے عظیم امام، اور صحیح بخاری، الہدایہ وغیرہ کتب کے بلند مرتبت شارح ہیں۔

علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م: ۱۰۸۹ھ) نے آپ کا بڑا شاندار اور مبسوط ترجمہ لکھا ہے جس کا آغاز انہوں نے آپ کے ایک شاگرد علامہ ابن تغری بردیؒ کے ان الفاظ سے کیا ہے:

هو العلامة فريد عصره، ووحيد دهره، عمدة المؤرخين، مقصد الطالبين......[1]

زبیر علی زئی غیر مقلد نے ایک راوی کی تحقیق میں امام عینیؒ کو حافظ ابن حجرؒ پر فوقیت دی ہے۔[2]

امام موصوف امام لؤلؤیؒ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

كان الحسن بن زياد محبا للسنة جدًا مشهورا بالدين المتين، كثير الفقه والحديث عفيف النفس فمن هذه الصفات كيف يرمى بما ذكروه.[3]

امام حسن بن زیادؒ سنت نبوی کے انتہائی محب، دین متین کے ساتھ مشہور، کثیر الفقہ، کثیر الحدیث اور پاک دامن انسان تھے، جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو اس کو بعض لوگوں کے وارد کردہ الزامات کی وجہ سے کیسے مجروح ثابت کیا جا سکتا ہے؟

۱۵۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ)

امام موصوف کو علوم حدیث میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی ''شرح بخاری'' میں ایک حدیث کی تحقیق میں لکھا ہے:

۱۔ دیکھئے شذرات الذھب (۷/ ۲۸۶ تا ۲۸۸)

۲۔ الحدیث (ش ۱۶، ص ۱۲)

۳۔ مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار (۲/ ۶۰)

واخرجه الدارقطنی فی "غرائب مالک" من طریق الحسن بن زیاد اللؤلؤی عن مالک عن ابن دینار عن حمزة بن عبدالله بن عمر انه سأل اباه عن شراء الولاء فذكر الحديث.

امام دارقطنیؒ نے "غرائب مالک" میں امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ کے طریق سے اس حدیث کی تخریج ہے، جس میں امام لؤلؤیؒ نے امام مالکؒ سے، انہوں نے عبداللہ بن دینارؒ سے اور انہوں نے حمزہ بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد (حضرت ابن عمرؓ) سے ولاء کی فروخت سے متعلق پوچھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام لؤلؤیؒ کی یہ روایت نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے، اور کوئی جرح نہیں کی۔[1] جب کہ خود علی زئی کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" جو حدیث نقل کر کے اس پر سکوت کریں، وہ ان کے نزدیک کم از کم حسن ضرور ہوتی ہے۔[2]

لہٰذا حافظ موصوف کا امام لؤلؤیؒ کی روایت کو نقل کر کے اس پر سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امام موصوف ان کے نزدیک حسن الحدیث ہیں۔

۱۶۔ امام جمال الدین ابوالمحاسن ابن تغری بردیؒ (م: ۸۷۴ھ):

امام موصوف ایک جلیل القدر مؤرخ، محدث وفقیہ اور "النجوم الزاہرۃ" وغیرہ کتب نافعہ کے مصنف ہیں۔ علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م: ۱۰۸۹ھ) نے ان کا بہت عمدہ ترجمہ لکھا ہے جس کا آغاز: "الامام العلامۃ" کے القاب سے کیا ہے۔[3]

امام موصوف اپنی تاریخ میں امام لؤلؤیؒ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

الامام، احد العلماء الاعلام، فقيه عصره ابو علی احد اصحاب الامام ابی حنيفة.

آپ امام اور چوٹی کے علماء میں سے ایک ہیں۔ نیز آپ اپنے زمانہ کے فقیہ اور امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔

۱۔ فتح الباری (۱۲/۵۰)

۲۔ نورالعینین (ص ۱۷۱)

۳۔ شذرات الذهب (۷/۳۱۷، ۳۱۸)

پھر دیگر ائمہ سے آپ کی تعریف نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

وكان دينا قوالا بالحق وقصته مع الرشيد فى امريحيى العلوى ومحمد بن الحسن مشهورة.[1]

آپ انتہائی دین دار اور بہت بڑے حق گو تھے، آپ کا اور امام محمد بن حسنؒ کا خلیفہ ہارون الرشیدؒ کے ساتھ یحییٰ علویؒ کے بارے میں قصہ مشہور ہے۔

وہ قصہ یہ ہے کہ یحییٰ علویؒ نے خلیفہ ہارون الرشیدؒ کے خلاف بغاوت کی تھی لیکن بعد میں اپنی جان کے امان پر خلیفہ سے صلح کر لی، کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ نے وہ معائدہ توڑنا چاہا اور ان کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا، اور کچھ درباری علماء نے اس معائدے کے توڑنے کو جائز بھی قرار دے دیا، لیکن امام لؤلؤیؒ اور امام محمدؒ نے کھلم کھلا اس کی مخالفت کی جس کی وجہ سے خلیفہ اپنے اس منصوبے سے باز آ گیا۔[2]

۱۷۔ امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمان ابن الغزی شافعیؒ (م ۱۱۶۷ھ):

امام ابن الغزیؒ کہ جن کا شمار بلند پایہ محدثین میں ہوتا ہے۔[3] انہوں نے بھی امام حسن بن زیادؒ کے علمی مقام کی بڑی تعریف کی ہے، چنانچہ وہ آپ کے ترجمے کا آغاز: الفقيہ، الحبر (بہت بڑے عالم) کے القاب سے کرتے ہیں۔[4]

۱۸۔ امام محمد عبدالحی لکھنویؒ (م: ۱۳۰۴ھ):

امام لکھنویؒ برصغیر (پاک وہند) کے ایک مشہور و معروف عالم ہیں۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

برصغیر پاک وہند میں جن حضرات کو تبحر علمی، جودت وذہانت، فہم وفراست اور زہد وتقویٰ کے ساتھ ساتھ کثرت تصنیف کا شرف حاصل ہے ان میں حضرت مولانا علامہ عبدالحی

۱۔ النجوم الزاهرة فى ملوك مصر والقاهرة (۲/ ۲۳۴)

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اخبار ابی حنیفة واصحابہ (ص۱۲۶، ۱۲۷) للامام الصیمریؒ، سيرة النعمان (ص ۳۲۹)، انوار البارى (۱/ ۱۹۱)

۳۔ ان کے حالات کے لیے دیکھیے سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر (۴/ ۵۳-۵۵)

۴۔ دیوان الاسلام (۲/ ۱۲۲)

لکھنوی بھی ہیں۔[1]

نیز لکھتے ہیں:

مولانا (لکھنویؒ) فقہی مکتب فکر کے اعتبار سے حنفی علماء میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں وہ فقہی جمود نہیں جو عموماً برصغیر کے حنفی علماء میں پایا جاتا ہے۔[2]

علامہ لکھنویؒ امام لؤلؤیؒ کی تعریف میں ارقام فرماتے ہیں:

کان یقظا فطنا فقیھا نبیھا.[3]

آپ بیدار مغز، فطین، فقیہ اور معزز شخص تھے۔

امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ پر جرح کا جواب

امام حسن بن زیادؒ کی توثیق میں متعدد محدثین اور ائمہ رجال کے اقوال آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، ان اقوال سے یہ حقیقت آپ پر اچھی طرح سے واضح ہوگئی کہ امام لؤلؤیؒ محدثین کے نزدیک نہایت ثقہ اور بلند پایہ محدثانہ مقام کے حامل ہیں۔

لیکن امام لؤلؤیؒ اس قدر عظیم الصفات ہونے کے باوجود بھی بعض متعصبین کی جرح سے محفوظ نہ رہ سکے، اور بعض لوگوں نے تو آپ پر اس قسم کی بیہودہ تہمتیں لگائی ہیں کہ حافظ ذہبیؒ اور حافظ عینیؒ جیسے محدثین نے بھی ان کو غیر مناسب اور غیر معتبر قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے حوالے گزر چکے ہیں۔

دراصل ان لوگوں کا آپ پر تنقید کرنا بھی آپ کی عظمت شان کی دلیل ہے۔

شیخ الاسلام حافظ المغرب علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (م: ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے کہ

وکان یقال یستدل علیٰ نباھة الرجل من الماضین یتباین الناس فیه.[4]

---

۱. ہفت روزہ الاعتصام لاہور (ص ۲۰، ۲۱، ۴ جون تا ۱۰ جون ۱۹۹۹ء)

۲. ایضاً

۳. الفوائد البھیة (ص ۶۰)

۴. جامع بیان العلم وفضله (۲/۱۴۹)

کہا جاتا ہے کہ کسی فوت شدہ آدمی کے بارے میں لوگوں کا مختلف الآراء ہونا اس آدمی کی بزرگی اور علو مرتبت کی دلیل ہے۔

اور پھر ان متعصبین کی مخاصمت صرف امام لؤلؤیؒ کے ساتھ ہی خاص نہیں رہی بلکہ بعض دیگر ائمہ اجلّہ بھی ان لوگوں کی مخاصمت کا نشانہ بنے ہیں یہاں تک کہ امام بخاریؒ جیسے امام المحدثین بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور اس کا اعتراف زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی کیا ہے۔

چنانچہ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

اختلاف کرنے والوں نے امام بخاریؒ پر بھی اختلاف کیا ہے۔ بلکہ بعض نے ان کو ترک کر دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۹۱) کیا خدانخواستہ امام بخاریؒ بھی متروک سمجھے جائیں گے بلکہ اختلاف کی نوعیت دیکھی جاتی ہے جس طرح ذات بخاریؒ میں ابو حاتمؒ، ابو زرعہؒ والذہبی کا اختلاف مردود ہے۔[1]

کاش! زبیر علی زئی جس چیز کی دوسروں کو نصیحت کر رہے ہیں اس پر خود بھی عمل کرتے، اور امام حسن بن زیادؒ کے خلاف اقوال جرح ذکر کرنے کی بجائے ان کی نوعیت دیکھتے خصوصاً جب کہ امام ذہبیؒ جیسے محدث ناقد بھی ان اقوال کے تذکرے کو نامناسب قرار دے رہے ہیں، لیکن علی زئی نے اپنی عاقبت نااندیشی سے جیسے دیگر ائمہ اسلاف پر تنقید و تنقیص کو اپنا مشغلہ بنایا ہوا ہے، اسی طرح موصوف نے امام حسن بن زیادؒ کے خلاف بھی ان نامقبول اور غیر معقول اقوال کو بلا تحقیق اندھا دھند نقل کر دیا، اور امام موصوف کے بارے میں یہاں تک زہر اگلا کہ

حسن بن زیاد لؤلؤی کذاب خبیث اور غلط حرکات کا مرتکب ایک ساقط العدالت فقیہ تھا۔[2]

ع الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علی زئی نے جن اقوال کے ذریعے امام لؤلؤیؒ جیسے عظیم الشان امام کے خلاف یہ زہر اگلا ہے ان کا جائزہ لیا جائے، اور ان میں سے ہر ایک قول کی حقیقت قارئین پر آشکارا کی جائے۔

واضح رہے کہ خود معترض زبیر علی زئی غیر مقلد نے اپنے مضمون ''نصب العماد'' میں تسلیم کر

[1] جرابوں پر مسح (ص ۲۵) بحوالہ نور الصباح (حصہ دوم ص ۲۴۷)

[2] الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۰)

لیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کی ''لسان المیزان'' میں امام لؤلؤیؒ کے بارے میں جو اقوال جرح عبداللہ بن نمیرؒ، ابوداؤدؒ، ابن المدینیؒ، محمد بن حمید رازیؒ، نضر بن شمیلؒ، صالح جزرہؒ، ابوثورؒ، احمد بن سلیمان رہاویؒ، ابواسامہؒ، عقیلیؒ او ساجیؒ سے منقول ہیں وہ سب ضعیف الاسناد ہیں۔[۱]

جب کہ موصوف دیگر مقامات پر ان ہی اقوال کو امام لؤلؤیؒ کے خلاف پیش کر کے امام لؤلؤیؒ پر انتہائی گھٹیا طعن و تشنیع کرتے رہے ہیں۔[۲]

بہر حال اب جب کہ انہوں نے خود اپنے جرم اور کذب بیانی کا اقرار کر لیا ہے تو ہم بھی اس پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ:

ہے خود بھی ان کو اپنی جفاؤں کا اعتراف
ہم ہی زباں سے کہہ کر کیوں گنہگار ہوں بھلا

البتہ انہوں نے ''لسان المیزان'' کے جن اقوال کو صحیح قرار دیا ہے، یا دیگر کتب سے جو اقوال نقل کر کے ان کی تصحیح کی ہے ان کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔ ہم ان میں سے ہر ایک قول کو پہلے علی زئی کے حوالے سے پیش کریں گے پھر ان شاء اللہ اس کا جواب ذکر کریں گے۔

امام یحییٰ بن معینؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

احمد (بن سعد بن الحکم) بن ابی مریم اور عباس (بن محمد) الدوری نے (حسن بن زیاد کے بارے میں) یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ: کذاب ہے۔

بحوالہ الکامل لابن عدی (۲/۷۳۱)، تاریخ عباس الدوری (۱۷۶۵) وغیرہ۔[۳]

جواب: امام ابن معینؒ سے اگر یہ جرح ثابت بھی ہو تو پھر بھی کئی وجوہ سے مردود ہے۔

اولاً: امام موصوف باقرار غیر مقلدین جرح میں متعنت و متشدد ہیں، چنانچہ زبیر علی زئی کے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

۱۔ دیکھئے الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۱ تا ۳۵)

۲۔ مثلاً دیکھئے نور العینین (ص ۳۷)

۳۔ محصلہ الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۱، حاشیہ نمبر ۲، ۳)

یہ مت بھولیے کہ امام ابن معین جرح میں متعنت ومتشدد ہیں۔[۱]

مولانا گوندلویؒ، مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ، اور مولانا نذیر رحمانیؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی امام ابن معینؒ کو جرح میں متعنت ومتشدد قرار دیا ہے۔[۲]

اور مولانا ارشاد الحق اثری نے یہ بات بھی صاف کر دی ہے کہ

یہ طے شدہ بات ہے کہ متعنت کی جرح قابل قبول نہیں۔[۳]

اسی طرح مولانا محمد گوندلویؒ نے بھی لکھا ہے کہ

جرح کرنے والا اگر متعنت اور متشدد ہو تو اس کی توثیق تو معتبر ہے مگر جرح معتبر نہیں۔[۴]

لہٰذا امام لؤلوئیؒ کے بارے میں امام ابن معینؒ کی جرح اگر ثابت بھی ہو تو پھر بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ثانیاً: یہ بات بھی غیر مقلدین کو تسلیم ہے کہ کذاب صرف اسی شخص کو نہیں کہتے جو جھوٹ بولتا ہو بلکہ اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو کسی کلام میں غلطی کر جائے، چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی پر امام مالکؒ کی اسی جرح ''کذاب'' کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام مالکؒ نے انہیں کذاب کہا ہے جو ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں۔ لیکن امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ

غالباً انہوں نے کلام میں غلطی کی بنا پر کذاب کہا ہے مگر حدیث میں تو وہ ثقہ ہے۔[۵]

پس جب امام ابن معینؒ کے حوالے سے یہ تاویل دیگر ائمہ کے کلام (کذاب) کی ہو سکتی ہے تو پھر خود امام ابن معینؒ کے اس کلام کی یہ تاویل کیوں نہیں ہو سکتی؟

---

۱. توضیح الکلام (۱/۴۹۷)

۲. خیر الکلام (ص ۴۶)، تاریخ اھل حدیث (ص ۸۰)، انوار المصابیح (ص ۱۱۳)

۳. توضیح الکلام (۱/۳۱۲)

۴. خیر الکلام (ص ۴۶)

۵. توضیح الکلام (۱/۲۴۰)

ع بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

ثالثاً: امام ابن معینؒ سے منسوب اس کلام میں امام لؤلؤیؒ کے کذاب ہونے کی کوئی دلیل مذکور نہیں ہے، اور خود غیر مقلدین حضرات ایسی صورت میں اس جرح کو قبول نہیں کرتے، چنانچہ مولانا ارشاد الحق غیر مقلد، محمد بن اسحاقؒ کی بابت امام سلیمان التیمیؒ کی اس جرح (کذاب) کے جواب میں لکھتے ہیں:

معترض پر لازم تھا کہ وہ سبب کذب بیان کرتے۔[1]

لہٰذا زبیر علی زئی غیر مقلد پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ پہلے امام ابن معینؒ سے منسوب اس جرح کا صحیح سبب اور اس کی ٹھوس دلیل ذکر کریں پھر اس کو امام لؤلؤیؒ کے خلاف بطور جرح پیش کریں۔ دیدہ باید۔

امام ابوحاتمؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ابوحاتم (الرازی) نے کہا: وہ نہ ثقہ ہے اور نہ مامون (امین، قابل اعتماد) ہے۔

اور اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

صحیح/الجرح والتعدیل (۱۵/۳) بلفظ ضعیف الحدیث لیس بثقة ولا مأمون. اور یہی قول علل الحدیث لابن ابی حاتم (۲/۴۳۲ ح ۲۸۰۶) میں موجود ہے۔[2]

جواب: امام ابوحاتمؒ کی جرح بھی کالعدم ہے کیونکہ امام موصوف بھی باقرار غیر مقلدین جرح میں انتہائی متشدد و متعنت ہیں، چنانچہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ، شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ، مولانا محمد گوندلویؒ، مولانا حنیف ندویؒ، اور مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے ان کی جرح کو ان کے تشدد اور تعنت کی وجہ سے باطل قرار دیا ہے۔[3]

---

۱. ایضاً (۱/۲۳۹)

۲. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۱ مع الحاشیہ نمبر ۷)

۳. ابکار المنن (ص ۱۵۲)، التنکیل (۱/۳۵۰) مطالعہ حدیث (ص ۷۸)، خیر الکلام (ص ۲۲۶)، التحقیق الراسخ (ص ۷۸)، توضیح الکلام (۱/۳۳۲)

مولانا مبارکپوری صاحب نے تو یہ بھی تصریح کی ہے کہ

فکم من رجال الصحیحین قد ضعفهم.[۱]

صحیح بخاری وصحیح مسلم کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن کو ابو حاتمؒ نے ضعیف کہہ دیا ہے۔

زبیر علی زئی غیر مقلد کو چاہیے کہ وہ امام لؤلؤیؒ کے خلاف امام ابو حاتمؒ کی یہ جرح نقل کرنے سے پہلے صحیح بخاری وصحیح مسلم کے ان راویوں کی روایات پر خط تنسیخ کھینچ ڈالیں کہ جن پر امام ابو حاتمؒ نے جرح کی ہے۔ دیدہ باید۔

امام دارقطنیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی نے تاریخ بغداد (۷/۳۱۷) کے حوالے سے امام لؤلؤیؒ کے بارے میں امام دارقطنی سے نقل کیا ہے:

كذاب كوفي متروك الحديث. وسنده صحيح، وسوالات البرقاني (۸۸) بلفظ: وذكره الدارقطني في كتاب الضعفاء والمتروكين (۱۸۷).[۲]

جواب: اگر یہ قول امام دارقطنیؒ سے ثابت بھی ہو تو خود علی زئی کے نزدیک بھی یہ غیر معتبر ہے کیونکہ وہ امام دارقطنیؒ کو ائمہ جرح وتعدیل میں سے نہیں مانتے، چنانچہ امام موصوف نے امام محمد بن حسنؒ کو غیر متروک یعنی مقبول الحدیث قرار دیا ہے، اور علی زئی نے تسلیم کیا ہے کہ اس قول کی سند صحیح ہے،[۳] لیکن اس کے باوجود امام موصوف کی اس توثیق کو رد کرتے ہوئے علی زئی لکھتے ہیں:

امام دارقطنی کے نزدیک کسی شخص کا متروک نہ ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی متروک نہیں۔[۴]

نیز علی زئی، امام محمدؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

۱. ابکار المنن (ص ۱۵۳)

۲. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۲، حاشیہ نمبر ۱)

۳. الحدیث (ش ۷، ص ۱۶، حاشیہ نمبر ۶)

۴. ایضاً

اس کی توثیق کسی معتبر محدث سے ثابت نہیں۔[1]

اب علی زئی یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ امام دارقطنیؒ نے امام محمدؒ کی توثیق کی ہے، یہ کہہ کر ان کی توثیق کو رَدّ کر رہے ہیں کہ امام محمدؒ کی توثیق کسی معتبر محدث سے ثابت نہیں، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ امام دارقطنیؒ ان کے نزدیک غیر معتبر محدث ہیں اور ان کی جرح وتعدیل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا خود زبیر علی زئی سے بھی اس قول کا باطل ہونا ثابت ہوگیا۔

ع　　　　لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

علاوہ ازیں غیر مقلدین کے استاذ العلماء، مولانا محمد گوندلویؒ (جن کو علی زئی نے: "شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام الثقۃ، المتقن الحجۃ، المحدث الفقیہ، الاصولی" قرار دیا ہے[2]) نے تصریح کی ہے کہ امام دارقطنیؒ جرح میں متعنت ومتشدد ہیں، چنانچہ ایک راوی پر امام ابوحاتمؒ کی جرح کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس کی تجریح نسائی اور دارقطنی جیسے متعنت مُعدلین کے مقابلہ میں کچھ معتبر نہیں ہوسکتی۔[3]

اور امام ابن معینؒ سے منسوب جرح کے جواب میں بحوالہ غیر مقلدین گزر چکا ہے کہ متعنت کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

لہٰذا یہاں بھی امام لؤلؤیؒ کے خلاف امام دارقطنیؒ کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نیز امام دارقطنیؒ کی امام لؤلؤیؒ سے ملاقات نہیں ہوئی اور وہ آپ کی وفات کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے، اس لیے وہ آپ کو قریب سے نہیں دیکھ سکے جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کو تنقید کا نشانہ بنا دیا۔ جیسا کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ پر بھی جرح کر دی ہے۔

مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلدان کی امام ابوحنیفہؒ کے خلاف جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ان کو امام ابوحنیفہ کی طرف سے چونکہ ایسی باتیں پہنچی تھیں اس لیے وہ معذور تھے کیونکہ وہ امام ابوحنیفہ کو قریب سے نہیں دیکھ سکے جیسے یحیٰی بن معین نے امام شافعی

---

۱. حاشیہ جزء رفع الیدین (ص ۳۲)

۲. الکواکب الدریہ (ص ۷)

۳. التحقیق الراسخ (ص ۷۸)

کو ضعیف کہا۔[1]

لہٰذا جیسے امام دار قطنیؒ کی جرح امام ابو حنیفہؒ کے خلاف اور امام ابن معینؒ کی جرح امام شافعیؒ کے خلاف معتبر نہیں ایسے ہی امام دار قطنیؒ کی جرح امام لؤلؤیؒ کے خلاف بھی مردود ہے۔

نیز مولانا عبداللہ روپڑیؒ غیر مقلد نے تصریح کی ہے:

جرح وتعدیل تاریخ کی قسم سے ہے، اور تاریخ اس وقت کے لوگوں کی یا قریب کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے۔ پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں۔ اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں۔[2]

بنا بریں امام دار قطنیؒ جو امام حسن بن زیادؒ کی وفات (م ۲۰۴ھ) سے ایک سو دو سال (۳۰۶ھ) بعد پیدا ہوئے ہیں، ان کی امام حسن بن زیادؒ کے خلاف اس جرح کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

امام شافعیؒ سے منسوب ایک مناظرہ کی حقیقت

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

بویطی سے روایت ہے کہ میں نے (امام محمد بن ادریس) الشافعی سے سنا، انہوں نے فرمایا: مجھے (وزیر) فضل بن ربیع نے کہا: میں آپ کا لؤلؤی سے مناظرہ کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: وہ نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا: میں کرانا چاہتا ہوں۔ پس اس نے ہمیں اکٹھا کیا اور کھانا لایا گیا تو ہم نے کھایا۔ میرے ایک ساتھی نے اس (لؤلؤی) سے کہا: جو شخص نماز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا نماز باطل ہوگئی۔ اس آدمی نے کہا: اور وضو؟ لؤلؤی نے کہا: وضو بھی ٹوٹ گیا۔ اس آدمی نے پوچھا: آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو نماز میں کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے؟ اس نے کہا: نماز فاسد ہوگئی، اس نے پوچھا: اور وضو؟ لؤلؤی نے کہا: وضو برقرار ہے۔ تو وہ آدمی بولا: آپ کے نزدیک نماز میں پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا نماز میں ہنسنے سے کم تر ہے؟ تو لؤلؤی اپنے جوتے لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور بھاگ گیا۔ (یہ بھاگ جانے کے الفاظ علی زئی نے اپنی طرف سے گھڑے ہیں جو کہ ان کے

---

[1] خیر الکلام (ص ۱۷۵)

[2] فتاویٰ اہلحدیث (۱/۱۵)

کذاب ہونے کی دلیل ہے۔ ناقل) میں نے فضل سے کہا: میں نے آپ کو پہلے کہا تھا کہ اس کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ وہ مناظرہ کر سکے۔ (لسان المیزان ۲/ ۲۰۸)

صحیح/ الکامل (۲/ ۷۳۱) وعنه البیهقی فی مناقب الشافعی (۱/ ۲۱۸، ۲۱۹) ابو جعفر محمد بن زاهر بن حرب بن شداد النسائی کے بارے میں ابو حاتم الرازی نے کہا: ولم یکن به بأس (الجرح والتعدیل ۷/ ۲۶۰)۔[1]

جواب: یہ مناظرہ محض ایک رام کہانی اور فرضی داستان ہے، اور امام شافعیؒ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے۔

اولاً: حافظ ابن عدی کے استاذ ابو جعفر النسائی مصری کی توثیق نا معلوم ہے، علی زئی کا اس سے محمد بن زاہر بن حربؒ مراد لینا غلط ہے کیونکہ ان سے ابن عدیؒ کا سماع ناممکن ہے، اس لیے کہ وہ حافظ ابن عدیؒ کی پیدائش سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے، چنانچہ امام ابن ابی حاتمؒ نے اپنے والد امام ابو حاتمؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ میرے اقران (ہم عمروں) میں سے ہیں، اور دمشق میں رہتے تھے اور وہیں فوت ہوئے، میں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔[2]

امام ابو حاتمؒ کی وفات ۲۷۷ ہجری میں ہوئی،[3] اور اسی سال حافظ ابن عدیؒ پیدا ہوئے، اور ۲۹۷ ہجری میں انہوں نے طلب علم کی خاطر سفر کا آغاز کیا۔[4] جب کہ محمد زاہر اس سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اب ابن عدی کا محمد بن زاہر سے سماع کیسے ممکن ہو سکتا ہے جبکہ وہ ان کی ولادت سے بھی پہلے وفات پا چکے تھے؟

گویا علی زئی کے نزدیک ابن عدیؒ نے ان سے اپنی ولادت سے بھی پہلے سماع کر لیا تھا۔

ع
بریں عقل و دانش بباید گریست

اور اگر بالفرض ابو جعفر النسائی سے مراد محمد بن زاہر بن حرب ہی ہو تو پھر بھی اس کی روایت سے علی زئی کا استدلال باطل ہے کیونکہ اس کے بارے میں امام ابو حاتمؒ کے قول:

---

۱. الحدیث (ش ۱۲، ص ۳۳ مع الحاشیہ نمبر ۱)
۲. الجرح والتعدیل (۷/ ۲۶۰)
۳. تذکرۃ الحفاظ (۲/ ۱۱۳)
۴. ایضاً (۳/ ۱۰۲)

"ولم یکن بہ بأس" کے علاوہ کسی قسم کا کوئی توثیقی قول معلوم نہیں ہے، اور خود علی زئی کے نزدیک بھی "لیس بہ بأس" (جو کہ "ولم یکن بہ بأس" کے ہم معنی ہے) سے راوی کی توثیق ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ امام یحییٰ بن معینؒ نے ایک راوی (ابراہیم بن ہارون الصنعانی) کے بارے میں: "لیس بہ بأس یکتب حدیثہ" فرمایا ہے۔ علی زئی اس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن عدیؒ فرماتے ہیں:

وقول یحیی بن معین: یکتب حدیثہ، معناہ انہ فی جملۃ الضعفاء الذین یکتب حدیثہم

اور یحییٰ بن معین کے قول: یکتب حدیثہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی ان ضعیف راویوں میں شامل ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ (الکامل ۱/۳۹۴ ترجمہ ابراہیم بن ہارون الصنعانی)

یعنی ضعیف تو ہے اور متروک نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اگر یکتب حدیثہ سے پہلے یا بعد توثیق لکھی ہوئی ہو تو وہ مستثنیٰ ہے یعنی وہاں توثیق سمجھی جائے گی۔[1]

اب یہاں علی زئی نے ابراہیم الصنعانی کو امام ابن معینؒ کے قول: "یکتب حدیثہ" کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے باوجود اس کے امام ابن معینؒ نے اس کو "لَیْسَ بہ بأس" بھی کہا ہے، لیکن علی زئی نے ان الفاظ کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ کلمہ الفاظ توثیق میں سے نہیں ہے، لہٰذا ان کا ایسے الفاظ کے حامل راوی کی روایت سے استدلال باطل ہے۔

نیز علی زئی کے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد (جن کو علی زئی محقق جلیل القدر، اور نامور اہلحدیث عالم قرار دیتے ہیں) نے تصریح کی ہے کہ: اصول حدیث کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اَرْجُوْ اَنَّہٗ لَا بَأْسَ بِہٖ (جو کہ "لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ" کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ ناقل)، یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ، یُعْتَبَرُ بِہٖ ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے حاملین کی روایت قابل احتجاج نہیں ہوتی۔[2]

بنا بریں اگر حافظ ابن عدیؒ کے استاذ ابو جعفر النسائی سے مراد ابو جعفر محمد بن زاہر بن حرب

---

۱. الحدیث (ش ۱۹، ص ۵۱) ۲. ایضاً (ش ۴، ص ۱۳)

کہ جن کو امام ابوحاتمؒ نے "لیس به باس" فرمایا ہے، بھی ہوں تو پھر بھی ان کی روایت سے احتجاج درست نہیں ہے۔

ثانیاً: اس مناظرے کا مشکوک ہونا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں حنفیہؒ کے موقف کا مدار قیاس کو بنایا گیا ہے حالانکہ حنفیہ اس مسئلہ میں قیاس کے مقابلے میں کئی مرفوع احادیث سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد بحوالہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

بے شک امام ابوحنیفہؒ نے قیاس جلی کو حضرت ابوہریرہؓ اور ان جیسے دیگر صحابہ کی روایت کے مقابلہ میں ترک کر دیا ہے۔ جیسے کہ نبیز تمر سے وضو کرنے، اور نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے وضو کے ٹوٹ جانے اور دیگر مسائل میں۔[1]

امام صاحبؒ کی مستدل احادیث اگرچہ مرسل ہیں لیکن یہ ایک دوسرے سے مؤید ہونے کی وجہ سے "مرسل معتضد" کے درجے میں ہیں، اور مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔

غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ صاحب لکھتے ہیں:

مرسل معتضد سب کے نزدیک حجت ہے۔[2]

نیز لکھتے ہیں: مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔[3]

اس کے بالمقابل کوئی ایک ایسی مرفوع حدیث ثابت نہیں ہے جس میں ہو کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[4]

---

۱. تاریخ اہلحدیث (ص ۲۸۹) بحوالہ فتح الباری (۸/ ۳۷۱)

۲. ابکار المنن (ص ۱۴۳، ۱۴۴)

۳. تحقیق الکلام (۱/ ۹۵) مرسل حدیث کی حجیت پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ (ص ۸۵ تا ۶۰)

۴۔ زبیر علی زئی نے ان احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں حضرت جابرؓ اور بعض تابعین کے آثار کو پیش کیا ہے۔ (الحدیث ش ۱۶، ۳۲، حاشیہ نمبر ۶)
حالانکہ علی زئی نے خود یہ لکھا ہے کہ
حدیث مرفوع کے مقابلے میں اپنی مرضی کے آثار پیش کرنا انتہائی غلط ہے (ہدیۃ المسلمین ص ۳۹) اب علی زئی کے استدلال کا جواب خود ان ہی کے قلم سے دیئے گئے جواب سے زیادہ بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا.

لہٰذا اس مناظرے کی بنیاد ہی غلط ہے تو پھر اس کو صحیح کیسے باور کیا جا سکتا ہے؟

ثالثاً: اگر اس مناظرہ کی صحت کو تسلیم بھی کر لیں تو بھی اس سے امام لولوئیؒ کے علمی مقام پر کوئی زد نہیں پڑتی، بلکہ اس سے تو آپ کا علمی مقام اور زیادہ نکھر کر سامنے آتا ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے ساتھی (جو ایک نامعلوم اور جاہل شخص معلوم ہوتا ہے) نے احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں جب قیاس کو پیش کیا تو امام لولوئیؒ اس سے بحث ومباحثہ کرنے کی بجائے اس مجلس سے ہی اٹھ کر چلے گئے بوجہ نص قرآنی: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾

محمد بن رافع نیساپوری سے منسوب ایک الزام کا جواب

زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

محمد بن رافع نیساپوری نے کہا: حسن بن زیاد (نماز میں) امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا، اور دو سو چار (۲۰۴ھ) میں فوت ہوا اور (حنفی) فقہ میں سردار تھا۔ صحیح/ کتاب الضعفاء للعقیلی (۱/ ۲۲۷، ۲۲۸)[1]

جواب: زبیر علی زئی کا اس قول کی سند کو صحیح کہنا غلط ہے کیونکہ حافظ عقیلی کا استاذ احمد بن علی الأبار جو کہ خیوطی یا حنوطی سے مشہور ہے، ایک دروغ گو راوی ہے اور اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کر رکھی ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ اس کو ''الضعفاء'' (ضعیف راویوں) میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

احمد بن علی الحنوطی، عن علی بن عبداللہ بن مبشر الواسطی بحدیث موضوع.[2]

احمد بن علی الحنوطی نے علی بن عبداللہ بن مبشر الواسطی سے موضوع حدیث روایت کی ہے۔

نیز ذہبیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

فذکر خبرا موضوعا.[3]

---

۱. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۳ مع الحاشیہ نمبر ۳)

۲. المغنی فی الضعفاء (۱/ ۸۲)　　۳. میزان الاعتدال (ت ۴۸۰)

اس نے ایک موضوع حدیث ذکر کی ہے۔
لہٰذا جو شخص ایک جھوٹی حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر سکتا ہے اس پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ثانیاً: اگر اس قول کی سند صحیح بھی ہو تو پھر بھی اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں محمد بن رافعؒ سے منسوب یہ بیان ہے کہ

حسن بن زیاد امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا۔

اس میں یہ کوئی وضاحت نہیں کہ

محمد بن رافع نے امام لؤلؤیؒ کا یہ عمل (بشرط ثبوت) خود دیکھا تھا یا کسی اور راوی سے نقل کیا ہے؟

اگر خود دیکھا تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ یہ خود اس جماعت میں شریک تھے یا اس جماعت سے خارج تھے؟ اگر جماعت میں شریک تھے تو پھر یہ اپنی نماز کی طرف توجہ دینے کی بجائے ادھر ادھر دیگر لوگوں کی حرکات کیوں دیکھتے رہے؟

اور اگر یہ اس جماعت سے خارج تھے تو پھر یہ اس جماعت میں شریک کیوں نہیں ہوئے اور کھڑے رہ کر لوگوں کی نماز پڑھنے کا جائزہ لیتے رہے؟

اور اگر انہوں نے یہ عمل خود نہیں دیکھا تو پھر جس راوی سے نقل کیا ہے وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ ہے؟ فَاِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ۔

ثالثاً: اس قول میں مذکورہ الفاظ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں: وكان رأسا في الفقه. کہ امام لؤلؤیؒ فقہ میں سردار تھے۔

لیکن زبیر علی زئی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ہم ایسی فقہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں......[1]

اب محمد بن رافع نیساپوریؒ سے منسوب اس قول کے آدھے حصے کو قبول کرنا اور اس کے آدھے حصے سے پناہ مانگنا علی زئی کے دوغلاپن اور ان کے ناانصاف ہونے کی بین دلیل ہے۔

---

[1] الحدیث (ش ۱٦، ص ۳۳، حاشیہ نمبر ۴)

رابعاً: تاریخ بغداد میں یہ قول محمد بن رافع کی بجائے محمد بن نافع کی طرف منسوب ہے۔[۱]
اور یہ ایک مجہول اور نامعلوم شخص ہے جس کا اقرار مولانا عبدالقادر سندھیؒ غیر مقلد نے بھی کیا ہے۔[۲]

علی زئی صاحب کو چاہیے کہ وہ اس قول کو معرض استدلال میں پیش کرنے سے پہلے یہ ثبوت فراہم کریں کہ یہ محمد بن نافع نہیں ہے بلکہ محمد بن رافع ہے ورنہ محمد بن نافع کی توثیق ثابت کریں۔ اِذْلَیْسَ فَلَیْسَ۔

حسن بن علی الحوانیؒ سے منسوب ایک الزام کی حقیقت:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ابوداؤد نے حسن بن علی الحلوانی سے نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا: لؤلؤی نے سجدے کی حالت میں ایک لڑکے کا بوسہ لیا تھا۔

صحیح/تاریخ بغداد (۳۱۶/۷ وعندہ الحسن بن زیاد الحلوانی وھو خطا مطبعی) وسندہ صحیح۔[۳]

جواب: اس قول کی سند میں ایک راوی امام ابو داؤد کا بیٹا ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤدؒ باقرار غیر مقلدین خود اپنے والد امام ابوداؤدؒ کے نزدیک کذاب اور کثیر الخطاء ہے، چنانچہ امام ابو داؤد صاحب السنن فرماتے ہیں: ابنی عبداللہ کذاب.[۴]

میرا بیٹا عبداللہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد امام ابوداؤدؒ کے اس قول کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام علی بن مدینی کا اپنے والد عبداللہ بن جعفر، امام ابوداؤد کا اپنے بیٹے عبداللہ، اور محمد بن ابی سری کا اپنے بھائی الحسین پر نقد و تبصرہ جرح و تعدیل کی کتابوں میں

---

۱. تاریخ بغداد (۳۲۷/۷)
۲. مسئلہ رفع الیدین مترجم (ص ۹۴)
۳. الحدیث (ص ۳۴، مع الحاشیہ نمبر ۴)
۴. لسان المیزان (۳۴۸/۳)

آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔[۱]

نیز مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد بحوالہ امام دار قطنیؒ اسی عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثقة الا انه كثير الخطاء فى الكلام على الحديث.[۲]

یہ ثقہ ہے لیکن حدیث میں کلام کرنے میں کثیر الخطاء ہے۔

اور خود علی زئی نے لکھا ہے کہ

جو كثير الغلط، كثير الاوهام، كثير الخطاء اور سيئى الحفظ وغیرہ ہو اس کی منفرد حدیث ضعیف ہوتی ہے۔[۳]

لہٰذا اس کی یہ روایت بھی کالعدم ہے۔

نیز عبداللہ کا شاگرد محمد بن عباس الخزاز ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن ابی الفوارسؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:

وكان فيه تساهل.[۴]

کہ اس میں تساہل تھا۔

خود علی زئی نے متساہل راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔[۵]

ثانیاً: تاریخ بغداد کے مطبوعہ نسخوں میں اس قول کے قائل کا نام ''الحسن بن زیاد الحلوانی'' مذکور ہے جو کہ ایک مجہول اور نامعلوم شخص ہے۔

علی زئی نے بلا دلیل یہ دعویٰ کیا ہے کہ تاریخ بغداد کے مطبوعہ نسخوں میں طباعت کی غلطی سے ''الحسن بن علی الحلوانی'' کی بجائے ''الحسن بن زیاد الحلوانی'' چھپ گیا ہے۔ لیکن خود علی زئی نے دوسری جگہ یہ اصول بیان کیا ہے کہ جو عبارت اصل مأخذ میں مذکور ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے اور اس کے مقابلے دیگر کتب کے حوالے اصل مستند کتابوں کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود

---

۱. توضیح الکلام (۲/۲۳۸، ۲۳۹)
۲. التعليق المغنى (۲/۳۹)
۳. نور العینین (ص ۵۹)
۴. لسان الميزان (۵/۲۱۹)
۵. الحديث (ش ۲، ص ۳۵)

ہوتے ہیں۔[1]

اب اگر علی زئی کے اندر ذرہ برابر بھی انصاف ہوتا تو وہ اپنے اس اصول کی پاسداری کرتے ہوئے یہ صاف اقرار کرتے کہ

تاریخ بغداد جو لسان المیزان کا اصل مأخذ ہے، میں حسن بن زیاد الحلوانی مذکور ہے لہٰذا اس کے مقابلے لسان المیزان وغیرہ میں حسن بن علی الحلوانی جو محرف ہو کر غلط چھپ گیا ہے وہ اصل مأخذ کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

لیکن علی زئی وغیرہ غیر مقلدین سے کسی انصاف کی توقع رکھنا محض عبث اور فضول ہے:

ستمگر تجھ سے امید وفا ہو گی جنہیں ہو گی
ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

ثالثاً: اس قول کی سند سے قطع نظر اس کا متن بھی انتہائی منکر ہے۔

علامہ زاہد الکوثری (م:۱۳۷۱ھ) نے اس متن پر جو تبصرہ کیا ہے، اس کا مترجم اقتباس پیشِ خدمت ہے:

اللہ تعالیٰ اس کو برباد کرے جس نے مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام (حسن بن زیادؒ) کے بارے میں یہ افسانہ گھڑا اور یہ صراحت کی کہ بے شک وہ جماعت کی صفوں میں تھا جیسا کہ الرھاوی کی عبارت ہے۔ اور افسانہ گھڑنے والے نے اس بہتان تراشی کے ساتھ اس کے جھوٹ ہونے کی دلیل بھی فراہم کر دی۔ پس شہر اور علاقہ کے بدترین فاسقوں میں سے کون سا فاسق ایسا ہو سکتا ہے جو جامع مسجد میں جماعت کی صفوں میں اس قسم کی کاروائی کرے بغیر اس کے کہ اس کے پاس ہر جانب سے موت آ جائے، اور جماعت سے ہٹ کر جس نے اس کاروائی کو دیکھ لیا تو وہ اس کا معاملہ قاضی کے حضور پیش کیوں نہیں کرتا؟ اور ایسا کرنے کی بجائے وہ اس طرح غیبت کر کے اس کے خون اور عزت و آبرو میں کتے کی طرح منہ ڈالتا ہے۔[2]

---

۱. الحدیث (ش ۱۷، ۱۹)
۲. امام اعظم ابو حنیفہؒ کا عادلانہ دفاع ترجمہ تانیب الخطیب (ص ۴۲۳)

امام یزید بن ہارونؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

یزید بن ہارون سے کہا گیا: آپ کا لؤلؤی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

کیا وہ مسلمان ہے؟

صحیح/ الضعفاء للعقیلی (۱/۲۲۷) وسندہ صحیح۔[۱]

جواب: اس قول کی سند میں ایک راوی احمد بن علی الابار ہے جس کو امام ذہبیؒ نے موضوع حدیث روایت کرنے کے ساتھ موصوف کیا ہے جیسا کہ محمد بن رافع نیساپوریؒ سے منسوب قول کے ذیل میں گزرا ہے، لہذا پھر اس قول کی سند صحیح کیسے ہے؟

اور اگر بالفرض اس قول کی سند صحیح ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں ہمزہ تقریر کے لیے ہو کہ امام لؤلؤیؒ واقعی (کامل) مسلمان ہیں۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام یزید بن ہارونؒ جیسے امام کسی کے اسلام کے بارے میں بلا ثبوت و بغیر دلیل شک کا اظہار کریں۔

یعلی بن عبیدؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

یعلی بن عبید نے کہا: لؤلؤی سے بچو۔

صحیح/ الضعفاء للعقیلی (۱/۲۲۷) وسندہ صحیح۔[۲]

جواب: اس قول کی سند میں حافظ عقیلیؒ کے استاذ قاسم بن خلف الدوریؒ کا ترجمہ ہمیں اسماء الرجال کی متداول کتب میں نہیں ملا، لہذا جب تک اس کی معتبر توثیق ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس قول کو صحیح کہنا فضول ہے۔

اور اگر یہ قول صحیح ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ قول جرح میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس قول میں یہ کوئی تصریح نہیں کہ کیوں امام لؤلؤیؒ سے بچا جائے؟، بلکہ اس سے امام لؤلؤیؒ کی توثیق بھی مراد ہو سکتی ہے کہ امام لؤلؤیؒ کا علمی مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اور تم ان سے بحث و مباحثہ نہیں

---

۱. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۴، مع حاشیہ نمبر ۱۰)

۲. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۴ مع حاشیہ نمبر ۱۲)

کر سکتے لہٰذا ان سے بحث ومباحثہ کرنے سے بچو۔ فلا اشکال فیہ۔

نیز امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں:

یعلی بن عبید یتشیع.[۱]

یعلی بن عبید شیعہ ہے۔

لہٰذا ایسے شیعہ شخص کے امام لؤلؤیؒ جیسے امام اہلسنت (جن کو غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی ائمہ اہلسنت میں سے قرار دیا ہے جیسا کہ امام لؤلؤیؒ کی توثیق میں ان کا بیان گزرا ہے) کے خلاف بیان کی کیا وقعت ہے؟

یعقوب بن سفیان سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

یعقوب بن سفیان نے کہا: الحسن اللؤلؤی کذاب (حسن لؤلؤی کذاب ہے) صحیح/ کتاب المعرفة والتاریخ (۵۶/۲).[۲]

جواب: یعقوب بن سفیان الفسوی سے منسوب کتاب ''المعرفۃ والتاریخ'' کو ان سے نقل کرنے والے راوی کا نام عبداللہ بن جعفر بن درستویہ ہے، اور یہ مجروح ومتکلم فیہ ہے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ کے استاذ امام ہبۃ اللہ الطبریؒ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

بلغنی انه قیل له حدث عن عباس الدوری حدیثا ونحن نعطیک درهما ففعل ولم یکن سمع عباس.[۳]

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس کو کہا گیا کہ اگر تو عباس الدوریؒ سے (فلاں) حدیث بیان کرے تو ہم تجھے ایک درہم دیں گے، اس پر اس نے وہ حدیث بیان کر دی حالانکہ اس نے عباس الدوریؒ سے وہ حدیث نہیں سنی تھی۔

اسی طرح امام برقانیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

۱. معرفۃ الرجال (۱۰۰۵) لابن معینؒ

۲. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۵ مع الحاشیہ نمبر ۱)

۳. تاریخ بغداد (۴۳۵/۹)

ضعفوہ، لأنہ لما روی کتاب التاریخ عن یعقوب بن سفیان انکروا علیہ ذلک، وقالوا لہ انما حدث یعقوب بھذا الکتاب قدیما فمتی سمعہ منہ؟[1]

محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ جب اس نے یعقوب بن سفیانؒ سے کتاب التاریخ کو روایت کیا تو محدثین نے اس پر اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ امام یعقوبؒ نے اس کتاب کو بہت پہلے روایت کیا تھا پھر اس نے ان سے یہ کتاب کب سنی تھی؟

علامہ خطیبؒ نے اگرچہ اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن خطیب موصوف ان مذکورہ محدثین سے متاخر ہیں، اور خود علی زئی کا بیان کردہ یہ اصول گزر چکا ہے کہ

متقدمین کے مقابلے میں متاخرین کی بات کب ٹھہر سکتی ہے؟

نیز عبداللہ بن درستویہ سے ماقبل سند بھی نامعلوم ہے، علی زئی جو امام محمدؒ وغیرہ ائمہ احناف کی کتب (جو ان سے تواتر سے ثابت ہیں) کی اسناد پر بھی اعتراضات کرنے سے نہیں شرماتے، ان کو چاہیے کہ پہلے وہ اس "تاریخ الفسوی" کی سند اپنے سے لے کر امام فسویؒ تک صحیح ثابت کریں پھر اس کو معرض استدلال میں پیش کریں۔ اِذْلَیْسَ فَلَیْسَ.

لیکن یہ علی زئی کے بس کی بات نہیں ہے ان کو تو محض ائمہ احناف پر طعن و تشنیع کر کے اپنی عاقبت برباد کرنے کا شوق ہے۔

ثانیاً: اگر یہ قول بہ سند ثابت بھی ہو تو پھر بھی اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں امام لؤلؤیؒ کے کذاب ہونے کا سبب بیان نہیں کیا گیا، اور امام ابن معینؒ کی جرح کے جواب میں بحوالہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد گزر چکا ہے کہ

کسی کو کذاب قرار دینے کے لیے سبب کذب بیان کرنا ضروری ہے، اور وہ یہاں ندارد ہے۔ نیز وہاں مولانا اثری کے حوالے سے ہی گزرا ہے کہ کلام میں غلطی کرنے کی وجہ سے بھی آدمی کو کذاب کہہ دیا جاتا ہے۔ فلا اشکال۔

---

1. ایضاً

حافظ عقیلیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

عقیلی نے اسے اپنی کتاب الضعفاء (۱/ ۲۲۷) میں ذکر کیا ہے۔[۱]

جواب: حافظ عقیلیؒ باقرار غیر مقلدین جرح میں متعنت ومتشدد ہیں، چنانچہ شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ اور مولانا نذیر احمد رحمانیؒ وغیرہ کبار علمائے غیر مقلدین نے ان کو واضح الفاظ میں متعنت و متشدد قرار دیا ہے۔[۲]

اور امام ابن معینؒ کی جرح کے جواب میں بحوالہ علمائے غیر مقلدین ہی گزرا ہے کہ متعنت کی جرح غیر معتبر ہے۔

لہٰذا یہاں بھی امام لؤلؤیؒ کے خلاف ان کی جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ثانیاً: حافظ عقیلیؒ کا امام لؤلؤیؒ کو "کتاب الضعفاء" میں ذکر کرنے سے زیادہ سے زیادہ یہی لازم آتا ہے کہ انہوں نے آپ کو ضعیف کہا ہے، اور یہ بھی آپ کے ضعیف ہونے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ خود علی زئی نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ

صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔[۳]

جب کہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ، مولانا محمد گوندلویؒ اور مولانا نذیر رحمانیؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ

جرح غیر مفسر معتبر نہیں ہے۔[۴]

امام نسائی سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

اور نسائی نے کہا: نہ وہ ثقہ ہے اور نہ مامون ہے۔

کتاب الضعفاء والمتروکین (۱۵۶) وقال النسائی فی الطبقات

---

۱. الحدیث (ش ۱۲، ص ۳۵، حاشیہ نمبر ۲)

۲. التنکیل (۱/ ۴۶۵)، انوار المصابیح (ص ۱۱۲)

۳. تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۶۵)

۴. ابکار المنن (ص ۸۰)، خیر الکلام (ص ۱۵۸)، انوار المصابیح (ص ۱۳۸)

(ص ۲۶۶) والحسن بن زياد اللؤلؤى كذاب خبيث.[1]

جواب: امام نسائیؒ کو بھی زبیر علی زئی غیر مقلد کے خود اپنے علماء نے جرح میں متشدد قرار دیا ہے، چنانچہ امام ابوحاتمؒ سے منسوب جرح کے جواب میں مولانا گوندلویؒ غیر مقلد کا حوالہ گزرا ہے کہ امام نسائی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو جرح میں متشدد ہیں۔

مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب امام موصوف کی جرح کا رد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

انه متعنت وتعنته مشهور.[2]

امام نسائی متعنت ہیں، اوران کا تعنت مشہور ہیں۔

مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

نسائی تو متعنت فی الرجال مشہور ہیں۔ خود حافظ ذہبیؒ نے بھی اسی میزان میں ان کو متعنت قرار دیا ہے۔[3]

لہٰذا امام نسائیؒ کی جرح بھی خود غیر مقلدین کے اصولوں کی روشنی میں بھی کالعدم ہے۔

امام وکیع بن جراح سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

اسحاق بن اسماعیل الطالقانی (ثقۃ عند الجمہور) نے کہا: ہم (امام وکیع (بن الجراح) کے پاس تھے کہ کہا گیا: بے شک (آج کل) سنت قحط میں (اور کمزور) ہے، تو انہوں نے فرمایا: کیوں نہ قحط میں ہو، حسن اللؤلؤی اور حماد بن ابی حنیفۃ جو قاضی بنے بیٹھے ہیں۔ (كتاب الضعفاء للعقيلى ۲۲۸/۱ وسنده صحيح).[4]

جواب: اس قول کی سند سے قطع نظر اس قول کا متن ہی اس قول کے جھوٹ اور غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، اس لیے کہ امام حماد بن ابی حنیفہؒ اور امام لؤلؤیؒ کبھی بھی اکٹھے قاضی

---

۱. الحديث (ش ۱٦، ص ۳۵، مع حاشيه نمبر ۴)

۲. ابكار المنن (ص ۸۰)

۳. انوار المصابيح (ص ۱۳۱)

۴. الحديث (ش ۱٦، ص ۳٦)

نہیں رہے، امام حمادؒ کا انتقال ۱۷۶ھ میں ہوا، چنانچہ حافظ ذہبیؒ امام اعظمؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

توفی حماد سنة ست وسبعین ومئة کهلا.[1]

امام حمادؒ ۱۷۶ھ میں جوانی کی عمر میں فوت ہوئے۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ وغیرہ محدثین نے بھی ان کا یہی سن وفات ذکر کیا ہے۔[2]

جب کہ امام لؤلؤیؒ ان کی وفات کے اٹھارہ سال بعد یعنی ۱۹۴ھ میں صرف تھوڑے عرصہ کے لیے قاضی بنائے گئے تھے جیسا کہ امام خلیفہ بن خیاطؒ (م ۲۴۰ھ، استاذ امام بخاریؒ) وغیرہ مؤرخین کے حوالے سے شروع کتاب میں گزر چکا ہے۔

ان حقائق کی موجودگی میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں اکٹھے قاضی رہے اور ان کے قضاء پر فائز ہونے کی وجہ سے سنت پر قحط آ گیا؟ خصوصاً جب کہ امام حمادؒ کا قاضی بننا بھی ثابت نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس ناپاک قصے کو گھڑنے والا بھی (زبیر علی زئی کی طرح) انتہائی بے وقوف انسان تھا، اور یہ بے وقوف کیوں نہ ہوتا جب کہ یہ طے شدہ اصول ہے

ع دروغ گو را حافظہ نباشد

حافظ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

الجوزجانی نے کہا: اسد بن عمرو و ابو یوسف و محمد بن الحسن واللؤلؤی قد فرغ الله منهم.

یعنی اسد بن عمرو، ابو یوسف ومحمد بن الحسن واللؤلؤی سے اللہ نے ہمیں نجات دے دی ہے۔

احوال الرجال ۹۶. ۹۹ ص ۷۶. ۷۷).[3]

---

۱. سیر اعلام النبلاء (ت ۹۹۴)

۲. الجواہر المضیة (۱/۲۲۷)

۳. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۶)

جواب: جوزجانی موصوف خود علی زئی کے نزدیک بدعتی، ناصبی (دشمن اہل بیت رسول اللہ ﷺ) اور جرح میں متشدد تھے، چنانچہ علی زئی ایک جگہ لکھتے ہیں:

ابراھیم بن یعقوب الجوزجانی المبتدع (بدعتی).[۱]

نیز لکھتے ہیں: جوزجانی (ناصبی صدوق) نے کہا۔[۲]

اسی طرح علی زئی اپنے ایک پسندیدہ راوی پر ان کی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابراھیم بن یعقوب الجوزجانی السعدی "فی نفسہ" ثقہ وصدوق امام ہونے کے باوصف متعنت (متشدد) تھے اور ان پر ناصبی ہونے کا الزام تھا۔[۳]

اب جس شخص کو خود زبیر علی زئی بدعتی، ناصبی (دشمن اہل بیت) اور جرح میں متعنت ومتشدد قرار دے رہے ہیں، اسکے قول کو امام لؤلؤیؒ وغیرہ ائمہ اہل سنت کے خلاف بار بار پیش کر کے علی زئی انتہائی بے شرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

ع — آہ! شرم تجھ کو مگر نہیں آتی

اور پھر جوزجانی موصوف کے اس مذکورہ قول کا تعلق روایت حدیث سے بھی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فضول کلام ہے کہ اللہ ان ائمہ سے فارغ ہو گیا ہے۔ یعنی اللہ نے ان کو موت دے دی ہے۔

کیا اس جوزجانی پر موت نہیں آئی؟ یا زبیر علی زئی غیر مقلد جو اس قول کے ناقل ہیں، پر موت نہیں آئے گی؟

ع — بریں عقل و دانش بباید گریست

حافظ ابن الجوزیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ابن الجوزی نے اسے "کتاب الضعفاء والمتروکین" میں ذکر کیا۔ (۱/۲۰۲ ت ۸۲۱)۔[۴]

جواب: حافظ ابن الجوزیؒ خود غیر مقلدین کے نزدیک ایک کثیر الاوہام شخص ہیں، چنانچہ شیخ

---

۱. ایضاً (ش ۲، ص ۹)

۲. ایضاً (ش ۷، ص ۱۸)

۳. القول المتین (ص ۴۳)

۴. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۶)

عبدالرحمان المعلمیؒ غیر مقلد (جن کو زبیر علی زئی نے ''ذہبی عصر'' قرار دیا ہے)[۱] ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

لانه كثير الاهام.[۲]

حافظ ابن الجوزیؒ کثیر الاوہام (کثرت سے وہم کا شکار ہونے والے) ہیں۔

نیز شیخ معلّمیؒ نے بحوالہ حافظ ذہبیؒ ان کو ''كثير الغلط'' (بکثرت غلطیاں کرنے والا) قرار دیا ہے۔[۳]

خود علی زئی نے بھی لکھا ہے کہ:

حافظ ابن الجوزی کے اوہام و اخطاء کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہیں اپنی کتابوں کی مراجعت کا موقع نہ ملا۔[۴]

اور زبیر علی زئی غیر مقلد کا یہ بیان حسن بن علی الحلوانیؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزر چکا ہے کہ جو شخص کثیر الاوہام اور کثیر الغلط ہو اس کی منفرد حدیث ضعیف ہوتی ہے۔

پس جب خود علی زئی کے نزدیک حافظ ابن الجوزیؒ ذاتی طور پر روایت حدیث میں نا قابل اعتماد ہیں تو پھر دوسروں کے خلاف ان کی جرح نقل کرنا چہ معنی دارد؟

نیز حافظ ابن الجوزیؒ کا امام لؤلؤیؒ کو ''كتاب الضعفاء والمتروكين'' میں ذکر کرنا اس لیے بھی غیر معتبر ہے کیونکہ علی زئی کے ایک بہت بڑے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ

امام ابن جوزیؒ کی عموماً عادت ہے کہ وہ ''كتاب الضعفاء'' میں راوی پر کلام کرتے ہوئے صرف جرح نقل کرتے ہیں اور توثیق کو حذف کر دیتے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

وقد اورده ايضا العلامة ابوالفرج ابن الجوزی فی الضعفاء ولم

---

۱. نور العینین (ص ۱۱۹)

۲. التنکیل (۱/۲۲۱)

۳. ایضاً

۴. الحدیث (۵۳/۴۴)

یذکر فیه اقوال من وثقه، وهذا من عیوب کتابه

اس راوی کو علامہ ابوالفرج ابن الجوزیؒ نے کتاب ’الضعفاء‘‘ میں ذکر کیا ہے، اور اس میں انہوں نے ان لوگوں کے اقوال کو ذکر نہیں کیا جنہوں نے اس راوی کی توثیق کی ہے، اور یہ ان کی اس کتاب کے عیوب میں سے ایک عیب ہے۔ ترجمہ از ناقل)

اور یہی بات حافظ ابن حجرؒ نے (لسان المیزان ص ۹ جلد ۱) میں، مولانا عبدالحیؒ نے ’’الرفع والتکمیل‘‘ میں، اور علامہ الکتانیؒ نے ’’الرسالہ‘‘ میں نقل کی ہے۔ لہٰذا ابن جوزی کا ابن اسحاق پر صرف جرح نقل کرنا اس بات کی قطعاً دلیل نہیں ہے کہ ابن اسحاق کی توثیق ثابت نہیں۔[1]

بنابریں حافظ ابن الجوزیؒ کا امام لؤلؤیؒ کو بھی ’’کتاب الضعفاء‘‘ میں ذکر کرنا اس بات کی قطعاً دلیل نہیں کہ آپ ضعیف ہیں، اور آپ کی توثیق ثابت نہیں ہے۔

اور بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ حافظ موصوف کا امام لؤلؤیؒ کو اپنی اس کتاب میں ذکر کرنا آپ کے ضعیف اور متروک ہونے کی دلیل ہے تو پھر بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ خود علی زئی کا اپنا بیان کردہ یہ اصول نقل ہو چکا ہے کہ

صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔

اور حافظ عقیلیؒ سے منسوب جرح کے جواب میں بحوالہ علمائے غیر مقلدین گزرا ہے کہ

جرح غیر مفسر معتبر نہیں ہوتی۔

لہٰذا یہاں بھی حافظ ابن الجوزیؒ کی جرح غیر معتبر ہے۔

حافظ ابن الاثیرؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ابن الاثیر نے کہا: وهو ضعیف فی الروایة جدا کذبه غیر واحد...... وکان فقیها کبیراً.

اور وہ روایت میں سخت ضعیف ہے، کئی (علماء) نے اسے کذاب کہا ہے، اور وہ بڑا فقیہ تھا۔

---

۱. توضیح الکلام (۱/۲۵۸)

(غاية النهاية فی طبقات القراء (۱/۲۱۳ ت ۹۷۵)۔[۱]

جواب: ابن الاثیرؒ کا آپ کو بغیر سبب بیان کیے ضعیف قرار دینا غیر معتبر ہے جیسا کہ سطور بالا میں زبیر علی زئی کے حوالے سے گزرا ہے کہ کسی کو صرف ضعیف کہنا (اور اس کا سبب بیان نہ کرنا) جرح غیر مفسر ہے، جو کہ خود غیر مقلدین کے مذہب میں بھی غیر معتبر جرح ہے۔

اسی طرح ابن الاثیرؒ کے الفاظ "کذبه غير واحد" کا بھی باقرار غیر مقلدین کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ امام لؤلؤیؒ کی تکذیب کرنے والے یہ "غیر واحد" کون ہیں؟

چنانچہ مولانا مبارکپوریؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: جارح مجہول کی جرح غیر معتبر و نامقبول ہے۔[۲]

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد ایک راوی کے متعلق امام دار قطنیؒ کے الفاظ "لینوه" (اس کو لوگوں نے کمزور قرار دیا ہے) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام دار قطنیؒ نے اگر "لینوه" کہا ہے تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔[۳]

نیز لکھتے ہیں: اگر جارح مجہول ہے تو اہل علم نے جرح کو قبول نہیں کیا۔[۴]

نیز لکھتے ہیں: یہ کلام موجب جرح نہیں کیونکہ یہ مجہول آدمی سے ہے کہ کس نے یہ کہا ہے۔[۵]

خود زبیر علی زئی نے ایک راوی پر امام ابن ابی حاتمؒ سے وارد الفاظ "تکلموا فيه" کو جرح غیر مفسر قرار دیا ہے، اور ان الفاظ کی تردید میں یہ بھی لکھا ہے کہ

اس کا جارح نامعلوم ہے۔[۶]

بنابریں ابن الاثیرؒ کا قول "کذبهٔ غير واحد" بھی جرح غیر مفسر ہونے، اور اس کا جارح

---

۱. الحديث (ش ۱۶، ص ۳۶)

۲. تحقيق الكلام (۱/۶۳)

۳. توضيح الكلام (۱/۵۳۴)

۴. ايضاً

۵. ايضاً

۶. نور العينين (ص ۱۰۷)

نامعلوم ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔

ثانیاً: ابن الاثیرؒ نے امام لولوئیؒ کو ''فقیہ کبیر'' (بہت بڑے فقیہ) بھی قرار دیا ہے، لیکن علی زئی ان کی یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ وہ آپ کو ''فقیہ کبیر'' ماننا تو کجا آپ کو فقہاء میں شمار کرنے کو ہی جھوٹ اور باطل سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

حسن بن زیاد لولوی ...... وغیرہم کو فقہاء سمجھنا کذب محض اور اَبْطَلُ الْاَبَاطِیْل ہے۔[1]

اب زبیر علی زئی کی بے انصافی اور بددیانتی پر اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ حافظ ابن اثیرؒ کی آدھی بات کو سر آنکھوں پر رکھ رہے ہیں، اور ان کی آدھی بات کو کذب محض اور اَبْطَلُ الْاَبَاطِیْل (بہت زیادہ باطل) قرار دے رہے ہیں۔ گویا

ع میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

حافظ ذہبیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ذہبی نے کہا: لم یخرجوا له فی الکتب الستة لضعفه وکان رأسا فی الفقه.

اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے محدثین نے کتب ستہ میں اس سے روایت نہیں لی اور وہ فقہ میں سردار تھا۔ (العبر فی خبر من غبر ۱/۲۷۰ وفیات ۲۰۴)۔[2]

جواب: اصحاب صحاح ستہ کا کسی شخص سے روایت نہ لینا اس شخص کے ضعف کو مستلزم نہیں ہے، اس کا اقرار حافظ ذہبیؒ اور خود غیر مقلدین کو بھی ہے۔

چنانچہ حافظ ذہبیؒ اپنی اسی کتاب ''العبر'' میں ایک راوی صمام بن اسماعیل مصریؒ کی توثیق نقل کرنے کے بعد رقم فرماتے ہیں:

لم یخرجوا فی الکتب الستة شیئًا وهو من مشاهیر المحدثین.[3]

محدثین نے کتب ستہ میں اس سے کسی روایت کی بھی تخریج نہیں کی حالانکہ یہ مشہور محدثین میں سے ہے۔

اسی طرح ذہبیؒ اسی کتاب میں عبدالصمد بن النعمان البزار کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۔ امین اوکاڑوی کا تعاقب (ص ۵۲)

۲۔ الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۶) ۳۔ العبر (۱/۲۲۵)

وكان احد الثقات، ولم تقع له رواية فى الكتب الستة.[1]

یہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں، لیکن کتب صحاح ستہ میں ان کی ایک روایت بھی نہیں ہے۔

نیز طالوت بن عباد ابوعثمان الصیر فی البصری کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

وكان ثقة، ولم يخرجوا له شيئا.[2]

یہ ثقہ تھے، لیکن محدثین (صحاح ستہ وغیرہ) نے ان سے کسی روایت کی بھی تخریج نہیں کی۔

اسی طرح ذہبیؒ نے مخل بن محرز الضبیؒ، اور نافع بن ابی نعیمؒ وغیرہ رُوات کی بھی توثیق نقل کرنے کے بعد یہ تصریح کی ہے کہ ان کے ثقہ ہونے کے باوجود اربابِ صحاح ستہ نے اپنی کتب میں ان سے تخریج حدیث نہیں کی۔[3]

مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری (جن کو علی زئی محقق جلیل القدر اور نامور اہلحدیث عالم قرار دے چکے ہیں) بھی یہ اقرار کرتے ہیں کہ

بلکہ (ارباب صحاح ستہ سمیت ۔ ناقل) کسی بھی محدث کا کسی راوی سے حدیث نہ لینا اس کے ضعف کا موجب نہیں۔[4]

لہذا حافظ ذہبیؒ کا مذکورہ قول خود حافظ ذہبیؒ اور غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی غلط ہے، خصوصاً جب کہ وہ امام لؤلؤیؒ کی توثیق بیان کر چکے ہیں جیسا کہ بحوالہ یہ بحث گزر چکی ہے۔

اور مولانا ارشاد الحق اثریؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو (کہ اس سے توثیق اور جرح دونوں منقول ہوں۔ ناقل) تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے۔[5]

بنابریں حافظ ذہبیؒ کا مذکورہ کلام اگر موجب جرح ہے بھی تو وہ ان کی توثیق کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

---

۱. ایضاً (۲۹۱/۱)
۲. ایضاً (۳۳۶/۱)
۳. ایضاً (۱۶۹/۱، ۱۹۸)
۴. توضیح الکلام (۵۴۹/۱)
۵. ایضاً (۵۳۴/۱)

علاوہ ازیں حافظ موصوف نے اپنے مذکورہ بیان میں امام لؤلؤیؒ کو "رأس فی الفقه" (فقہ میں سردار بھی کہا ہے) لیکن علی زئی یہ بات قبول نہیں کرتے جیسا کہ حافظ ابن اثیرؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزرا ہے لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ حافظ ذہبیؒ کی پہلی بات کو بھی رد کردیں۔ دیدہ باید۔

حافظ ابن عدیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ابن عدی نے کہا: والکلام فیه وعلیه فضل وهو ضعیف کما ذکره ابن نمیر وغیره انه کان یکذب علیٰ ابن جریج (الکامل ۲/۷۳۲)۔[1]

جواب: حافظ ابن عدی کی یہ جرح اس پر مبنی ہے کہ ابن نمیرؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ امام حسن بن زیادؒ ابن جریج پر جھوٹ باندھتے تھے، لیکن خود علی زئی نے یہ اقرار کیا ہے کہ ابن نمیرؒ سے یہ قول ثابت نہیں ہے بلکہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس میں ابن سعید (یعنی ابن عقدہ) راوی ضعیف ہے......۔[2]

اسی طرح امام ابوثور سے مروی قول جس میں ہے کہ میں نے لؤلؤی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا، ابن جریج عن عطاء والی سند اس کی زبان پر جاری رہتی تھی، کی سند کو بھی علی زئی نے ضعیف قرار دیا ہے۔[3]

پس جب خود علی زئی کو یہ تسلیم ہے کہ حافظ ابن عدیؒ کی یہ جرح جس دلیل پر مبنی ہے وہ ہی ضعیف ہے، تو پھر ان کا اس جرح کو امام لؤلؤی کے خلاف پیش کرنا سوائے ان کے تعصب اور تجاہل عارفانہ کے اور کیا ہوسکتا ہے؟۔

آپ خود ہی اپنے جور و جفا پہ غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

ثانیاً: یہ جرح اس لیے بھی مردود ہے کہ اس کے جارح حافظ ابن عدیؒ باقرار غیر مقلدین جرح میں متعنت و متشدد ہیں، چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانیؒ غیر مقلد (جن کو علی زئی: مولانا المحقق

۱. الحدیث (ش ۱۶، ۳۶)
۲. ایضاً (ص ۳۱، حاشیہ نمبر ۴)　　۳. ایضاً (ص ۳۴، حاشیہ نمبر ۶)

الفقیہ قرار دیتے ہیں)[۱] رقام فرماتے ہیں:

ابن عدی کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے۔[۲]

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

امام ابن عدیؒ نے ''الکامل'' میں ایسے ثقات کو بھی ذکر کیا ہے جن پر مطلقاً کلام نہیں۔ اور علامہ ذہبیؒ نے جا بجا ان کا تعاقب کیا ہے۔[۳]

اور غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ متعنت کی جرح غیر مقبول ہوتی ہے۔

حافظ سمعانیؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

حافظ السمعانی نے کہا: وکان الناس تکلموا فیه ولیس فی الحدیث بشئی (الانساب ۵/۱۴۶)۔[۴]

جواب: یہ جرح دو جملوں پر مشتمل ہے: (۱) وکان الناس تکلموا فیه (لوگ امام لولوی کے بارے میں کلام کرتے تھے)، (۲) ولیس فی الحدیث بشئی (آپ حدیث میں کچھ نہیں تھے)

اور یہ دونوں جملے خود غیر مقلدین کے نزدیک جرح مبہم ہیں، چنانچہ پہلے جملے کو خود زبیر علی زئی غیر مقلد جرح مبہم، اور جارح کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے رد کر چکے ہیں جیسا کہ حافظ ابن الاثیرؒ سے منسوب جرح کے جواب میں گزرا ہے۔

اس طرح دوسرے جملے کو علی زئی کے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد جرح مبہم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ ''لیس بشئی'' یا ''لیس حدیثه بشئی'' کو جرح مفسر کس نے قرار دیا ہے۔ اور اس میں سبب جرح کون سا ہے؟۔[۵]

مولانا مبارکپوریؒ اور مولانا گوندلویؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی اس کو جرح مبہم اور

---

۱. تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۷)

۲. انوار المصابیح (ص ۱۱۱)

۳. توضیح الکلام (۱/۳۷۱)

۴. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۶)

۵. توضیح الکلام (۱/۴۹۷)

غیر مفسر قرار دیا ہے۔[1]

لہٰذا یہ جرح بھی خود علی زئی اور ان کے اکابرین کے مسلمات کی روشنی میں کالعدم ہے۔

حافظ ابن شاہینؒ سے منسوب جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ابن شاہین نے اسے تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین میں ذکر کیا ہے (ص۷۲ ترجمہ ۱۱۸)۔[2]

جواب: حافظ موصوف نے امام لؤلؤیؒ کو اپنی اس کتاب میں ذکر کرنے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی، اور ماقبل علمائے غیر مقلدین اور خود علی زئی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ ایسی جرح غیر مفسر اور مبہم ہونے کی وجہ سے مردود ہوتی ہے۔

حافظ ہیثمیؒ کی جرح کا جواب:

زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

حافظ الہیثمیؒ نے کہا: وفیه الحسن بن زیاد اللؤلؤی وهو متروک (مجمع الزوائد ۲۶۲/۶)۔[3]

جواب: حافظ ہیثمی خود علمائے غیر مقلدین کے ہاں جرح وتعدیل میں غیر معتمد اور کثیر الاوہام ہیں۔

مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ صاحب لکھتے ہیں:

ولایطمئن القلب بتحسین الهیثمی فان لهٔ اوهاماً فی مجمع الزوائد.[4]

حافظ ہیثمی کی تحسین (کسی حدیث کو حسن قرار دینے) پر دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ ان کو ''مجمع الزوائد'' (جس کتاب کا حوالہ علی زئی نے دیا ہے) میں بہت وہم ہوئے ہیں۔

نیز لکھتے ہیں:

---

۱. تحقیق الکلام (۱۶۳/۲)، خیر الکلام (ص ۱۵۸)

۲. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۶)

۳. الحدیث (ش ۱۶، ص ۳۶)

۴. ابکار المنن (ص ۵۷)

ولا یطمئن القلب علیٰ تصحیح الھیثمی۔[۱]

حافظ ہیثمیؒ کی تصحیح (کسی حدیث کو صحیح قرار دینے) پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔

مولانا محمد گوندلویؒ ارقام فرماتے ہیں:

ہیثمی کی تصحیح میں نظر ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

فانّ لہٗ اوھام کذافی تاج المکلل۔[۲]

کہ ہیثمیؒ کے اوہام ہیں جیسا کہ ''تاج المکلل'' میں ہے۔

مولانا عبدالرؤف سندھو تحریر کرتے ہیں:

علامہ ہیثمی پر کلیۃً اعتماد کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ ان کے بہت اوہام ہیں۔[۳]

مولانا ارشاد الحق اثری رقمطراز ہیں:

یقین جانیئے ''مجمع الزوائد'' میں بیسیوں ایسے مقامات ہیں جہاں ائمہ فن نے علامہ ہیثمیؒ کے حکم سے اتفاق نہیں کیا۔[۴]

خود زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی ان کو ائمہ جرح وتعدیل کی صف سے باہر نکال کر ان کی توثیق کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے، چنانچہ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

حافظ ہیثمی نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے مگر ہمیں اس کی سند نہیں ملی تا کہ حافظ صاحب کے بیان کی تحقیق کی جاسکے۔[۵]

پھر آگے لکھتے ہیں:

اس کے راوی سلیمان بن الحسن العطار کے حالات مطلوب ہیں۔[۶]

اس سے معلوم ہوا کہ زبیر علی زئی غیر مقلد کے نزدیک علامہ ہیثمیؒ کے کسی راوی کو ثقہ قرار دینے کے باوجود اس راوی کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔

اسی طرح علی زئی نے دیگر کئی مقامات پر بھی علامہ ہیثمیؒ کی تحقیقات کو رد کر دیا ہے۔[۷]

---

۱. ایضاً (ص ۱۹۹)
۲. التحقیق الراسخ (ص ۵۷)
۳. القول المقبول (ص ۳۳۵)
۴. توضیح الکلام (۲/۴۰۹)
۵. ھدیۃ المسلمین (ص ۴۶)
۶. ایضاً
۷. مثلاً دیکھئے حاشیہ جزء رفع الیدین (ص ۹۷)، الحدیث (ش ۲۲، ص ۵) وغیرہ

پس جب خود علی زئی اور ان کے اکابرین کی نظروں میں علامہ ہیثمیؒ ائمہ جرح وتعدیل میں سے نہیں ہیں، اور ان کی تحقیقات غیر معتبر ہیں تو پھر علی زئی ان کے مذکورہ قول کو امام لؤلؤیؒ کے خلاف پیش کر کے اپنی بے انصافی کا ماتم کیوں کر رہے ہیں؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

ثانیاً: حافظ ہیثمی کا امام لؤلؤیؒ کو متروک کہنا اس وجہ سے بھی مردود ہے کہ خود علی زئی اس لفظ کو جرح غیر مفسر کہہ کر رد کر چکے ہیں جیسا کہ حافظ عقیلیؒ کی جرح کے جواب میں گزرا ہے۔

اسی طرح علی زئی کے محقق جلیل القدر مولانا ارشاد الحق اثری نے بھی اس کو جرح غیر مفسر قرار دیا ہے۔[1]

قارئین: آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ زبیر علی زئی غیر مقلد نے امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ کے خلاف جتنے اقوال جرح ذکر کیے ہیں ان میں سے ہر ایک قول خود علی زئی اور ان کے اکابرین کے مسلمات کی روشنی میں باطل اور مردود ہیں، اس کے بالمقابل امام لؤلؤیؒ کی توثیق ہی ثابت ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس جلیل القدر امام کے خلاف زہر اُگل کر اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التوّاب الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلی الہ واصحابہ واتباعہ اجمعین.

ظہور احمد الحسینی

بروز پیر ۲۳ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ دسمبر ۲۰۰۷ء

بمقام: جیلنگھم برطانیہ،

---

۱. توضیح الکلام (۱/۱۴۳)

تذکرہ امام زفر بن ہذیلؒ

ولادت: ۱۱۰ھ، وفات: ۱۵۸ھ

تذکرہ امام زفر بن ہذیلؒ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم. امابعد.....

امام زفرؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مشہور اور کبار تلامذہ میں سے ہیں، اور آپ کا شمار فقہ حنفی کے بنیادی روات میں ہوتا ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب اور خاندانی پس منظر:

آپ والد کی طرف سے عربی النسل اور والدہ کی طرف سے فارسی النسل تھے، اس طرح آپ عربی و عجمی دونوں خصوصیات کے حامل تھے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ ﷺ کے جداعلیٰ عدنان سے جاملتا ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

ابو الهذيل زفر بن الهذيل بن قيس بن سليم بن قيس بن مكمل بن ذهل بن ذؤيب بن جذيمة بن عمروبن جنجور بن جندب بن العنبر بن عمرو بن تيميم بن مربن أدبن طابخة بن الياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، العنبرى الفقيه الحنفى.[1]

آپ ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اور آپ کے والد اصفہان (ایران کے مشہور شہر) کے حاکم رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) اور امام محمد بن سعدؒ (م۲۳۰ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وكان ابوه الهذيل علىٰ اصبهان.[2]

---

۱. وفيات الاعيان (۱/۳۴۲)

۲. ايضاً، الطبقات الكبرىٰ (۶/۳۶۱)

آپ کے والد ہذیلؒ اصفہان کے حاکم تھے۔

امام ابوالشیخ بن حیان اصفہانیؒ (م:۳۶۹ھ) کی تصریح کے مطابق آپ کے والد اموی خلیفہ یزید بن ولید بن عبدالملک (م:۱۲۶ھ) کے دور خلافت سے اصفہان کے حاکم چلے آرہے تھے اور وہ ۱۲۸ھ تک اس عہدے پر فائز رہے۔[1]

امام موصوف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

ہذیلؒ کے تین صاحبزادے تھے:

(۱) الکوثر: یہ ہذیلؒ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، اور اصفہان کے قصبہ ''براء ان'' میں مقیم تھے، امام زفرؒ ان ہی کے پاس آکر قیام کیا کرتے تھے۔

(۲) ہرثمہؒ: یہ لوگوں میں انساب اور اشعار کے سب سے بڑے عالم تھے، اور ان ہی سے امام حماد الراویہؒ (م:۱۵۵ھ) جو فن نسب وشعر کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں) نے یہ علم حاصل کیا تھا۔

(۳) امام زفرؒ: جو لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔[2]

امام امیر بن ماکولاؒ (م:۴۷۵ھ) نے بحوالہ محدث امام دارقطنیؒ (م:۳۵۸ھ) ہذیلؒ کے چوتھے بیٹے کی بھی تصریح کی ہے جن کا نام صباح تھا اور کنیت ابوالمغلس تھی۔[3]

یہ غالباً امام زفرؒ کے وہ بھائی ہیں جو بصرہ میں مقیم تھے، اور جن کی وفات کے بعد ان کی میراث کے سلسلے میں امام زفرؒ بصرہ گئے تھے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

آپ کی ولادت ووفات اور مختصر ذاتی حالات:

حضرت امام زفر بن ہذیلؒ ۱۱۰ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد حاکم تھے، یہیں آپ کی نشوونما ہوئی، اور پھر آپ اپنے بھائی جو بصرہ میں مقیم تھے (اور جن کا نام غالباً صباح تھا) کی وفات کے بعد ان کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کے فضل وکمال سے متاثر ہوکر آپ کو بصرہ میں ہی ٹھہرالیا۔

---

۱. طبقات المحدثین باصبہان (۱/۴۵۰،۴۵۱)

۲. ایضاً

۳. الاکمال (۵/۱۵۸)، تہذیب مستمر الاوہام (ص ۳۱۲)

امام ابن ابی حاتمؒ (م:۳۲۷ھ) نے مشہور حافظ الحدیث امام ابونعیم فضل بن دکینؒ (م:۲۱۷ھ) سے روایت کیا ہے کہ

وقع الی البصرة فی میراث اخیه فتشبت به اهل البصرة فلم یدعوه یخرج من عندهم.[۱]

امام زفرؒ اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے تو اہل بصرہ آپ کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کو اپنے پاس سے نہیں جانے دیا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ کے استاذ امام ابوعبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۴ھ) نے امام وکیع بن الجراحؒ (م:۱۹۷ھ) سے نقل کیا ہے کہ

ومات اخوه فتزوج بعده بامرة اخیه.[۲]

امام زفرؒ کے بھائی فوت ہوئے تو آپ نے ان کی بیوہ سے شادی کر لی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ (م:۴۶۳ھ) اور حافظ عبدالقادر القرشیؒ (م:۷۷۵ھ) نے آپ کے بارے میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ

ولی قضاء البصرة.[۳]

آپ بصرہ کے قاضی بھی رہے ہیں۔

لیکن علامہ زاہد الکوثریؒ (م:۱۳۷۱ھ) نے اس کی تردید کی ہے۔[۴] واللہ اعلم بالصواب

آپ کا انتقال ۱۵۸ھ میں بصرہ میں ہی ہوا اور اس وقت آپ کی عمر ۴۸ سال تھی۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) آپ کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

ومولده سنة عشر و مائة، وتوفی فی شعبان سنة ثمان وخمسین ومائة، رحمه الله تعالیٰ.[۵]

---

۱. الجرح والتعدیل (۶۰۹/۳)

۲. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۱۱)

۳. الانتقاء (ص ۱۷۳)، الجواهر المضیة (۲۴۴/۱)

۴. لمحات النظر فی سیرة الامام زفر مع الامتاع (ص ۲۲۸)

۵. وفیات الاعیان (۳۴۳/۱)

آپ کی ولادت ۱۱۰ھ میں، اور آپ کی وفات شعبان ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

امام ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴ھ) نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

اقدم اصحاب ابی حنیفة وفاة.[1]

امام زفرؒ، امام ابو حنیفہؒ کے (مشہور) تلامذہ میں سب سے پہلے فوت ہوئے۔

امام زفرؒ کی اولاد:

امام زفرؒ کی اولاد سے متعلق زیادہ معلومات نہیں ملتیں، البتہ امام محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) نے آپ کے ایک صاحبزادے عثمان بن زفر بن ہذیلؒ سے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ ۲۱۸ھ میں بمقام کوفہ خلیفہ مامون الرشیدؒ کے عہد میں فوت ہوئے۔[2]

تعلیم وتربیت:

امام زفرؒ نے زیادہ تر تعلیم کوفہ میں پائی جو صحابہ کرامؓ کا مسکن اور علوم وفنون کا بہت بڑا گہوارہ رہا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم وادیب مولانا محمد حنیف ندویؒ "کوفہ" کے تعارف میں لکھتے ہیں:

جب عراق فتح ہوا تو صحابہ کی کثیر تعداد نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوفے کا قصد کیا، جس میں ایک روایت کے مطابق تین سو صحابہ وہ تھے جن کو اصحاب الشجرہ کے پُرفخار لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ستر وہ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ان میں سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن فضیل اور عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابہ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کوفہ کے نام کو حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے تلامذہ نے زیادہ روشن کیا اور ان کے چشمہ فیض سے جو لوگ سیراب ہوئے، ان میں الربیع بن خیثم، کمیل بن زید النخعی، شعبی، سعید بن جبیر الالای، ابراہیم النخعی، ابو اسحاق السبعی اور عبدالملک بن عمیر وغیرہ ایسے شیوخ فقہ وحدیث نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ دوسری اور

---

۱. البدایة والنهایة (۱۱۲/۷)

۲. الطبقات الکبریٰ (۳۷۵/۶)

تیسری ہجری میں یہ فقہ وتقنین (فنون) کا اہم مرکز قرار پایا۔[۱]

آپ نے جب کوفہ میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا اس وقت کوفہ کی علمی رونق بدستور قائم تھی اور حدیث وفقہ وغیرہ علوم کا درس خوب زور وشور سے جاری تھا۔ آپ پہلے تحصیل حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر آپ نے فقہ اور قیاس میں مکمل عبور حاصل کیا۔

حافظ ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴ھ) ارقام فرماتے ہیں:

اشتغل اولا بعلم الحديث ثم غلب عليه الفقه والقياس.[۲]

امام زفرؒ پہلے علم حدیث حاصل کرنے میں مشغول ہوئے، پھر آپ پر فقہ اور قیاس کا غلبہ ہوگیا۔

امام محمد بن سعدؒ کاتب الواقدیؒ (م: ۲۳۰ھ) نے آپ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

وكان قد سمع الحديث ونظر في الرأى فغلب عليه ونُسب اليه.[۳]

آپ نے حدیث کا سماع کیا تھا اور رائے (فقہ) میں مہارت حاصل کی، اور رائے آپ پر غالب آگئی اور آپ اسی کی طرف منسوب ہوگئے۔

آپ کے اساتذہ حدیث وفقہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ، اعمشؒ، یحیٰی بن سعید انصاریؒ، اسماعیل بن ابی خالدؒ، حجاج بن ارطاتؒ، محمد بن اسحاقؒ (جن سے آپ نے مغازی وتاریخ کا علم حاصل کیا) وغیرہ جیسے اساطین علم بھی شامل ہیں۔[۴]

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے درس میں امام زفرؒ کی شرکت:

امام ابوحنیفہؒ کوفہ کے صدر مدرس تھے، اور آپ کا انداز تدریس اور طریقہ استدلال اس قدر عمدہ اور پرکشش تھا کہ جو شخص ایک دفعہ آپ کی مجلس درس میں شرکت کر لیتا تھا پھر وہ سب کو چھوڑ کر آپ کا ہی ہوکر رہ جاتا تھا۔

امام زفرؒ کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے جو شروع میں آپ سے دور تھے لیکن جب وہ

۱۔ مطالعه حديث (ص ۵۶، ۵۷)

۲۔ البداية والنهاية (۱۱۲/۷)

۳۔ الطبقات الكبرىٰ (۳۶۱/۶)

۴۔ سير اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)، لمحات النظر (ص ۲۱۷) وغيره

آپ کے درس میں آئے تو آپ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سب کو چھوڑ کر آپ کے ہی ہو کر رہ گئے۔

امام ابوعبداللہ الصیمریؒ (م: ۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل امام محمد بن وہبؒ (م:.......) سے نقل کیا ہے کہ

> امام زفرؒ کے امام ابوحنیفہؒ کی طرف منتقل ہونے کا سبب یہ بنا کہ آپ اصحاب حدیث (محدثین) میں سے تھے، ایک دفعہ آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوا جس کو حل کرنے سے آپ اور آپ کے دیگر ساتھی عاجز آ گئے۔ امام زفرؒ اس مسئلے کے حل کے لیے امام اعظمؒ کی مجلس میں پہنچے تو امام صاحبؒ نے چٹکی میں اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ آپ نے امام صاحبؒ سے پوچھا کہ: آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے حل کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ فلاں فلاں حدیث کی روشنی میں اس طرح قیاس کرتے ہوئے۔ پھر امام صاحبؒ نے آپ سے پوچھا کہ اگر یہ مسئلہ اس طرح ہو تو پھر اس کا جواب کیا ہوگا؟ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ کے حل میں اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ عاجز پایا۔ امام صاحب نے اس مسئلہ کا جواب بھی دلیل سے دے دیا۔ میں امام صاحب کی مجلس سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے ان مسائل کے بارے میں پوچھا تو وہ ان کے بارے میں مجھ سے بھی زیادہ نابلد تھے، میں نے ان مسائل کے جوابات دلائل کے ساتھ ان کو بتلائے تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کو یہ جوابات کہاں سے حاصل ہوئے؟ میں نے کہا امام ابوحنیفہ سے۔ پھر میں ان مسائل کی وجہ سے اپنے حلقہ احباب کا سردار بن گیا۔

امام ابن وہبؒ اس وقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ثم انتقل الیٰ ابی حنیفة، فکان احد العشرة الا کابر الذین دو نوا الکتب مع ابی حنیفة۔[1]

اس کے بعد امام زفرؒ امام ابوحنیفہؒ کی صحبت میں آ گئے اور امام صاحبؒ کے ان دس

۱۔ اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۱۲، ۱۱۳)

کبار تلامذہ میں سے ہو گئے جنہوں نے امام صاحبؒ کے ساتھ مل کر کتب لکھیں۔

امام فضل اللہ العمریؒ نے بھی "مسالک الابصار" میں اس واقعہ کو امام طحاویؒ کے طریق سے روایت کیا ہے۔[1]

امام صاحبؒ کی مجلس درس میں آپ کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا یہاں تک کہ امام صاحبؒ آپ کو امام ابو یوسفؒ پر بھی فوقیت دیتے تھے، چنانچہ امام صمیریؒ نے بہ سند متصل امام ابونعیم فضل بن دکینؒ (م: ۲۱۷ھ جو امام صاحبؒ اور امام زفرؒ دونوں کے شاگرد ہیں) سے نقل کیا ہے کہ

کان زفر یجلس بحذاء ابی حنیفة، وکان ابو یوسف یجلس الیٰ جانبه.[2]

امام زفرؒ (درس میں) امام ابوحنیفہؒ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے، جب کہ امام ابو یوسفؒ امام صاحبؒ کی ایک جانب بیٹھے ہوتے تھے۔

آپ امام صاحبؒ کے تلامذہ میں عمر، فقہ اور قیاس میں سب سے مقدم تھے، چنانچہ حافظ المغرب امام ابن عبد البر مالکیؒ (م: ۴۶۳ھ) آپ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

فکان کبیرا من اصحاب ابی حنیفة وافقههم، وکان یقال انه کان احسنهم قیاسا.[3]

امام زفرؒ، امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے اور سب سے زیادہ فقیہ تھے، اور کہا جاتا ہے کہ آپ ان میں سب سے زیادہ اچھی طرح قیاس کرنا جانتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

تفقه بابی حنیفة، وهو اکبر تلامذته.[4]

امام زفرؒ نے امام ابوحنفیہؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا، اور آپ امام صاحب کے تلامذہ میں سب سے بڑے ہیں۔

---

۱. لمحات النظر (ص ۲۱۱)

۲. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۱۱)

۳. الانتقاء (ص ۱۷۳)

۴. سیر اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)

نیز ذہبیؒ نے آپؒ کو امام صاحبؒ کے کبار تلامذہ کی فہرست میں سب سے مقدم شمار کیا ہے، چنانچہ وہ امام صاحبؒ کے مناقب میں لکھتے ہیں:

تفقه به جماعة من الكبار، منهم زفر بن الهذيل.

آپ سے ائمہ کبار کی ایک جماعت نے تفقہ حاصل کیا جن میں امام زفر بن ہذیلؒ بھی ہیں۔

پھر ذہبیؒ نے امام صاحبؒ کے دیگر تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام حمادؒ وغیرہ کو گنایا ہے۔[1]

آپ نے امام صاحبؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ ان سے حدیث کی بھی روایت کی ہے۔

حافظ ابن الاثیرؒ (م: ۶۳۰ھ) آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

تفقه علیٰ ابی حنيفة وروى عنه.[2]

امام زفرؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے فقہ حاصل کیا اور آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔

آپ کا یہ بھی بہت بڑا اعزاز ہے کہ آپ کو اپنے تمام ساتھیوں میں سب سے زیادہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی صحبت اور رفاقت میسر آئی، یہاں تک کہ آپ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے بھی زیادہ امام صاحبؒ کے ساتھ رہے ہیں۔

عصر حاضر کے مشہور ادیب و محقق علامہ ابوزہرہ مصریؒ رقمطراز ہیں:

وهو اقدم صحبة لابی حنيفة من صاحبيه ابو يوسف و محمد.[3]

امام زفر بن ہذیلؒ، امام ابو حنیفہؒ سے صحبت کے لحاظ سے امام صاحبؒ کے صاحبین امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے مقدم تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ بیس سال تک امام صاحب کی شاگردی میں رہے ہیں۔

---

۱. مناقب ابی حنيفة وصاحبيه (ص ۱۱)

۲. اللباب فی تهذيب الانساب (۱/۳۶۸)

۳. ابو حنيفة حياتهٗ وعصرهٗ، آرائه و فقههٗ (ص ۱۹۲)

امام اعظمؒ کی نظر میں امام زفرؒ کا مقام:

حضرت امام عالی مقام بھی اپنے اس لائق شاگرد سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے، اور آپ کو اپنے تمام تلامذہ پر فوقیت دیتے تھے۔

حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) اور حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م:۸۷۹ھ) فرماتے ہیں:

الامام صاحب الامام و کان یفضله ویقول هوا قیس اصحابی۔[1]

امام زفرؒ جو کہ امام اور صاحب امام (ابو حنیفہؒ) ہیں، امام ابو حنیفہؒ آپ کو فضیلت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے تلامذہ میں قیاس کرنے میں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔

امام ابو عبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام عمرو بن سلیمان العطارؒ (م:......) سے روایت کیا ہے کہ

امام زفرؒ کی جب شادی ہوئی تو آپ کے نکاح کی تقریب میں امام ابو حنیفہؒ بھی شریک ہوئے، آپ نے خطبہ نکاح کے لیے امام صاحبؒ کو دعوت دی، امام صاحبؒ نے خطبہ نکاح میں امام زفرؒ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

هذا زفر بن الهذیل، وهو امام من ائمة المسلمین، وعلم من أعلام الدین فی حسبه وشرفه و علمه.

یہ زفر بن ہذیل، ائمہ مسلمین میں سے ایک امام ہیں، اور اپنے حسب ونسب، شرافت اور علم کی وجہ سے دین کے نشانوں میں سے ایک نشان ہیں۔

امام زفرؒ کی قوم میں سے بعض لوگوں نے امام صاحبؒ کے اس خطبہ پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ

اگر امام ابو حنیفہ کے علاوہ کوئی اور خطبہ پڑھتا تو ہمیں اس قدر خوشی نہ ہوتی۔ لیکن کچھ لوگوں نے امام زفر سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے بنوعم اور قوم کے اشراف لوگ یہاں جمع تھے تو پھر آپ نے (ان سب کو چھوڑ کر) امام ابو حنیفہ کو خطبہ پڑھنے کی دعوت کیوں دی؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

---

[1] الجواهر المضیة (۱/۲۴۳)، تاج التراجم (ص ۲۸)

لوحضرنی ابی لقدمت ابا حنیفة علیه.[1]

اگر میرے والد بھی یہاں موجود ہوتے تو میں ان پر بھی امام ابوحنیفہ کو فوقیت دیتا۔

اس واقعہ سے امام صاحبؒ کی نظر میں امام زفرؒ کے فضل وکمال، اور امام زفرؒ کی آپ سے بے پناہ محبت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

امام اعظمؒ کی جانشینی کا شرف:

کوفہ میں خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰؓ اور مجتہد کبیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا درس سب سے زیادہ مقبول ومشہور تھا، ان دونوں کی وفات کے بعد ان کی مسند علمی کے جانشین حضرت علقمہ بن قیسؒ (م:۶۱ھ) ہوئے، حضرت علقمہؒ نے جب وفات پائی تو یہ مسند علمی حضرت ابراہیم النخعیؒ (م:۹۵ھ) کے حصے میں آئی، اور ان کی وفات کے بعد اس مسند علمی پر امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م:۱۲۰ھ) جلوہ افروز ہوئے، اور جب امام حمادؒ کی وفات ہوئی تو ان کے سب سے بڑے شاگرد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سر پر اس مسند علمی کا تاج سجایا گیا اور آپ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علمی جانشین قرار پائے۔

حضرت امام صاحبؒ نے ۱۵۰ھ میں انتقال کیا تو اپنے پیچھے اپنے تلامذہ کی ایک بہت بڑی کھیپ چھوڑی اور آپ کا سلسلہ تلمذ پوری اسلامی دنیا میں پھیلا ہوا تھا لیکن ان سب میں جس شخص کو آپ کی علمی جانشینی اور آپ کے حلقہ درس کے صدر مدرس ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ امام زفر بن ہذیلؒ ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (م:۴۶۳ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وکان قد زفر قد خلف ابا حنیفة فی حلقته اذمات ثم خلف بعده ابو یوسف ثم بعدهما محمد بن الحسن.[2]

امام ابوحنیفہؒ جب فوت ہوئے تو امام زفرؒ ان کے حلقہ درس کے جانشین ہوئے، امام زفرؒ کے بعد امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ یکے بعد دیگرے اس حلقہ درس کے جانشین بنائے گئے۔

---

۱. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۰۹)

۲. الانتقاء (ص ۱۷۴)

محدث کبیر امام وکیع بن جراحؒ (م: ۱۹۷ھ) جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے اور آپ کی وفات کے بعد امام زفرؒ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے تھے، امام زفرؒ کو فرمایا کرتے تھے:

الحمدلله الذی جعلک خلفا لنا عن الامام ولکن لایذهب عنی حسرة الامام.[1]

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کو ہمارے لیے امام ابو حنیفہؒ کا جانشین بنایا لیکن امام صاحبؒ (سے استفادہ) کی حسرت میرے دل سے جاتی نہیں ہے۔

سلسلہ درس وتدریس:

آپ نے اگرچہ امام صاحبؒ کی زندگی میں ہی ان ہی کے حکم سے بصرہ میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اس دوران آپ تدریس میں بھی مشغول رہے تھے اور ساتھ امام صاحبؒ سے استفادہ بھی کرتے رہے، لیکن آپ نے باقاعدہ تدریس کا آغاز اس وقت کیا جب امام صاحبؒ نے انتقال فرمایا اور آپ کوفہ میں ان کی مسند علمی کے جانشین بنائے گئے، اور پھر آپ نے امام صاحبؒ کے طرز پر ہی جامع مسجد کوفہ میں جب درس دینا شروع کیا تو لوگوں کو امام صاحبؒ کے درس کی یاد تازہ ہو گئی، اور لوگ جوق در جوق آپ کے درس میں شامل ہونے لگے۔

امام ابو عبداللہ الصمیریؒ (م: ۴۳۶ھ) نے امام وکیع بن جراحؒ (م: ۱۹۷ھ) سے نقل کیا ہے:

لمامات ابو حنیفة اقبل الناس علیٰ زفر.[2]

امام ابو حنیفہؒ نے جب انتقال کیا تو لوگوں کا رخ امام زفرؒ کی طرف ہو گیا۔

امام ابوالقاسم بن ابی العوامؒ (م: ۳۰۵ھ) جو بقول امام صالحیؒ ثقہ، پختہ کار اور ناقدین ائمہ حدیث میں سے تھے)[3] نے بہ سند متصل امام خالد بن صبیحؒ (م:......) سے نقل کیا ہے:

رحلت الیٰ ابی حنیفة فنعی الی فی الطریق فدخلت مسجد

---

۱. مناقب ابی حنیفة (ص ۴۵۹) للامام الکردریؒ

۲. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۱۱)

۳. عقود الجمان (ص ۴۹)

الکوفة فاذا الناس کلھم علیٰ زفر بن الھذیل وعند ابی یوسف رجلان او ثلاثة.[1]

میں نے امام ابو حنیفہؒ سے استفادہ کی خاطر سفر کیا تو مجھے راستے میں ہی امام صاحبؒ کے انتقال کی خبر مل گئی۔ جب میں کوفہ کی مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ سب لوگ امام زفر کے پاس (استفادہ کے لیے) جمع ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے پاس صرف دو تین آدمی ہیں۔

علامہ زاہد الکوثریؒ (م:۱۳۷۱ھ) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ شروع زمانہ کی بات ہے بعد میں امام ابو یوسفؒ کی شان اس قدر بلند ہوئی اور ان سے اتنے لوگوں نے استفادہ کیا کہ اس میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔[2]

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زفرؒ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے پھر بصرہ چلے گئے تھے اور آپ کا حلقہ درس بھی وہیں منتقل ہو گیا تھا، اور وہاں بھی بڑے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔

محدث ناقد اور مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) آپ کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں:

نزل البصرة وتفقهوا علیه.[3]

آپ بصرہ منتقل ہو گئے اور وہاں کے لوگوں نے آپ سے علم فقہ حاصل کیا۔

بصرہ میں فقہ حنفی پھیلانے کا سہرا امام زفرؒ کے سر ہے:

امام زفرؒ کا یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے اہل بصرہ کو امام ابو حنیفہؒ کی فقہ سے روشناس کرایا، اور آپ ہی کی بدولت وہاں فقہ حنفی کا چرچا و غلبہ ہوا۔

امام ابن عدیؒ (م:۳۶۵ھ) نے حارث بن مالکؒ (م:......) سے نقل کیا ہے کہ

اول من قدم البصرة برأی ابی حنیفة زفر.[4]

---

۱. فضائل ابی حنیفة (ص ۲۹۵)
۲. لمحات النظر (ص ۲۱۴)
۳. العبر (۱/۱۷۶)
۴. لسان المیزان (۳/ ۵۵۵)

بصرہ میں سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ امام زفرؒ لے کر آئے۔

امام ابو عبداللہ الصمیریؒ (م: ۴۳۶ھ) امام ہلال بن یحییٰ الرائے (م: ۲۴۵ھ) سے اور امام ابن ابی العوامؒ (م ۳۳۵ھ)، امام احمد بن عبدہؒ سے ناقل ہیں کہ

امام ابو یوسف بن خالد السمتیؒ (استاذ امام شافعیؒ) بصرہ سے کوفہ امام ابو حنیفہؒ سے فقہ حاصل کرنے کے لیے گئے، جب فارغ ہو کر بصرہ جانے لگے تو ان سے امام صاحبؒ نے فرمایا: جب تم بصرہ جاؤ گے تو تم کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو تم سے پہلے علمی ریاست پر متمکن ہو چکے ہیں لہٰذا تم وہاں جا کر اپنا حلقہ درس قائم کرنے میں جلدی نہ کرنا کہ کہیں مسجد میں کسی ستون کے پاس بیٹھ کر یہ کہنے لگو کہ ابو حنیفہ نے یہ کہا اور یہ کہا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم وہاں جم نہ سکو گے اور جلد ہی وہاں سے اٹھا دیئے جاؤ گے، جب امام سمتیؒ وہاں گئے تو انہوں نے اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے ایک ستون کے پاس اپنا حلقہ درس قائم کر لیا اور کہنے لگے: امام ابو حنیفہ نے یہ کہا، اور یہ کہا، اس پر لوگوں نے ان کو مسجد سے اٹھا دیا، اور پھر امام زفرؒ کے بصرہ آنے تک کسی کو امام ابو حنیفہؒ کا نام لینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ جب امام زفرؒ وہاں پہنچے تو آپ نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ آپ وہاں کے شیوخ کی مجالس میں جاتے اور ان کے مسائل سن کر ان کو ایسے دلائل سے مدلل کرتے جو دلائل ان کے پاس نہ ہوتے تھے، اس پر وہ لوگ بڑے متعجب ہوتے، پھر آپ ان سے کہتے کہ یہاں ایک دوسرا قول بھی ہے جو اس سے زیادہ اچھا ہے، اور پھر اس کو بڑے اچھے انداز سے مدلل کرتے، جب وہ قول ان کے دل میں گھر کر جاتا تو آپ ان سے فرماتے: یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے، وہ کہتے یہ قول واقعی بہت اچھا ہے خواہ وہ کسی کا بھی ہو ہمیں اس کی پرواہ نہیں، اس طرح آپ مسلسل ان کو امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کی طرف راغب کرتے رہے۔[1]

یہ واقعہ امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) اور امام ابن عبد البرؒ (م: ۴۶۳ھ) وغیرہ محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔[2]

امام صمیریؒ نے امام اسد بن عمرو البجلیؒ (م: ۱۹۰ھ) سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

۱۔ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (ص ۱۱۰)؛ فضائل ابی حنیفۃ (ص ۲۹۷)

۲۔ لسان المیزان (۳/۵۵۵)، الانتقاء (ص ۱۵۳، ۱۷۴)

قدم زفر البصرة فدخل مسجدها فانقضت اليه حلق اصحاب التابعين.[1]

امام زفرؒ بصرہ پہنچے اور وہاں کی مسجد میں (درس دینے کے لیے) گئے تو تابعین کے اصحاب (امام عثمان البتیؒ وغیرہ) کے حلقے بھی ٹوٹ کر آپ کی طرف آ گئے۔

امام زفرؒ کا حلقہ مستفیدین:

آپ نے کوفہ اور بصرہ میں حدیث اور فقہ کا جو درس دیا اس سے ایک خلق کثیر نے فائدہ اٹھایا، اور آپ کے چشمہ علم سے سیراب ہونے والوں میں کئی بلند پایہ فقہاء اور نامور ائمہ حدیث ہیں یہاں تک کہ آپ سے خود آپ کے اپنے رفقاء (جو آپ کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کے درس میں شریک رہے ہیں) اور معاصرین کی ایک بڑی تعداد نے بھی استفادہ کیا۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

حدث عنه...... وعامتهم من رفقائه واقرانه.[2]

آپ سے دیگر لوگوں کے علاوہ خود آپ کے اکثر ساتھیوں اور معاصرین نے بھی (حدیث وفقہ کی) روایت کی ہے۔

آپ کے ان مستفیدین میں سے امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ، امام سفیان بن عیینہؒ اور امام عبداللہ بن داؤد الخریبیؒ وغیرہ جیسے بے مثل اہل علم بھی ہیں۔[3]

---

۱. اخبار ابی حنیفة واصحابه (۱۱۳)

۲. سیئر اعلام النبلاء (۸/ ۳۶)

۳. لمحات النظر (ص ۲۱۷)

آپ کے دس خصوصی تلامذہ کا مختصر تعارف:

مذکورہ بالا ائمہ کے علاوہ جن اساطین علم نے حدیث اور فقہ کا آپ سے درس لیا ان میں سے صرف دس ایسے حضرات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جن کا آپ کے ساتھ خصوصی تعلق رہا ہے:

۱۔ امام وکیع بن جراحؒ (م: ۱۹۷ھ)

یہ مشہور محدث اور پختہ کار حافظ الحدیث ہیں، انہوں نے امام اعظمؒ سے بھی استفادہ کیا تھا اور آپ سے بکثرت احادیث سن کر یاد کی تھیں، چنانچہ امام الجرح والتعدیل حافظ یحییٰ بن معینؒ (م: ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

> ماراَیت احدًا اقدمه علیٰ وکیع، وکان یفتی برأی ابی حنیفة، وکان یحفظ حدیثه کله، وقدسمع من ابی حنیفة حدیثا کثیرا.[۱]
>
> میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کو وکیع بن جراحؒ پر ترجیح دوں اور وہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے (فقہ) پر فتویٰ دیا کرتے تھے، اور ان کو امام امام صاحبؒ کی ساری حدیثیں زبانی یاد تھیں اور آپ سے انہوں نے بکثرت حدیثیں سن رکھی تھیں۔

امام وکیعؒ نے امام صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کے تلامذہ خصوصاً امام زفرؒ سے رشتہ تلمذ استوار کیا۔

امام حافظ الدین الکردریؒ (م: ۸۲۷ھ) نے امام یحییٰ بن اکثمؒ (م: ۲۴۳ھ) سے نقل کیا ہے کہ

> رأیت وکیعا فی آخر عمره یختلف الی زفر بالغدوات والی ابی یوسف بالعشیات ثم ترک ابا یوسف وجعل کل اختلافه الیه لانه کان افرغ.[۲]

---

۱. جامع بیان العلم وفضله (۱۴۹/۲)

۲. مناقب ابی حنیفة (ص ۴۵۸) للکردریؒ

میں نے امام وکیعؒ کو دیکھا کہ وہ آخری عمر میں صبح امام زفرؒ کے پاس اور شام کو امام ابو یوسفؒ کے پاس استفادہ کے لیے جایا کرتے تھے، پھر انہوں نے امام ابو یوسفؒ کو چھوڑ کر سارا وقت امام زفرؒ کے پاس جانا شروع کر دیا کیونکہ وہ اس کے لیے زیادہ فارغ تھے۔

امام ابن ابی العوامؒ (م: ۳۰۵ھ) بہ سند متصل امام ابراہیم بن مغیرہؒ (م:......) سے ناقل ہیں کہ کسی نے امام وکیعؒ سے کہا کہ آپ امام زفرؒ کے پاس کیوں آتے جاتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

غررتمونا عن ابی حنیفة حتی مات فتریدون ان تغرونا عن زفر حتی نحتاج الیٰ اسید واصحابه.[1]

تم لوگوں نے مغالطہ آمیزیاں کر کے ہمیں امام ابوحنیفہؒ سے ہٹانا چاہا یہاں تک کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے، اب تم مغالطہ آمیزیاں کر کے ہمیں امام زفرؒ سے دور کرنا چاہتے ہو تا کہ ہم اُسید اور اس کے اصحاب کی طرف محتاج ہو جائیں۔

۲۔ امام ابونعیم فضل بن دکینؒ (م: ۲۱۷ھ)

یہ بھی ایک نامور حافظ الحدیث اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کو "الحافظ الثبت" کہہ کر ان کے ترجمے کا آغاز کرتے ہیں۔[2]

امام موصوف بھی امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور آپ کی وفات کے بعد انہوں نے امام زفرؒ سے تکمیل علم کی۔ چنانچہ امام کردریؒ نے خود ان کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ

لمامات الامام لزمته لانه کان افقه اصحابه و اورعهم فاخذت الحظ الاوفر منه.[3]

جب امام ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی تو میں نے امام زفرؒ کو لازم پکڑ لیا کیونکہ آپ امام صاحبؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ اور سب سے زیادہ پارسا تھے، اور میں نے آپ سے بہت زیادہ علم حاصل کیا۔

---

۱. فضائل ابی حنیفة (ص ۲۹۳)
۲. تذکرة الحفاظ (۱/۳۷۲)
۳. مناقب ابی حنیفة (ص ۴۸۹) للکردریؒ

امام موصوف نے آپ سے علم فقہ کے علاوہ علوم حدیث میں بھی استفادہ کیا تھا، چنانچہ امام ابن ابی العوامؒ (م ۳۳۵ھ) نے امام ابونعیمؒ سے بہ سند متصل نقل کیا ہے کہ:

کنت امر علیٰ زفر، فیقول: تعال حتی اغربل لک ماسمعت۔[1]

میں امام زفرؒ کے پاس جاتا تو آپ مجھ سے فرماتے: تم نے جو احادیث سنی ہیں ان کو میرے سامنے پیش کرو تاکہ تمہارے لیے ان کی چھان بین کروں۔

نیز حافظ ذہبیؒ نے امام ابونعیم سے نقل کیا ہے کہ:

کنت اعرض الاحادیث علیٰ زفر، فیقول: هذا ناسخ وهذا منسوخ، هذا یؤخذبه وهذا یرفض۔[2]

میں اپنی حدیثیں امام زفر کے سامنے پیش کرتا تو آپ فرماتے: یہ حدیث ناسخ ہے اور یہ حدیث منسوخ ہے، یہ حدیث قابل اخذ (مقبول) ہے، اور یہ حدیث قابل ترک (متروک) ہے۔

۳۔ امام ابوعاصم النبیلؒ (م:۲۱۲ھ)

یہ امام بخاریؒ کے استاذ کبیر ہیں، اور امام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح'' میں جو بائیس ثلاثی احادیث (جن میں امام بخاریؒ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں) نقل کی ہیں ان میں سے چھ احادیث انہوں نے امام نبیلؒ سے روایت کی ہیں۔ یہ جلیل القدر امام بھی امام ابو حنیفہؒ کے ان تلامذہ میں سے ہیں جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد امام زفرؒ سے تکمیل علم کی، چنانچہ امام ابوعبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) نے امام عبدالرحمان بن نائلؒ (م:......) سے نقل کیا ہے کہ

ولزم ابو عاصم زفر بن الهذیل بعد ابی حنیفة، وعلیه تفقه، وهو الذی لقبه بـ "النبیل"۔[3]

امام ابوعاصمؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد امام زفر بن ہذیلؒ کو لازم پکڑ لیا اور

---

۱. فضائل ابی حنیفة (ص ۲۹۵)؛ سیَر اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)

۲. سیَر اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)

۳. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۵۹)

ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور امام زفرؒ نے ہی ان کا لقب "نبیل" رکھا تھا۔

محدث کبیر علامہ عبدالرشید نعمانی صاحبؒ امام ابو عاصم کے نبیل سے ملقب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس امر میں اختلاف ہے کہ (ابو عاصم) کا یہ لقب کیوں ہوا؟ تذکرہ نویسوں نے اس سلسلہ میں مختلف باتیں نقل کی ہیں لیکن امام طحاویؒ اور حافظ دولابیؒ نے خود ان کا اپنا بیان اس سلسلہ میں جو نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام زفرؒ کے ہاں اکثر ان کی حاضری ہوا کرتی تھی، اتفاق سے امام موصوف کے یہاں اسی نام کے ایک اور بھی شخص آیا کرتے تھے جن کی وضع قطع بالکل گئی گزری تھی، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے حسب معمول امام زفرؒ کے دروازہ پر دستک دی، لونڈی نے آ کر پوچھا کون؟ جواب ملا: ابو عاصم۔ لونڈی نے اندر جا کر اطلاع دی کہ ابو عاصم دروازہ پر حاضر ہیں، امام زفرؒ نے دریافت فرمایا ان دونوں میں سے کون ابو عاصم ہیں۔ لونڈی کی زبان سے نکلا: النبیل منهما (جو ان دونوں میں معزز ہیں) ابو عاصم اجازت لے کر اندر آئے تو امام موصوف فرمانے لگے کہ اس لونڈی نے تمہیں وہ لقب دیا ہے کہ جو میرے خیال میں تم سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ اس نے تمہیں نبیل کے لقب سے ملقب کیا ہے، ابو عاصم کا بیان ہے کہ اس روز سے یہ میرا لقب پڑ گیا۔ حافظ ابن ابی العوامؒ نے بھی اس واقعہ کو بسند متصل نقل کیا ہے۔[1]

۴۔ امام محمد بن عبداللہ انصاریؒ (م: ۲۱۵ھ)

یہ حضرت انس بن مالکؓ کی اولاد میں سے ہیں، اور ان کا شمار ثقہ محدثین میں ہوتا ہے۔ نیز یہ امام بخاریؒ کے کبار مشائخ حدیث میں سے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں بائیس ثلاثیات میں سے تین روایات ان ہی کی سند سے روایت کی ہیں۔ حافظ مزیؒ (م: ۷۴۲ھ) وغیرہ محدثین نے ان کو امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔[2]

---

۱. ابن ماجۃ اور علم حدیث (ص ۵۶)؛ نیز دیکھئے فضل ابی حنیفۃ (ص ۲۹۴، ۲۹۵) لابن ابی العوامؒ

۲. تهذیب الکمال (۱۰۴/۱۹، ترجمہ امام ابو حنیفہؒ)

امام صاحبؒ کی وفات کے بعد یہ امام زفرؒ اور امام ابو یوسفؒ سے استفادہ کرتے رہے ہیں، چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ (م:۴۶۳ھ) نے امام احمد بن کامل القاضیؒ (م:۳۵۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ

وکان من اصحاب زفر بن الهذيل وابی یوسف.[1]

امام محمد بن عبداللہ انصاریؒ، امام زفر بن ہذیلؒ اور امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔

علامہ خطیبؒ کے استاذ امام ابو عبداللہ الصمیریؒ (م:۴۳۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

ومن اصحاب زفر خاصة محمد بن عبدالله الانصاری، من ولد انس بن مالک.[2]

امام زفرؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے ایک محمد بن عبداللہ الانصاریؒ بھی ہیں جو کہ حضرت انس بن مالکؓ کی اولاد میں سے ہیں۔

۵۔ امام محمد بن جعفر الھذلی المعروف بہ غندرؒ (م:۱۹۳ھ)

یہ امام احمدؒ، امام علی بن مدینیؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام ابن معینؒ جیسے مشائخ حدیث کے استاذ اور ثقہ محدث ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ نے ان سے اپنی کتب میں روایات لی ہیں۔ یہ بلند پایہ محدث بھی فقہ میں امام زفرؒ کے خوشہ چین ہیں، اور یہ آپ کی فقہ کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۵۸۲ھ) نے امام محمد بن یزیدؒ سے ان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

کان فقیه البدن، وكان ينظر فی فقه زفر.[3]

امام غندرؒ فقیہ البدن (سراپا فقہ) تھے، اور امام زفرؒ کی فقہ میں نظر رکھتے تھے۔

۶۔ امام شداد بن حکیم البلخیؒ (م:۲۱۰ھ)

یہ بلخ کے بڑے فقہاء و محدثین میں سے ہیں، امام ابن حبانؒ ان کو مستقیم الحدیث اور امام

---

۱. تاریخ بغداد (۳/۲۹)

۲. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۶۴)

۳. تهذيب التهذیب (۵/۶۵)

خلیلیؒ صدوق کہتے ہیں۔[1]

ان کا شمار بھی امام زفرؒ کے خاص تلامذہ میں ہوتا ہے۔ حافظ عبدالقادر القرشیؒ (م: ۷۷۵ھ) اور حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م: ۸۷۹ھ) ان کو ''اصحاب زفر'' میں شمار کرتے ہیں۔[2]

حافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ) ارقام فرماتے ہیں:

شداد بن حكيم البلخي ابو عثمان يروى عن زفر بن الهذيل. روى عنه البلخيون.[3]

شداد بن حکیم بلخی ابو عثمانؒ نے امام زفرؒ سے روایت کی ہے، جب کہ ان سے بلخ کے محدثین روایت کرتے ہیں۔

امام موصوف امام زفرؒ سے ان کے روایت کردہ نسخہ کتاب الآ ثار کے بھی راوی ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۷۔ امام نعمان بن عبدالسلام اصفہانیؒ (م: ۱۸۳ھ)

یہ اصل میں اصفہان کے تھے اور بعد میں بصرہ منتقل ہو گئے۔ حافظ ذہبیؒ ان کو: الامام، مفتی اصبہان، الفقیہ اور الزاہد کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔[4]

حافظ قرشیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

وكان يجالس ابا حنيفة وزفر وروى عنهما.[5]

امام نعمان بن عبدالسلامؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کی مجالس علم میں شریک ہوتے رہے ہیں، اور وہ ان دونوں سے حدیث بھی روایت کرتے ہیں۔

حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے بھی ان کو امام زفرؒ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔[6]

---

۱. لسان الميزان (۳/ ۱۶۵)

۲. الجواهر المضية (۱/ ۲۵۶)، تاج التراجم (ص ۷۹)

۳. لسان الميزان (۳/ ۱۶۵)

۴. سير اعلام النبلاء (۸/ ۳۴۹)

۵. الجواهر المضية (۳/ ۲۰۱)

۶. سير اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)، الايثار مع كتاب الآثار (ص ۲۲۳)

نیز یہ امام زفرؒ کی کتب کے راوی بھی ہیں۔کما سیاتی تفصیلہ

۸۔ امام عبید اللہ بن عبد المجید الحنفیؒ (م:۲۰۹ھ)

یہ ایک جلیل القدر محدث ہیں، امام محمد بن سعدؒ ان کو ثقہ اور حافظ ذہبیؒ ان کو "الامام الصدوق" کہتے ہیں۔[۱]

موصوف پہلے امام عثمان البتی فقیہؒ کے زیر تعلیم تھے لیکن جب امام زفرؒ نے بصرہ میں درس دینا شروع کیا تو یہ آپ کے علم وفضل سے متاثر ہوکر آپ کے سلسلہ تلمذ میں شامل ہو گئے، چنانچہ حافظ صمیریؒ (م:۴۳۶ھ) ان کو امام زفرؒ کے خصوصی تلامذہ میں شمار کرتے ہیں اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان من اصحاب البتى، ثم انتقل الىٰ زفر.[۲]

یہ امام عثمان البتیؒ کے تلامذہ میں سے تھے، پھر یہ امام زفرؒ کی طرف آ گئے۔

۹۔ امام شقیق بن ابراہیم بلخیؒ (م:۱۹۴ھ)

موصوف مشہور زاہد اور ولی اللہ ہیں، حافظ ذہبیؒ ۱۹۴ھ میں پیش آنے والے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفيها استشهد فى غزوة ابو على شقيق البلخى الزاهد شيخ خراسان. سافر مرة وفى صحبته ثلاث مئة مريد وهو شيخ حاتم الاصم..[۳]

اس سال (۱۹۴ھ) میں ایک غزوہ میں ابو علی شقیق بلخیؒ جو زاہد اور خراسان کے شیخ تھے، شہید ہوئے، انہوں نے ایک دفعہ سفر کیا تو ان کی صحبت میں تین سو مرید تھے۔اور یہ حاتم اصمؒ (مشہور ولی اللہ) کے شیخ ہیں۔

نیز ذہبیؒ ان کو: الامام، الزاہد اور شیخ خراسان کے القاب سے ملقب کرتے ہیں۔[۴]

---

۱. الطبقات الکبریٰ (۲۱۹/۷)، سیر اعلام النبلاء (ت ۱۴۹۵)

۲. اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (ص ۱۶۴)

۳. العبر (۲۴۶/۱)

۴. سیر اعلام النبلاء (۳۱۴/۹)

یہ عظیم ولی اللہ بھی فقہ میں امام زفرؒ کے شاگرد ہیں، چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے خود ان کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ

اخذت لباس الذون عن سفیان، واخذت الخشوع من اسرائیل، واخذت العبادة من عباد کثیر، والفقه من زفر.[1]

میں نے عاجزی کا لباس امام سفیان ثوریؒ سے، خشوع امام اسرائیلؒ سے، عبادت عباد بن کثیرؒ سے، اور فقہ کو امام زفرؒ سے حاصل کیا۔

۱۰۔ امام خلف بن ایوب بلخیؒ (م:۲۰۵ھ)

یہ بھی کبار اولیاء اللہ میں سے ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثقة. قال الحاکم: کان مفتی بلخ، وزاهدهما، زاره صاحب بلخ فاعرض عنه.[2]

یہ ثقہ ہیں، امام حاکم نیشاپوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بلخ کے مفتی اور زاہد تھے، والیٔ (گورنر) بلخ ان کی زیارت کے لیے آیا تو انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔

حافظ قرشیؒ اور حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ نے ان کو اصحاب زفرؒ میں شمار کیا ہے۔[3]

امام زفرؒ کی عبادت، تقویٰ اور اخلاقِ عالیہ:

آپ وفور علم کے ساتھ ساتھ کثرت عبادت وریاضت میں بھی بے مثال تھے۔

امام ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) آپ کے ترجمہ میں ارقام فرماتے ہیں:

وکان عابدا[4]

کہ امام زفرؒ عبادت گزار تھے۔

حافظ ذہبی آپ کو "موصوف بالعبادة" (عبادت کے ساتھ موصوف) قرار دیتے ہیں۔[5]

---

۱. ایضاً
۲. الکاشف (۱/۲۳۷)
۳. الجواهر المضیة (۱/۲۳۱)، تاج التراجم (ص ۲۷)
۴. البدایة والنهایة (۷/۱۱۱)
۵. العبر (۱/۱۷۶)

نیز ذہبیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکان ممن جمع العلم والعمل۔[1]

امام زفرؒ ان لوگوں میں سے تھے جو علم اور عمل کے جامع تھے۔

علامہ ابن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ) نے بھی آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ

کان قد جمع بین العلم والعبادۃ۔[2]

آپ نے علم اور عبادت دونوں کو جمع کرلیا تھا۔

امام صیمریؒ (م: ۴۳۶ھ) نے امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ (م: ۲۰۴ھ) سے روایت کیا ہے کہ

کان زفر وداؤد الطائی متواخین، فأما داؤد الطائی فترک الفقہ واقبل علی العبادۃ، واما زفر فانہ جمع الفقہ مع العبادۃ۔[3]

امام زفرؒ اور امام داؤد الطائیؒ (جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور مشہور عابد وزاہد ہیں) دونوں آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح تھے، امام طائیؒ تو فقہ (کی تدریس) چھوڑ کر عبادت میں لگ گئے جب کہ امام زفرؒ نے فقہ اور عبادت دونوں کو ایک ساتھ جمع کرلیا۔

ملا علی قاریؒ (م: ۱۰۱۴ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وفی طبقات مجدالدین ان زفر حفظ القرآن فی سنتین من آخر عمرہ، فَرُئی بعد موتہ فی المنام فَسئل ماحالک فقال: لولا السنتین لھلک زفر، وکان جامعا بین العلم والعبادۃ۔[4]

امام مجد الدین کی "طبقات" میں لکھا ہے کہ امام زفرؒ نے اپنی زندگی کے آخری دو سالوں میں قرآن مجید حفظ کیا تھا، آپ کی وفات کے بعد کسی نے خواب مین آپ کو دیکھا اور پوچھا: آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ فرمایا: اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو

۱. سیئر اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)   ۲. وفیات الاعیان (۱/ ۳۴۲)

۳. اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (ص ۱۱۰)

۴. شرح مسند ابی حنیفۃ (ص ۴۵)

زفر ہلاک ہو جاتا۔ (امام مجد الدینؒ فرماتے ہیں) آپ علم اور عبادت دونوں کے جامع تھے۔

امام ابن حبانؒ (م:۳۵۴ھ) آپ کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

من متورعة الفقهاء[1]

آپ اہل ورع (پارسا) فقہاء میں سے تھے۔

امام وکیع بن جراحؒ (م:۱۹۷ھ) سے منقول ہے کہ وہ آپ کو ''شدید الورع'' سے ملقب کرتے تھے۔[2]

حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) اور حافظ صالحیؒ (م:۹۴۲ھ) آپ کو "الزھاد" (زاہد اور متقی لوگوں میں) شمار کرتے ہیں۔[3]

آپ کے زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ آپ کا اپنا بیان ہے کہ

ماتمنيت البقاء قط وما مال قلبي الى الدنيا.[4]

میں نے دنیا میں ہمیشہ رہنے کی تمنا کبھی نہیں کی اور نہ ہی میرا دل کبھی دنیا کی طرف مائل ہوا ہے۔

امام ابراہیم بن سلیمانؒ (م:......) جو آپ کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں:

وكنا اذا جالنساه لم تنقذان تذكر الدنيا بين يديه، واذا ذكره واحد منا قام عن مجلسه وتركه، وكنا نحدث فيما بيننا ان الخوف قتله.[5]

ہم جب امام زفرؒ کی مجلس میں ہوتے تو یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کے سامنے دنیا کی کوئی بات کی جائے، اور اگر ہم میں سے کوئی دنیا کی بات چھیڑ دیتا تو آپ اس

---

۱. مشاهير علماء الامصار (ص ۲۶۹)

۲. اخبار ابی حنیفة واصحابه (ص ۱۱۱)

۳. لسان الميزان (۲/۵۴)، عقود الجمان (ص ۱۱۳)

۴. مناقب ابی حنیفة (ص ۴۵۸) للكردریؒ

۵. شرح مسند ابی حنیفة (ص ۴۵) للملا علی القاریؒ

مجلس کو ہی چھوڑ کر چلے جاتے، ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ خشیتِ الٰہی نے ان کو قتل کر دیا ہے۔

ان سارے کمالات کے باوجود آپ میں تواضع اور عاجزی بھی بڑی تھی۔

امام ابوالشیخ اصفہانیؒ (م:۳۶۹ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وكان متواضعا.[۱]

امام زفرؒ میں تواضع تھی۔

امام زفرؒ کی تصانیف:

آپ علم وفضل کی دوسری خوبیوں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی ماہر تھے۔ امام محمد بن وہبؒ کا بیان گزر چکا ہے کہ امام زفرؒ امام ابوحنیفہؒ کے ان دس بڑے اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے امام صاحبؒ کے ساتھ مل کر کتابیں لکھی تھیں۔

نیز امام طحاویؒ (م:۳۲۱ھ) بہ سند متصل امام اسد بن الفراتؒ (م:۲۱۳ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ

كان اصحاب ابى حنيفة الذين دونوا الكتب اربعين رجلاً فكان فى العشرة المتقدمين ابو يوسف و زفر و داؤد الطائى واسد بن عمرو و يوسف بن خالد السمتى ويحيىٰ بن زكريا بن ابى زائدة.[۲]

امام ابوحنیفہؒ کے جن تلامذہ نے کتابیں لکھی ہیں وہ چالیس حضرات تھے، ان میں سے جو دس متقدمین تھے ان میں سے چند یہ ہیں:

امام ابویوسفؒ، امام زفرؒ، امام داؤد الطائیؒ، امام اسد بن عمروؒ، امام یوسف بن خالد السمتیؒ اور امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ۔

علامہ ابن الندیمؒ (م:۳۸۵ھ) نے بھی آپ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

وله من الكتب ......[۳]

---

۱. طبقات المحدثين باصبهان (۱/۴۵۰)

۲. الجواهر المضية (۲/۲۱۱، ۲۲۲)

۳. كتاب الفهرست (ص ۲۵۶)

آپ کی کئی تصانیف ہیں۔
آپ سے ان کتب کو جن لوگوں نے روایت کیا ہے ان میں سے ایک امام نعمان بن عبد السلام اصفہانیؒ (م: ۱۸۳ھ) بھی ہیں جن کا مختصر تعارف امام زفرؒ کے تلامذہ میں گزر چکا ہے۔
ان سے آگے ان کتب کو امام ابوالحسن نصر اصفہانیؒ نے روایت کیا ہے، چنانچہ امام ابوالشیخ اصفہانیؒ (م: ۳۶۹ھ) ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

انه كتب عن النعمان كتب زفر و كان يتفقه۔[۱]

انہوں نے امام نعمان (بن عبد السلامؒ) سے امام زفرؒ کی کتابیں لکھی تھیں، اور یہ فقیہ تھے۔

یہ امام ابوالحسنؒ، امام ابراہیم بن محمد بن ابی الحسنؒ (م: ۳۰۲ھ) جو کہ امام شافعیؒ کے تلامذہ امام مزنیؒ اور امام ربیع سلیمانؒ کے شاگرد ہیں، کے جد امجد ہیں۔[۲]

آپ کی یہ کتب آج کل نایاب ہیں، اور دیگر متقدمین کی طرح آپ کی تحقیقات و روایات بھی آپ کے تلامذہ اور دوسرے محققین کی تالیفات میں محفوظ ہیں۔ علامہ ابن الندیمؒ کی ''کتاب الفہرست'' کے مطبوعہ نسخوں میں بھی صرف اتنا ہی لکھا ہوا ہے کہ آپ کی تصانیف میں سے بعض یہ ہیں (وله من الكتب) لیکن ان کتب کے اسماء کی جگہ بیاض ہے، اس لیے آپ کی کتب کے نام معلوم نہیں ہو سکے اور نہ ہی یہ پتہ چل سکا کہ آپ کی ذاتی کتب کی تعداد کتنی تھی اور یہ کن موضوعات سے متعلق تھیں۔ البتہ متاخرین اہل علم میں سے علامہ خلیفہ چلپیؒ (م ۱۰۶۷ھ) اور علامہ اسماعیل بغدادیؒ (م ۱۳۳۹ھ) نے آپ کی تصانیف میں سے ''المجرد'' اور ''مقالات'' کا ذکر کیا ہے۔[۳]

البتہ آپ کے روایت کردہ نسخہ کتاب الآثار (جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تصنیف ہے، اور حدیث کی پہلی وہ کتاب ہے جو باقاعدہ فقہی ابواب پر ترتیب دے کر لکھی گئی ہے) کے متعلق کتب تاریخ و رجال میں بکثرت تصریحات ملتی ہیں۔

آپ سے اس کتاب کو جن لوگوں نے روایت کیا ہے ان میں سے یہ تین حضرات بھی

---

۱. طبقات المحدثين باصبهان (۳/۱۷۷)

۲. ایضاً

۳. كشف الظنون (۲/ ۱۵۹۳، ۱۷۸۲)، هدية العارفين (۳/ ۳۷۳)

ہیں۔

۱۔ ابو وہب محمد بن مزاحم مروزیؒ (م:۲۰۷ھ)

۲۔ شداد بن حکیم بلخیؒ (م:۲۱۰ھ)

۳۔ حکم بن ایوبؒ (م:......)

ان تینوں نے آپ سے اس کتاب کا علیحدہ علیحدہ سماع کیا تھا اس لیے محدثین نے ان میں سے ہر ایک کی روایت کو نسخہ سے تعبیر کیا ہے۔

(۱) امام محمد بن مزاحمؒ کے روایت کردہ نسخہ کا ذکر متعدد محدثین نے کیا ہے، چنانچہ حافظ امیر ابن ماکولاؒ (م:۴۷۵ھ)، حافظ ابو سعد سمعانیؒ (م:۵۶۲ھ)، حافظ ابن الاثیرؒ (م:۶۳۰ھ)، حافظ یاقوت بن عبداللہ الحمویؒ (م ۶۲۶ھ) اور حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م:۷۷۵ھ) نے امام محمد بن مزاحمؒ کے شاگرد احمد بن بکر الجصینیؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

احمد بن بکر بن سیف ابوبکر الجصینی ثقة یمیل الیٰ اهل النظر، روی عن ابی وهب عن زفر بن الهذیل عن ابی حنیفة کتاب الآثار.[۱]

احمد بن بکر بن سیف ابوبکر الجصینیؒ جو ثقہ اور اہل نظر (فقہائے احناف) کی طرف میلان رکھتے ہیں، نے ابو وہب (محمد بن مزاحمؒ) سے، انہوں نے امام زفر بن ہذیلؒ سے اور انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے "کتاب الآ ثار" کو روایت کیا ہے۔

اسی طرح امام محمد بن مزاحمؒ سے ان کے ایک اور شاگرد امام عبداللہ بن سریج بخاریؒ نے بھی اس نسخہ کو روایت کیا ہے، چنانچہ امام عبدالغنی الازدیؒ (م:۴۰۹ھ) نے لکھا ہے۔

ومحمد بن سریج یروی عن ابی وهب محمد بن مزاحم نسخة زفر بن الهذیل.[۲]

محمد بن سریج نے ابو وہب محمد بن مزاحمؒ سے امام زفر بن ہذیلؒ کے نسخہ (کتاب

---

۱. الاکمال (۳/۳۹)، کتاب الانساب (۱/۴۱۵،۴۱۶)، اللباب (۱/۱۹۱،۱۹۲)، معجم البلدان (۴/ ۵۹)، الجواهر المضیة (۱/ ۱۲)

۲. المؤتلف و المختلف (۲/ ۴۵۶) للازدیؒ

الآثار) کو روایت کیا ہے۔

حافظ امیر ابن ماکولاؒ (م ۴۷۵ھ) نے بھی محمد بن سریج کے تذکرے میں بحوالہ امام ازدیؒ ان کے روایت کردہ نسخہ کا ذکر کیا ہے۔[1]

(۲) امام شداد بن حکیمؒ کے نسخہ (کہ جس سے ''جامع المسانید للخوارزمی'' میں بکثرت روایات منقول ہیں) کا ذکر امام ابو یعلیٰ خلیلیؒ (م:۴۴۲ھ) نے ''کتاب الارشاد'' میں کیا ہے، چنانچہ وہ امام شدادؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی عن الثوری، وابی جعفر الرازی واقرانهما، وروی نسخة عن زفر بن الهذیل، وهو صدوق.[2]

انہوں نے امام سفیان ثوریؒ، ابو جعفر رازیؒ اور ان کے معاصرین سے روایت کی ہے، نیز انہوں نے امام زفر بن ہذیلؒ سے (کتاب الآثار کا) نسخہ بھی روایت کیا ہے اور یہ صدوق (روایت حدیث میں راست باز) ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی امام شدادؒ کے ترجمہ میں بحوالہ خلیلیؒ اس نسخہ کا ذکر کیا ہے۔[3]

محدث کبیر امام حاکم نیشاپوریؒ (م:۴۰۵ھ) نے بھی اپنی کتاب ''معرفت علوم الحدیث'' کی سینتیسویں نوع میں امام زفرؒ کے ان دونوں تلامذہ (امام ابو وہبؒ و امام شدادؒ) کے روایت کردہ نسخوں کی نشاندہی فرمائی ہے، چنانچہ امام موصوف ارقام فرماتے ہیں:

نسخة لزفر بن الهذیل الجصفی تفرد بها عنه شداد بن حکیم البلخی، ونسخة ایضا لزفر بن الهذیل الجصفی تفردبها ابو وهب محمد بن مزاحم المروزی عنه.[4]

امام زفر بن ہذیل جعفیؒ کا ایک نسخہ (کتاب الآثار) ہے جس کو آپ سے روایت

۱۔ تهذیب مستمر الاوهام (ص ۲۷۲)

۲۔ الارشاد فی معرفة علماء الحدیث (ص ۴۴۳)

۳۔ لسان المیزان (۳/۱۶۵)

۴۔ معرفت علوم الحدیث (ص ۲۳۷)

کرنے میں امام شداد بن حکیم بلخی متفرد ہیں، اسی طرح امام زفرؒ کا (اس کتاب کا) ایک اور نسخہ ہے جس کو آپ سے روایت کرنے میں ابو وہب محمد بن مزاحم مروزیؒ متفرد ہیں۔

(۳) امام زفرؒ کے تیسرے شاگرد امام حکم بن ایوبؒ کے روایت کردہ نسخہ کتاب الآثار کا ذکر امام عبداللہ بن محمد المعروف بہ ابوالشیخ اصفہانیؒ (م:۳۶۹ھ) نے ''کتاب السنن'' کے نام سے کیا ہے، چنانچہ موصوف ''احمد بن رستہ'' کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

احمد بن رستة بن بنت محمد بن المغيرة كان عنده السنن عن محمد عن الحكم بن ايوب عن زفر عن ابی حنيفة.[1]

احمد بن رستہؒ جو محمد بن مغیرہؒ کے نواسے ہیں، کے پاس ایک ''کتاب السنن'' تھی جس کو وہ اپنے نانا محمد بن مغیرہؒ سے، وہ حکم بن ایوبؒ سے، وہ امام زفرؒ سے، اور وہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے تھے۔

امام ابوالشیخؒ نے یہاں ''کتاب الآثار'' کو ''السنن'' کے نام سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف وہی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں جو احکام فقہ سے متعلق ہیں، اس لیے اس کو باصطلاح محدثین ''کتب سنن'' میں داخل کیا جاتا ہے۔

---

۱. طبقات المحدثين باصبهان (۲۸۹/۳)

امام زفرؒ کا فقہی و مجتہدانہ مقام

ماقبل بحوالہ محدثین گزر چکا ہے کہ امام زفرؒ، امام اعظمؒ کے ان تلامذہ میں سرفہرست ہیں جو کبار فقہاء میں شمار ہوتے ہیں، علامہ ابن عبد البرؒ (م:۴۶۳ھ) کا حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے، جس میں انہوں نے آپ کو تمام اصحاب ابی حنیفہؒ میں سب سے بڑے فقیہ قرار دیا ہے۔

امام ابو الشیخ اصفہانیؒ (م:۳۶۹ھ) نے تو آپ کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ

وکان افقهم.[1]

امام زفرؒ سب لوگوں سے بڑے فقیہ تھے۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م:۴۵۶ھ) اور علامہ ابن القیمؒ (م:۷۵۱ھ) نے آپ کو کوفہ کے بڑے اور مشہور فقہاء میں شمار کیا ہے۔[2]

امام ابن عبد الہادی مقدسیؒ (م:۷۴۴ھ) آپ کا تعارف ''احد ائمة الفقهاء'' (ائمہ فقہاء میں سے ایک امام) سے کراتے ہیں۔[3]

محدث ناقد حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

هو من بحور الفقه، واذكياء الوقت.[4]

امام زفرؒ فقہ کے سمندر اور وقت کے ذہین ترین لوگوں میں سے تھے۔

نیز حافظ ذہبیؒ نے آپ کا درجہ اجتہاد پر فائز ہونا تسلیم کیا ہے، چنانچہ آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

الفقيه المجتهد، الرباني، العلامة.[5]

---

۱. طبقات المحدثين باصبهان (۱/۴۵۱)

۲. احكام الاحكام (۲/۹۵)، اعلام الموقعين (ص ۳۴)

۳. مناقب الائمة الاربعة (ص ۶۰) للمقدسیؒ

۴. سير اعلام النبلاء (۸/۳۸) ۵. ایضاً

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمان ابن الغزیؒ (م۱۱۶۷ھ) نے بھی آپ کو: الامام، الفقیہ اور المجتہد قرار دیا ہے۔[۱]

امام زاہد الکوثریؒ (م:۱۳۷۱ھ) نے لکھا ہے کہ آپ مجتہد مطلق تھے، اگرچہ آپ نے بوجہ ادب اپنا انتساب امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف رکھا ہے۔[۲]

فقہ حنفی میں تقریباً سترہ مسائل ایسے ہیں جن میں فتویٰ امام زفرؒ کے قول پر دیا جاتا ہے۔ امام سید احمد الحمویؒ شارح ''الاشباہ والنظائر'' نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب بنام ''عقود الدرر فیما یفتی بہ المذھب من اقوال زفر'' لکھی ہے جس کی شرح امام عبدالغنی النابلسیؒ نے لکھی ہے، اور علامہ ابن عابدین الشامیؒ صاحب ''الفتاوی الشامیۃ'' نے اس کا اختصار لکھا ہے۔[۳]

قیاس میں امام زفرؒ کی مہارت:

قیاس فقہ کے اصول اربعہ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) میں چوتھے نمبر پر ہے۔ غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ، قیاس کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> قیاس کہتے ہیں ایک حکم جو منصوص ہو اس کی علت کے ذریعے دوسری جگہ ثابت کرنا مثلاً شراب کی حرمت کی علت نشہ ہے اور یہ علت بھنگ میں بھی موجود ہے تو بھنگ بھی حرام ہوئی۔[۴]

امام زفرؒ کو دیگر اصول فقہ کی طرح قیاس میں بھی بہت زیادہ مہارت حاصل تھی یہاں تک کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کو ''رأس فی القیاس'' (قیاس میں سردار)، کہا گیا ہے، فرمایا کرتے تھے:

> هو اقيس اصحابی.[۶]
>
> میرے تلامذہ میں زفر قیاس میں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔

۱۔ دیوان الاسلام (۲/۳۶۹)

۲۔ لمحات النظر (ص ۲۲۲، ۲۲۳)

۳۔ ایضاً

۴۔ فتاوی اہلحدیث (۲/۲۶۶)

۵۔ تاریخ بغداد (۲/۳۵۵)

۶۔ الجواهر المضیة (۲۳۱)

امام شافعیؒ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنیؒ (م:۲۶۴ھ) سے امام اعظمؒ کے تلامذہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے ان کا تعارف کراتے ہوئے امام زفرؒ کے بارے میں فرمایا:

احدهم قياسا.[1]

یہ قیاس کرنے میں سب سے زیادہ تیز ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) نے امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے تعارف میں لکھا ہے کہ

وزفر اطردهم للقياس.[2]

ان میں سے امام زفرؒ قیاس کرنے کی مہارت میں سب سے آگے ہیں۔

علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وهوا قيس اصحاب ابى حنيفة.[3]

آپ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قیاس کے ماہر ہیں۔

امام ابن حبانؒ (م:۳۵۴ھ) بھی آپ کو "قیّاس" (قیاس کے بہت بڑے ماہر) قرار دیتے ہیں۔[4]

آپ کے ان فقہی کمالات کی وجہ سے ہی آپ کو "صاحب الرأی" کہا جاتا ہے جیسا کہ امام مالک کے استاذ کبیر امام ربیعہ بن عبدالرحمان (م:۱۳۶ھ) کو بھی فقہ میں مہارت رکھنے کی وجہ سے "ربیعۃ الرأی" کہا گیا ہے۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

فقہ میں مہارت رکھتے تھے، اور اس وجہ سے ان کو ربیعۃ الرائی کہتے تھے۔[5]

صاحب الرائے ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض عاقبت نااندیش باور کراتے پھرتے ہیں۔

۱. تاریخ بغداد (۲۵۰/۱۴)

۲. مجموع الفتاوی (۱۳۹/۲۰، ۱۴۰)

۳. وفیات الاعیان (۳۴۲/۱)

۴. مشاهیر علماء الامصار (ص ۲۲۹)

۵. تاریخ اهلحدیث (ص ۱۲۶)

امام زفرؒ خود فرمایا کرتے تھے:

لانأخذ بالرائی مادام اثر، واذا جاء الاثر ترکنا الرائی۔[1]

جب تک حدیث موجود ہو ہم اپنی رائے کو نہیں لیتے، بلکہ جب حدیث مل جائے تو ہم رائے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

لاتلتفتوا الیٰ کلام المخالفین فان ابا حنیفة واصحابنا لم یقولوا فی مسئلة الامن الکتاب والسنة والاقاویل الصحیحة ثم قاسوا بعد علیها۔[2]

ہمارے مخالفین کی باتوں کی طرف توجہ نہ دینا (کہ ہم قرآن وسنت کے مقابلے میں قیاس کرتے ہیں بلکہ) امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے دیگر اصحاب کسی بھی مسئلہ میں قرآن مجید، سنت رسول اللہ ﷺ، اور (صحابہؓ کے) صحیح اقوال سے فیصلہ کرتے ہیں، ہاں! اگر ان تینوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہو تو پھر اس کو ان تینوں دلائل شرعیہ پر قیاس کرتے ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے آپ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

کان هذا الامام منصفا فی البحث متبعا۔[3]

یہ امام بحث ومباحثہ میں انصاف پسند اور (سنت کے) متبع تھے۔

---

۱. مناقب ابی حنیفة (ص ۷۵) للامام مکیؒ

۲. ایضاً

۳. سیر اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)

امام زفرؒ کا محدثانہ مقام

آپ جیسے فقہ میں عظیم مقام رکھتے تھے ایسے ہی آپ حدیث میں بھی بلند مرتبت تھے، اس لیے کہ آدمی فقہ میں مہارت اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ حدیث میں رسوخ نہ رکھتا ہو۔

حافظ ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) ارقام فرماتے ہیں:

والتفقه فی الدین: معرفة الاحكام الشرعية بادلتها السمعية. فمن لم يعرف ذلك لم يكن متفقها فی الدین.[1]

دین میں تفقہ (فقاہت) احکام شرعیہ کو اَدِلّہ سمعیہ (قرآن وحدیث) سے جاننے کا نام ہے لہٰذا جو شخص قرآن وحدیث کی معرفت نہیں رکھتا وہ دین میں فقاہت حاصل کر ہی نہیں سکتا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

کتاب اللہ اور سنت سے اشارتاً یا عبارتاً جو مسائل استنباط کیے جائیں، اسی کا نام فقہ ہے۔[2]

امام زفرؒ نے بھی فقہ میں جو عظیم مقام حاصل کیا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے آپ نے پہلے باقاعدہ تحصیل حدیث کی تھی جیسا کہ امام ابن سعدؒ (م:۲۳۰ھ) اور امام ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ) کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

علامہ ابن خلکانؒ (م:۶۸۱ھ) اور علامہ نوویؒ (م:۶۷۶ھ) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وكان من اصحاب الحديث.[3]

۱۔ مجموع الفتاوی (۲۰/۹۴) ۲۔ مقالات حدیث (ص۱۶۴)

۳. وفيات الاعيان (۱/۳۴۳)، تهذيب الاسماء واللغات

آپ اصحاب حدیث (محدثین) میں سے تھے۔

حافظ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکان یدری الحدیث ویتقنه.[1]

آپ حدیث میں سمجھ اور پختگی رکھتے تھے۔

امام حاکم نیشاپوریؒ (م: ۴۰۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''معرفت علوم الحدیث'' میں ایک نوع قائم کی ہے جس کا عنوان ہے: معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين واتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ والمذاكرة والتبرک بهم وبذكرهم من المشرق الى المغرب (تابعین اور اتباع تابعین میں سے ان ثقہ اور مشہور ائمہ حدیث کی معرفت کہ جن کی احادیث حفظ اور مذاکرہ کے لیے جمع کی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کیا جاتا ہے، اور جن کا شہرہ مشرق سے لے کر مغرب تک ہے) اس نوع کے ذیل میں انہوں نے تمام مشہور بلاد اسلامیہ کے مشاہیر ائمہ ثقات کو نام بنام گنایا ہے، اور کوفہ کے ان ائمہ کی فہرست میں انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے اسمائے گرامیہ کو بھی ذکر کیا ہے۔[2]

یہ ان حضرات کی علم حدیث میں امامت، ثقاہت اور محدثین میں ان کی شہرت اور عظمت شان کی بیّن دلیل ہے۔

نیز امام زفرؒ کے تلامذہ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ امام ابو نعیم فضل بن دکینؒ (م: ۲۱۷ھ) جیسے محدث جو علم حدیث کے ستون اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں، بھی اپنی روایات کی چھان بین آپ سے کروایا کرتے تھے، اور انہوں نے حدیث کے ناسخ و منسوخ، اور حدیث کے ترک اور قبول کرنے کے اصول بھی آپ سے سیکھے تھے۔

---

۱. سیئر اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)

۲. معرفت علوم الحدیث (ص ۳۲۹)

امام زفرؒ کی محدثین سے توثیق

گذشتہ سطور سے اگرچہ آپ کی علم حدیث میں درایت، پختگی اور عظمت شان واضح ہو چکی ہے لیکن ہم آپ کے مقام حدیث کو مزید نکھارنے کے لیے محدثین سے روایت حدیث میں آپ کی توثیق نقل کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ محدثین کی بڑی تعداد نے روایت حدیث میں آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، چنانچہ محدث ناقد حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

صدوق، و ثقه غير واحد.[۱]

آپ صدوق (روایت حدیث میں راست باز) ہیں، اور کئی محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے۔

جن محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے ان میں سے بعض کے توثیقی اقوال ہدیہ قارئین ہیں۔

۱۔ امام ابونعیم فضل بن دکینؒ (م: ۲۱۷ھ):

امام موصوف کا مختصر تعارف امام زفرؒ کے تلامذہ کے بیان میں گزر چکا ہے، امام ابن ابی حاتمؒ (م: ۳۲۷ھ) نے ان سے امام زفرؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

كان ثقة مامونا.[۲]

امام زفرؒ ثقہ اور مامون (قابل اعتماد) تھے۔

امام ابن ابی العوامؒ (م: ۳۰۵ھ) نے بہ سند متصل امام یحییٰ بن معینؒ (م: ۲۳۳ھ) سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

وجعل يعظم امره.[۳]

---

۱. المغنی (۱/۲۶۵)
۲. الجرح والتعدیل (۳/۶۰۹)
۳. فضائل ابی حنیفة (ص ۲۹۰)

امام فضل بن دکینؒ امام زفرؒ کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔

نیز امام موصوف فرماتے ہیں:

زفر بن الهذيل من خيار الناس.[1]

امام زفر بن ہذیل بہترین لوگوں میں سے ہیں۔

۲۔ امام یحییٰ بن معینؒ (م:۲۳۳ھ):

موصوف جو کہ امام الجرح والتعدیل اور سید الحفاظ (حفاظ حدیث کے سردار) ہیں، نے بھی آپ کی توثیق کی ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

وثقهٗ غير واحد، وابن معين.[2]

امام زفرؒ کو کئی محدثین نے ثقہ کہا ہے خصوصاً امام یحییٰ بن معینؒ نے۔

امام ابن ابی حاتمؒ (م:۳۲۷ھ) ان سے بہ سند متصل ناقل ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

زفر صاحب الرأى ثقة مامون[3]

امام زفر صاحب الرائے (فقیہ) ثقہ اور مامون (قابل اعتماد) ہیں۔

۳۔ امام ابن حبانؒ (م:۳۵۴ھ):

امام ابو حاتم محمد بن حبانؒ حدیث واسماء الرجال کے نامور سپوت ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کو: الحافظ، الامام اور العلامۃ کے القاب سے ملقب کرتے ہیں۔[4]

موصوف نے امام زفرؒ کو ''کتاب الثقات'' (ثقہ راویوں) میں ذکر کیا ہے اور آپ کے بارے میں لکھا ہے:

كان متقنًا حافظًا.[5]

امام زفرؒ پختہ کار محدث اور حافظ الحدیث تھے۔

---

۱. ایضاً

۲. لسان المیزان (۲/ ۵۵۴)

۳۔ الجرح والتعدیل (۳/۶۰۹)

۴. تذکرۃ الحفاظ (۳/۸۹)

۵. لسان المیزان (۲/۵۵۴)

نیز انہوں نے آپ کو اپنی کتاب ''مشاہیر علماء الامصار'' میں بھی ذکر کیا ہے اور آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔[۱]

۴۔ امام ابن شاہینؒ (م: ۳۸۵ھ):

امام عمر بن احمد المعروف بہ ابن شاہینؒ ایک جلیل المرتبت محدث ہیں، حافظ ذہبیؒ نے ان کو: الحافظ، الامام، المفید، المکثر (کثیر الحدیث) اور محدث العراق جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔[۲]

موصوف بھی امام زفرؒ کو ''ثقات'' (ثقہ راویوں) میں ذکر کرتے ہوئے آپ کو ثقہ اور مامون (قابل اعتماد) قرار دیتے ہیں۔[۳]

۵۔ امام دار قطنیؒ (م ۳۸۵ھ):

امام دار قطنیؒ کا شمار بھی نامور و بلند پایہ محدثین میں ہوتا ہے، حافظ ذہبیؒ ان کو: الامام، شیخ الاسلام، حافظ الزمان اور الحافظ الشہیر کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔[۴] امام موصوف کے شاگرد امام برقانیؒ نے ان سے امام زفرؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

ثقة.[۵] کہ امام زفرؒ ثقہ ہیں۔

حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) کی تصریح کے مطابق امام دار قطنیؒ نے اپنی کتاب ''العلل'' میں بھی امام زفرؒ کو ثقہ کہا ہے۔[۶]

۶۔ امام ابوعبداللہ الحاکم نیساپوریؒ (م: ۴۰۵ھ):

امام زفرؒ کے ''محدثانہ مقام'' کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ امام حاکمؒ (جو بقول حافظ ذہبیؒ: الحافظ الکبیر، امام المحدثین اور صاحب التصانیف تھے)[۷] نے امام زفرؒ کو ان ثقہ اور مشہور ائمہ حدیث

---

۱. کتاب مذکور (ص ۲۶۹)

۲. تذکرۃ الحفاظ (۲۹/۳)

۳. تاریخ اسماء الثقات (ص ۱۳۹، ت ۴۲۲)

۴۔ تذکرۃ الحفاظ (۱۳۲/۳)

۵۔ سوالات البرقانی للدارقطنی (ت ۱۷۵، ص ۸۰)

۶۔ فتح الباری (۱۴،۱۳/۳) لابن رجبؒ

۷. تذکرۃ الحفاظ (۱۲۲/۳)

کی فہرست میں ذکر کیا ہے کہ جن کی احادیث حفظ، مذاکرہ اور تبرک کے لیے جمع کی جاتی ہیں، اور جن کا شہرہ مشرق سے لے کر مغرب تک ہے۔

یہ محدث کبیر کی طرف سے امام زفرؒ کی ایک زبردست توثیق ہے۔

۷۔ امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ):

موصوف اندلس (سپین) کے مشہور و معروف عالم ہیں، حافظ ذہبیؒ نے ان کا ترجمہ: الامام، شیخ الاسلام اور حافظ المغرب کے القاب سے شروع کیا ہے۔[۱]

امام موصوف نے امام زفرؒ کے مناقب میں مستقل ایک جزء لکھا ہے جو کہ ان کی کتاب ''الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء'' کا ایک حصہ ہے، اس میں انہوں نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔[۲]

نیز موصوف آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان زفر ذاعقل و دين وفهم وورع و كان ثقة فى الحديث.[۳]

امام زفرؒ عقل مند، دین دار، سمجھ دار، پرہیز گار اور حدیث میں ثقہ تھے۔

۸۔ امام یحییٰ بن ابراہیم سلماسیؒ (م: ۵۵۰ھ):

امام سلماسیؒ ایک جلیل القدر محدث اور امام ابن عساکرؒ، امام ابن الجوزیؒ وغیرہ نامور محدثین کے استاذ ہیں۔ انہوں نے ائمہ اربعہ کے مناقب میں ایک کتاب ''منازل الائمۃ الاربعۃ'' کے نام سے لکھی ہے، اس میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مناقب میں امام زفرؒ کو آپ کے تلامذہ میں شمار کرتے ہوئے ان کے تعارف میں لکھا ہے:

و كان ذا عقل و دين و فهم ورع، و كان ثقة فى الحديث.[۴]

امام زفرؒ عقل مند، دین دار، سمجھ دار، پارسا اور حدیث میں ثقہ تھے۔

---

۱. تذکرة الحفاظ (۳/۲۱۷)

۲. الانتقاء (ص ۱۷۳، ۱۷۴)

۳. الجواهر المضية (۱/۲۴۴)

۴۔ منازل الائمۃ الاربعۃ (ص ۸۸)

۹۔ امام ابن اثیرؒ (م: ۶۳۰ھ):

امام ابوالحسن علی بن اثیر الجزریؒ جن کو حافظ ذہبیؒ نے: الامام، العلامۃ، الحافظ اور فخر العلماء کہا ہے،[1] نے امام زفرؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

وكان ثقة.[2]

امام زفرؒ ثقہ تھے۔

۱۰۔ امام شمس الدین الذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ):

امام ذہبیؒ حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال کے نامور اور بلند پایہ اہل علم میں سے ہیں۔ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلدان کو فن جرح وتعدیل کے ایک بہت بڑے امام قرار دیتے ہیں۔[3]

موصوف نے امام زفرؒ کی علم حدیث میں بڑی تعریف کی ہے جیسا کہ ماقبل ان کا بیان گزرا ہے کہ امام زفرؒ کو حدیث میں درایت اور اتقان (پختگی) حاصل تھی۔

نیز آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

احد الفقهاء والزهاد صدوق.[4]

آپ فقہاء اور زاہدین (پرہیزگاروں) میں سے ایک ہیں، اور صدوق (روایت حدیث میں راست باز) ہیں۔

نیز ارقام فرماتے ہیں:

كان ثقة فى الحديث موصوفا بالعبادة.[5]

آپ حدیث میں ثقہ اور عبادت کے ساتھ موصوف تھے۔

---

۱. تذکرۃ الحفاظ (۲۹۱/۴)

۲. اللباب فی تهذيب الانساب (۳۶۸/۱)

۳. التحقيق الراسخ (ص ۱۴۱)

۴. لسان الميزان (۵۵۴/۲)

۵. العبر (۱۷۶/۱)

۱۱۔ امام ابن عبدالہادی المقدسی الحنبلیؒ (م:۷۴۴ھ):

امام محمد بن احمد بن عبدالہادی عظیم المرتبت حافظ الحدیث ہیں، حافظ سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ) نے ان کو: الامام الاوحد، المحدث الحافظ، الفقیہ، البارع، المقری، النحوی، اللغوی، اورذوالفنون کے القاب سے ملقب کیا ہے۔[۱]

موصوف نے ائمہ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کے مناقب میں ایک بلند پایہ کتاب "مناقب الائمة الاربعة" کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب میں انہوں نے امام اعظمؒ کے مناقب میں امام زفرؒ کو آپ کے تلامذہ میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے

الفقیہ، الامام، الثقة، المامون ابوالهذیل زفر بن الهذیل العنبری البصری احد الائمة الفقهاء.[۲]

۱۲۔ امام ابن حجر العسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ):

شیخ الاسلام، حافظ الدنیا امام ابن حجرؒ کا حدیث واسماء الرجال میں جو مقام ہے وہ کسی تعریف کا محتاج نہیں ہے۔

امام موصوف نے "کتاب الآثار" بروایت امام محمدؒ کے رُوات کے حالات پر مشتمل اپنی کتاب "الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار" میں امام زفرؒ کا شاندار ترجمہ لکھا ہے، اور اس میں امام فضل بن دکینؒ، امام ابن معینؒ اور امام ابن حبانؒ سے آپ کی توثیق نقل کی ہے۔[۳]

نیز حافظ عقیلیؒ اور حافظ ازدیؒ کی آپ پر جرح کا رد کرتے ہوئے آپ کے محدثانہ مقام کا دفاع کیا ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

آپ پر جرح کا جواب:

امام زفرؒ حدیث میں اس قدر بلند پایہ مقام رکھنے کے باوجود بعض متعصب محدثین کی جرح سے محفوظ نہ رہ سکے جیسا کہ عموماً ان لوگوں کی عادت ہے کہ یہ کسی حنفی امام کو معاف نہیں کرتے۔

امام ابن عبدالبرؒ (م:۴۶۳ھ) نے ایسے ہی محدثین کے متعلق لکھا ہے:

---

۱. ذیل تذکرة الحفاظ (۵/۲۳۳)

۲. مناقب الائمة الاربعة (ص ۲۰)

۳. الایثار مع کتاب الآثار (ص ۲۲۳)

فهم كالا عداء لابی حنيفة واصحابه.[1]

یہ لوگ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے لیے دشمنوں کی طرح ہیں۔

امام زفرؒ پر جن محدثین نے جرح کی ہے وہ ہماری معلومات کے مطابق یہ تین حضرات ہیں۔

(۱) امام محمد بن سعدؒ، (۲) حافظ عقیلیؒ، (۳) حافظ ابوالفتح ازدیؒ

ذیل میں ان تینوں کی جرح کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

امام محمد بن سعدؒ کی جرح کا جواب:

امام محمد بن سعدؒ لکھتے ہیں:

ولم يكن زفر فی الحديث بشئی.[2]

امام زفرؒ حدیث میں کچھ بھی نہیں ہیں۔

جواب: امام ابن سعدؒ کے احناف کے متعلق تعصب سے قطع نظر خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی ان کی جرح غیر معتبر ہے کیونکہ یہ جرح میں اپنے استاذ علامہ واقدیؒ پر اعتماد کرتے ہیں اور واقدی باقرار غیر مقلدین سخت مجروح ہیں، چنانچہ شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

فليس ابن سعد فی معرفة الحديث ونقده ومعرفة درجات رجاله فی حدان يقبل منه تليين من ثبت غيره، علىٰ انه فی اكثر كلامه انما يتابع شيخه الواقدی، والواقدی تألف.[3]

ابن سعدؒ حدیث کی معرفت و پرکھ اور اس کے راویوں کو پہچاننے میں اس درجہ کے نہیں ہیں کہ ان کی تضعیف کو اس شخص کے خلاف قبول کر لیا جائے جس کو کسی دوسرے امام نے ثقہ قرار دیا ہے، علاوہ ازیں یہ جرح میں اپنے استاذ واقدیؒ پر اعتماد کرتے ہیں اور واقدی سخت مجروح ہے۔

---

۱. الانتقاء (ص ۱۷۳)

۲. الطبقات الکبریٰ (۶/۳۶۱)

۳. التنکیل (۱/۹۵)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

ابن سعدؒ کی جرح غیر مقبول ہے۔[۱]

نیز لکھتے ہیں:

بلکہ حافظ ابن حجر نے ''ہدی الساری'' میں صراحت کی ہے چونکہ ابن سعدؒ تضعیف میں واقدی پر اعتماد کرتے ہیں اس لیے ان کی جرح محل نظر ہے۔[۲]

زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

امام ابن سعدؒ اگر جرح میں منفرد ہوں تو ان کی جرح مقبول نہیں ہوتی کیونکہ اسماء الرجال کے علم میں وہ واقدی (کذاب) کی پیروی کرتے ہیں۔[۳]

بنابریں امام زفرؒ کے خلاف بھی امام موصوف کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ثانیاً: محدث ناقد حافظ ذہبیؒ نے امام ابن سعدؒ کی جرح کو امام الجرح والتعدیل حافظ یحییٰ بن معینؒ کی توثیق کے مقابلے میں کالعدم قرار دیا ہے، چنانچہ موصوف امام ابن سعدؒ کی مذکورہ جرح نقل کرنے کے بعد اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قلتُ: قد حکم لهٗ امام الصنعة بانه ثقة مامون.[۴]

میں (حافظ ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ امام زفرؒ کے بارے میں امام فن (یعنی یحییٰ بن معینؒ) نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ آپ ثقہ اور مامون (قابل اعتماد) ہیں۔

یعنی ان کی توثیق کے مقابلے میں ابن سعدؒ کی جرح کچھ وقعت نہیں رکھتی۔

حافظ عقیلیؒ اور حافظ ازدیؒ کی جرح کا جواب:

ان دونوں حضرات نے امام زفرؒ کو اپنی ''کتاب الضعفاء'' میں ذکر کیا ہے۔[۵]

جواب: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) ان دونوں کی اس جرح کا رد کرتے ہوئے ارقام

---

۱. توضیح الکلام (۱/۳۳)

۲. ایضاً

۳. الکواکب الدریہ (ص ۲۱)

۴. سیَر اعلام النبلاء (۸/ ۳۸)

۵. الایثار مع کتاب الآثار (ص ۲۲۳)

فرماتے ہیں:

وذکرہ ابوجعفر العقیلی وابوالفتح الازدی فی الضعفاء من اجل قول ابی موسیٰ محمد بن المثنی: لم اسمع عبدالرحمن بن مهدی یحدث عنه شیئا، وهذا لایقتضی تضعیفا۔[1]

امام زفرؒ کو ابوجعفر عقیلیؒ اور ابوالفتح ازدیؒ نے ''ضعفاء'' میں ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ کے اس قول کی وجہ سے ذکر کیا ہے کہ میں نے امام عبدالرحمان بن مہدیؒ کو امام زفرؒ سے کچھ بھی روایت کرتے ہوئے نہیں سنا، لیکن یہ چیز امام زفرؒ کو ضعیف قرار دینے کی موجب نہیں بن سکتی۔

مولانا ارشادالحق اثریؒ غیر مقلد نے بھی ایسی جرح کو کالعدم قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

کسی بھی محدث کا کسی راوی سے حدیث نہ لینا اس کے ضعف کا موجب نہیں۔ حافظ ذہبیؒ، علی بن صالح بن حیؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن مثنیٰ (یہ وہی شخص ہے۔ جس کے قول کی وجہ سے عقیلیؒ اور ازدیؒ نے امام زفرؒ کو ضعفاء میں ذکر کردیا ہے۔ ناقل) کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن مہدیؒ کو علی سے کچھ روایت کرتے نہیں سنا۔ میں (یعنی ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ یہ لازم قدح (جرح) پر دلالت نہیں کرتا۔[2]

نیز باقرار غیر مقلدین حافظ عقیلیؒ کی جرح ان کے تعنت وتشدد کی وجہ سے، اور حافظ ازدیؒ کی جرح ان کے ذاتی ضعف کی وجہ سے مردود ہے، چنانچہ شیخ عبدالرحمان المعلمیؒ اور مولانا نذیر احمد رحمانیؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے حافظ عقیلیؒ کو جرح میں متعنت قرار دے کر ان کی جرح کو مردود قرار دیا ہے۔[3]

اسی طرح شیخ معلمیؒ، حافظ ازدیؒ کی جرح کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالازدی نفسه متهم.[4]

---

۱. ایضاً

۲. توضیح الکلام (۱/۵۴۹)

۳۔ التنکیل (۱/۴۶۵)؛ انوار المصابیح (ص۱۱۲)

۴. التنکیل (۱/......)

کہ ازدیؒ ذاتی طور پر متہم ہے۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی ان کی جرح کو ان کے ذاتی ضعف کی وجہ سے کالعدم قرار دیا ہے۔[1]

الحاصل خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی ان تینوں جارحین کی جرح غیر معتبر ہے، اس کے بالمقابل محدثین اور ائمہ رجال سے امام زفرؒ کی توثیق ہی معتبر ہے۔

وهذا آخر ما اوردته، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم. وتب علينا انک انت التواب الرحيم. وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقهٖ محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين.

ظہور احمد الحسینی

بروز سوموار یکم ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۲۰۰۷ء

بمقام: **جیلنگھم برطانیہ**

ابوالحسن معاویہ سلفی

---

۱. تحفۃ الاقویاء (ص ۱۱۲)

قارئین سے التماس

یہ کتاب ہمارے دوست جناب الحاج محمد ظہور ڈار صاحب کے مالی تعاون سے شائع ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر نصیب فرمائے۔ آمین۔

قارئین سے التماس ہے کہ وہ ہمارے محترم ڈار صاحب کے والدین اور اُن کے تمام مرحومین کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا فرمائیں۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء.